سلسلہ دائرۃ الادب

اتشِ گلِ بتر

۱۳۵۱ھ

موسوم بہ

ریاضِ رضوان

جامع

خمریاتِ ریاض

حسب ایمائے

جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز
(برادر خورد حضرت ریاض)

باہتمامے

تلمذ حسین

از حسن سعی کارپردازان
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن
بزیور طبع آراستہ گردید
۱۳۵۵ھ - ۱۹۳۶ء

سلسلہ دائرۃ الادب

آتش گل تر

۱۳۵۱ھ

موسوم بہ

ریاض رضوان

جامع

خمریاتِ ریاض

حسب ایمائے

جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز

(برادر خورد حضرت ریاض)

باعتنائے

تلمذ حسین

ازحسن سعی کارپردازان

اعظم سٹیم پریس حیدرآباد دکن

بزیور طبع آراستہ گردید

سنہ ۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء

جملہ صفحات (۲۰۸)

۷۸۶

خلاصۃ المطالب

ریاضِ رضوان

ضمیمہ



۷۸۶

پیشکش

بحضور فیض گنجور

عالیجناب خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خان بہادر دام اقبالہٗ

والئے ریاست عالیہ محمود آباد۔ اودھ

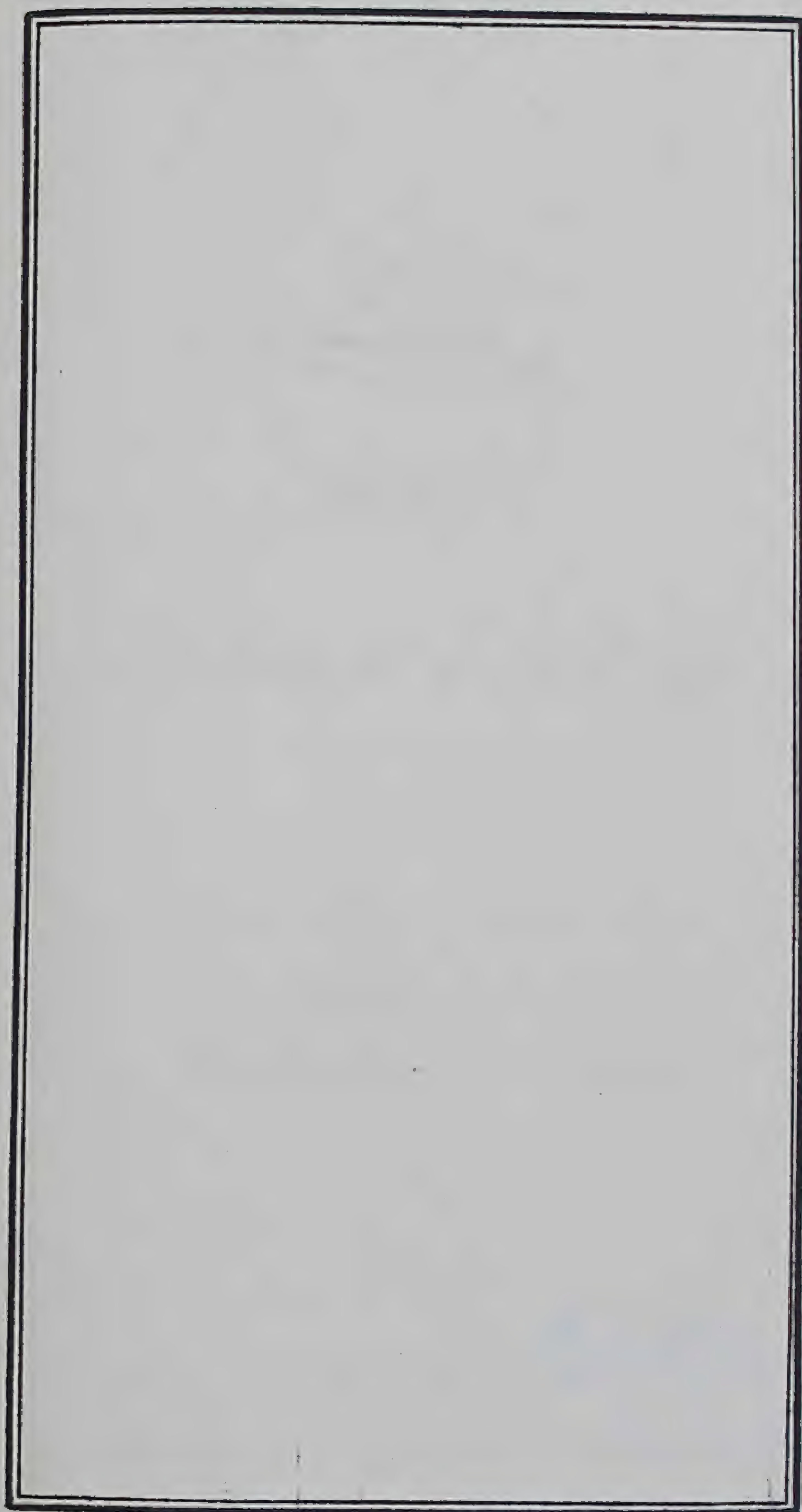
بہم سحر و معجز در آمیختہ
کز ینساں نگارے برانگیختہ

چنیں نازنہ پرور پری پیکرے
سپردم بہ ہمچوں تو نیک اخترے

بشرطے کز آن چوں شوی بادہ نوش
فراموشیت ناید از میفروش

گزارندہ

سید نیاز احمد نیاز



قدر افزائی

از

ہز اکسلنسی راجایان راجہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر دام اقبالہٗ

یمین السلطنت

المتخلص بہ

شاد

ریاض احمد ریاض خیرآبادی ہندوستان کے مشہور شعرا میں تھے۔ یہ امیر مینائیؒ کے شاگرد تھے اور اپنے استاد سے خاص عقیدت رکھتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جابجا کیا ہے۔ ایک جگہ فخریہ کہا ہے

مستِ میناہوں پیا ہے میں نے جام امیر احمدِ مینائیؔ کا

ان کا کلام ابتدا میں پنڈت رتن ناتھ سرشار (صاحبِ فسانۂ آزاد) کے ذریعے سے مجھ تک پہونچا تھا جو اپنی آخرِ عمر میں عرصہ تک میرے یہاں رہے۔ اسے تقریباً پینتالیس ۴۵ سال ہوئے۔ سرشار شاعری میں ریاض کے

برادرِ خواجہ تاش بھی تھے اور کلامِ ریاض کے دلدادہ بھی۔ ریاض کو مجھ سے خلوص تھا اور کبھی کبھی اُن کا خط بھی آتا تھا۔ ریاض الاخبار بھی عرصہ تک میرے پاس آتا رہا جس کو ریاض گورکھپور سے شائع کرتے تھے۔ اس اخبار میں اُن کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں اور دو۲ رسالے فتنہ اور عطرِ فتنہ بھی ریاض کے اہتمام سے بہت ہی مختصر تقطیع پر نکلتے تھے جن میں کلامِ ریاض کے علاوہ اور شعرا کا منتخب کلام ہوتا تھا۔ ان کے یہ دونوں چھوٹے رسالے سلیم مذاق رکھنے والوں میں خاصے مقبول تھے اور اُن کے دیکھنے سے ریاض کی ذہانت و خوش مذاقی کا اندازہ ہوسکتا تھا۔ ریاض بھی اس ذرا سے فتنے کی مقبولیت سے واقف تھے چنانچہ کہا ہے ؎

فتنے کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

دیوانِ ریاض کے متعلق مدت سے سنا جاتا تھا کہ طبع ہونے والا ہے لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان کی زندگی میں اس کے طبع نہ ہوسکنے کے کیا اسباب ہوئے اب قاضی تلمذ حسین صاحب نے جو ایک قابل اور خوش صفات آدمی ہیں اس بلدۂ فرخندہ بنیاد میں کلامِ ریاض طبع کرایا ہے۔ اس میں علاوہ غزلوں کے قطعات اور تاریخیں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جو مطبوعہ حصہ پیشِ نظر ہے اس کو جستہ جستہ دیکھا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ ریاض بڑے خوشگو اور مشاق شاعر تھے۔ طبیعت خوب راہ دینے والی پائی تھی۔ خود بھی کہا ہے ؎

واہ کیا رنگ ہے کیا خوب طبیعت ہے ریاض ہو زمیں کوئی تمہیں پھولتے پھلتے دیکھا

یوں تو ہر شاعر تعلی کے شعر بھی کہتا ہے لیکن ریاض کے کلام کو دیکھنے والے

اس امر کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ ریاض کے ایسے اشعار محض شاعرانہ تعلی پر مبنی نہیں ہیں۔ زبان کی چاشنی کے ساتھ اندازِ بیان کی بے تکلفی کے بکثرت نمونے اُن کے کلام میں ملتے ہیں ؎

ہم نے بھی ریاض آپ کے اشعار سُنے ہیں　　　یہ لطفِ بیاں لطفِ زباں ہو نہیں سکتا

یہ شعر بے تکلفانہ اندازِ بیان کے اچھے نمونے ہیں ؎

اپنی نگاہِ ناز سے برہم ہیں آپ کیوں　　　کہیئے تو کیا ہوا کوئی ناوک خطا ہوا

مجکو تم کو غیر نے رسوا کیا　　　کہہ بھی دو اچھا کیا اچھا کیا

کیوں قفس سے ہاتھ میں صیاد پھر مجھ کو لیا　　　تیرے صدقے کیا کترنے سے کوئی پر رہ گیا

کس بے تکلفی اور خوبی کے ساتھ معشوق سے درخواست کی ہے ؎

لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں　　　جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں

زبان کے بے تکلف استعمال کا یہ شعر عمدہ نمونہ ہے ؎

مزے لُوٹو کلیم اب بن پڑی ہے　　　بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

ریاض پر شباب کا رنگ ہمیشہ چھایا رہا۔ بڑھاپے میں بھی شباب کی باتیں کرتے گزری اور شاید اسی وجہ سے خود اپنے ہی قول کے مطابق وہ اکثر رونقِ محفل بنے رہے ؎

وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ　　　تجھے ریاض بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی　　　کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

خمریات اُن کا خاص حصہ ہیں اور اس رنگ میں انہوں نے خوب خوب شعر کہے ہیں۔ کوئی غزل مے و مینا کے ذکر سے خالی نہیں ملتی۔ خمریاتِ ریاض کے

چند جرعے یہ ہیں ؎

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش
سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر
توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہو گا

وہ جا نا مرا رُوٹھ کر میکدے سے
صُراحی کا مجکو وہ آواز دینا

تا صُبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ
برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات

خانقاہوں سے ہی پوشیدہ تعلق جنکا
راستے ایسے گئے ہیں کئی میخانے کو

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہاری شباب کی

یہ سربمہر بوتلیں ہیں جو شراب کی
راتیں ہیں ان میں بند ہماری شباب کی

اسی سلسلے میں جناب شیخ اور واعظ سے بھی چھیڑ ہوتی جاتی ہے ؎

تجھے جانا بھی ہے جنت میں اے واعظ جواں ہو کر
جو آیا ہے تو دیکھے جا ذرا تاثیرِ میخانہ

چھیڑ میں شوخی بھی ضروری ہے ؎

جنابِ شیخ اُلجھتے ہیں کس تعلق سے
یہ دُختِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں

ریاض نے حقائق اور واقعات کا اظہار بھی کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ یہ شعر حقیقت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دُنیا کی بے ثباتی کا کتنا عبرت انگیز خاکہ ہے ؎

ہوئے پست ایسے انکی خاک بھی اُڑتے نہیں دیکھی
یہاں رہنے کو کتنے اس زمیں پر آسمان ہو کر

قفس کے مصائب سہنے کے بعد آزاد ہونے والے کے حالِ زار کا کیسا سچّا نقشہ پیش کیا ہے ؎

کوئی سو بار اُڑے سو بار بیٹھے
قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک

یہ شعر تصوف کا رنگ لئے ہوئے ہے اور جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ سراسر حقیقت پر مبنی ہے ؎

طریقِ عشق کے رہرو کبھی کبھی اب بھی
جنابِ خضر کو رستہ بتانے جاتے ہیں

دلِ گم گشتہ کی یاد آنے پر اس کا ذکر کس یاس سے کیا ہے ؎

اب کیا ملے گا آنسوؤں میں دل نکل گیا
وہ قافلہ بھی تو کئی منزل نکل گیا

مگر جب غمِ یار کا خیال آتا ہے تو دل کی گمشدگی کی چنداں فکر نہیں رہتی۔ غمِ یار زیادہ عزیز ہے ؎

کم بخت دل کی فکر کسے وہ گیا گیا
مجکو تو یہ پڑی ہے غمِ یار کیا ہوا

الغرض ریاض کے دیوان میں عمدہ اشعار کی کمی نہیں ہے۔ چند شعر بطورِ نمونہ لکھے جاتے ہیں اور ان پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے ؎

نشے سی جھکی پڑتی تھیں یونہی تری آنکھیں
چھیڑوں سے مری اور بڑھا بوجھ حیا کا

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑی داتا کا ریاض
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

کوئی تو کوستا ہے اثر کو اٹھا کے ہاتھ
جاتا ہے آج نالۂ دل بچھ رکا ہوا

اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ
پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا

ضرور قصد کیا اُس نے بامِ لیلیٰ کا
بلند آج بہت قیس کا غبار گیا

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا
تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا

دے گیا میں بھی طرح سچ کے کچھ حشر کے دن
وہ بھی کچھ اپنی جفاؤں سے پشیماں نکلا

ہیں لاکھ دستِ حنائی سے اہتمام
جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

ریاض موت ہی اس شرط سے ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

دامن میں پھول لے کے چلی تھی عدو کے گھر　　حسرت پکار اُٹھی کہ ہمارے مزار پر
صُبحِ پیری آنکھ جب اپنی کھلی تو یوں کھلی　　جیسے کوئی چونک اُٹھے خوابِ پریشاں دیکھکر
بڑھی اس دل کی بیتابی یہاں تک　　ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک
بہت ہے جم کو اپنے جام پر ناز　　ذرا لانا مرا ٹوٹا ہوا دل
عنادل میں صبا میں چل گئی تھی　　اُڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں
کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے　　وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں
ہو کلیجا تو کرے غیر ہماری تقلید　　لختِ دل آنکھ میں کچھ آنکھ کے آنسو دل میں
ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں　　گلی میں رہنے والے وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں
تیشہ بر دوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل　　روحِ فرہاد پھرا کرتی ہے کہساروں میں
بیٹھا ہے کوئی گیسوؤں کے بل نکال کے　　عکس آئینے میں آئے ذرا دیکھ بھال کے
یہ اے صیاد رہ رہ کر چمکتی ہے کہاں بجلی　　جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

فقیر شاد یمین السلطنت

۱۶- جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

تقریظ مشتمل بر تاریخ

از

عالیجناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل

المخاطب بہ

نواب فصاحت جنگ بہادر

وہ ریاضِ سخنورِ ذی ہوش ۔۔۔ مست و مستی طراز و مستی کوش
عندلیبِ ریاضِ گویائی ۔۔۔ جرعہ نوشِ شرابِ مینائی
یوسفِ کاروانِ شعر و سخن ۔۔۔ طوطیِ بوستانِ شعر و سخن
شوخیِ طبع جنکی فطرت تھی ۔۔۔ مستیِ عشق جنکی طینت تھی
اُن کا دیوان چھپ کے نکلا ہے ۔۔۔ میکدہ کا جواب گویا ہے
ایک مدت سے لوگ تھے مشتاق ۔۔۔ دیدہ و دل کو انتظار تھا شاق
قاضیِ باکمال۔ فردِ انام ۔۔۔ ہے تلمذ حسین جنکا نام
اُن کی سعیِ بلیغ کا احسان ۔۔۔ ماننا چاہیئے کہ یہ دیوان
چھپ کے پیشِ نگاہ آہی گیا ۔۔۔ اوج پر مثلِ ماہ آہی گیا
حیدرآباد میں ہوا مطبوع ۔۔۔ کوکبِ بخت کا جہاں ہی طلوع

خاک جس کی ہے کیمیا تاثیر
ذرہ ذرہ خزینۂ اکسیر

مژدہ مستانِ جامِ معنیٰ کو
مے پرستانِ رنگِ مینا کو

آئیں دیکھیں چھلکتے پیمانے
خوب لوٹیں لٹائیں میخانے

شعرِ مستانہ امتیازِ ریاض
مئے و میخانہ امتیازِ ریاض

خمریاتِ ریاض کے مخمور
ایک دو کیا ہزاروں اہلِ شعور

مستِ مَے کر دیا جہاں بھر کو
خود لگایا نہ منھ سے ساغر کو

ہر غزل ایک میکدہ بردوش
جس کا ایمایہ ہے بیا و بنوش

اس جگہ چاہیے رقم ہو جلیل
کوئی تاریخ بھی بطرزِ جمیل

سال لکھ کر بڑھا دو نامِ ریاض
کیف افزا ہے کیا کلامِ ریاض
۱۳۵۷ھ

پیش لفظ

از

عالیجناب مفتی لطیف احمد صاحب اختر مینائی

المخاطب بہ

نواب اختر یار جنگ بہادر

ہندوستان کے شعرا میں ریاض کا نام ایسی شہرت رکھتا ہے کہ تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ حضرت والد ماجد امیر مینائی رح کے ممتاز اور نامور تلامذہ میں تھے طبیعت خاص رنگ کی پائی تھی۔ شوخ طبعی اور رندانہ مضمون اُن کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے اُن کے ابتدائی اشعار میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

شرما ؤ ریاض میکشی سے　　　لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی

ان کا اصلی وطن خیر آباد ہے جو مضافاتِ لکھنؤ میں ہے۔ زیادہ تر قیام ان کا لکھنؤ میں رہتا تھا۔ ابتدا میں ریاض مرحوم نے حضرت اسیر سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کے شاگرد ہوئے۔ اُن کو اپنے اُستاد سے خاص عقیدت تھی اور وہ بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔

ریاض، شرر (مولوی عبد الحلیم) اور سرشار (پنڈت رتن ناتھ) ساتھ ہی شاگرد ہوئے تھے اور ان میں باہم ایسی رفاقت تھی کہ اکثر ساتھ رہتے تھے۔

ریاض کی شاعری چونکہ بلند اور زور کی تھی اُن کے یہ دونوں رفیق شاعری میں اُن کا ساتھ نہ دے سکے، نثر نگاری کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس میں دونوں نے بڑا نام پیدا کیا۔

ریاض نے گورکھپور میں قیام کیا اور وہاں سے ریاض الاخبار نکالا جس میں وقتاً فوقتاً اُن کا کلام بھی طبع ہوتا تھا۔ اس اخبار کی وجہ سے ریاض کی شُہرت میں چار چاند لگ گئے۔ ریاض کی نثر بھی اُن کی شاعری سے کچھ کم دلکش نہ تھی۔ کئی ناول لکھے اور اخبار کے ساتھ شائع کئے۔ نظارہ، حرم سرا، تصویر اُنھیں کی شاخ قلم کی گلکاریاں ہیں اس کے ساتھ ہی شاعری کا سلسلہ بھی برابر قائم رہا۔ ریاض کی اچھی خاصی شُہرت ہو چکی تھی اور ان کا کلام خاص رتبہ حاصل کر چکا تھا لیکن پھر بھی وہ بغیر اُستاد کو دکھائے اپنا کلام شائع نہ کرتے تھے اور جب تک حضرت امیر بقیدِ حیات رہے پابندی سے اپنا کلام بغرض اصلاح بھیجتے رہے۔ میں نے حضرتِ والد ماجدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ "ریاض اصلاح کے قدرداں ہیں لہذا اُن کا کلام بہت توجہ سے دیکھنے کو جی چاہتا ہے"

ریاض کی طبیعت میں رنگینی اور شوخی کے ساتھ لااُبالی پن بھی تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ بڑے مستغنی المزاج تھے اپنے کلام کو جمع کرنیکا کبھی خیال نہیں کیا اور لوگوں کو بہت سے شعر اور غزلیں کہہ کر دیدینے میں کبھی بُخل نہیں کرتے تھے۔ جب لوگوں نے دیوان طبع کرانے کے لئے تقاضا کیا تو اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا اُن کا کلام اخباروں، رسالوں اور احباب کی بیاضوں میں جا بجا منتشر تھا۔ اُن کے احباب اُن کی شاعری کے بے حد گرویدہ اور قدردان تھے۔ ان لوگوں نے بڑی کوشش سے پراگندہ کلام جمع کر کے دیوان کی صورت قائم کر دی اور اُس کو چھپوانے پر آمادہ اور مُصر رہے لیکن اتفاق کہنا چاہئے کہ ریاض کی زندگی میں دیوان طبع نہ ہو سکا

ان کے بعد بعض احباب متوجہ ہوئے اور اس کی طباعت کا آغاز بھی کیا مگر کام نہ چل سکا۔ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب رکن دار الترجمہ سرکار آصفیہ نے جو ریاض مرحوم کے محبِ صادق اور کلام ریاض کے شیدائی ہیں بڑی ہمت کی کہ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور الحمد للہ کہ اُن کی سعی سے حیدر آباد دکن میں دیوان ریاض مکمل طور سے طبع ہو گیا۔ قاضی صاحب کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ریاض کا کلام بہت کثیر اور دیوان ضخیم ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس میں بہت سے نایاب جواہر ہیں خصوصاً خمریاتِ ریاض اور یہ خاص گویائی ریاض کا حصہ سمجھی جاتی ہے۔ آئے جاتے ہیں، سجھائے جاتے ہیں کی طرح میں شعرا نے بہت طبع آزمائی کی ہے مگر ریاض کے اس شعر نے ایک کیف جداگانہ پیدا کر دیا ہے ؎

کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہاریں
بادل کے ٹکڑے سر پہ مرے چھائے جاتے ہیں

شوخی کے ساتھ نازک خیالی اور جدت بھی اُن کے کلام میں ہے ؎

رخِ پُر نور میں جگہ تھی کہاں
رکھنے والے کو دیکھیے تِل کے

یہ تشبیہ کس قدر پیاری اور نازک ہے ؎

آگیا ہے دمِ فریاد کلیجا مُنہ کو
پنکھڑی پھول کی منقارِ عنادل میں نہیں

ایک غزل کے یہ دو شعر کیسے لطیف اور برجستہ ہیں ؎

جوش مے اور سبزہ زاروں میں گھٹا چھائی ہوئی
بات ایسی ہے کہ توبہ بھی ہے للچائی ہوئی

ہائے کیا جھٹ پٹ قفس میں بال و پر پیدا کیے
جب سُنا ہم نے کہ جاتی ہے بہار آئی ہوئی

یہ رندانہ شعر ہزار شعروں کے برابر ہے ؎

اک ہمیں ہیں کہ بہک جاتے ہیں توبہ کی طرف
ورنہ رندوں میں بُرا چال چلن کس کا ہے

ایک غزل کے یہ دو شعر بھی قابل دید ہیں۔

کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اُڑانے کے سوا | مُنہ نہ کھلوا مرا اے بادِ صبا رہنے دے
خُم مے لے کے نہ اُڑ جائیگا اے پیرِ مغاں | ابرِ رحمت جو جُھکا ہے تو جُھکا رہنے دے

یہ مصرع جب دکن سے پہنچا۔ ع۔ یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے۔ تو ریاض نے خفیف سے تصرف کے ساتھ مصرع لگایا اور عجیب مضمون پیدا کیا ؎

رہے سینہ تنا لنگر سے اس کے | یہ چوٹی اس لئے پیچھے پڑی ہے

اسی زمین کا ایک اور شعر بھی قابل داد ہے ؎

میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں | ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

ان کے یہاں ہر زمین میں دو چار شعر ضرور رندانہ رنگ کے ہیں اور اُن میں یہ عجیب وصف تھا کہ کیسی ہی نامناسب اور خشک زمین کیوں نہ ہو وہ رندی اور مے و مینا کے شگفتہ مضامین اس میں پیدا کر لیتے تھے۔

مجکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں | ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا تو لا

یہ اشعار کس قدر بلند ہیں ؎

بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی | کہ ڈھونڈتا ہوں مگر آشیاں نہیں ملتا
عالمِ ہُو میں اک آواز سی آجاتی ہے | چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانا دل کا
نشیمن میں گزرے کئی موسمِ گل | قفس میں جو ٹوٹے تھے وہ پر نہ نکلے
یہی چراغِ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول | اب اُن کے نقشِ قدم بھی سر مزار نہیں
چمن میں ہم آئے جو چھٹکر قفس سے | مہینوں نشیمن سے باہر نہ نکلے

شیخ و واعظ سے چھیڑ بھی بڑے مزے کی ہوتی ہے ؎

جناب شیخ نے جب پی تو مُنہ بنا کے کہا　　مزا بھی تلخ ہے کچھ بُو بھی خوشگوار نہیں

ریاض کے کلام میں بعض تشبیہیں بہت اچھوتی ملتی ہیں ؎

نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں　　شاخوں میں جیسے مُنہ بندھی کلیاں گلاب کی

غرض کہاں تک لکھا جائے اُن کا دیوان تو ایک باغ ہے گلہائے رنگارنگ کا' اور ایک مرقع ہے عمدہ تصاویر کا۔ امید ہے کہ مُلک کے قدرداں اصحاب اُن کے دیوان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

ریاض مرحوم نہایت پاک نفس اور دریادل انسان تھے۔ ان کی پاکیزہ نفسی اور استغنا کے بہت سے واقعات میرے علم میں ہیں۔ پُرگو بلا کے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان کو ایک ہی طرح میں کئی کئی غزلیں کہنی پڑیں۔ ایک غزل کہی جس نے اُس کی تعریف کی اُس کو دیدی۔ اپنے لئے دوسری کہی وہ بھی کسی نے مانگ لی لیکن کیا مجال جو اُن کے تیور پر ذرا بھی میل آیا ہو۔ ہمیشہ یہی کہکر ٹال دیا کہ "اونھ کیا ہے اور کہہ لیں گے" ہم لوگوں سے اُن کو جو تعلق تھا وہ عزیزوں سے بڑھ کر حقیقی بھائیوں کا سا تھا اور اب تو حقیقی بھائیوں میں بھی ایسی محبت کم ہوتی ہے۔ اُن کی رحلت سے محبت و خلوص کا ایک مجسم پیکر اُٹھ گیا۔ وہ ہر ایک سے صاف دلی اور خلوص سے ملتے تھے۔ ان کی شرافتِ نفس ہمیشہ اس کی مقتضی رہی کہ جن لوگوں نے ان سے بے وفائی کی' اُن کو نقصان پہونچایا' اُن کی قابلیتوں اور اُن کے نام سے فائدہ اُٹھایا۔ ریاض نے ان کے نامناسب عمل سے ہمیشہ چشم پوشی کی اور اپنا قلم ہمیشہ اُن کی فرمائشوں کی تعمیل کے لئے رواں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے پاک نفس اور سچے مسلمان تھے۔ اُن کا

رندانہ رنگ اُن کی شاعری ہی کی حد تک تھا۔ ع

جو رنگ قال میں دیکھا وہ اُن کا حال نہ تھا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُس دنیا میں بھی اُن کے درجے بلند کرے۔ فقط

۸- جولائی ۱۹۳۸ء



۷۸۶

حامداً و مصلیاً

تقریب

از

تلمذ حسین

اہلِ دکن کا دعوےٰ ہے کہ اُردو کی ابتدا دکن سے ہوئی اس کے لسانی و تاریخی شواہد جو کچھ بھی ہوں مگر اس کی ایک حکمیاتی شہادت کل شئٍ راجع الیٰ اصلہ سے بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ ولی دکن سے دہلی گئے۔ اُردو شاعری کی ابتدا ہوئی۔ نوابانِ اودھ کی مقناطیس زرین نے دہلی کے نامی شعرا کو لکھنؤ میں کھینچ لیا۔ دہلی اور لکھنؤ اُردو کے دو مرکز بن گئے۔ ۱۸۵۶ء میں شاہیٔ اودھ کا چراغ گل ہوا اور ۱۸۵۸ء میں قلعہ معلےٰ میں اُلو بولنے لگے۔ بعد چندے خلد آشیاں نواب کلب علی خاں نے بزمِ سخن کو رونق تازہ بخشی۔ دہلی سے داغ اور لکھنؤ سے امیر رامپور پہنچکر زینتِ بزم بنے۔ اس گلشن پر بھی خزاں آئی۔ داغ نے دکن کا رُخ کیا اور یہیں کے ہو رہے۔ قضائے لاتدری نفس بای ارضٍ تموت امیر مینائیؒ کو بھی کشاں کشاں یہاں لائی۔ اختر و جلیل دو نیّر تاباں جلو میں تھے

سرزمینِ دکن نے ان دونوں کے پاؤں پکڑ لئے۔ بالائی ہند میں قدیم طرزِ شاعری کا علم بلند رکھنے کے لئے صرف ریاض رہ گئے۔ شاعر کا حاصل زندگی اس کا کلام ہوتا ہے سو وہ آج دکن سے شائع ہو رہا ہے۔ چند نفوس قدسیہ باقی رہ گئے ہیں۔ خدا انہیں تادیر سلامت رکھے۔ ان کا کچھ بقیہ نقبیہ شائع ہوا تو ہوا ورنہ اسی دیوان پر قدیم طرزِ شاعری کا خاتمہ ہے۔ زبان کی صحت، محاورے کی درستی، الفاظ کی بندش، معانی کی بلندی، خیال کی نزاکت، اور سب سے بڑھکر شاگردی و اُستادی کا سلسلہ یہ سب زمانۂ گذشتہ کی باتیں ہو جائینگی۔ اب اباحت ہے اور آزادہ روی۔ خوش مذاق اور بدمذاق ہر گروہ میں ہوتے ہیں، اخبارات و رسائل بھی اس سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ ان اخباروں اور رسالوں کو کلامِ غیر نثر کی بھی ضرورت رہا کرتی ہے جس کسی نے کوئی ایسا کلام بھیجا یا جو سطریں دو ٹکڑے کر کے لکھا جائے، اسے باضافت "شاعر" کوئی خطاب عطا ہو گیا اور اگر وہ خود کسی رسالہ کا اڈیٹر ہے تو خطاب کے ساتھ کچھ القاب کا بھی اضافہ کر لیا، شاعری کا حق ادا ہو گیا، ہرمز کی روح وجد میں آگئی۔ دیوان ریاض کے حصۂ دوم میں ایک معتدبہ حصہ ایسے کلام کا موجود ہے جو آجکل موضوع شاعری قرار دیا جاتا ہے اور اس میں وہ تمام لوازم و شرائط پائے جاتے ہیں جو مسلمات شاعری ہیں۔ یہ ایک نمونہ بلکہ ثبوت اس امر کا ہے کہ اُصول صحیحہ کی پابندی کے ساتھ ہی وہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے جس کی آجکل ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

اس دیوان کی طباعت کے مراحل ثلث صدی سے زاید سے درپیش ہیں مگر اس کے روبکار آنے میں ایک نہ ایک وجہ مانع ہوتی رہی کل شیٔ مرھون باوقاتہٖ

حکم ناطق ہے، ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے مگر اسباب و علل کی تحلیل کرنے والوں کیلئے اس سوال کی گنجائش باقی رہجاتی ہے کہ وہ وقت وہی وقت خاص کیوں ہوا جس وقت میں کوئی کام انجام پایا؟ یہ نکتہ شگرف دیوان ریاض کے متعلق بھی پیش ہو سکتا ہے اس کا منطقیانہ، فلسفیانہ، محققانہ و عارفانہ جواب جو کچھ بھی ہو، میرے ذہن کی رسائی وہاں تک نہیں ہے مگر ریاض کا پیالہ پئے ہوں نے اس کا سرخوشانہ جواب یہ دیا ہے کہ قضا و قدر کو معلوم تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب اہل زور کا زور ہوگا، تقدس یائی کی نمایش کے لئے بعض شہر "خشک" کردئے جائینگے اور افتادگان ثریا مقام کے نالہائے فلک شگاف

ویراں شود آں شہر کہ میخانہ ندارد

آسمانوں سے گزر جاینگے، اس وقت دیوان ریاض شائع ہوگا اور صلاے عام ہوگی کہ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است

مئے و میخانہ با مہر و نشان است

اس پر ستزادیہ کہ ابتدائی تجویز کے مطابق دیوان کو نومبر یا دسمبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہوجانا چاہئے تھا مگر جاڑا گرمی گزر کر اشاعت ہوئی تو عین موسمِ برشگال میں اور شکیبی کے استفسار کا جواب ارباب اقتدار کے ذمہ آپڑا۔

نمی گویم کہ مے خوردن حلال است   چہ میگوئی نسترؔ؟ برشگال است!

[واقعاً یہ خم شکنی کوئی سودا نو نہیں ہے۔ ابھی چند ہی برس گزرے کہ امریکہ نے اپنا سارا ملک "خشک" کردیا تھا بلکہ مشرق و مغرب میں سمندروں کو بھی

تین تین میل تک "خشک" بنا دیا تھا مگر پھر سب "تر" ہو گئے اور حقیقت کھل گئی کہ ؎

در آں توبہ اُمید بہبود نیست
کہ چوں لعلِ ساقی مے آلود نیست

زمانۂ ماسبق میں بھی یہ صورت بارہا پیش آچکی ہے۔ امیر مبارز الدین محمد بن مظفر (۷۱۳ھ/۱۳۱۴ء - ۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء) نے اپنی مملکت کے اندر تمام میخانے بند کر دیے تھے، ظریفوں نے اس کا نام "محتسب" رکھا تھا۔ خود امیر کے فرزند شاہ شجاع نے ابراد کہا:-

رنداں ہمہ ترکِ مے پرستی کردند
جز "محتسبِ شہر" کہ بے مے مست است[ؑ]

اس وقت کے خشک مغز مستانِ مئے حکومت کا حال بھی بس کچھ ایسا ہی ہے ؎

از حسد امروز پنڈت منع ما از بادہ کرد
ورنہ کہ آں نامسلمان راغمِ فردائے ماست

مراحل طباعت کی طرح دیوان کے نام کا مسئلہ بھی بہت دنوں زیر بحث رہا۔ اپنی جگہ یہ بھی ایک نادر و بدیع مرحلہ ہے، حضرت مرحوم کی زندگی کا بیشتر

ؑ۔ یہ شعر حافظ کے دیوان میں موجود ہے مگر بعض تاریخوں میں شاہ شجاع کے نام سے بھی منقول ہے۔ شاہ شجاع (۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء - ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) علمی قابلیت اور اوصاف فرمانروائی میں اپنے زمانہ میں فرد تھا، اس میں ملکِ شاعری بہت اچھا تھا، اس کے اشعار بکثرت تاریخوں میں پائے جاتے ہیں، حافظ نے بھی اپنی طور پر مبارز الدین پر چوٹ کی ہے ؎

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است
بہ بانگِ چنگ مخور مے کہ "محتسب" تیز است

حصہ گورکھپور میں گزرا اور گورکھپور کے تمام ہندو مسلمان شرفا سے ان کے گہرے تعلقات رہے مگر جو اختصاص مولانا سبحان اللہ صاحب کے ساتھ رہا وہ شاید کسی دوسرے کے ساتھ نہیں رہا۔ مولانا نے بھی حضرت مرحوم کے کلام کی جیسی کچھ قدر کی اس کی مثال روایات تاریخی میں تو مل سکتی ہے مگر اس دور ناشناسئے سخن میں اس کی نظیر کا ملنا دشوار ہے، حضرت مرحوم نے اپنا دیوان نذر فرزند مولانا کر کے اس کا عوض ایسا کر دیا کہ شاید پلہ حضرت مرحوم ہی کی جانب جھکا رہے۔ میخانہ، میکدہ، خمخانہ اس طرح کے بہت سے نام تجویز ہوئے مگر حضرت مرحوم نے آخری و قطعی فیصلہ یہ فرمایا کہ دیوان کا نام "ریاض رضواں" ہوگا۔ تاریخی نام "آتش گل تر" قرار پایا اور حصہ اول (غزلیات) "آتش تر" اور حصہ دوم (دیگر اصناف سخن) "آتش گل" کے ناموں سے موسوم ہوئے اور مجموعۂ "خمریات ریاض" کا اتصاف بھی لازمی سمجھا گیا۔ سرورق پر یہ تینوں نام ایک ترتیب خاص سے آگئے ہیں۔

حضرت مرحوم نے تسمیہ دیوان کے متعلق مولوی رضوان اللہ صاحب کو جو خط لکھا تھا اس کی عکسی نقل ممدوح کے حسب خواہش آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔ اس سے حضرت مرحوم کے احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولوی رضوان اللہ صاحب نے اپنی جگہ پر دیوان کی تسوید تبییض اور انصرام مہم طباعت میں جو کاوشیں کیں انہیں کا نتیجہ ہے کہ دیوان اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے کہنا چاہئے کہ

جواں کردی زلیخائے سخن را — گر یوسف توی این انجمن را

انتساب دیوان کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ خود حضرت مرحوم کے

منشاء کی تعمیل ہے۔ والیان ریاست محمود آباد کے ساتھ حضرت مرحوم کا تعلق قدیم ہے۔ سعید الملک راجہ سر امیر حسن خاں بہادر ممتاز جنگ المتخلص بہ سحر کے طبع دیوان کی تقریظ صہ ۵۵۶-۵۵۷ پر موجود ہے۔ مہاراجہ سر محمد علی خاں بہادر کے محامد اوصاف میں دیوان کے حصہ دوم کا تقریباً ایک ثلث وقف ہے۔ موجودہ والئے محمود آباد (خان بہادر راجہ امیر احمد خان بہادر دام اقبالہٗ) کے جملہ تقریبات کے لئے دیوان کا حصہ دوم ایک تاریخ ہے۔ دوسری طرف

پدر بر پدر کارساز آمدہ   بخلق از خدا سرفراز آمدہ

اس خاندان عالی مقام نے تین پشتوں سے حضرت مرحوم کی جو قدردانی کی وہ مستغنی عن التوصیف و ممتنع عن التشہیر ہے حق یہ ہے کہ ایک حد تک اسی قدردانی کا اثر تھا جس نے حضرت مرحوم کے استغنائے طبعی میں ایک خاص استقامت پیدا کر دیا تھا۔ اندریں صورت دیوان کا انتساب اس سے زیادہ موزوں شخصیت کے ساتھ ہونا ممکن نہ تھا۔

دیوان کے شائع ہونے کے بعد اس کا جیسا کچھ خیر مقدم کیا جائے گا قیاساً اس کا تصور مرکوز فی الذہن ہے اور واقعاً اس کا ظہور وقت پر ہوگا مگر بحمد اللہ اس دیوان کو اشاعت کے قبل ہی وہ امتیاز حاصل ہو گیا جو کم کسی دیوان کو حاصل ہوا ہوگا اور جس نے اسے تمام دیگر تمجید و تبجیل سے مستغنی کر دیا۔

ہندوستان کو ایک امیر درویش گزیں اور درویش صلابت نشیں کی ذات ستودہ صفات پر فخر و ناز ہے یہ ذات ہز اکسلنسی راجایان راجہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت دام اقبالہٗ کی ذات جامع الکمالات ہے۔ انکسار کا یہ عالم ہے کہ

دستخط ہوتے ہیں "فقیر شاد"۔ اس فقرہ پہ ہزار امارتیں قربان ہیں، اہلِ علم کی سرپرستی شیوۂ خاص ہے اور شعرا و ادبا کی قدردانی شعار مخصوص۔

پشتِ معنی قوی ز پہلویش

خامہ را فربہی ز بازویش

کیونکر ممکن تھا کہ ایسے محسن شعر و سخن کی جانب ریاض رجوع نہ ہوتے اور کیونکر جائز ہو سکتا تھا کہ ریاض کا ایسا سخن سنج نظر کیمیا اثر سے متواری رہتا۔ حضرت معز ریاض کے پرانے قدرشناس ہیں اور ریاض قدیم عقیدت مند۔ ریاض کی عقیدت مندی کا ثبوت علاوہ متعدد قطعات کے ان کے کثیر التعداد مقطعے ہیں جن میں "شاد" کا ذکر عجب نیازمندی کے ساتھ ہوا ہے، انطباع دیوان ریاض خاص طور پر خوشنودی مزاج مبارک کا باعث ہوا اور بطور قدر افزائی جو کچھ ارشاد عالی ہوا وہ نہ صرف اس دیوان کے لئے بلکہ اُردو شاعری کے لئے مایۂ صد فخر و مباہات ہے اور رہے گا۔

حضرت جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) جانشین حضرت امیر مینائی ہیں، ملک الشعرای کو ذات گرامی پر ناز ہے شیوۂ خوش بیانی و معانی آفرینی ذات سامی پر ختم ہے:۔

نظمش آبِ حیات را ماند

درروانی فرات را ماند

حضرت ریاض سے جناب ممدوح کے تعلقات بلا اظہار بھی ذہن میں آسکتے ہیں، طبع دیوان ریاض سے دلی مسرت کا ہونا ایک طبعی امر تھا تقریظ

لکھی اور بے نظیر لکھی، دیوان پر مہر قبولیت ثبت فرما دی۔

توثیق کی ضرورت تھی، وہ حضرت اختر مینائی (نواب اختر یار جنگ بہادر) کے پیش لفظ سے پوری ہوگئی۔ نظم و نثر میں جناب ممدوح الشان کا جو پایہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اور کیوں نہ ہو الولد سر لابیہ، حضرت ریاض کے محترم اُستادزادے ہیں، دیوان ریاض کے متعلق اکثر دریافت فرماتے رہتے تھے۔ جب سے طباعت کا آغاز ہوا ہے اس کی رفتار کار کے معلوم ہونے کا غایت شوق سے انتظار فرمایا کرتے تھے۔ نظم میں تقریظ تحریر فرماتے تو یا نظم تقریظ کی حد سے متجاوز ہو جاتی یا خیالات کو روک دینا پڑتا، نثر میں "پیش لفظ" ارقام فرمایا مگر

نثر او نقش بال طاؤس است

اگر دلی جذبات کو اظہار کا پورا موقع دیتے تو "پیش لفظ" بھی اپنی حد سے متجاوز ہو جاتا، اختصار کو کام فرمایا مگر اس اختصار میں وہ سب کچھ آگیا جو آنا چاہیے تھا، خوش قسمت ہے وہ شاعر اور مایہ نازش ہے وہ دیوان جسے ایسا گرانمایہ پیش لفظ نصیب ہو۔

دیوان کا مقدمہ مولانا سید سبحان اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس مقدمے سے حضرت ریاض کے سوانح حیات بھی کسی قدر واضح ہو جاتے ہیں مگر اصل شے اس مقدمے کی خمریاتِ ریاض کے معتدبہ اشعار کی توضیح و تلویح ہے، مولانا ممدوح ریاض کے کلام کے عاشق ہیں جو کچھ لکھا ہے والہانہ انداز سے لکھا ہے اور ایک ایک شعر میں جو نازک معانی پیدا کئے ہیں اور ان معانی کو جس طرح درجہ معرفت تک پہنچایا ہے وہ آپ ہی کے ذہن رسا اور فکر بلند سے

ممکن تھا یقین ہے کہ اہل دل اس سے علیٰ قدر ذوق لطف اندوز ہونگے، لیکن ذرا گستاخی ہوتی ہے، طبائع مختلف ہوتے ہیں ایک گروہ ہے جو آوازِ دولاب پرست ہو جاتا ہے[1] اور ایک دوسرا گروہ ہے جو نغمات سماع سے بھی متاثر نہیں ہوتا، میری طبیعت بھی کچھ ایسی ہی بلید واقع ہوئی ہے، خیام ہوں یا حافظ، غالب ہوں یا ریاض، مجھے کسی کے مے ومیکدے میں نہ عرفاں کی تجلی نظر آتی ہے نہ حقیقت کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، میں اس تمام مے کو وہی مے سمجھتا ہوں جس کی صفت قاآنی نے کی ہے ؎

ساقی بدہ رطل گراں زاں مے کہ دہقاں پرورد — اندہ برد غم بشکرد شادی دہد جاں پرورد
درخم دل پیر مغان، درجام مہر زرفشاں — در دستِ ساقی قوت جاں، رخسار جاناں پرورد

بہر حال، مولانا کی طبع وفا دنے یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ "حافظ کی مے" کی طرح "ریاض کی مے" میں بھی "مئے عرفاں" بن جانے کی قابلیت موجود ہے اور اگر ریاض کے خمریات کے ۳۶۶ اشعروں کی شرح اسی طرح مکمل ہوگئی تو "مئے ریاض" کی حقانیت مسلم ہو جائیگی۔ خدا ہمچنیں کناد۔

مولانا نیاز فتحپوری نے "اعترافات" میں ریاض کی سیرت، ان کی شاعری کی نوعیت اور ان کے کلام پر نقد و نظر سب کو اس اختصار کے ساتھ جمع کر لیا ہے کہ باید و شاید، اسے اگر ریاض کے سوانح حیات اور تبصرہ کلام کا لب لباب کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل ہے، خدا وہ دن لائے کہ حضرت ریاض مرحوم کے سوانح حیات مرتب ہوں اور مولانا کو پوری طرح کھل کر ان کے کلام پر تبصرہ کرنے کا موقع ملے۔ مولانا اگر مجھے معاف فرمائیں تو میں اتنی جسارت

---

[1] گروہے کہ ایزد پرستی کنند — بر آوازِ دولاب مستی کنند

کرتا ہوں کہ حضرت ریاض "الانسان الکامل" کا نمونہ مجسم تھے اور ان کے فرشتہ خصلت ہونے میں ہر کہ شک آرد شیطاں گرود مگر کسی انسان کو ملک مطلق کہنے میں خود شعرائے تعقید پیدا کر دی ہے ؎

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند   قول ما نیز ہمین است کہ از آدم نیست

یہ تمام ملحقات دیوان سے قبل ہیں' آخر میں ایک ضمیمہ ہے اس میں سب سے پہلے حصہ دوم کے جمع و ترتیب کے متعلق اثیم صاحب کی لکھی ہوئی کیفیت ہے' جیسا کہ اثیم صاحب نے ظاہر فرمایا ہے یہ حصہ بہت ہی نامکمل ہے۔ جتنا کلام اس حصہ میں ہے' شاید اس سے زیادہ جمع ہونے سے رہ گیا ہے' ماسوا ازیں اس حصہ میں کوئی خاص ترتیب بھی قائم نہیں رہی ہے' یہ اگرچہ ایک نقص ہے مگر چونکہ خود حضرت مرحوم کی حیات میں اسی طرح جمع ہونا شروع ہو چکا تھا اس لئے پہلے اڈیشن میں رد و بدل مناسب نہ سمجھا گیا' دوسرے اڈیشن میں انشاء اللہ اصناف کلام اور تقدم و تاخر زمان کے اعتبار سے ترتیب ہو جائے گی۔

اس کے بعد خود میری لکھی ہوئی "داستان دیوان ریاض" ہے یہ داستان الناظر (لکھنؤ) کے اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پرچے میں شائع ہوئی تھی اور اسی زمانہ میں خلافت (بمبئی) اور منشور (دہلی) میں بھی درج ہوئی تھی' محترم مکرم سید نیاز احمد صاحب کے حکم مکرر پر میں نے اسے شامل دیوان کر دیا۔ کہیں کہیں میرے بیان اور دوسرے بیانات میں کچھ جزوی اختلافات ہیں مگر داستان دیوان ریاض زلف یار سے کم نہیں ہے' ابھی معلوم نہیں کتنے پیچ و خم نکلیں گے۔

اسی داستان کے شمول کی وجہ سے مجھے مجبور ہونا پڑا کہ مولوی

رضوان اللہ صاحب کی نوشتہ کیفیت کے عنوان "گزارش" کو بدل کر
آخریں مرحلہ طبع دیوان" کردوں اور اس کو اس داستان کے بعد ملحق کردوں
ورنہ اس کیفیت کو ابتدا میں آنا چاہئے تھا' امید ہے کہ موصوف اس تغیر کو جو
ضرورۃً ہوا ہے روا رکھینگے۔ اول بہ آخر نسبتے دارد۔

جو اصحاب دیوان ریاض کے مراحل جمع و ترتیب و طباعت سے آگاہ ہیں
انہیں ان تمام اضافات و ملحقات کے سلسلہ میں ایک نام کی کمی نظر آویگی' یہ
نام مولوی محمد فاروق صاحب ایم۔ اے۔ سی کا ہے۔ حضرت ریاض اور اُن کے
سوانحِ حیات کے متعلق موصوف کے خیالات نہایت وسیع ہیں' دیوان بہت
گرانبار ہو چکا ہے' ممدوح کے خیالات سوانح حیات اور تبصرہ کلام میں نمایاں ہونگے

تبئیض' طباعت و تصحیح وغیرہ کے متعلق بھی چند الفاظ عرض کرنا ضروری
ہیں' حصہ اول (غزلیات) کا بیضہ جناب حاجی جرڈر شاہ صاحب وارثی (سجادہ نشین
خانقاہ حضرت مستقیم شاہ صاحب' فتحپور۔ ضلع بارہ بنکی) نے اپنے دستِ مبارک سے
لکھا' چند غزلیں خود حضرت ریاض مرحوم کے دست خاص کی لکھی ہوئی بھی ہیں اور
جابجا ترمیمیں بھی ہیں' دو تین غزلیں حاشیے پر لکھی ہوئی ہیں جو غالباً اضافہ مابعد ہیں
حصہ دوم اثیم صاحب نے خوش خط و واضح تحریر فرمایا ہے۔ طباعت کا آغاز
۲۱ فروری ۱۹۳۷ء کو گورکھپور میں ہوا۔ ۲۵ اگست ۱۹۳۷ء تک صرف
۲۷ صفحے طبع ہوئے' ممکن تھا کہ آئندہ رفتار ترقی کر جاتی مگر یقینی نہ تھا اس لئے
حیدر آباد میں منتقل کرنا پڑا۔ یہاں مراتب ابتدائی کے طے کرنے میں تقریباً دو ماہ گزر گئے'
اواخر ستمبر سے طباعت شروع ہوئی اور وسط جولائی ۱۹۳۸ء میں ختم ہوئی

گورکھپور میں طباعت آسی پریس میں ہوئی اور حیدر آباد میں اعظم اسٹیم پریس میں اور
قدر قلیل دوسرے دو مطابع میں۔ گورکھپور کے مطبوعہ ۲۷ صفحوں کی کتابت منشی دین محمد صاحب
نے کی اور حیدر آباد میں جملہ کتابت منشی شفیع الدین صاحب نے کی۔ تصحیح بھی مختلف
ہاتھوں سے ہوئی۔ گورکھپور میں جناب حکیم عارف صاحب (مدیر شاہکار) نے
اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود تصحیح کا کام انجام دیا۔ حیدر آباد میں حامد حسن
صاحب صدیقی (سابق مدیر مساوات الہ آباد و حال مقیم حیدر آباد) اور مولوی
صبغۃ اللہ صاحب (مدرس دار العلوم) اور مولوی عبد القیوم صاحب (اہلکار
صدر محاسبی سرکار عالی) نے اس کام کو انجام دیا۔ غلطنامہ حکیم محمد عبد اللطیف صاحب
نے مرتب کیا۔ حکیم صاحب کی صحت نظر کی داد دینا چاہیے، غلطنامہ سے اسقام
پوری طرح رفع ہو گئے۔ سید کا خمخانہ ہے جتنے ہی زیا... ص سیراب ہوں
موجب سعادت ہے۔ ان جملہ اصحاب کی شکر گزاری مجھ... م ہے۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کام میں بہت سی خام... رہگئیں، خاصکر
صحت میں دو خرابیاں رفع نہ ہو سکیں۔ ایک خرابی تو ہمہ گیر ہے اس سے مفر
نہیں یعنی کتاب میں کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور رہجائینگی مگر افسوس یہ ہے کہ چند
غلطیاں ایسی رہگئیں جن سے شعر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ پڑھنے والوں سے یہ توقع کرنا کہ
وہ پوری کتاب کو غلطنامہ کے بموجب درست کر لینگے لاحاصل ہے مگر یہ استدعا
ضرور ہے کہ جس شعر میں تردد ہو اس کو بحوالہ صفحہ وسطر غلطنامہ میں ضرور دیکھ لیں
دوسری خرابی املا کی ہے، سخت حیرانی ہے کہ اس بارے میں کیا کیا جائے، کاتب،
مصحح، سنگساز سب اپنی اپنی جگہ پر یہ چاہتے ہیں کہ کتاب صحیح و درست طبع ہو،

کہیں جگہ منبر کے بجائے ممبر چھپ گیا ہے اور خوبی یہ ہے کہ اصل مسودہ میں بھی یہی ہے"
ماسوا ازیں بعض الفاظ کا املا بدل گیا ہے' مثلاً تجھ سے (تجھسے) مجھ کو (مجکو)
پانوں (پاؤں) وغیرہ وغیرہ حرج کے بجائے ہرج' طیار کے بجائے تیار لکھنا تو
لازمی سا ہو گیا ہے یہ غلط مبحث صرف اسی کتاب میں نہیں ہے بلکہ عام ہے اور
جب تک ہر شخص اپنے کو جہاں اُستاد اور ہر ادارہ اپنے کو حاوی الکل سمجھتا رہے گا
یہ غلط مبحث رفع نہیں ہوگا۔ چونکہ میں طبع دیوان کے متعلق حضرت مرحوم کے بلند
خیالات سے واقف ہوں اس لئے ندامت کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ
دیوان جس ہیئت میں پیش ہے وہ اس ہیئت سے بہت گری ہوئی ہے جس کا نقشہ
حضرت مرحوم کے ذہن میں تھا لیکن ان تمام کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود
اس دیوان کا [illegible] ہو جانا نہ شائع ہونے سے بہتر ہوا' آئندہ اصلاح و ترقی
کے راستے بند [illegible] ہوئے ہیں' خدا جسے توفیق دیگا وہ اسے بہتر صورت میں
شائع کریگا۔

ایک اہم غلطی یہ ہو گئی ہے کہ ص۲۱۲، ۴۷۵، ۴۷۴ پر ایک غزل درج ہو گئی ہے سہ
اے بام یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے — لے بام یار عرش کا تجھ پر گمان ہے
یہ غزل تیرہ شعروں کی ہے' مگر ص۱۴۷، ۲۴۷ پر انیس شعروں کی ایک غزل آچکی ہے
جس میں ۱۲ شعر غزل مابعد کے موجود ہیں۔ اصل مسودہ میں یوں ہی لکھا ہوا تھا' وقت پر
میری نظر نہ پڑی اور مصحح صاحب کو بھی خیال نہ رہا' تکرار واقع ہو گیا۔

ص۱۴۱ کے آخر میں چھ شعروں کی ایک غزل ہے' یہ غزل دراصل اکیس
شعروں کی ہے مگر اس میں کچھ شخصی اشارات ہیں۔ مسودے کے حاشیہ پر ہدایت درج

تھی کہ "یہ غزل محفوظ رہے گی شامل دیوان نہ ہوگی"۔ میں نے اس میں سے چھ شعر جو
عام معانی میں بھتے درج کردئے باقی اشعار کو چھوڑ دیا۔

آخر میں اتنا اضافہ نامناسب نہ ہوگا کہ ملحقات دیوان کی نظم ونثر میں
اس ناچیز کا ذکر آگیا ہے مگر واقعاً میرا جو کچھ کام ہے وہ صرف اتناہی ہے کہ
میں نے "دیوان کو چھپوادیا" ان تین لفظوں کو جس قدر چاہئے تنگ معنی میں
لیجئے اور جس قدر چاہے وسیع معنی قرار دیدیجئے۔ پروفیسر گلکرسٹ نے اپنی
کتاب "اصول علم السیاست" کا پہلا اڈیشن کلکتہ میں طبع کرایا تھا دیباچہ میں لکھا
ہے کہ ہندوستان میں کسی کتاب کے چھپوانے کا مفہوم یہ ہے کہ حروف جوڑنے کے
سوا کل کام صاحب کتاب ہی کو کرنا پڑے۔ پروفیسر صاحب کو ماشہ ماشہ بھر کے
بجتے کے حروف سے کام پڑا اور یہاں سو اسو من کے پتھروں سے سابقہ رہا
حاصل آنکہ ؎

تہنیت گوئید مستاں را کہ سنگِ محتسب
برسرِ من آمد و ایں آفت از مینا گزشت

۲۰۔ جولائی ۱۹۳۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

جناب مولانا سید سبحان اللہ صاحب
(رئیس گورکھپور)

انعامات الٰہی میں یہ بھی ایک بڑا انعام ہے کہ انسان کو اپنے ہی جیسے انسان کے حالات لکھنے پڑیں اور یہ ایسی بات ہے کہ پیغمبروں کے قصے لکھ کے خود قرآن نے اس کی تعلیم دی ہے۔

آج آٹھویں تاریخ اس مہینے کی ہے جس سے بڑا اور متبرک مہینہ مسلمانوں کیلئے کوئی اور نہیں ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کے بیان کے مطابق خالق کل نے معلم کامل بھیجکر ہم انسانوں کی دنیا اور دین دونوں مکمل کر دئے جس ذات کا سراپا تعلیم۔ قولی تعلیم اور اس کے ذریعہ سے جو قانون بھیجا اس کی صداقت بے پناہ اور نہ صرف صداقت بلکہ اس کے آگے انسانی دماغ دنیا وی ارتقا میں سبقت لے ہی نہیں جا سکتا۔ اس ذات کے تشریف لائے ہوئے مہینے میں مجھ سراپا قصور کو یہ سعادت حاصل ہوتی ہے کہ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلےٰ اہل بیتہٖ وسلم کے جگر گوشے کی اولاد کے کچھ حالات لکھنے کا شرف

حاصل ہو رہا ہے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب متخلص بہ ریاض نسباً سید حسینی ہیں انکے آباو اجداد ہندوستان میں آنے سے پہلے ایران میں کرمان شاہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ان کے مورث علاؤالدین غوری کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ علاؤالدین غوری کی فوج میں کوئی عہدہ رکھتے تھے ان کی فوج کیتسر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ وہاں فتح حاصل کرنے کے بعد ان کی فوج کے اشخاص چند ٹکریوں میں بٹ گئے۔ ضلع بارہ بنکی اور سیتاپور کے مختلف مقامات پر آباد کردئے گئے۔

منشی سید ریاض احمد کے اجداد کی ٹولی خیرآباد ضلع سیتاپور میں آکے آباد ہوئی جس میں ایک زمانے تک علما ہوتے رہے اور ان کے ذمے عہدۂ قضا ہوتا رہا۔ علوم وفنون خاندانی چیز تھی بزرگوں کے برابر نہ سہی تو بھی مسلمانوں کے انحطاط کے ساتھ کمی سے سہی مگر قائم تھے۔ سید ریاض احمد صاحب مرحوم ومغفور کے والد انگریزی گورنمنٹ کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ پہلے سید ریاض احمد صاحب مرحوم۔ دوسرے سید نیاز احمد صاحب نیاز حی القائم۔ تیسرے سید فیاض احمد صاحب مرحوم راز تھے۔ تینوں بھائی پولیس میں ملازم ہوئے۔ منشی ریاض احمد صاحب پولیس کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔ دو بھائی آخر عمر تک ملازم رہے۔ سید نیاز احمد صاحب الحمدللہ زندہ اور قائم ہیں۔ بھوپال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی رہ چکے ہیں اور گورنمنٹ برطانیہ کے پنشنر ہیں۔

صاحبزادی کی شادی سید محمد عسکری صاحب وسیم خیر آبادی سے ہوئی جو بہت مشہور شاعر اور اہل فن تھے۔ ان کے شاگرد ان اطراف میں بکثرت موجود ہیں۔

منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض اوائل عمر ہی سے شاعرانہ انداز کے آدمی تھے۔ نثر کے بہترین انشاپرداز تھے اور آخر کار ان کی شہرت کے لئے خدا نے شاعری کو ذریعہ بنا دیا۔ اپنی زندگی کے سب سے بڑے حصہ میں ریاض الاخبار نکالا اور اس کے ایڈیٹر رہے اور آخر میں مالک ہو گئے۔ اخبار نکلنے کے زمانے میں ان کی انشاپردازی کا یہ شہرہ تھا کہ لوگ ریاض الاخبار صرف ان کا ایڈیٹوریل پڑھنے کے لئے خرید اکرتے تھے اور جو لوگ ان کی طرز انشاپردازی سے واقف ہو گئے تھے وہ لوگ ریاض الاخبار کی خبروں کے انتخاب کے ٹکڑوں میں بھی ان کے قلم کی جنبش تلاش کیا کرتے تھے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض دنیا میں اُسی طرح کے انسان تھے جس طرح کہ سب لوگ ہوتے ہیں۔ مگر قدرتی طور پر اُن کا سراپا شاعری بن گیا تھا اور شاعری میں شراب بن گیا تھا۔ شراب ہی نہیں کبھی ساغر۔ کبھی سبو۔ کبھی خُم نظر آتا تھا۔ میں نے گھٹ کر کہا۔ میں نے تو ان کو میخانہ بنے۔ چلتے دیکھا ہے۔ کہیں آپ کو یہ شُبہہ نہ ہو جائے کہ جناب ریاض مرحوم شرابی تھے۔ لاحول ولا قوت الا باللہ۔ ہر جاننے والا اور پورا گورکھپور اور خیرآباد قرآن لیکر دن اور رات کی تمام عمر کی صحبتوں کی بابت قسم کھانے کو تیار ہے کہ ریاض مرحوم نے کبھی ایک بوند بھی شراب لب تک نہ آنے دی۔

حضرت ریاض کی شراب نوشی حافظ شیراز جیسی تھی کہ دیوان حافظ اُٹھا کر ایک طرف تو لسان الغیب والے اپنی خود غرضی سے فالِ نیک طلب فرماتے ہیں اور دوسری طرف اشعار کا مزہ لینے والے حلف لیکر حافظ شیراز کو شرابی کہتے ہیں۔ مجھے اس لکھنے کی ضرورت نہیں تھی مگر مرنے والے کو یوں بھی اچھا کہا جاتا ہے اور عیب لگانے والوں کی اگر رخنہ بندی کر دیجائے تو مرنے والے کا بڑا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

شعر تر میرے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ریاض
پھر بھی سب پوچھتے ہیں آپ نے مے پی کہ نہیں

ریاض الاخبار پہلے خیر آباد سے نکلا اور روزانہ بھی ہوا۔ اور گلکدۂ ریاض اسی پریس سے نکلا پھر ریاض الاخبار گورکھپور میں منتقل ہو گیا۔ اس کے ساتھ فتنہ اور عطر فتنہ بھی نکلے جو اپنے وقت میں بہت محبوب ہوئے اور قد کے اعتبار سے بھی فتنہ تھے۔

ریاض صاحب کی انشا پردازی کے تین دور گزرے ایک جب ریاض الاخبار سے اور اودھ پنچ لکھنو سے جس کے ایڈیٹر ہندوستان کے مشہور لکھنے والوں میں سجاد حسین صاحب مرحوم تھے۔ اُن سے معرکے رہے۔ دوسرا طوطی ہند میرٹھ سے جس کے ایڈیٹر اور لکھنے والے بھی مشہور ادیب تھے۔ اُن سے بھی مدت تک معرکے رہے۔ ان دونوں معرکوں نے سید ریاض احمد صاحب کی انشا پردازی کا سکہ ملک میں بٹھا دیا اور جو خصوصیت ان کی انشا پردازی میں تھی وہ یہ تھی کہ کبھی کسی پر ذاتی حملہ اُنھوں نے نہیں کیا

نہ کبھی عامیانہ اُردو لکھی اور ادبیت کے ایسے ایسے پہلو نمایاں کئے کہ لوگ باوجود اخبار کے ساتویں دن نکلنے کے اس کے مضامین پڑھنے کے لئے ایسے بیتاب ہوتے تھے جیسے آجکل روزانہ خبروں کے لئے بیتابی ہوتی ہے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب نے دو ناول بھی لکھے حرم سرا۔ اور نظّارہ یہ دونوں بھی ان کی انشا پردازی کے معرکتہ الآرا انکڑے ہیں۔ جنہوں نے انہیں دیکھا ہوگا وہ ان کی لذّتوں سے واقف ہونگے۔ بیان میں وہ سب چیزیں نہیں آسکتیں جو لکھنے والے کی تحریر دیکھ کر دماغ میں آسکتی ہیں۔

تعلقات

سید ریاض احمد صاحب کے ذاتی تعلقات چند خاندانوں سے پیدا ہوئے اور آخر عمر تک قائم رہے۔ پہلا سید نیاز احمد صاحب رئیس خیرآباد اور اُن کے بیٹے سید نظام احمد مرحوم جو ان کے رشتہ دار بھی تھے۔ دوسرا عام طور پر گورکھپور کے معزز خاندانوں سے اور بالخصوص میرے اعزا اور خود مجھ سے اور میرے چچا مولوی سید عطاءُ اللہ صاحب مرحوم سے۔ اس تعلق میں خصوصیت یہ تھی کہ سید ریاض احمد صاحب کے والد مرحوم گورکھپور میں سرکار انگریزی کے ملازم تھے۔ سید ریاض احمد صاحب کا بچپن گورکھپور کے شرفا کے لڑکوں کے ساتھ گذرا تھا اور اُن ہی شرفا کے لڑکوں میں مولوی سید عطاءُ اللہ صاحب مرحوم بھی تھے یہ دونوں منشی سید امیر احمد صاحب مینائی علیہ الرحمہ کے شاگرد ہوئے اور ایک ساتھ شاعری شروع کی پھر سید ریاض احمد صاحب گورکھپور ہی میں پولیس کے ملازم ہو گئے۔ ترک

ملازمت کے بعد جب ریاض الاخبار گورکھپور میں آیا تو اُن کا گھر گورکھپور میں ہو گیا۔ بچپن۔ پوری جوانی اور گویا کہ بڑھاپا گورکھپور میں گزرا جسکی بابت اُن کا ایک شعر اُن کے پورے جذبات کے بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

جوانی جن میں کھوئی ہو وہ گلیاں یاد آتی ہیں
بڑی حسرت سے لب پر ذکرِ گورکھپور آتا ہے

میرے ساتھ سید ریاض احمد مرحوم و مغفور کا تعلق مختلف عنوانات سے رہا۔ کبھی میں مالک روزانہ صُلحِ کُل تھا اور سب سے بڑا تعلق یہ تھا کہ مجھکو ایک چچا اور ایک دوست یکجا ایسا ملا جس کا نام منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض مرحوم تھا۔ وہ جب سب مجھے اپنا کوئی شعر سناتے تھے تو وہ اور میں ایک طرح سے بیتاب ہوتے تھے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ تین تین دن تک ایک ہی شعر نے دونوں کو بیتاب رکھا ہے۔ اپنے اور سید ریاض احمد صاحب کے تعلق اور شاعری کے متعلق دونوں کے بیان کرنے میں مجھے تو ضرور لذت آئیگی لیکن پڑھنے والوں کے لئے کوئی زیادہ دلچسپ چیز نہیں ہے اس لئے اس کو میں ترک کرتا ہوں۔

تیسرا تعلق سید ریاض احمد صاحب کا اُن کے ولی نعمت و قدردان جناب مہاراجہ سر محمد علی محمد خان صاحب مرحوم والیِ ریاست محمود آباد اودھ سے تھا جو ان کی حیات میں ان کے قدردان اور کفیل تھے اور اُن کو اپنے پاس ہر صحبت میں موجود رہنے کے شائق رہے اگرچہ اُن کی

یہ آرزو منشی سید ریاض احمد صاحب کے استغنا کی وجہ سے کما حقہ پوری نہ ہوسکی چنانچہ ریاض الاخبار آخر میں مہاراجہ صاحب کے حکم سے ان کے خرچ پر لکھنو گیا۔ جس حالت کے بیان کے لئے ریاض صاحب کا یہ شعر کافی ہے۔

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنو آئے

ریاض صاحب کا تعلق ریاست محمود آباد سے اور موجودہ رئیس سے بھی بعینہ وہی تھا اور ہے۔ جیسے میرے چچا کے بعد مجھ سے رہا۔ اور موجودہ رئیس راجہ خان بہادر محمد امیر احمد صاحب والی ریاست محمود آباد آج بھی سید مرحوم کے بچوں کی زندگی کے خدائے مجازی ہیں اور جب راجہ صاحب سے سید ریاض احمد صاحب مرحوم کا ذکر آتا ہے تو اُن کی محبت کا جذبہ اُن کے دیوان کے کُل اخراجات کے برداشت کا یا کسی طرح ریاض کے خاندان کی امداد کا تازہ ہوجاتا ہے اور یہ سب سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفور کی خالص محبت اور بے لوث تعلق کا نتیجہ ہے۔

تعلقات کے ذکر میں ایک آخری تعلق بھی بیان کردوں کہ ریاض صاحب مرحوم چاہتے تھے کہ اُن کا دیوان اولاً گورکھپور سے شائع ہو اور اگر کسی وجہ سے گورکھپور سے نہ شائع ہو تو راجہ صاحب محمود آباد شائع کریں۔ چنانچہ ان کی عمر کے بالکل آخری زمانے میں میں نے ان کو دیوان کی ترتیب پر مجبور کیا اور اس سلسلے میں چند مہینے گورکھپور سے باہر نکلنے نہیں دیا۔

انھوں نے آخر کار اہل گورکھپور کے اِصرار سے دیوان دو شخصوں کے حوالہ کیا جس میں ایک میر الٹر کا سید محمد رضوان اللہ ایڈوکیٹ ممبر اسمبلی صوبہ ہذا ہے اور دوسرے اُن کے اِنشا پردازی کے زمانے کے معتقد اور قدرداں قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے گورکھپوری رکن دار الترجمہ حیدر آباد ہیں۔ قاضی تلمذ حسین صاحب نے اُس دیوان کے طبع اور صحت وغیرہ کا اہتمام کلیتًا اپنے ذمہ لیا۔ کچھ حصّہ گورکھپور میں چھپوایا اور اب اُسے حیدر آباد لیجا کر مکمل کر دیا۔ باقی دیوان کے اور لوازم رضوان اللہ کے سپرد کئے اور میں اور سید نیاز احمد صاحب نیاز برادر خورد سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفور ان کے کلام کے مختلف عنوانات اور جمیع امور کے طے کرنے کی کمیٹی کے ممبر تھے اور ہیں۔ خدا کرے کہ ہم چاروں دیوان کے جمیع مراتب کے مکمل کر دینے میں پورے کامیاب ہو جائیں جو غالبًا آخر جون تک ہو جاویگا۔

تعلقات کے سلسلہ میں یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ دیوان کا انتساب سید ریاض احمد صاحب مرحوم صرف راجہ صاحب محمود آبادہی سے چاہتے تھے۔

دو تعلق اور مخصوص تعلق اسی سلسلہ میں مجھے بیان کر دینا ریاض صاحب کی طرف سے ادائے شکر سے کم نہیں ہے ایک قاضی سر عزیز الدین احمد صاحب دیوان ریاست دتیا اور دوسرے ان کے بھائی قاضی خلیل الدین صاحب مرحوم قدیم دیوان ریاست پنّا وغیرہ

یہ دونوں حضرات ـ ریاض صاحب کا دیوان شائع کرنے کے اصرار کے ساتھ ریاض صاحب کو مطمئن بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ جو اُن کی ذاتی محبت اور خلوص کا بیّن ثبوت ہے اور میں دونوں کا شکریہ بکمال خلوص ان کی طرف سے ادا کرتا ہوں۔

یہ عجب اتفاق ہے کہ آج جب میں ان کے حالات لکھنے بیٹھا تو ان کے خاص شاگرد سلطان احمد صاحب واقف موجود ہیں اور یہ دیباچہ اُنہیں سے لکھوا رہا ہوں۔ شاگرد کا خلوص کہوں یا مرحوم اُستاد کا تعلق کہوں جس نے بیساختہ بِسوان ضلع سیتاپور سے خواہ مخواہ واقف صاحب کو بے موسم گورکھپور بھیجدیا۔ جی چاہتا ہے کہ یہی لکھا ہوا پریس کی کاپی پر اُتر آتا اور واقف صاحب کی خوشخطی کا بھی اس سے اعلان ہو جاتا۔

ریاض صاحب کے تعلقات کا ذکر آگیا تو مجھے اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ریاض مرحوم کس قدر بے لاگ اور بے طمع شخص تھے۔ منشی امیر احمد صاحب مینائی علیہ الرحمۃ جب رامپور میں نواب خلد آشیاں کلب علی خاں مرحوم مغفور کے پیشکار رہتے اُسی زمانہ میں سیّد ریاض احمد صاحب کی شاعری جوان ہو رہی تھی۔ نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور ان کو اپنے درباریوں میں شامل کرنا چاہتے تھے اور کئی بار سید ریاض احمد صاحب کو منشی امیر احمد صاحب مینائی نے رامپور بُلایا اور یہ کہا کہ نواب صاحب یہ چاہتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے رامپور سے چلے آئے۔

نواب حامد علی خاں مرحوم فرمانروائے رامپور ساری عمر ریاض صاحب کو

بلاتے رہے اور اپنے درباریوں میں شامل کرنے کے مشتاق رہے۔ کئی بار ہزہائینس کے بلانے پر رامپور گئے۔ مگر کبھی مستقل قیام کرنا نہیں چاہا اور واپس چلے آئے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مرتبہ سلطان دکن میر محبوب علی خان غفران مکان نے بھی ریاض کے حیدرآباد میں رہنے کی خواہش کی تھی جس کو ریاض احمد صاحب ٹال گئے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہ ریاض مرحوم سے خالص محبت اور خالص عقیدت رکھتے تھے اور بیحد خواہشمند تھے کہ ان کو جیب وگریباں بنا کے اپنے ساتھ رکھیں مگر ریاض مرحوم اتنے بے طمع اور قانع تھے کہ مہاراجہ صاحب محمود آباد کی اولش نوازی اپنے لئے کافی سے زیادہ سمجھتے رہے۔

رند قانع متواضع ہے خدا دیتا ہے
جب وہ پاتا ہے تو پیتا ہے پلا دیتا ہے

ریاض مرحوم کی شاعری اور شاعری میں زبان کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ریاض مرحوم کا پورا دیوان یا کل کلام دیکھ کر آپ مجبوراً یہ فیصلہ کرینگے کہ کسی ایک شعر میں بھی تنافر کا نام نہیں ہے۔ پورا کلام پڑھنے پر آپ کے ذہن پر یہ بار نہیں گزرے گا کہ میں نے کسی ثقیل ادیب کا ادبی کارنامہ پڑھا ہے۔ ان کی شاعری کی لطافت ونزاکت اس درجہ تھی کہ مجھے مجبوراً یہ سوے ادب کرنا پڑتا ہے کہ اُن سے اُستاد منشی امیر احمد صاحب مینائیؔ

علیہ الرحمۃ کے کلام میں وہ لطافت و نزاکت اور روانی نہیں ہے۔
یا کم سے کم مقابلتہً نہیں ہے۔

ریاض نے اپنی شاعری اور شاعری کی زبان کو اس قدر لطیف بنایا ہے کہ بغیر ان کی دس پانچ غزلیں پڑھے ہوئے میرے بیان کی تصدیق میں آپ کو تامل ہوگا لیکن دس غزلیں پڑھنے کے بعد آپ مجھ سے زیادہ ان کے کلام کے دلدادہ نکلینگے۔

اُن کی نثر کا بھی یہی حال ہے گویا اُن کے قلم سے پھول جھڑتے ہیں۔ اور ادبیت کے پیچ و خم اس نزاکت سے دکھاتے تھے کہ بسا اوقات واہ اور آہ کے سوا الفاظ میں کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس وقت میرے سامنے اُن کا جو مجموعہ کلام ہے وہ صرف شراب کے اشعار پر مشتمل ہے۔ تیرہ سو چھیاسٹھ ۱۳۶۶ شراب کے پہلو ایسی نزاکتوں سے انہوں نے نظم کئے ہیں کہ اس پورے شراب کے اشعار کے مجموعہ کو ایک دفعہ دیکھنے کے بعد کسی شاعر کے لئے شراب کا کوئی نیا پہلو نکالنے میں بڑی دقت ہوگی۔ میں ان کے نظم و نثر کے متعلق اور زیادہ اس لئے نہیں لکھنا چاہتا کہ خود اُن کا کلام موجود ہے آپ ملاحظہ کیجئے اور میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اُس کی تصدیق خود کر لیجئے اور اغلب ہے کہ آپ اس سے کچھ زیادہ ہی کہنے پر آمادہ ہونگے۔ ان کے کلام کے ساتھ میری دلچسپی اِس حد تک ہوتی تھی کہ ایک ایک شعر کم سے کم تین تین دن ورنہ ہفتوں ایسا مزہ دیتا تھا کہ جس کی لذت کا بیان قلم کی قدرت سے باہر ہے۔

ریاض کے کلام سے ادبی دنیا بیشک لطف اندوز ہوگی مگر میں اسکی طرف خفیف سا اشارہ کرتا ہوں کہ زبان کی شستگی اور سبک بیانی اور زوائد کے استعمال پر کافی توجہ رکھنا یعنی شاعر کوئی لفظ جب برائے بیت استعمال کرتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیئے کہ اس زاید لفظ کی جگہ پر کوئی باکار لفظ آجائے۔ یہ کاوش شاعر کو قادر بنادیگی اور جب شاعر کو ان باتوں کی کافی توجہ ہوگی تو وہ ریاض کی صحیح قدر کرسکے گا۔

عام شاعری کے متعلق مجھے چند لفظ عرض کرنا ہے اگرچہ ۳۷ء و ۳۶ء میں نظموں کا بہت رواج ہوگیا ہے۔ لیکن نظم اگر کلام بہ کسے کردن کا نام نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تغزل کو آپ کلام بہ معشوق کردن کہتے ہیں قومی نظمیں بہ قوم کلام کردن ہے صرف مخاطب کا رُخ بدلا ہے۔ شاعری نہیں بدلی۔ شاعری کے نکات نہیں بدلے۔ شاعری کا فن نہیں بدلا۔ شعر پر شاعر کی قدرت نہیں بدلی۔ ساری چیزیں شاعری کی اپنی جگہ پر ہیں۔ رُخ بدلنے کا نام شاعری بدلنا نہیں ہے۔ جتنی خوبیاں جتنے عیوب غزل کہنے والوں کے لئے ہیں اُسی قدر خوبیاں اور شاعری کے اُتنے ہی عیوب نظم کہنے والوں کے لئے بھی ہیں۔ قواعد شاعری نہیں بدلتے اور اس لئے آج کل کے نظم گو شعرا جو پرانے شعرا پر الزام لگاتے ہیں وہ الزام صرف شاعری کے رُخ یا بے رُخی پر ہو سکتے ہیں اصل فن کا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔ ریاض صاحب کی شاعری کی بابت سرسری بیان ہوچکا اب بیساختہ جی چاہتا ہے کہ ان کے کچھ شعر سنئے یہ اس لئے کہ جس طرح مجھے

اس وقت اُن کے شعر پڑھنے میں مزہ آرہا ہے۔ آپ کو بھی مزہ آئے۔

اللہ رے ادب مست مئے ہوش رُبا کا — کانپ اُٹھا قلم بھی جو لکھا نام خدا کا
ہاں اور بھی اِک جام مئے ہوش رُبا کا — اس وقت مجھے ہوش نہیں شکرِ خدا کا

بھوکا پیٹ بھرنے پر شکر کرے تو تعجب نہ کیجیے۔ پیٹ بھرا اس قدر پائے کہ شکر کے بغیر اوسے چارہ نہ ہو شعر ملاحظہ ہو۔

آتی رہے پیہم ترے خُم سے مری ساقی — وہ مُے لبِ زیرپہ جو بنے شکرِ خدا کا

کیا نازک پہلو ہے۔

کیا تجھ سے ترے مست نے مانگا مری اللہ — ہر موجِ شراب اُٹھ کے ہی ہاتھ دعا کا
نشّہ سے جھکی پڑتی ہیں یوں ہی تیری آنکھیں — چھیڑوں سے میری اور بڑھا بوجھ حیا کا

مسجد میں مرنے پر کوئی گور و کفن تک کا روادار نہیں ہوتا۔ لاوارثوں کی مدد سے یہ کام انجام پاتا ہے۔ اب شعر ملاحظہ ہو۔

رہنے دیگا نہ دمِ نزع کوئی حلق کو خشک — میکدے میں ہیں اتنا تو سہارا ہوگا
دیر ہو یا ہو خرابات کہیں بھی جاؤں — کعبہ دل میں میری آنکھوں میں مدینا ہوگا
آبِ زمزم کے سوا کچھ نہیں کعبے میں ریاضؔ — میکدہ تم جسے سمجھے ہو مدینا ہوگا

قیامت میں بھی ای ساقی اُڑائی کاگ بوتل کے — ترے رندوں نے کیا میدان ہرا ہی قیامت کا
بہت ایسے بھی ہم رندوں میں ہیں اللہ کے بندے — مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغ جنت کا

بہت سے رند بھی دیکھے بہت سے زاہد بھی — اِنہیں تو پیر ہمیشہ اُنہیں جواں دیکھا

ریاضؔ خاکِ در میکدہ تھا جیتے جی فنا کے بعد اُسے خلد آشیاں دیکھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش سُنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

اہلِ حرم بھی آکے ہوئے تھے شریکِ دور کچھ اور رنگ آج مری میکشی کا تھا

پیغمبر آخر الزماں صلعم کا مدینے میں تشریف لانا مکّے والوں کا آ آکے ایمان لانا۔

یہ کہہ کہ اس میں زہر بھی ہی کچھ ملا ہوا ساقی نے جب پلائی تو نشّہ سوا ہوا

ہم ہیں گدائے میکدہ ہم کو کمی نہیں سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا

تمام صحابہؓ کا یہی حال تھا۔ گھر کا سارا اثاثہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے قدموں پر نثار کرنے کے بعد مجلس رسول صلعم سے اس شان سے نکلتے تھے کہ دنیا کا سب سے بڑا دولتمند اور بادشاہ ان کے استغنا کے ادنیٰ مرتبے کو نہیں پہونچتا تھا۔ آج مسلمان کا بچّہ مسلمان ہوتے ہوئے روٹی روٹی چلاّتا ہے۔ جس کی ضمانت اُس مسلمان بچے کی دین و ایمان والی کتاب کے ہر ورق میں موجود ہے۔

ٹپکا دے بوند بھر کوئی منہ میں ریاضؔ کے دم میکدے میں توڑ رہا ہی پڑا ہوا

اس شعر کے متعلق اگر کوئی آرٹسٹ ایک سینری بنا دے تو شعر کا اصلی جوہر کھل جائے اور میں کیا کہوں۔

محتسب آیا تو میں خُم پر گِرا خُم گِرا مِینا گِرا ساغر گِرا

اس شعر کے متعلق میں اس لئے کچھ نہیں کہونگا کہ ریاضؔ کے شراب کے

شعر کو بھٹی والی شراب تک لوگوں نے محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ ریاض نے بھٹی کیا ولایتی بھی کبھی نہیں پی۔ اس لئے بہزار معذرت اتنا سن لیجئے کہ کسی روحانی مجلس میں روحانی اثر کا جس سے خدا رسیدگی مقصود ہو اُس مجلس کا ذکر ریاض اس شعر میں یوں کرتے ہیں کہ معرفت الٰہی کی شراب پی کر میں غرق شراب معرفت ہو گیا جو حاصل حیات انسانی ہے۔ قیامت بھی اُس مجلس میں آجائے تو مجھے قیامت سے کیا مطلب قیامت میں پہونچکر حاصل قیامت یہ کہا جاتا ہے کہ غرق انوار الٰہی ہو جانا یہ مجھے اسی وقت حاصل ہو گیا۔ کسی پیرِ معرفت کی مجلس میں یہ شعر پڑھ دیا تو کیا بُرا کیا۔

بزمِ محشر گر بنے ساقی کی بزم　　میں نہ اُٹھونگا اگر پی کر گرا

توفیق الٰہی جو توبہ کو پائدار بنا دے اگر نہیں ہے تو اس وقت کا یہ شعر ہے۔

ہو گا جنہیں توبہ کا بھروسا مری مالک　　وہ اور ہی ہونگے یہ گنہگار نہ ہو گا

اچھا اس شعر کا حال سُن لیجئے میں کہتا ہوں کہ شراب کا بہت نازک شعر ہے۔ میں اس کو بگاڑنا چاہتا ہوں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ خالق خالق نہیں ہو سکتا۔ جب تک مخلوق نہ ہو یعنی خالق نے اپنی عظمت قائم رکھنے کیلئے مخلوق پیدا کی۔ مخلوق سے کہا کہ میرے جلال کی جتنی صفتیں ہیں ان سب کا مزہ چکنا ہو گا۔ مفہوم بگڑ گیا ہو تو معاف کیجئے گا۔ بنگیا ہو تو تعریف نہ کیجئے گا اب شعر سُنئے۔

لبِ میگوں کا تقاضا ہی کہ جینا ہو گا　　آنکھ کہتی ہے تجھے زہر بھی پینا ہو گا۔

اچھا روا روی سے کچھ اور شعر سنتے جایئے ایسا نہ ہو کہ آپ یہ کہیں کہ ریاض کا شعر کیا سنانے آئے لگے سبق پڑھانے۔

رمضان میں نہ پلانا نہ پینا ہو گا ‏ ‏ کس طرح گذرے گی کیسا یہ مہینا ہوگا
حشر میں میکدے والو جو خدا نے چاہا ‏ ‏ یہی جلسہ یہی ساغر یہی مینا ہو گا

بادل اُمڈے ہوئے تھے رات سرِ میخانہ ذیر ‏ ‏ مہرِ خم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسی کیا کیا

میں الحمد للہ کہ مسلمان ہوں۔ شاعر بھی الحمد للہ مسلمان تھا کاتب اُس پر مستزاد، اگر ہم شراب کے شعر کو حرم کی کسی مجلس پر چپاں کر دیں تو آپ خفا نہ ہوا کیجئے۔ ذیل کے شعر میں مکّے کا وہ وقت یاد دلانا چاہتا ہوں جب سنہ ۸ھ میں مکّہ فتح ہو کر حرم میں بتوں کی جگہ خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش شروع ہوئی اس وقت کے کیسے لوگ تھے کہ شراب توحید حرم سے پی کر جو چلے تو اوس کا نشّہ چین میں جا کر اُترا۔ ہمارے وقت میں ہر سال کئی لاکھ زمزمی حرم سے بھر کر آتی ہے اور مردہ مسلمانوں کو نزع کے وقت پلائی جاتی ہے۔ ع۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ شعر ملاحظہ ہو۔

اُڑتی تھی وہ شئے آتی تھیں جنت کی ہوائیں ‏ ‏ اب رندوں کا جمگھٹ سرِ زمزم نہیں ہوتا

اب جلدی جلدی دو چار شعر سن لیجئے ایسا نہ ہو کہ میری بد مذاقی پھر آپ کو الجھا دے۔

اے جوئے سبیل ہمیں آئیں تو پئیں ‏ ‏ ہم تک اُبل کے حشر میں آیا نہ جائیگا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُنکے پی گئے — واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ابر بنکر جو برس پڑنے کو آیا واعظ — بے طرح ہم نے خمِ مے کو اُبلتے دیکھا

بنائی کیا بُری گت میکدے میں بادہ نوشوں نے — ریاض آئے تھے کل جامہ پہنکر پارسائی کا

اللہ ہی جو شب کو بھی ہو شغل مے ریاض — منہ صبح ہوتے دیکھ لیا روزہ دار کا
خُم دوش پر بغل میں صُراحی بروز حشر — اُٹھنا مزار سے وہ کسی مے گسار کا
اس لطف سے بہار آئی ہے ابکے بار — پانی میں بھی مزہ ہے مئے خوشگوار کا

اس شعر میں اعتبار کی پوری دنیا ہے۔

رکھنا پڑا ہمیں خُمِ دنیا کو سر بمُہر — کوئی بھی آدمی نہ ملا اعتبار کا

کیا مُرصع شعر ہے۔

اب تو ریاض پھول اُڑاتے ہیں ان دنوں — جوبن یہ لوٹتے ہیں عروسِ بہار کا

اودھ کے تعلقدار یورپ اور امریکہ کے گھوڑ دوڑ والے ملاحظہ فرمائیں۔

جب تک ملیگی قرض پئے جائینگے ضرور — ہم جانتے ہیں مفت ہی سودا اُدھار کا

آپ خفا نہ ہوں جس شعر میں مجھے جتنا مزہ آئے وہ مجھے مزہ لینے دیجئے میں کہتا ہوں کہ یہ شعر کس قدر سوندھا ہے یعنی اس شعر سے وہ بو آتی ہے جس بُو کی تعریف حدیثوں میں اہلِ صوم کے بوسے دہن کے متعلق کی گئی ہے۔

مینا کا منہ ہی بند یہ ہے احترامِ صوم — ساغر کا لب ہی ہونٹھ کسی روزہ دار کا

وصبّا نہ آے ریش حنائی پہ اے ریاض گو سن نہیں مگر ہے زمانہ بہار کا

پچھلے شعر جو میں نے لکھے ہیں اور اگلے شعر جو میں لکھ سکونگا ان میں کم سے کم یہ چیز تو ضرور ملاحظہ کیجیے کہ ریاض نے غزلوں کے دیوان میں تیرہ سو چھیاسٹھ[۱۳۶۶] شعر شراب کے لکھے ہیں جن میں تیرہ سو چھیاسٹھ[۱۳۶۶] پہلو شراب کے دکھائے ہیں اس کو ذرا شراب سے علیحدہ کر کے ملاحظہ کیجیے۔ اور عرب میں بغداد کے دارالسلطنت میں پہونچ جائیے۔ ہارون رشید کے دربار کا شعر ابونواس ہے اس کی روزمرہ کی زندگی ملاحظہ فرمائیے۔ دربار ہارون رشید میں کسی شعر پر ایک لاکھ دینار انعام پاتا ہے۔ گھر آتا ہے۔ صبح کو دربار میں جب پھر جاتا ہے تو بسا اوقات حاجب اس کو جانے نہیں دیتا۔ یعنی ایسے بوسیدہ کپڑوں میں جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے چھ مہینے کی فاقہ کشی کے بعد گھر سے نکلا ہے اور اشعار میں روزانہ کی تکالیف اور راحت شراب کے عنوان سے بیان کرتا ہے اسی طرح سے ریاض جیسے قلاش شاعر کے گھر کا وہ رونا ہے جو آپ کو شراب کے نام سے مست کرتا ہے۔ اب ذرا توجہ سے اشعار پر نظر فرمائیے اور دنیا میں مفلسی کی عیاشیوں کا مزہ لیجیے۔

جب تک ملیگی قرض پئے جائینگے ضرور ہم جانتے ہیں مفت ہی سودا اُدھار کا

بوتل جب اس کے حُجرے میں بھولے بھری ملی واعظ بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

ہر ملک میں موسم بہار ایک خاص زمانے کا نام ہے مگر ریاض نے موسم بہار ایسا وسیع بنا دیا کہ جس کو جب جتنی دیر کے لئے یکسوئی ہو جائے وہی اُس کا موسم بہار ہے۔

مَے نوش جس کو کہتے ہیں موسم بہار کا — اِک وقت ہے وہ دخترِ رز کے نکھار کا
اُڑا ہوا جہاں وہ میدان حشر میں — چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا
کہتے ہیں جس کو پنبۂ مینائے شب فروز — ہم میکشوں میں نام ہے صبح بہار کا
واعظ نہ آپ بزم میں چھلکائیں جام خلد — کھلوائیں منہ جناب نہ مجھ بادہ خوار کا
چوری گئی شراب تو کیا دزدِ مَے وہ ہے — جو نام لے ریاض سے پرہیزگار کا
کتنی ہی مجھ سے توبہ ملے ٹوٹ ٹوٹ کر — اس سے نبھے گا ساتھ نہ مجھ بادہ خوار کا
توبہ کا یہ اثر ہے لبِ جو کہ جام مے — تبخالہ بن گیا ہے لبِ جوئے بار کا
پی پی کے اس نے سجدے کئے ہیں تمام رات — اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا

اہل ہوس اور صاحب قناعت کا تقابل کیا ہے۔

خُم سے نہ ہو وہ سیر میں چلّو میں سیر ہوں — یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا

باتیں معشوقوں کی کانوں میں نظر میں شکلیں — نشۂ بادۂ گلنار ترا کیا کہنا

کوثر کا حوض حشر میں سر پہ لئے پھروں — چلائے شیخ یہ بھی تمہارا سبو ہوا

شعر سنئے چاہے اس کا نام ہونٹ ہی کہئے مگر ہیرے کی کنی کی طرح دل میں نہ چبھے تو اُٹھا کے پھینک دیجئے۔

نشہ میں گر کے ہاتھ سے مینا ہوا جو چور — ہر ریزہ جا کے سبزہ لبِ آب جو ہوا

ہم جامِ مے کے بھی لبِ تر چوستے رہے — چسکا پڑا ہوا ہے تمہاری زبان کا

توبہ کرکے آج پھر پی لی ریاض   کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

دستِ شفقت اس طرح اِک مُدنے پھیرا ریاض   بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومنا جاتا رہا

جناب حاجی وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا فوٹو کھینچ دیا ہے۔ ذیل کا شعر بھی اسی رنگ کا ہے۔

ریاض اور ہی رنگ میں مست ہیں اب   سنا ہے پیالہ پیا ہے کسی کا

شیخ نے عہد توڑا، توبہ توڑی۔ دنیا کی بنوٹ سے دستکشی کی اس کے بعد کیا ہوا۔ شعر سنئے

شاخ میں جبتک یہ بے انگور ہے   شیخ نے توڑا کہ مینا ہوگیا

آئیگا پینے پلانے کا مزہ   پارسا اب بادہ پیما ہوگیا

ہے یہ بہت نشہ ذرا ہوگیا   مل گئی تھوڑی سی بھلا ہوگیا

جھومتے ہیں بیٹھے حرم میں ریاض   آکے یہاں نشہ سوا ہوگیا

ایک صاحب خانقاہ جن کا نام مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ ہے جب ان کے پاس علامہ عبدالوہاب بہاری علیہ الرحمہ بیعت کے لئے جاتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ بابا اللہ جمیلٌ و یحبُ الجمال یہ جو تم نے داڑھی بڑھائی کہ جس پر یہ پھبتی صادق آتی ہے کہ یہ کوئی جھاڑی ہے جس میں بچہ دہد خرگوشے۔ جب میری آنکھوں کو ستارہی ہے تو جس کے دربار میں جانا چاہتے ہو اور میرے ذریعہ سے جانا چاہتے ہو تو وہ تمہاری اس صورت سے کہاں تک خوش ہوگا جاؤ ذرا اپرہ قینچ ہو کر آؤ کہ آدمی جیسی

صورت معلوم ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ حضرت مخدوم سلطان نظام الدین الاولیا علیہ الرحمہ کے سات سو قوالوں کے معلم اتم تھے اس رنگینی کی کوئی حد ہے۔ شیخ حرم شریعت کا درّہ لیے جُبّہ و دستار سنبھالے پوری عظمت و شان سے ہیں۔ اِدھر سرشاران محبت اپنی محبت کی اداؤں اور سرمستیوں میں غرق۔ اہل حرم ان کے رموز کیا جانیں مگر دونوں قابلِ احترام۔ فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اب شعر سنئے۔

جب لوگوں میں دونوں کی بزرگی ہے مُسلّم — کیا شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

یعنی شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا انہیں معنوں میں اس شعر کو بھی ملاحظہ کیجئے پہلو بدلا ہے مگر لاجواب ہے۔

مجھکو ہے لبِ جام شکستہ بھی مہِ عید — ساقی یہ ہلالِ رمضاں ہو نہیں سکتا

ساقی کی گڑی آنکھ ہے کیوں کعبۂ دل پر — یہ بادہ فروشوں کی دوکاں ہو نہیں سکتا

کس مایوسی سے ساقی ہو یا پیرِ مغاں دونوں سے شراب مانگتا ہے۔

کچھ خشک سا ہے تربتِ میخوار کا سبزہ — کیا ابرِ بہار اشک فشاں ہو نہیں سکتا

دھوکا ہوا۔ زاہدوں کی عید تیس دن کے بعد۔ شرابیوں کی عید تیس دن ایک

ہر شام نہ جس کی سحرِ عید ہو واعظ — میخانے میں ایسا رمضان ہو نہیں سکتا

ریاض کے شراب کے پورے اشعار کا جواب صرف ایک شعر میں ہے

ملتی ہے درِ ساقیِ کوثر سے یہ خدمت — اس طرح کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

مے چرانے میں ہمیں ہے یدِ طولیٰ کیسا — ہم اُڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

ایک پہلو ملاحظہ ہو۔

سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے　　آج شیشے میں اُسے ہم نے اوتارا کیسا

۱۹۱۴ء والی جنگ میں ہندوستان سے غلہ ریلی برادرس لیگیا۔ یہ ریلی برادرس قبل جنگ بھی منڈیوں سے غلہ لیتا تھا۔ مگر اس کمپنی کی بود و باش برطانیہ کے کسی ملک میں تھی۔ جنگِ عظیم والا برادرس بعد کو جرمن کمپنی نکلی۔ شعر اگر دنیا کے حالات کے مطابق ہو جائے تو آپ خفا نہ ہوا کیجیے۔ شاعر نے اس قسم کے فریبوں کو عجیب لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید　　مے فروشوں کا ہے زاہد سے تقاضا کیسا

سلامت کنج تنہائی سلامت یہ خم و ساغر　　بہار آئے نہ آئے مجھکو سودا ہو نہیں سکتا

مذہب کی تعلیم میں جب تک روحانیت کا جزو اعظم شامل نہ ہو جسم بے روح ہو کر رہ جاتا ہے۔

حرم والو ریاضؔ آکر حرم میں پڑ رہیں کیونکر　　گذر اِن کا کہیں بے جام و مینا ہو نہیں سکتا

تم محض نماز پڑھاؤ گے۔ حرم کا طواف کراؤ گے اس کو بے جلوۂ الٰہی دیکھے کسی چیز میں مزہ نہ آیگا۔ تعمیل حکم اور ہے۔ کسی حکم کی تعمیل میں مزہ آنا اور بات ہے۔

شباب کا اور بھر پور شباب کا ایسا بھر پور شعر کہا ہے کہ تصویر کھڑی کر دی ہے۔

بھرے ساغر میں ہے بھر پور رنگ انکی جوانی کا　　غضب ہے بے پئے نشے میں میرا چور ہو جانا

ساقی اور پیر مغاں ان کو نیا آدمی سمجھکر ذرا زیادہ توجہ فرمائیں۔ سمٹے سمٹائے دامن چرائے مودب بیٹھے تھے کہ مغبچے نے چوٹ کی۔

پارسا بنکے ریاض آئے ہیں میخانے میں   آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

اک رُخ یہ بھی ملاحظہ ہو۔

مقصود ہے کوئی نہ پئے وہ حریص ہوں   واعظ ہوا ہیں رندِ قدح خوار کیا ہوا

کوئی زاہد خشک آجائے اور اہلِ نسبت کی محفل میں بیٹھے تو اہل نسبت کو بھی عجب مزا آتا ہے کہ ذرا اس خشک لکڑی میں آگ لگا دی جائے۔ اگر کسی نے ایک چنگاری چھوڑ دی تو سب اس ہیزمِ خشک کے انداز دیکھ کے خاص مزے لیتے ہیں۔ ریاض فرماتے ہیں۔

ہمیں پینے پلانے کا مزہ ابتک نہیں آتا   کہ بزمِ مے میں کوئی پارسا ابتک نہیں آتا

آفتاب حشر کب چمکا ریاض   داغ مے دامن سے جب میں دھو چکا

یہ مے توحید کی جھلک ہے جو پتھر پر سر گڑنے سے نہیں آتی۔

پی کر بھی جھلک نور کی منہ پر نہیں آتی   ہم رندوں میں جو صاحب ایمان نہیں ہوتا

اس نازک انداز کو کس نازک طرح پر بیان کیا ہے۔

اس کے آغاز جوانی کا کہوں کیا عالم   کچھ اُسے نشّہ سا تھا نشے میں وہ چور نہ تھا

قوموں کے عروج کے وقت یہ شعر پڑھنے کا ہے یعنی بغداد و اندلس کا عروج سوچئے۔

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں مجھکو   کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

اہلِ نظر نے پہچانا۔

نماز عید ہوئی میکدے میں دھوم سی آج　　ریاض بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

بزرگوں کی فاتحہ جب کی جاتی ہے تو اس میں بعض صاحب عصمت لوگوں کے خیال سے کچھ حصے ڈھک دیے جاتے ہیں جو ان لوگوں کو دیے جاتے ہیں جو اہلِ حاجت تو ہوں مگر قریب بہ معصومیت ہوں۔

اچھوتے جام ہیں منت کے کچھ الگ رکھے　　کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

ہندوستان کا حساب لگا لگا کے گھر لو دولت نذر یورپ ہو گئی۔ جو رگوں میں خون باقی ہے وہ تپِ دق کے کیڑوں کی طرح کچھ تجارتی نقطے جسم پر جگہ جگہ بجلی کے تاروں جیسے جھٹکے دے رہے ہیں۔ کانگریس ہندو راج چلا رہی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

ریاض توبہ کرو دِن خزاں کے آئے ہیں　　تم آئے پینے کو جاتی ہوئی بہار میں کیا

معرفت کا راز پہاڑ کی چوٹی پر۔

بیٹھکر چوری سے پینا پسِ خُم　　راز ہے گوشۂ تنہائی کا

شعر نہیں ہے معشوق ہے۔

خم قد ہے خم مینا سوئے جام　　موج مے ہاتھ ہے انگڑائی کا

مست مینا ہوں پیا ہی میں نے　　جام امیر احمد مینائی کا

چن چن کے آج شیخ نے انگور کھالئے　　اب کیا کھینچیگی تاک کا حاصل نکل گیا

ہاتھ سی بوجھ گناہوں کا اٹھے گا کیونکر رعشہ ایسا ہے کہ ساغر بھی نہ ہم سے اُٹھا

توڑے ٹکرا کے سبو ہم نے بھی اوسکے سر سے چپ ہی واعظ کو ہی حاصلِ تقریر بھی تھا

مالک کی جس طرح عدل ایک صفت ہے اوسی طرح عفو بھی ایک صفت ہے۔ اب بتائیے کہ عدل کے ہوتے عفو کیونکر جاری ہو۔ عدل کا تو یہ حال ہے کہ سیدھی سیدھی بات ہے۔ جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ عفو میں بڑا مزہ ہے کہ او بدا کے آپ کے خلاف کروں تاکہ آپ معاف کیجئے شفاعت میں جو مزہ ہے وہ معصومیت میں نہیں ہے معصومیت فرشتوں کے واسطے ہے۔ بے کئے بخشے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ زمین سے اُٹھا لئے گئے جس وقت وہ نبی تھے نبوت کی صفتوں میں یہ بات بھی تھی کہ وہ معصوم تھے یعنی ان میں گناہ کی صلاحیت نہ تھی۔ ابکے جو آسمان سے تشریف لائینگے تو نبی ہو کر نہ آئینگے بلکہ نبیؐ آخرالزماں کے اُمتی بنکر آئینگے۔ اب انمیں گناہ کی صلاحیت ہو گئی تاکہ شفاعت محیط ٹھہرے۔ دنیا میں انسانوں کا آنا مختلف مصالح کے سلسلے میں ہے عفو کے ظاہر کرنے کی بھی ایک مصلحت ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

دِل لاکھ پاک صاف ہی دامن کو کیا کروں جا جا کے میکدے میں یہ دھبا لگا لیا

جاتے ہی میکدہ مجھے اجمیر ہو گیا اتنی ملی کہ پینے سے جی سیر ہو گیا

جاتے تھے سوئے میکدہ نکلے حرم میں ہم کیا جانے آج راہ میں کیا پھیر ہو گیا

اچھا شعر ملاحظہ فرمائیے یعنی شعر سے پہلے میری بکواس سُن لیجئے۔ شاعر کو تشبیہہ کا حق ہے۔ کیا مجھے نہیں ہے۔ کسی بزرگ کی خانقاہ میں گئے ان کا سامنا ہوا صورت شکل فرشتے کی کرم کی نظر جو مجھ پر پڑی میرا دل محبت الٰہی کی لذت سے لبریز ہو گیا۔ ان کی آنکھ کو میں خُم' سبو۔ صراحی۔ میکدہ یعنی سب کچھ سمجھا' نظر کو شراب و مینا سمجھا' ابرو کی کجی کو طاق ابرو کہا۔ اس محراب میں بیٹھکر سے توحید پی۔ ریاض کا شعر رٹتا ہوا چلا آیا۔ یہ بات ناپسند ہو تو شعر یاد رکھیئے گا۔ میری بکواس بھول جایئے گا۔

خانقہ میں جو کبھی طاق سے مینا اُترا ہم یہ سمجھے کوئی رحمت کا فرشتا اُترا

عجب رُخ ہے۔

سستے چھوٹے جو سر راہ عماما اُترا سر سے ان بادہ فروشوں کا تقاضا اُترا

ملاحظہ ہو شراب نوشی کا ایک رُخ یہ بھی ہے مگر شاعر سکھاتا ہے کہ میری شراب کو ہمیشہ بھٹی والی نہ سمجھا کیجئے ذرا وسیع النظری سے کام لیا کیجئے تو آپ کو شراب کے پردے میں دنیا نظر آنے لگے۔ چنانچہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

بُری کیا تھی فاقہ مستی بڑی لطف سے گذرتی لئے کچھ مے کی تلخی غمِ روزگار ہوتا

شاعر گناہوں سے ندامت سکھاتا ہے۔

میری حلق سے اتر کر مئے صاف اشک بنتی ابھی میں گناہ کرتا ابھی اشکبار ہوتا

اس تعلیم کو ملاحظہ کیجئے کہ جن کو پارسائی کا دعویٰ ہے۔ اُن کو ادب کی

تعلیم دیتا ہے شعر ملاحظہ ہو۔

تری آگے سر اٹھاتا کوئی پارسا نہ ساقی　　جو ریاض پارسا ہی کہیں بادہ خوار ہوتا

لگے ہاتھوں یہ شعر بھی سن لیجئے۔

تری رحمتوں کے بادل خُم دوش جھک کے بنتے　　لئے حشر میں خُم مے یہ سیاہ کار ہوتا

مولا علی کرم اللہ وجہہ سے لیکر اس وقت تک جتنے حقیقی اولیا گذرے ہیں اُن کے حلقۂ درس سے معرفت توحید کا تصور فرمائیے اور یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ہے میکدے کا خاص مقامات میں شمار　　جو مغبچہ ملا مجھے پیرِ مغاں ملا

تہجد کی نماز پڑھنے والوں کے لئے کعبے اور مدینے میں جو اذان دی جاتی ہے اُس کا نام تحریم ہے گویا یادِ خدا کرنے کے بہتر وقت سے اعلانات شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ صبح صادق جوں ہی شروع ہوتی ہے اذان صبح ہوتی ہے۔ گویا ظاہری شریعت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ساتھ روحانی مراتب حاصل کرنے والے بھی اپنے کاروبار میں مصروف ہوجاتے ہیں ان روحانی کاروبار والوں کا نام ریاض نے اس شعر میں قلقل مینا سے تعبیر کیا ہے۔ اب شعر ملاحظہ ہو۔

آئی آوازِ اذانِ صبح اُٹھو بھی ریاض　　میکدے میں بھی تو شورِ قلقلِ مینا ہوا

پورب کے ایک شاعر مولانا آسی علیہ الرحمہ گذرے ہیں اُن کا ایک شعر سُناتا ہوں تاکہ ریاض کا شعر اپنی رنگینی زیادہ نمایاں کردے۔ از حضرت آسیؒ۔

جنہیں چرچا نہ کچھ تمہارا ہو　　ایسے احباب ایسی صحبت کیا

ریاض ...

ہم رند سمجھتے ہیں اُسے انجمنِ وعظ جس بزم میں ذکرِ مے ومینا نہیں ہوتا

میخانے کی عظمت ملاحظہ کیجیے۔ ایک میخانۂ وحدت جہاں سرشارانِ محبتِ الٰہی ہوتے ہیں۔ ایک دنیا کا شراب خانہ جہاں گناہ کرنیوالا شرابی یقیناً ندامت سے پُر شراب پیتا جاتا ہے اور خدا تعالےٰ سے معافی مانگتا جاتا ہے۔ دوسری طرف ظاہر پرستان دنیا نماز کی ڈیوٹی مسجد میں ادا کرنے کے بعد ایسے اکڑتے ہوئے نکلتے ہیں کہ گویا خدا تعالےٰ پر کوئی احسان کر کے جارہے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو۔

میخانے میں کیوں یادِ خدا تعالےٰ ہوتی ہے اکثر مسجد میں تو ذکرِ مے ومینا نہیں ہوتا

انگریزی حکومت کے سایے میں کانگریسی وضع بنائے اور یہ شعر پڑھے

وضع رندانہ رہے ریش رہے صاف ریاضؔ خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

میں کہتا ہوں کہ قفقاز کی پری بتیس ابرن سولہ سنگھار کیے ہوئے پورے شباب میں سامنے کیا آئی کہ ریاضؔ کا یہ شعر سامنے آیا۔

آیے ہمارے آگے وہ ساغر شراب کا ساقی نے جس میں رنگ بھرا ہو شباب کا

یہ شعر بے مزہ ہوگا اگر دوسرا نہ سنئے گا۔

بدمست دل ہو آنکھ ہو ساغر شراب کا ساقی کا میکدہ ہے زمانہ شباب کا

عورت کا پورا شباب اور شباب کے آثار کی نمود کے تصور کے ساتھ اگر یہ شعر آپ نے نہ سُنا تو میں کاغذ پٹک دونگا۔

پیری میں سر بمُہر رہے یوں ہی اے ریاضؔ ہے بوتلوں میں بند زمانہ شباب کا

کچھ ایسے شعر سنئے جس پر میرے نوٹ اگر بے تکے ہو جائیں تو آپ خفا

نہ ہو جسے۔ ان شعروں نے مجھے ایسا خود رفتہ کر دیا ہے کہ پوری بات شاید نہ کہہ سکوں۔ میں اس غزل کو اپنی کم فہمی کی بنا پر نعت میں لیجا رہا ہوں آپ اس سمجھنے کے پابند نہیں مگر جو میں سمجھتا ہوں مجھے سمجھنے دیجئے۔ جس وقت کعبہ میں بت پرستی ہو رہی تھی اور پیغمبر آخر الزماں صلعم جامِ توحید پلا رہے تھے اور کعبے میں علانیہ اذاں ہو سکتی تھی نہ توحید والے علے الاعلان عبادت کر سکتے تھے۔ اس وقت کا یہ شعر ہے ملاحظہ ہو۔

کوئی مست میکدہ آگیا مئے بیخودی وہ پلا گیا — نہ صدائے نغمۂ دیر اُٹھی نہ حرم سے شورِ اذاں اُٹھا

جس وقت مجلس رسول صلعم کی طرف عرب غول در غول ایمان لانے کے لئے چل پڑے تھے اور جو صحابہ راہ میں ملتے تھے وہ مجلس رسول صلعم کی طرف جانے کا راستہ بتا کے کنارے ہو جاتے تھے شعر ملاحظہ ہو۔

گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم
نہ تو خُم بڑھا نہ سبُو جھکا جو اُٹھا تو پیرِ مغاں اُٹھا

کعبے اور مدینے کا فرق ملاحظہ ہو۔

تجھے مَے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا ہے یہ — یہ حرم میں دوکان تھی تو یہاں سے اپنی دوکان اُٹھا

یہ شعر بغیر لکھے آگے نہیں بڑھوں گا۔ جناب ریاض کا چلبلا پن داد چاہتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہے زاہدِ مرتاض ریاض — رند کہتے ہیں اُسے چور ہے میخانے کا

ریاض بہشت میں یہ شعر پڑھکر ٹہلتے ہونگے۔

جوانی اے ریاض اب لوٹتا ہے دخترِ رز کی — بڑھاپا کہہ رہا ہے تو نئے سر سے جواں ہو گا

چند شعر اور جلدی جلدی سُن لیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ میری نوٹ بازی سے خفا ہو جائیں اور یہ کہیں کہ ریاض کے شعر تو سُناتا نہیں اپنی لفاظی کی داد چاہتا ہے۔

دنیا سے الگ ہم نے میخانے کا در دیکھا ۔۔۔ میخانے کا در دیکھا اللہ کا گھر دیکھا
دونوں کے مزے لوٹے دونوں کا اثر دیکھا ۔۔۔ اللہ کا گھر دیکھا میخانے کا در دیکھا
کعبے میں نظر آئے جو صبح اذاں دیتے ۔۔۔ میخانے میں راتوں کو اُنکا بھی گذر دیکھا
کچھ کام نہیں مَے سے گو عشق ہے اس شے سے ۔۔۔ ہیں رند ریاض ایسے دامن بھی نہ تر دیکھا

اس وقت میں ریاض کے خمریات کے دو سو شعروں کا انتخاب لکھ سکا گیارہ سو چھیاسٹھ شعر ابھی باقی ہیں اگر ان کا بھی انتخاب لکھوں اور اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر کہیں کہیں کچھ نوٹ بھی اضافہ کروں تو دو ہفتوں سے کم صرف نہیں ہونگے اور جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے حال مقیم دار الترجمہ حیدر آباد کا تقاضا ہے کہ دیوان چھپ چکا ہے۔ دیباچہ جلد سے جلد بھیجو۔ اب میں باقی گیارہ سو چھیاسٹھ [۱۱۶۶] شراب کے شعروں کا انتخاب اپنے نوٹ کے ساتھ گورکھپور کے ادبی پرچہ شاہکار میں جس کے ایڈیٹر اور مالک جناب حکیم عارف صاحب ہیں دیتا رہونگا جن صاحبوں کے پاس ریاض کا دیوان اس دیباچہ کے ساتھ موجود ہو گا وہ اگر اس سلسلہ کو مکمل کرنا چاہینگے تو اگر دیباچہ میں نہیں تو دیوان کے آخر میں اس کا اضافہ کر لینگے۔ اب میں دو شعر لکھ کر اس دیباچہ کو ختم کرتا ہوں۔

پہلا شعر

میں نے کسی تذکرہ میں یہ پڑھا تھا کہ غالب مرحوم کے پاس کچھ لوگ اُن کا کلام سُننے کے شوق میں حاضر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ غالب مرحوم کے پاس اُن کا کلام سُننے آئے ہونگے انہوں نے اپنے آپ کو غالب کے کلام کے سمجھنے کا اہل سمجھا ہوگا۔ چنانچہ غالب مرحوم سے اُنہوں نے یہ عرض کیا کہ آپ کے منہ سے آپ کا کلام سُن لینگے تو عمر بھر فخر کرینگے اس لئے کچھ سُنائیے۔ غالب مرحوم نے ایک غزل پڑھی اور جب مقطع پر پہونچے تو سامعین سے کہا کہ سمجھے؟ سامعین نے سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو سب نے ایک زباں ہو کر کہا کہ نہیں سمجھے۔ غالب مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک نہیں سمجھے ہونگے! اتنا واقعہ میں نے کسی تذکرہ میں پڑھا تھا غالب مرحوم نے اُس مقطع کا کیا مطلب سمجھا اس میں درج نہ تھا۔ مگر مقطع درج تھا چنانچہ میں بھی اُسے لکھے دیتا ہوں۔ میں نے بھی کوشش کی ہے کہ اس مقطع کو سمجھوں اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوا ہوں مگر اس کے بیان کا یہ محل نہیں ہے۔ اس وجہ سے اُسے چھوڑتا ہوں وہ مقطع یہ ہے۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اب واقعہ سنئے کہ ریاض مرحوم گورکھپور میں تشریف فرما ہیں ایک روز اُن سے میں نے فرمائش کی کہ اپنا کوئی شعر سنائیے انہوں نے ایک

شعر سنایا میں نے اُن سے کہا کہ آپ سمجھے۔ اُنہوں نے کہا نہیں سمجھے میں نے کہا بیشک نہیں سمجھے ہونگے۔ انہوں نے کہا سمجھائیے۔ میں نے کہا سنئے۔ آپ کو شراب کا مضمون باندھنے کی مشق میں الفاظ مناسب ملے، نگینے کی طرح صحیح جگہوں پر جڑ دیئے۔ شعر ہو گیا۔ آپ سمجھے نہیں کہ آپ نے کیا کہا۔ سنئے زمین کی شراب بناتے بناتے آپ کوثر کی شراب دنیا میں بنانے لگے۔ کوثر والی یہاں بنے کیسے۔ جب تک نسخہ نہ ملے۔ نسخہ ملے تو کہاں سے۔ پرانی بیاضوں میں حکماء علماء تجربہ کے نسخے لکھ دیا کرتے تھے۔ تلاش ہوئی کہ کوثر والے کی بیاض ملے تو نسخہ تلاش کیا جائے۔ کوثر والا کون جو دعویٰ کرتا ہے وسقٰہم ربہم شراباً طہورا' ان کے رب نے ان کو شراب طہور پلائی۔ معلوم ہوا کہ رب کی بیاض چاہیئے۔ رب کی بیاض قرآن۔ قرآن جو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قرآن والے نے حوض کوثر کا مالک و مختار پیغمبر آخرالزماں صلعم کو قرار دیا۔ اور انا اعطیناک الکوثر کہکر واضح کر دیا۔ معلوم ہوا مالک کوثر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی بیاض کی تلاش ہوئی معلوم ہوا کہ ان کی بیاض کا نام ان کی حدیثیں ہیں۔ شراب کوثر کے نسخے کی دو کتابیں ملیں قرآن اور حدیث ان دونوں کی شرحیں جو علماء نے کیں ہیں ان میں یہ بات واضح کی ہے کہ قیامت کے دن شراب کوثر تقسیم کرنے والی جماعت کے سرگروہ مولا علی کرم اللہ وجہہ ہونگے۔ سوچا کہ ان کو بھی شراب کوثر کا نسخہ معلوم ہو گا۔ ان کی بھی بیاض تلاش کرنا چاہیئے

ان کی بیاض کتابِ معرفت۔ ان تینوں بیاضوں میں سے اسی دنیا میں
نسخۂ شراب کوثر ملا۔ شبلی و جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہما، خواجہ اجمیریؒ اور
سلطان الاولیاؒ اور دنیا کے جملہ اولیا نے پلانا شروع کیا شعر ریاض کی
شاعری تک نہیں رہا واقعی اور وقوعی ہو گیا۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیے۔

نسخہ بیاض ساقیٔ کوثر سے مل گیا ۔۔۔ گھر بیٹھے اب تو بادۂ کوثر بنائینگے

دوسرا شعر

اس شعر کا قصہ یوں ہے کہ منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض نے
ایک شعر مصحفی کے اُس شعر کے جواب میں کہا مصحفی کا شعر۔

دعویٰ کیا خطا گل نے کل اُس سر رنگ و بو کا ۔۔۔ ماری صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

اس کے مقابلہ میں ریاض نے جو شعر کہا اس میں منہ میں تھوکا نظم کیا۔
ظاہر ہے کہ منہ پر تھوکنا آسانی سے ہو سکتا ہے یا محاورے کے تحت میں آتا
ہے۔ منہ میں تھوکنا اہتمام چاہتا ہے کہ منہ کھولا جائے تو کس عنوان سے
کھولا جائے اور منہ میں تھوکنا اگر محاورہ نہیں ہے تو محاورے سے چنداں
الگ بھی نہیں اور اگر منہ کھولنے کا عنوان بہترین ثابت ہو سکے تو مصحفی کے
محاورہ باندھنے کی خوبی کے سوا یہ شعر منہ میں تھوکنے والا اُس سے بلند ہو جانا
چاہیئے۔ چنانچہ ریاض کا شعر اس سے بلند ہوا۔ نواب حامد علی خاں والیٔ
رامپور کے کان تک شدہ شدہ یہ بات پہونچی کہ ریاض نے مصحفی سے
بڑھ کر مطلع کہا ہے۔ مگر خود سنانے کی شرط ایک ہزار روپیہ ہے۔ مجھے
معلوم ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے اُن کا یہ مطلع اُنہیں سے سُنا۔

ہزار روپیے اُن کو دئے یا نہیں اس کا علم مجھکو نہیں۔ اس موقع پر ریاض والا مطلع سُن لیجئے۔

منہ زیر ناک کھولا واعظ بہت ہی چوکا   بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

مجھے یہ ہوس خام ہوئی کہ ریاض مرحوم کے کلام کا میں بڑا شائق ہوں کاش مجھے کوئی ایسا ہی موقع نصیب ہوتا۔ میرے دل کو یہ بات لگی ہوئی تھی، اب واقعہ سنئے۔ مجھ سے اور ریاض صاحب سے یہ معاہدہ تھا کہ جب وہ مجھے کوئی خط لکھینگے تو اس کے ابتدا میں اور آخر میں ایک ایک نیا شعر لکھا کرینگے چنانچہ ایک روز ڈاک سے اُن کا خط مجھے ملا شروع ہی میں اُن کا شعر نظر کے سامنے آیا۔ اُن کا خط میں نے نہیں پڑھا۔ شعر کا مضمون اُن سے کہنے کے لئے بیتاب ہوگیا۔ اُسی وقت تار گھر گیا وہ اُس وقت خیر آباد میں تھے اُن کو تار دیا اور بیتابی سے دوسرے روز تک آنے کا انتظار کرتا رہا دوسرے روز صبح کو میں خود اسٹیشن لینے گیا اور اُن کو اپنی گاڑی پر سوار کیا اور شعر کی لذت لیتے ہوئے گھر چلا ۸ بجے صبح کو گورکھپور میں خیر آباد کی گاڑی پہونچتی ہے۔ اُس وقت سے دوسرے دن ۸ بجے صبح تک مسلسل اس شعر کا تذکرہ رہا۔ میں اب ناظرین کو یہ بتانے سے معذور ہوں کہ میں نے اس شعر کے معنی اپنے خیال کے مطابق چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں کتنے بیان کئے اور سید ریاض احمد ریاض سے اسی شعر فہمی کے سلسلہ میں میں نے اپنی دیرینہ دل کی لگی کا اظہار کیا کہ میں بھی ایسے ہی موقع کا متلاشی تھا جیسا کہ نواب رام پور کو ملا تھا میری ناقص سمجھ میں آپ کا یہ شعر اسی قدر دانی کا مستحق ہے۔

چنانچہ میرے اصرار پر ریاض صاحب نے میری خواہش پوری کی اب وہ شعر آپ کو سناتا ہوں، میں نے اس شعر کو اپنے خیال میں نعت کا شعر سمجھا اور اسی لحاظ سے میں اس کی وضاحت کرونگا۔ ناظرین کو اختیار ہے کہ وہ کسی اور پہلو سے اس شعر کو ملاحظہ فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ میرا اس شعر کو نعت میں سمجھنا اس شعر کے معنی کی وسعت پر کوئی مہر ثبت کرنا نہیں ہے اپنا اپنا مذاق ہے شعر ملاحظہ ہو۔

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے　　شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

باغ میں پھول کھلے ہیں آپ جس کو نیچر کہتے ہیں میں اُس کو خدا کہتا ہوں۔ خُداجس نے پھول کھلائے ہیں وہ یقیناً پھول سے نازک تر ہے۔ پھول چاہتا ہے کہ جس خُدا نے مجھے کھلایا ہے اور یہ رنگ وروپ دیا ہے میں اُس کے شکرئے میں ایسا نازک اور لطیف ہوجاؤں کہ خُدا میں جذب ہوسکوں چنانچہ گل زمین سے درخت کے ذریعہ سے اُبھرا اُبھرتے اُبھرتے پتیاں اور شاخ بنا اور شاخ کے نازک ترحصے میں اپنے آپ کو لطیف تر کرتا ہوا نمایاں کیا تو گویا اُس نے اپنے پیدا کرنے والے کا رنگ وروپ اختیار کرنا چاہا پیدا کرنے والا گُل کی نظر میں گُل کا معشوق تھا اور گُل عاشق۔ عاشق نے اپنے آپ کو معشوق بنانا چاہا تاکہ معشوق سے قریب تر ہوسکے تو عاشق اپنے جذبے کے لحاظ سے تو عاشق ہے کہ پتی پتی اس کی الگ الگ اور چاک داماں ہے۔ جو عاشق کی خصوصیات میں سے ہے۔ مگر رنگ وروپ معشوقیت پیدا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گُل ایک رُخ سے عاشق ہے اور دوسرے

دوسرے رُخ سے معشوق ہے اور ایسا معشوق ہے کہ دنیا کے حسین وجمیل جو پرتو الہٰی کے مظاہر ہیں ان کے دامنوں اور سروں تک پہونچنا گیا گلے کا ہار ہو جاتا ہے۔ اپنی چاکدامانی کی وجہ سے خشک ہو کر خاک میں ملجانے کے لحاظ سے پورا پورا عاشق ہے۔ رنگ وبو اور نزاکت کی وجہ سے دنیا وی معشوقوں کا معشوق بنگیا۔ باغ کے درختوں کے تمام پھول جو مختلف رنگ وشکل کے ہیں یہ پورا مرقع اللہ تعالیٰ کے عشاق کا مُرقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاشق کا مرتبہ یہ ہے کہ ساری دنیا کا معشوق ہو جائے چنانچہ ہوگیا۔ پورے کا پورا تختہ گُل عشاق الہٰی کا مرقع ہے اور خود دنیا کے حسین ترین انسانوں کے معشوقوں کا مرقع ہے۔ شعر ایک دفعہ پھر سنئے۔

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے　　　شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

پھر سنئے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق خدا تعؔ کے جتنے عشاق ہونگے وہ عشق کے کسی مرتبے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتے جب تک اس وقت کے پیغمبرؑ کے شیدائی اور کلمہ گو نہ ہوں چنانچہ اس وقت جس پیغمبرؑ کا دور دورہ ہے اور قیامت تک رہیگا وہ نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ کسی باغ کے ایسے تختے میں چلیئے جس میں سو دو سو چار سو طرح کے پھول ہوں اُن میں سے کسی پھول کو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خراب ہے کوئی نہ کوئی ادا ہر پھول میں موجود ملیگی اس کو اسلام کے جملہ اولیا سے مناسبت دیجئے۔ ایسا صوفی اور ولی جو انتہائی نازک مزاج ہو وہاں سے چلیئے یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہٗ سے چلیئے اور اُس ولی تک

پہونچئے کہ جس کو ہم مجذوب کہتے ہیں جو ننگے رہتے ہیں، نالیوں میں پڑے رہتے ہیں مختلف غلیظ حرکتیں کرتے ہیں مگر یہ سمجھکر کہ ان کی زبان سے جو لفظ ہماری بھلائی کے لئے نکل جائیگا وہ درجہ قبولیت تک پہونچے بغیر نہ رہے گا۔ اہل غرض ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جس طرح عشاق اپنے معشوق کی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ ہاتھ چومتے ہیں، قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں، دست بستہ ان کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر حرکت کرتے ہیں چنانچہ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک دنیا کا عاشق اپنے دنیاوی معشوق کے ساتھ برتتا ہے اس اعتبار سے وہ معشوق ہیں۔ اس اعتبار سے کہ وہ خود محبت رسولؐ اور اس کے ذریعہ سے محبت الہیٰ میں غرق ہیں عاشق ہیں چنانچہ اب میں آپ کے سامنے ایک سماں کھینچتا ہوں اور اس شعر کے متعلق اتنا ہی اس وقت کہونگا بعد کو اس کی بابت اور جو کچھ لکھونگا وہ شاہکار میں ملاحظہ کیجئے گا۔ سماں یہ ہے کہ ایک تختۂ گل ہے اور اس تختہ کے بیچوں بیچ میں قبر نما ایک کیاری بنا دیگئی ہے اور اس میں تمام پھولوں میں سے ایک ایک وہ پھول نصب کر دئے گئے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس قبر نما کیاری میں تمام پھولوں کا عطر مجموعہ ہے۔ یہ تو قبر رسولؐ ہوئی پورے تختہ میں جتنے پھول اور جس جس طرح کے پھول ہیں ان میں سے ہر پھول کو ایک ایک ولی تصور کیجئے اس ولی میں پوری عاشقانہ خصوصیتیں ہیں وہ تمام جذبات اس میں مکمل طور پر موجود ہیں جو ایک والہ و عاشق میں ہونا چاہئے اور دوسرے رُخ سے ہر ہر ولی پورا پورا معشوق ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ قبر رسولؐ کے

گرد تمام عالم کے اولیا جمع ہیں۔ ہر طرح کے سالک اور مجذوب وغیرہ اور وغیرہ اور وغیرہ اب میں پھر یہ شعر پڑھتا ہوں اگر مطابق ہو تو داد دیجئے گا ورنہ دیباچہ تو ختم ہی ہے۔

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے　　شکلِ معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

آخر میں میں اتنا اور عرض کرونگا کہ ناظرین میری فروگذاشتوں کو اور بدمذاقی کو قطعاً معاف کرینگے۔ اور خدا سے اس معافی کا ثواب لینگے۔

یکم جون ۱۹۳۶ء

اعترافات

از
جناب نیاز صاحب
(مدیر نگار ۔ لکھنؤ)

یوں تو ہر وہ شخص جس کو شاعری سے کچھ بھی لگاؤ ہے نہ حضرت ریاض کے نام سے ناواقف ہو سکتا ہے اور نہ اُن کے رنگِ کلام سے بیخبر، لیکن خود ریاض کیا چیز تھے۔ اس کے جاننے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو اس "رندِ پاکباز" سے ملنے اور بار بار ملنے کا فخر حاصل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کا شاعر، جیسا کہ اس سے قبل میں بارہا ظاہر کر چکا ہوں، بہ حیثیت انسان ہونے کے ایک ایسی جنس فرومایہ ہے کہ مشکل ہی سے کسی کو اُس کے پیش کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر واقعی کوئی انسان اس گروہ میں نکل آیا تو پھر اُس کا جواب اِس "عالمِ آب و گل" کیا معنی "ملائکہ مقربین" اور "کرّوبیانِ مقدسین" کی جماعت میں بھی نہیں مل سکتا۔

اس حقیقت کی طرف اول اول میرا خیال اُس وقت منتقل ہوا جب غالباً ۱۹۲۵ء میں سب سے پہلے ریاض کی زیارت کا شرف بھوپال میں مجھے حاصل ہوا اور پھر اس حقیقت کے مدارج رفتہ رفتہ مجھ پر اُس وقت واضح ہوئے جب میں لکھنؤ آگیا اور زیادہ قرب کے ساتھ، بار بار، رات دن کے مختلف

حصول اور متنوع کیفیات رکھنے والی صحبتوں میں ریاض کے مطالعہ کی فرصت نصیب ہوئی۔

ریاض کیا چیز تھے؟ اگر میں تفصیل سے کام لوں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں، لیکن اختصار و اجمال کے ساتھ اگر کوئی دریافت کرے تو میں اس کے جواب میں وہی کہہ سکتا ہوں جو یوسفؑ کی خصوصیات معلوم کرنے کے بعد بعض زبانوں سے بے اختیار نکل گیا تھا کہ:۔

ان ھذا الا ملک کریم

اور اس کے بعد بھی عرفی کا یہ مصرعہ پڑھونگا کہ:۔

مرغِ اوصافِ تو از اوجِ بیاں انداختہ

کیونکہ یوسفؑ تو خیر، پیغمبر پیدا ہوئے، پیغمبر زندہ رہے اور پیغمبر مرے اور ان کے لئے "ملک، کریم" ہو جانا کوئی امتیاز نہ تھا، لیکن ریاض تو بقول شخصے اس "تیرہ خاکدان ہند" میں ایک گنہگار انسانی خاندان میں پیدا ہوئے جوانی کا معصیت کوش زمانہ اس فضا میں بسر کیا جہاں "حسن" کا مفہوم "استغناء" نہ تھا اور ضعیفی ان حالات کے تحت گزاری جب "ممنوعات و محرمات" کا سوال شرعاً و قانوناً دونوں طرح اُٹھ جاتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ریاض اپنی زندگی کی کسی منزل میں، اپنی حیات کے کسی مشغلہ میں اور اپنی عمر کے کسی موسم میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس جادۂ انسانیت و اخلاق سے ہٹے ہوئے نظر آئے جو کبھی کبھی گنہگاروں کو تو مل جاتا ہے لیکن "زاہدان مرتاض" کے حصہ میں کبھی نہیں آتا اس لئے اگر ان کو ملک کریم کہنے کے بعد بھی عرفی کی طرح اعترافِ قصور

کیا جاوے تو غالباً نادرست نہ ہوگا۔ ریاض اُس عہد کی یادگار تھے جب اودھ اور مضافاتِ اودھ کے اکثر مقامات میں زندگی کا مفہوم باوجود انتزاع سلطنت کے بدستور خندہ و قہقہہ چلا آرہا تھا اور ہر صحبت اُس احساس حسن و شباب کا مکمل نمونہ ہوتی تھی، جسے شعر و موسیقی کا خلاق کہنا چاہیئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر اجتماع ہنگامہ نائے و نوش تھا اور ہر منظر بساط گلفروش۔ بیفکریاں تھیں اور عیش کوشیاں، عیش کوشیاں تھیں اور ان اسباب کے ساتھ جن کا ایک ادنیٰ منظر صاحب رسائل طغرا کی زبان میں "بہمی بناگوش مطرباً جلاجل نعل در آتش" کے تیور لئے ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے ایسے مدہوش اور مدہوش کن زمانہ میں جوانی آئے اور شخص بھی کون؟ ریاض ایسا غیر معمولی طبع رنگین رکھنے والا، وہ جس قدر داد معصیت دیتا کم تھا، لیکن اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ یہ ساری عمر خمریات کی شاعری میں مبتلا رہکر ذوق بادہ سے نا آشنا رہنے والا شاعر، یہ زندگی کی تمام شگفتہ سامانیوں کے ساتھ حسن و شباب کے ہجوم میں بہترین ایام حیات گزارتے ہوئے جادۂ اخلاق سے کبھی ایک لمحہ کے لئے نہ ہٹنے والا شخص، جس طرح ایک انسان پیدا ہوا تھا، بدستور اسی طرح انسان رہا۔ اُس زمانہ میں بھی جبکہ گناہ سے پہلے "عذر گناہ" پیدا کر لیا جاتا ہے، سن کے وقت کا کیا ذکر کہ اس وقت تو ریاض حقیقی معنوں میں رضواں تھے۔

ریاض کو میں نے اُس زمانہ میں دیکھا جب، وہ ضعف و کہولت کے دور سے گزر رہے تھے، لیکن باوجود اس کے کہ زمانہ موافق نہ تھا، حالات نے سخت دلگیر بنا رکھا تھا، ہجوم افکار نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، لیکن ریاض باوجود سراپا غم و الم ہونیکے دوسروں کے لئے

یکسر بہار و شگفتگی تھے۔ آپ خواہ کتنے ہی مغموم و ملول کیوں نہ ہوں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ ریاض آپ کو مل جائیں اور تھوڑی دیر کے لئے آپ کسی اور عالم میں نہ پہونچ جائیں، اُن کی دلکش و دلنشیں گفتگو اُن کا اندازِ بیان اُن کی لطیف بذلہ سنجیاں اور پھر سب سے بڑھکر اُن کا خلوص۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان کسی ایسی فضا میں پہونچ گیا ہے جہاں فردوس کی ہوا ہے۔ کوثر و سبیل کی روانی ہے اور طوبےٰ کے طیور کا ترنم! بچوں کے لئے اُن کا وجود گہوارہ استراحت، جوانوں کے لئے اُن کی ہستی داستان حسن و عشق اور ضعیفوں کے لئے اُن کی ذات ایک برادرانہ آغوش تھی۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص ریاض سے ملے اور اپنے ذوق کو اُن کے پاس سے "ناآسودہ" واپس لائے۔

ریاض نے اس زمانہ میں ہوش سنبھالا جب لکھنوی شاعری شباب پر تھی اور داغ نے بھی دلی کے رنگِ سخن کو چمکا رکھا تھا۔ ہر صحبت، صحبتِ شعر و سخن تھی اور ہر بزم دائرۂ شمع و لگن۔ رام پور میں خلد آشیاں نواب کلب علی خاں کے دربار میں ملک کے تمام اکابر شعراء کا ہجوم تھا، ہر محفل لطائف ادبیہ اور نکاتِ شعریہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور ریاض بھی ان گلدستوں میں ایک گلِ نودمیدہ کی حیثیت سے کہیں نہ کہیں ضرور پائے جاتے تھے، اس لئے ریاض کے شاعر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن اختلاف اس امر پر ہوسکتا ہے کہ ان کو کس رنگ کا شاعر قرار دیا جائے۔ اگر رنگ کی اس بڑی تفریق پر نظر ڈالی جائے جس کا تعلق دہلی و لکھنؤ سے ہے، تو یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ریاض لکھنوی شاعر تھے اور اُن کے کلام میں قدرتاً وہی رنگ ہونا چاہیئے جو اساتذۂ لکھنؤ کا تھا، لیکن

اگر اس کی تحتی تقسیمیں بھی ہو سکتی ہیں یعنی اگر لکھنؤ کی فضائے شاعری صرف ایک ہی لحن کی حکمران نہیں رہی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاض کی نغمہ سنجیاں کن کیفیات سے متعلق سمجھی جائیں گی۔

ظاہر ہے کہ دہلی کی شاعری یکسر جذبات کی زبان و گفتگو ہے اور جذبات بھی وہی جن کا تعلق زیادہ تر یاس، حرمان، مہجوری و ناکامی سے ہے، اس لئے یوں تو جذبات کی وسعت کے لحاظ سے اس کو بھی بہت وسیع ہونا چاہیے لیکن اس سے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور اس کا تنوع ثابت کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی راگنی کو مختلف سازوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ برخلاف لکھنؤ کے کہ وہاں کی شاعری کا تعلق جذبات سے کم اور معاملات سے زیادہ ہے اور معاملات کی دنیا چونکہ بے پایاں چیز ہے اس لئے لکھنؤ میں مختلف رنگ کے شعراء نظر آتے ہیں اور شوخی و بیباکی محاکات و معاملہ بندی رندی و آزادی، جوش و سرمستی وغیرہ بہت سی وہ باتیں جن کا تعلق عشق کی مادّی دنیا سے ہے، یہاں کثرت سے نظر آتی ہیں، جنہوں نے مختلف اسلوب بیان کے تحت نہ صرف تشبیہات و استعارات کی فضا کو بہت زیادہ وسیع کر دیا، بلکہ زبان کو بہ حیثیت زبان ہونے کے بھی بہت ترقی دی جس کو "رعایت لفظی" کے روشن پہلو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لکھنؤ دہلی کی شاعری میں یہ فرق کیوں پیدا ہوا؟ اس کا کھلا ہوا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کی شاعری کا کمال سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ہوا اور لکھنؤ کی شاعری نے آنکھ کھولی تو اودھ کی حکومت شباب پر تھی

پھر چونکہ انسان کا خیال جذبات کا آئینہ ہے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں ماحول سے اس لئے دہلی کی شاعری میں سوز و گداز، حسرت و یاس کا پیدا ہونا ضروری تھا اور لکھنؤ کی شاعری میں بیان نشاط، وقت کا اقتضاء۔

دہلی کا شاعر ایک ایسا عاشق تھا جس نے سوائے مہجوری کے کچھ نہ دیکھا تھا، جس کو لذت کامیابی بہت کم حاصل ہوئی تھی، جو غریب تھا، بیکس تھا، مجبور و ناچار تھا، اس لئے وہ سوائے اس کے کہ رات دن روتا، ہائے ہائے کرتا، اور کر ہی کیا سکتا تھا، برخلاف لکھنؤ کی شاعر کے کہ وہ ایک عاشق تھا وصل نصیب، نا آشنائے مہجوری اس لئے وہ شراب پیتا تھا، جوانی کے لطف اٹھاتا تھا اور چھیڑ چھاڑ اس کا رات دن کا مشغلہ تھا۔

پھر چونکہ غم کی صرف ایک زبان ہے، اس لئے دہلی کی شاعری نے عمیق جذبات اور روحانیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو، لیکن راگنی وہی ایک تھی اور لکھنؤ کی شاعری نے انسانی زندگی کی کیسی ہی عام سطح کیوں نمایاں کی ہو لیکن چونکہ نشاط کی زبانیں کثیر ہیں اس لئے اس میں تنوع، رنگینی، لطف زبان، حسن بیان کا پیدا ہونا ضروری تھا۔

یہ صحیح ہے کہ ہر شخص فطرت کی طرف سے ایک خاص ذوق لیکر آتا ہے۔ اور اسی ذوق کے تحت وہ ترقی کر سکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سوائے اس مخصوص میلان کے وہ اپنے دیگر داعیات نفس سے کام نہیں لے سکتا، بعض اوقات ایسی ہمہ گیر ہستیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں جن کے لئے ہر چیز مخصوص ہوتی ہے اور وہ ہر چیز پر حکمراں نظر آتی ہیں لیکن بہت کم۔ اور یہی

سبب ہے کہ لکھنؤ کے شعراء میں ایسے بہت کم نفوس آپ کو ملیں گے جنہوں نے
محفل نشاط کے بھی تمام مناظر کو اپنی حدود شاعری کے اندر لے لیا ہو چہ جائیکہ بزم عزا
اور اسی لئے جب ہم ایک لکھنوی شاعر کے کلام کو دیکھتے ہیں تو خصوصیت کے ساتھ
ہم کو یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ اس کا فطری ذوق یہ ہے اور فلاں فلاں جذبات
اس کے ذوق سے خارج ہیں۔ جن کو اس نے صرف اکتساباً اپنے ذہن کی
مدد سے حاصل کرنے میں ایک ناقص کامیابی حاصل کی ہے۔ اس لئے ضروری
ہے کہ جب ہم کسی شاعر کے متعلق تنقید کریں تو پہلے یہ فیصلہ کریں کہ اس کا صحیح
رنگ کیا ہے اور فطرت کی طرف سے وہ کن جذبات کی پرورش کے لئے آیا ہے
انتقاد کی ایک عام غلطی جس میں تقریباً ہر شخص مبتلا نظر آتا ہے یہ ہے کہ
نقاد سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ لکھنے والے نے اس کے ذوق کی رعایت
کس حد تک کی ہے اور اُس کے نقطہ خیال سے کون کونسا حصہ ایک تصنیف کا
مکمل کہا جاسکتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک قطعی حکم لگا دیتا ہے کہ فلاں جز وایک
کتاب کا اچھا اور فلاں خراب ہے۔ میرے نزدیک یہ اصولی غلطی ہے۔ اگر
ایک شخص کا دماغ زندگی کے مختلف شعبوں کارگاہ حیات کے کثیر الانواع
مناظر جذبات انسانی کے مختلف کوائف تکمیل فن کی متعدد اشکال اور
فطرت کے بوقلموں مظاہر سے علیحدہ علیحدہ لطف اندوز ہونے کی اہلیت نہیں
رکھتا تو اس کو انتقادی ذمہ داریاں اپنے سر نہ لینا چاہیے کیونکہ اس کے لئے
ایسے دماغ کی ضرورت ہے جو ہمہ گیر ہو اور ہر چیز کی جداگانہ حیثیت و امتیاز کو
سمجھ کر اس کے نقائص و محاسن کا درک کر سکے لیکن چونکہ یہ صفت شاذ و نادر

کسی میں پائی جاتی ہے' اس لئے حقیقی معنی میں نقاد کا وجود بھی بہت کم نظر آتا ہے اور عام طور پر انتقادی مقالے تنقیصی جرح سے زیادہ کوئی اور حیثیت اختیار نہیں کر سکتے۔

فرض کیجئے کہ ایک نقاد فطرت کی طرف سے یہ ذوق لیکر آیا ہے کہ جذبات سوز و گداز کو پسند کرتا ہے اور یہ پسندیدگی اس قدر غلو کی حد تک پہونچ گئی ہے کہ کوئی اور جذبہ اس کو پسند نہیں آتا تو اس کو یقیناً نقد کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نقد وہی شخص کر سکتا ہے جو اگر ایک طرف میر کے اس شعر پر سر دھن سکتا ہے:۔

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جانا سمیت
تیر تو نکلا مرے سینہ سے لیکن جان سمیت

تو دوسری طرف داغ کا یہ شعر بھی اسے بےچین بنا دیتا ہو:۔

یہ سیر ہے کہ دوپٹہ اڑا رہی ہے ہوا
چھپاتے ہیں جو دہ سینہ کمر نہیں چھپتی

الغرض نقاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی طبیعت اپنی اپنی جگہ ہر رنگ کا لطف اٹھا سکتی ہو اور وہ ہر کتاب کا مطالعہ صرف اس کے موضوع اور مصنف کے میلانِ طبع کے لحاظ سے کر سکتا ہو۔ شاعری حقیقتاً ایک نوع کی مصوری ہے' پھر جس طرح مصوروں میں بعض صرف مناظر کی تصویر اچھی کھینچ سکتے ہیں۔ بعض صرف جاندار اشیاء کو صفحۂ کاغذ پر زیادہ خوبی کے ساتھ نمایاں کر سکتے ہیں' بعض کا قلم صرف جذبات ہی کے اظہار میں اچھا کام کرتا ہے۔ اسی طرح شعرا کا حال ہے کہ بعض صرف تشبیہات و استعارات کے دلدادہ ہیں بعض فقط

رعایت لفظی کے پابند ہیں، بعض کو معاملات حسن و عشق کی رنگینی پسند ہے اور بعض کو سوز و گداز۔ پھر جس طرح ہم ہر مصور کی تصویر کا صرف اس کی فطری ذوق کی بنا پر مطالعہ کرکے اُس کے نقائص و محاسن کو دیکھتے ہیں، اسی طرح ایک شاعر کے کلام پر اُس کے مخصوص ذوق کے لحاظ سے نقد کرنا چاہیے، ورنہ وہ صرف اپنے معیار کی رعایت ہوگی جو یقیناً فن نقد کے لحاظ سے سخت ناروا جسارت ہے۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ اس وقت تک ریاض کے کلام پر جو کچھ لکھا گیا ہے یا آئندہ لکھا جائے، اس کو اِسی اصول سے دیکھنا چاہیے جو میں نے ابھی عرض کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ریاض کا حقیقی رنگ کیا ہے، اس میں کلام نہیں کہ ریاض کی شاعری یکسر رندانہ ہے اور اس مخصوص رنگ کے لیے جس قدر شوخی کی ضرورت ہے وہ ان میں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے۔ پھر چونکہ رندانہ کلام کا لطف خمریات ہی میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے اس لئے ریاض اپنے خمریات کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہوئے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شوخی کا جس حد تک تعلق ہے وہ خمریات و غیر خمریات ہر جگہ کامیاب نظر آتے ہیں اور حسن و عشق کی کامیاب زندگی اور مادیات محبت کی نشاط آفرینیوں میں مشکل سے کوئی دوسرا اُن کا ہم سر پیش کیا جا سکتا ہے۔

ریاض کے کلام میں کہیں کہیں ایسے شعر بھی نظر آتے ہیں۔

نکل گئے ہیں بہت دور جستجو سے ہم ہمیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

کبھی حرف محبت تا بہ لب آیا تھا چپکے سے اُسی نے رفتہ رفتہ طول کھینچا داستاں ہوکر

نہ رو کے طور تو ہم جائیں عرش سے اونچے — ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا

ہوا ہے جو اس دل میں ہنگامہ آرا — وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے

ہم اُڑ کر بھی نہ پہنچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا — مبارک شاخِ گُل کو شاخِ نخلِ طور ہو جانا

کلیمؑ آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا — ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے

لیکن یہ اُن کا مخصوص رنگ نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی کیفیات کے تغیر سے ایسے شعر بھی کہہ گئے ہیں اُن کا صحیح رنگ جس میں وہ اپنی جگہ بالکل تنہا نظر آتے ہیں، شوخی بیان ہے جس کو علاوہ خمریات کے میں نے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) وہ جس میں زیادہ تر اسلوب بیان سے شوخی پیدا کی گئی ہے اور ایک حد تک جذبات بھی وابستہ ہیں لیکن وہی جذبات جو عریاں معاملات حسن و عشق سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً

دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا — کلیمؑ طور پر اُن سے جو گفتگو آئے
اُترنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے — تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو — یہاں سے تو نہیں سنتا ہی آسمان کوئی
تمہارے کوچہ میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں — ذرا تم آکے لبِ بام مسکرا دینا

روشن کیۓ چراغ لحد لالہ زار نے — اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

جو ساتھ دے تو یہ دنیا سوا ہی جنت ہے — مزے کی چیز الٰہی شباب ہوتا ہے
خراب ہی سہی رہ جائیں دن جوانی کے — سُنا تو ہے یہ زمانہ خراب ہوتا ہے

اٹھا ہوں خوف زدہ میں لحد سے قبل از وقت — کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں — اس دغاباز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

یہ وہ رنگ ہے جس پر کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور جو لکھنؤ دہلی دونوں جگہ کے شعراء کے درمیان مشترک ہے۔

(۲) وہ جس میں شوخی کے خط و خال زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، اور کہیں کہیں محاکات بھی ہے مثلاً:۔

آتے آتے تری لب تک وہ تبسم بن جاۓ — اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو پیماں کوئی

چپ سے ہیں کچھ مری آغوش میں وہ حشر کے دن — یہ وہی ہیں جنہیں پیمانِ وفا یاد نہیں

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی — تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

چھیڑ کیسی بات کہتی روٹھ جاتے ہیں ریاض — اک حسیں ہر وقت ہو ان کے منانے کے لئے

اُن کے آنچل میں ادابنکر قیامت چھپ چکی — وہ مری جانی ہوئی وہ میری پہچانی ہوئی

ریاض کا یہ رنگ بھی کسی کے نزدیک قابل اعتراض و گرفت نہیں ہو سکتا بلکہ بعض بعض شعر تو اس قیامت کے نظر آتے ہیں کہ اگر وہ رنگ اختیار نہ کرتے تو اُردو شاعری پر ظلم کرنے والے کہلاتے۔

شباب کو شراب کہنا اور صاحبِ شباب کو مینائے شراب سے تعبیر کرنا کوئی نئی بات نہیں لیکن ریاض نے جس انداز سے شباب کی تصویر کھینچی ہے کہ

چھلکا ئیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی

اسلوب ادا اور محاکات کی ایسی دلکش مثال ہے کہ ریاض کی قادرالکلامی پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔

(۳) وہ جس میں شوخی بالکل برافگندہ نقاب یکسر عریاں اور سراپا بے باکی بنکر رونما ہوتی ہے مثلاً:۔

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائیگی یونہیں جبیں پر

یہ آدھی رات کو اُن کا پیام آیا ہے — ہم آج آ نہیں سکتے اب انتظار نہ ہو

آڑی ہیکل کو چوم لے گی — وہ چیز جو کچھ اُٹھی اُٹھی ہے

یا پھر ان سب سے زیادہ قیامت یہ شعر:۔

اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے　　　جب چھم سے چلیں گود میں چکی سی اٹھائے

یہ وہ قسم ہے جس پر ہر سنجیدگی پسند شخص کو اعتراض ہو سکتا ہے لیکن صرف اس قدر کہ ناواجب شوخی ہے، بتندل کہنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ اگر اپنے اوپر پہلے وہ حال طاری کر لیا جائے جس کے ماتحت ریاض نے یہ شعر کہے ہیں تو یہ اشعار نہ صرف بہت زیادہ پرلطف معلوم ہوں گے بلکہ اُن کی اس مقناطیسیت کی بھی داد دینا پڑے گی جو تھوڑی دیر کے لئے ضعیف سے ضعیف انسان کو بھی ایک بار جوان بنا دیتی ہے اور تمام جدید ترین کیمیائی ذرائع سے بھی زیادہ قوی و زود اثر ہے۔

جس طرح ریاض کے عام کلام کی شوخی تین درجوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے اسی طرح اُن کے خمریات کی بھی تین تقسیمیں ہو سکتی ہیں:۔

ایک وہ جس میں انھوں نے بادہ کشی کے مضمون کو نہایت جوش و مستی کے ساتھ لیکن بلند خیالات کے ماتحت پیش کیا ہے مثلاً:۔

یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے　　　خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہی جہاں ہم خشتِ خم رکھدیں　　　جہاں ساغر پٹکدیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

شررِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں　　　بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

ایک ہی چلّو کے ہیں کوثر و تسنیم ریاضؔ　　خاک اُڑتی جو لبِ خشک مرا تر ہوتا

ارے واعظ کہاں کا لامکاں عرش بریں کیسا　　چڑھی ہوتی جو کچھ تو ہم خدا جانے کہاں ہوتے

یہ رنگ ریاضؔ کی خمریات کا تو بے مثل ہے۔ اور اس کی داد دینے میں شاید شیخ و زاہد کو بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن خمریات کی وہ دوسری تقسیم بھی جس کا تعلق حقیقتاً صحنِ میخانہ ہی سے نظر آتا ہے۔ کم پر لطف نہیں۔ مثلاً:۔

فرشتے عرصہ گاہِ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں　　ہمیں بھی آج لطفِ لغزشِ مستانہ آتا ہے

مر گئے پھر بھی تعلق ہے یہ میخانے سے　　میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی　　جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی　　ہم رندسن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

نا اہل ضرور ہیں وہ میکش　　جن پر یہ حرام ہو گئی ہے

بعد اک عمر کے میخانہ میں آئے ہیں ریاضؔ　　آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

دھلتی ہے ساتھ خضرؑ کے سبزہ کے فرش پر　　جتنے ہیں وہ بھی آ کے لبِ جو کبھی کبھی

شراب پیتے ہی مسجد میں ہم کو گرنا تھا ۔۔۔ یہ شغل بیٹھ کے اچھا تھا قبلہ رو کرتے

جام مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن ۔۔۔ سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

تیسری قسم کی مثالیں جس میں وہ بہت زیادہ کھل کھیلے ہیں بہت کم نظر آتی ہیں مثلاً :۔

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی ۔۔۔ قرض پی آئے اک دکاں سے آج

خم مسجد میں مئے ناب بھر جائے رُوں میں ۔۔۔ ٹھنڈی پانی سے وضو کر کے ٹھٹھرنیوالے

کلامِ ریاض کی ایک اور خصوصیت جس میں سوائے امیر اور جلال کے ان کے دور کا کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں، اس کا بے عیب ہونا ہے۔ آپ ریاض کا پورا کلیات چھان ڈالئے، لیکن آپ کو زبان یا فن کی غلطی کوئی نہ ملے گی۔ اس لئے کلام ریاض علاوہ اور خوبیوں کے ایک معلمانہ حیثیت بھی رکھتا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ ناسخ ایسا غیر فطری شاعر بھی اسی کے بدولت آج اساتذہ فن میں شمار کیا جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ تنگی وقت کی وجہ سے نہ میں کلیات کا استقصا کر سکا اور نہ ان کے دیگر اصنافِ سخن پر روشنی ڈال سکا، لیکن جانتا ہوں کہ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

میں نہ بھی کہوں تو کیا، ریاض کی خوبیاں ایسی نہیں جو چھپ سکیں۔

من گویم و بعد از من گویند بدستانہا

۱۰ر جون ۱۹۳۸ء

ریاضِ رضوان

فہرست



۴۸۶
۴۹۲

حِصّہ اوّل

آتش تر

ذ

و

حصہ دوم

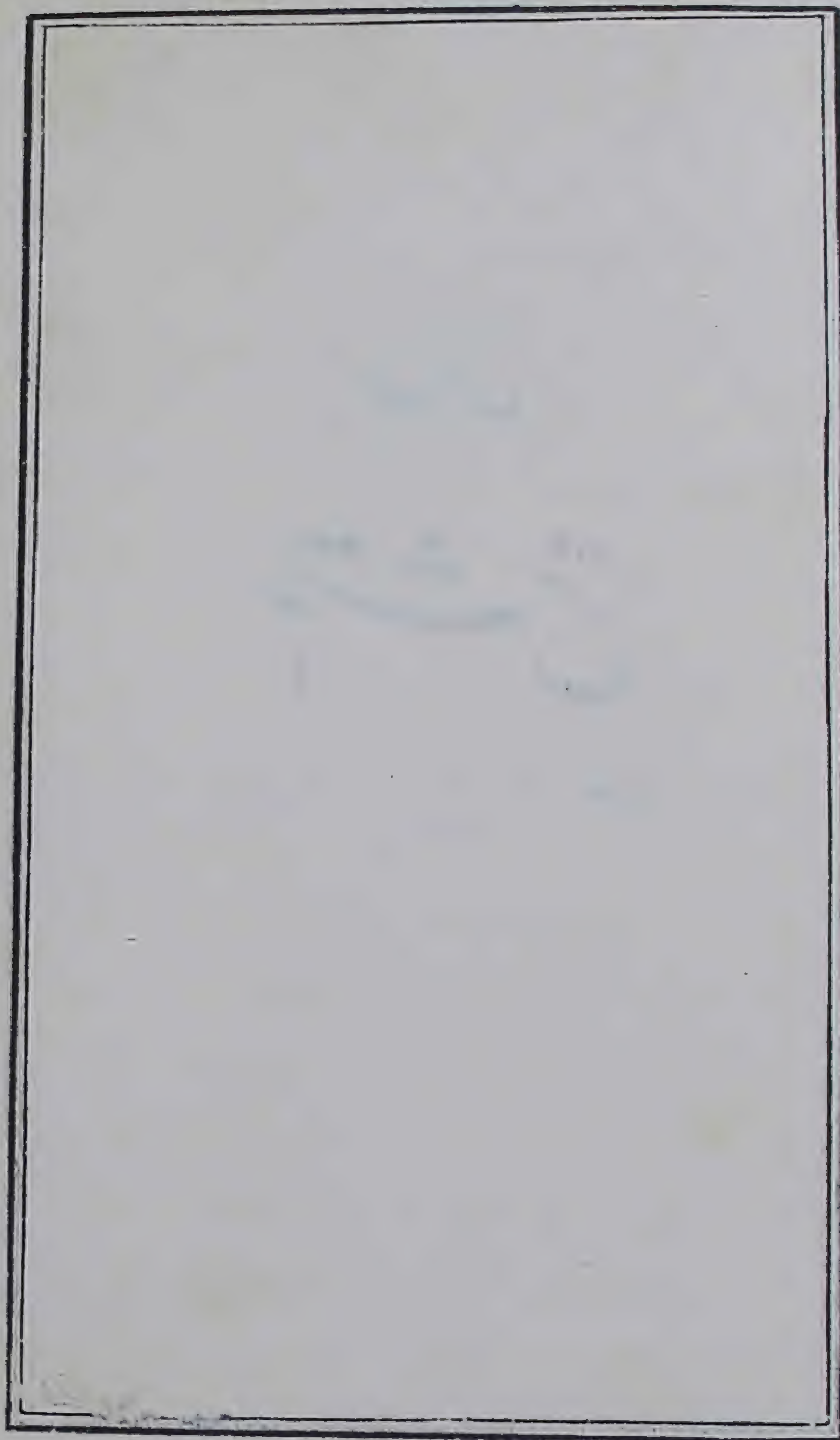
آتش گل

(رباعیات و قطعات وغیرہ)

تتمہ

حصہ اول

آتش تر



ھُوالوارث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ذوقِ ادب مستِ مئے ہوش رُبا کا — لغزش ہے قلم کو جو لکھا نام خدا کا
ہاں اور بھی اک گھونٹ مئے ہوش رُبا کا — اس وقت مجھے ہوش نہیں شکرِ خدا کا
آتی رہے پیہم ترے خُم سے مرے ساقی — وہ مے لبِ تر پر جو بنے شکر خدا کا
میخانے کو نا کام پھرا طور سے تو کیا — نظّارہ رہا موجِ مئے ہوش رُبا کا
جنت کی ذرا اہل جہنم کو بھی ہو قدر — جھونکا ادھر آجائے کوئی سرد ہوا کا
مالک مرے میں کیا ہوں جو انکار کروں گا — ہے میرے فرشتوں کو بھی اقرار خطا کا
جائے یہ چمن کو جو کھلانا ہیں نئے گل — میرے قفسِ تنگ میں کیا کام صبا کا
کیا تجھ سے ترے مست نے مانگا مرے اللہ — ہر موجِ شراب اُٹھ کے بنی ہاتھ دُعا کا
جو کچھ ہو مرا حشر میں دیوانہ ہوں تیرا — محشر میں مجھے ہوش جزا کا نہ سزا کا
میں خواب میں ہوں ورکھلی ہیں مری آنکھیں — اب دل میں اُتر آئے جو پُتلا ہو حیا کا
جانا تھا کہ آنا تھا جوانی کا، الٰہی — سیلاب کی تھی موج کہ جھونکا تھا ہوا کا
کچھ شوخیِ رفتار میں بھی کم ہے قیامت — کچھ قد بھی نکلتا ہے بُتِ شوخ ادا کا
نشّے سے جھکی پڑتی ہیں یوں ہی تری آنکھیں — چھیڑوں سے مری اور بڑھا بوجھ حیا کا

ہاں لطفِ ستم سے نہ انھیں قدرِ ستم ہے — اب نام نہ لیں آپ کبھی اہلِ وفا کا
پریوں کے عوض گھر میں بلاؤں کا ہی جھرمٹ — ہم نے کبھی دیکھا نہ اثر اپنی دعا کا
دل چھینتی ہیں اور جھکی جاتی ہیں آنکھیں — شوخی میں بھی جاتا نہیں انداز حیا کا
ارمان عدو کا بجھے، ہوتے ہوئے میرے — ہوتے ہوئے تیرے مجھے ارمان قضا کا
ایسے ہی تو ہیں ہاتھ میں لیں گے مرے دل کو — یہ وہ ہیں کہ ہے بار انھیں رنگ حنا کا
صدقے ترے آیا نہ سنبھل کر تجھے چلنا — نکلا ہے بہت نام تری لغزشِ پا کا
جور اُن کے سلامت یہ جفا کار سلامت — مٹتا ہے مرے ساتھ، مٹے نام وفا کا
کس لطف سے اللہ نے بخشی ہیں خطائیں — منہ دیکھتے ہیں حشر میں سب اہلِ خطا کا
صدقے ترے صیاد قفس سے کہ لحد ہے — جھونکا کوئی سن سے کبھی آیا نہ ہوا کا

معشوق ریاضؔ اُٹھ گئے اس بزم سے کیا کیا
جاتی ہوئی دُنیا ہے، رہے نام خُدا کا

کل قیامت ہے قیامت کے سوا کیا ہوگا — اے میں قربان، وفا وعدۂ فردا ہوگا
حشر کے روز بھی کیا خونِ تمنا ہوگا — سامنے آئیں گے یا آج بھی پردا ہوگا
ہم نہیں جانتے ہیں حشر میں کیا کیا ہوگا — یہ خوشی ہے کہ وفا وعدۂ فردا ہوگا
تو بتا دے ہمیں صدقے ترے اے شانِ کرم — ہم گنہگار ہیں کیا حشر ہمارا ہوگا
لاکھ پردوں میں کوئی اے نگہِ شوق رہے — دیکھ لے گا جو کوئی دیکھنے والا ہوگا
ایسی لے دے ہوئی آ کر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا
سعی ہر کام میں کی ہے یہ سمجھ کر ہم نے — وہی ہوگا جو مشیت کا تقاضا ہوگا
پی کے آیا عرقِ شرم جبیں پر جو کبھی — چہرے پر بادہ کشو نور برستا ہوگا

رہنے دے گا نہ دمِ ذبح کوئی حلق کو خشک | میکدے میں ہیں آشنا تو سہارا ہوگا
مجھے کیا ڈر ہے کہ ہونگے مرے سرکار شفیع | سب کیا ڈر ہے کہ تو بخشنے والا ہوگا
شرمِ عصیاں سے نہیں اٹھتی ہیں پلکیں اوپر | ہم گنہگاروں سے کیا حشر میں پردا ہوگا

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

تو جدھر جائے گا فتنہ کوئی برپا ہوگا | دلِ ناداں ترے چلتے ابھی کیا کیا ہوگا
میرے دل سے کوئی اُمیدِ وفا کیوں رکھے | نہ ہوا ہے یہ کسی کا نہ کسی کا ہوگا
جمع ہو جائیں گے مینوش قیامت میں جہاں | حشر کا شور وہاں قلقلِ مینا ہوگا
کبھی ترانے کی صدا تھی سرِ ناصح کی قسم | کسی میکش نے سبو کوئی اُچھالا ہوگا
پانوں میں مہندی لگائی ہے تو کیا آئیں گے | ہے یہی رنگ تو اب خونِ تمنا ہوگا
دوڑ کر اُس کو قیامت نے لیا گود میں یوں | تیری رفتار کا شاید کوئی فتنا ہوگا
دیر ہو یا ہو خرابات کہیں بھی جاؤں | کعبۂ دل مری آنکھوں میں مدینا ہوگا
میں کہیں جاؤں وہ محشر ہو کہ ہو محفلِ وعظ | دوش پر میرے سبو ہاتھ میں مینا ہوگا

آبِ زمزم کے سوا کچھ نہیں کعبے میں ریاضؔ
میکدہ تم جسے سب سمجھے ہو مدینا ہوگا

رہے زاہد کے سر پر چتر خورشیدِ قیامت کا | مبارک ہو سیہ کاروں کو سایہ ابرِ رحمت کا
اثر بڑھ جائے یارب اس قدر سوزِ محبت کا | جہنم کے ہر انگارے کو سمجھوں پھول جنت کا
خلش کو خار مل جائے کوئی صحرائے الفت کا | ارے واعظ کبھی جو نام لوں میں تیری جنت کا
نیا جلوہ نیا پردہ عیاں بھی اور پنہاں بھی | عجب عالم ہے کثرت کا عجب عالم ہے وحدت کا

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے
وہ عالم آشنا ہے پردہ دار اپنی حقیقت کا

شہیدِ ناز خوابِ مرگ سے گھبرا کے اُٹھ بیٹھے
تری ٹھوکر بھی اُن سے چل گئی فقرہ قیامت کا

قیامت میں بھی اے ساقی اُڑائے گاگ تول کے
ترے رندوں نے کیا میدان مارا ہے قیامت کا

ترس آجائے رحمت کو مری صورت کچھ ایسی ہو
اُٹھوں تربت سے مبتلا بنکے میں شرم وندامت کا

یہ ہنستے اُٹھیں تربت سے یہ ہنستے جائیں محشر میں
بہت نازک ہے دل اس کے گنہگارانِ اُمت کا

بہت ایسے بھی ہم رندوں میں ہیں اللہ کے بندے
مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغِ جنت کا

مدد فرمائی وقتِ نزع صدقے پیر مرشد کے
ریاض آیا مزا اب حضرت **وارث**ؒ سے بیعت کا

مکاں دیکھے مکیں دیکھے، لامکاں دیکھا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں دیکھا

ذرا جو ہم نے اُنھیں آج مہرباں دیکھا
نہ ہم سے پوچھئے کیا رنگ آسماں دیکھا

نہ پہونچے بامِ قفس تک کبھی مرے نالے
وہ برق ہو گی جسے گردِ آشیاں دیکھا

مجھ کا جھٹکا ہے تو ہاں گر پڑے مرے سر پہ
یہی نہ پاس سے تھا سوئے آسماں دیکھا

بہت سے رند بھی دیکھے بہت سے زاہد بھی
انھیں تو پیر ہمیشہ اُنھیں جواں دیکھا

اب آرزو ہیں بر آئیں کہ خاک میں مل جائیں
خدا نے دن یہ دکھایا اُنھیں جواں دیکھا

یہ جانتے ہیں کہ دل خاک ہو گیا جل کر
نہ آگ دیکھی نہ اُٹھتے ہوئے دُھواں دیکھا

بہت ہی روئے گلے مل کے ایک ایک سے ہم
لُٹا ہوا جو کوئی ہم نے کارواں دیکھا

قفس میں رہ کے ستم تیرے دیکھ لیں صیاد
چمن میں رہ کے بہت لطفِ باغباں دیکھا

ریاض خاکِ درِ میکدہ تھا جیتے جی
فنا کے بعد اُسے خلد آشیاں دیکھا

اُجاڑنے ہوئے سو بار آشیاں دیکھا — چمن میں رہ کے تجھے خوب باغباں دیکھا
نہ سجدہ گہ نہ کوئی جلوہ گہ بچی ہم سے — وہ دل میں تھے انھیں ہم نے کہاں کہاں دیکھا
سوئے چمن جو چلے لوٹنے بہار کا لطف — تو ہم نے دو قدم آ گئے تجھے خزاں دیکھا
وہ دل مرا ہو کہ دل کی ہو آہ کوئی ہو — بُجھی سی آگ کا اُٹھتے ہوئے دھواں دیکھا
گلی میں اُن کی مجھے رات میں نظر آیا — ضرور خواب کوئی تو نے پاسباں دیکھا
کسی کی یاد جو آئی تو اُلٹے پانوں پھری — نہ دل کی طرح بھی ویراں کوئی مکاں دیکھا
یہ پھول لے کے عنادل چلے چمن سے کہاں — ضرور میری لحد کا کہیں نشاں دیکھا
قفس میں ہم ہیں قفس پر تہیں غلاف کی ہیں — زمین دیکھی نہ صیاد آسماں دیکھا
ضرور کوئی بلا ہے پری بھی شیشے کی — بغل میں تھی نہ کبھی پیر و نوجواں دیکھا
ملی نجات قفس میں چمن کے دھڑکوں سے — نہ مڑ کے ہم نے کبھی سوئے آشیاں دیکھا

وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ
تجھے ریاض بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا — تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا
اٹھا نہ میری گور سے دشمن بھی بیٹھ کر — کیا عالم آج ہائے مری بیکسی کا تھا
چھایا ہے آسماں کی طرح قبرِ غیر پر — دل میں مرے غبار بھرا جو کبھی کا تھا
دل نے مجھے خراب کیا کوئے یار میں — دشمن پہ اعتبار مجھے دوستی کا تھا
صحرا میں پھر رہے تھے سلیماں بنے ہوئے — جس کو جنون کہتے ہیں سایہ پری کا تھا
دُکھ جائے گا دل اس لئے جاری ہوئے نہ اشک — دیکھو تو پاس نزع میں کتنا کسی کا تھا
یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش — سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی
کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

اُن پر بھی یہ اثر مری دیوانگی کا تھا ۔۔۔ وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ سایہ پری کا تھا
وہ کیوں ٹھہرتے نزع میں بالینِ غیر پر ۔۔۔ کوئی معاملہ یہ گھڑی دو گھڑی کا تھا
جا جا کے بزمِ وعظ میں سو بار ہم نے پی ۔۔۔ چوری کسی کی تھی نہ ہمیں ڈر کسی کا تھا
ظالم کے شوقِ دید نے بیتاب کر دیا ۔۔۔ ہوتی مقابل اُس کے یہ مُنھ آرسی کا تھا
آیا تھا حشر بن کے جو میرے مزار پر ۔۔۔ فتنہ کوئی ضرور کسی کی گلی کا تھا
حسرت سے کوئی سوئے فلک دیکھتا تھا آج ۔۔۔ لب پر گلہ کسی کا نہ شکوہ کسی کا تھا
اہلِ حرم بھی آ کے ہوئے تھے شریکِ دور ۔۔۔ کچھ اور رنگ آج مری مے کشی کا تھا
تھی آج ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی ہوئی ۔۔۔ موقع بہت بُرا یہ تری بے بسی کا تھا
لوٹے مزے حیا کے اُٹھائے ادا کے لطف ۔۔۔ پہروں سے مجھ کو آج تصور کسی کا تھا
گیسوئے پُرشکن نے گلا گھونٹ ہی دیا ۔۔۔ دعویٰ ہمارے دل کو بہت دوستی کا تھا
زاہد تمام عمر فرشتہ بنا رہا ۔۔۔ اُس نے کیا جو کام یہ کام آدمی کا تھا
دلوائی یاد وعدۂ فردا کی روزِ حشر ۔۔۔ مقصود دن سے وقت گزرتے ہی کا تھا

آتا ہے یاد اب دلِ مرحوم اے ریاض
بدخواہ وہ کسی کا نہ دشمن کسی کا تھا

یہ کہہ کے اس میں زہر بھی ہے کچھ ملا ہوا ۔۔۔ ساقی نے جب پلائی تو نشہ سوا ہوا
یہ میرے بعد حالِ غمِ دیا سر کیا ہوا ۔۔۔ جاتا ہو جیسے قافلہ کوئی لٹا ہوا
جب حالِ دل کہا تو یہ سننا پڑا ہمیں ۔۔۔ تم تو سنا رہے ہو فسانہ سنا ہوا

یہ کون پھوٹ پھوٹ کے رویا سرِ لحد
مُدت کے بعد سبزۂ تربت ہرا ہوا

جمگھٹ دو گلرخوں کے وہ چھیڑیں وہ شوخیاں
میں کیا بتاؤں حشر کے دن کیا مزا ہوا

وہ بھی تو مٹ گیا مری تربت کے ساتھ ہی
میرا شریکِ حال ترا نقشِ پا ہوا

وعدے کی آئے شب تو کسی کو لئے ہوئے
میرے گھر آئے کوئی مجھے کوستا ہوا

آ آ کے شکل دیکھتے ہیں اس میں بار بار
اچھے وہ آئے دل نہ ہوا آئنا ہوا

تیرا یہ رنگ روپ، یہ جوبن شباب کا
جیسے چمن بہار میں پھولا پھلا ہوا

ہم ہیں گدائے میکدہ، ہم کو کمی نہیں
سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا

نکلے تھے منہ چھپائے ہوئے گھر سے غیر کے
تصویر بن گئے جو مرا سامنا ہوا

کوئی تو کوستا ہے اثر کو اُٹھا کے ہاتھ
جاتا ہے آج نالۂ دل کچھ رُکا ہوا

اپنی نگاہِ ناز سے برہم ہیں آپ کیوں
کہئے تو کیا ہوا کوئی ناوک خطا ہوا

چاہی تھی ہم نے داورِ محشر سے دادِ ظلم
کچھ کہہ گئے وہ آ کے چلو فیصلا ہوا

جھجکے دمِ خرام وہ یوں کس کو دیکھ کر
سایا ہے یا ہے سائے میں کوئی چھپا ہوا

واعظ تجھے بھی قلقلِ مینا سنائیں گے
طوطا ہم آج لائے ہیں کیا بولتا ہوا

پھرتا تھا اس گلی میں عجب وضع سے ریاضؔ
اک پشتِ خار ہاتھ میں تھی سر گھٹا ہوا

موت آئے مجھ کو، کیوں اُسے چھیڑا، یہ کیا ہوا
پہلو سے اُٹھ گیا ہے کوئی کوستا ہوا

ہو جائے کھل کے حشر کے دن آئیں تو سہی
وہ بھی کہیں کسی سے مرا سامنا ہوا

مر کر کسی کا جلوہ ہمارے کفن میں ہے
جاتا ہے رازِ ہستیِ عالم چھپا ہوا

جمگھٹ وہ گلرخوں کے الٰہی کہاں گئے
کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

توبہ نکل کے مُنہ سے جو حسنِ قبول پائے
چلّائے مجھ سا رند کہ میں پارسا ہوا

کٹ جاتی بات چیت میں تاریک غم کی رات
دل بھی ملا نصیب سے ہم کو بجھا ہوا

توبہ کی جان خشک ہے بجلی کے خوف سے
قبلے سے آج ابرِ کرم ہے اُٹھا ہوا

وہ جلتے ہیں ٹوٹ پڑا اُس پہ آسماں
مجھ پر ستم کچھ اور بھی اس سے سوا ہوا

صیاد لے چلا ہے جو خوش خوش سوئے چمن
آثار تو یہی ہیں کہ میں اب رہا ہوا

نازک سا دل کسی کا جو بے چین ہو گیا
میری نگاہِ یاس کا سب سے گلا ہوا

مجھ کو اُٹھانے آئی تھی اُٹھتی نہیں ہے خود
میری لحد پر آکے قیامت کو کیا ہوا

ٹپکا دے بوند بھر کوئی مُنہ میں ریاض کے
دم میکدے میں توڑ رہا ہے پڑا ہوا

رہ گیا پردہ ترے چاک گریبانوں کا
حشر میں کوئی بھی پُرساں نہیں دیوانوں کا

راہ چلتے ہوئی ہے دولتِ بیدار نصیب
اس میں احسان نہیں آپ کے دربانوں کا

یاد آتی ہیں جنوں خیز ہوائیں اُن کی
اب نہ وہ ہم ہیں نہ عالم وہ بیابانوں کا

ارے دیوانے ذرا چل کے اُنھیں دیکھ تو لے
میکدوں میں ہے مزا شیخ پری خانوں کا

بُت خدا ہوں کہ نہ ہوں، ہے مگر اتنی تو خیر
بتکدہ آج بھی کعبہ ہے مسلمانوں کا

چشمِ ساقی کی طرح ہے اثر انداز اے شیخ
بعد توبہ کے چھلکنا بھرے پیمانوں کا

چٹکیاں آپ لیں مہندی لگے ہاتھوں سے
کام دیں گے نہ یہ ناخن کبھی پیکانوں کا

قحط جائے بھی مگر یہ نہیں جانے کے ریاض
کہ مرے گھر ہے اجارہ مرے مہمانوں کا

محتسب آیا تو میں خم پہ گرا
خم گرا، مینا گرا، ساغر گرا

اے نگاہِ یاس سمجھوں گا تجھے
دستِ قاتل سے اگر خنجر گرا

آرزو پوری ہوئی مقتل میں آج
پانوں پر قاتل کے میرا سر گرا

تھا یہ مطلب وہ سنگھائیں بوئے زلف
کھا کے غش کوئی سرِ بستر گرا

میرے ہی ہاتھوں سے میرے پاؤں پر
ٹکڑے ہو کر دامنِ محشر گرا

بے ستوں جانے کا رستہ رُک گیا
میرے آگے آ کے اک پتھر گرا

ہے عجب اُفتاد اے قیدِ قفس
پھر نہ نکلا ٹوٹ کر جو پر گرا

روئے اس بارش میں ہم کیا کیا ریاضؔ
پہلے کوٹھی گر گئی پھر گھر گرا

کوہِ غم بھی بارہا مجھ پر گرا
آسماں بھی ٹوٹ کر اکثر گرا

دل تو اُترا ہی تھا اُن کی آنکھ سے
اب نظر سے فتنۂ محشر گرا

کیا وہی آنسو ہے جو میں پی گیا
میرے دل پر آ کے اک پتھر گرا

تھی وہ حالت جیسے متوالا کوئی
جب اُٹھا اُس در سے میں اُٹھ کر گرا

یہ نگاہِ یاس ہے قاتل سنبھل
دیکھ دستِ ناز سے خنجر گرا

جب چلا میں دو قدم تو ضعف سے
کھا کے اپنے سایے کی ٹھوکر گرا

بزمِ محشر گو بنے ساقی کی بزم
میں نہ اُٹھوں گا اگر پی کر گرا

اُف ری شوخی ہاتھ بھی مارا تو یوں
کچھ الگ قدموں سے اُن کے سر گرا

دل گرا اندھے کنوئیں میں عشق کے
ساتھ اپنے مجھ کو بھی لے کر گرا

سچ تھا وعدہ، قاتل اس کو کیا کرے
ہاتھ جھوٹا ہو گیا خنجر گرا

اُف وہ روزِ حشر خوف اُس کا ریاضؔ
زندہ ہو کر میں اُٹھا مر کر گرا

مے شب کو چرائیں کوئی بیدار نہ ہوگا — میخانے میں ہشیار بھی ہشیار نہ ہوگا

پہلو میں دل اے لذتِ آزار نہ ہوگا — ہم بھی تو نہ ہوں گے جو غمِ یار نہ ہوگا

کہتے ہیں کہ ہم ہاتھ اُٹھاتے ہیں ستم سے — کیا چرخ بھی اب درپئے آزار نہ ہوگا

واعظ کے جنازے کو شباب جس نے بتایا — ہوگا وہ فرشتہ کوئی مے خوار نہ ہوگا

اب دستِ تمنا میں نہیں خون کی گردش — یہ ہاتھ گلے کا ترے اب ہار نہ ہوگا

جب کالی گھٹا گھر کے جھکے گی مرے گھر پہ — کیا صحن کا سبزہ سرِ دیوار نہ ہوگا

ساغر میں یہ افشردۂ انگور ہے اے شیخ — اس چیز سے حضرت کو بھی انکار نہ ہوگا

وحشت بھی ہے نفرت بھی لئے اُن کی گلی میں — ہم جائیں گے تو سایۂ دیوار نہ ہوگا

گلشن میں بہار آئی یہ کہتی ہوئی ہم سے — دامن میں تمھارے کبھی اب خار نہ ہوگا

شاید وہ بنے ہیں کبھی اقرار کے سچے — بھولے سے بھی اب وصل کا اقرار نہ ہوگا

توبہ سے ڈرایا سب مجھے ساقی نے یہ کہکر — توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

میری نگہِ شوق سے شرمائے کچھ ایسے — تیغِ نگہِ ناز کا اب وار نہ ہوگا

میخواروں کو پی پی کے بہت کوس رہا ہے — واعظ تجھے یہ وعظ سزاوار نہ ہوگا

ہوجائے گی رسوا تری مژگاں کی درازی — یہ تیر کلیجے سے اگر پار نہ ہوگا

ایسا ہے تو اُس دن کے لئے ہم کو نہ کہنا — کیا کھُل کے قیامت میں بھی دیدار نہ ہوگا

جانا ہے عدالت میں ریاضؔ آپ کو ہر روز
قسمت کا کبھی آپ کے اتوار نہ ہوگا

واعظ جو نہ ہوگا تو مجھے عار نہ ہوگا — ورنہ سرِ تسنیم یہ مے خوار نہ ہوگا

تو زہر بھی دے گا تو پیوں گا پسِ توبہ — تجھ سے مرے ساقی مجھے انکار نہ ہوگا

رہ جائے گی چبھ کر نگہِ ناز تمھاری / یہ تیر کلیجے سے کبھی پار نہ ہوگا
بالفرض اثر ٹوٹ پڑے چرخ کو لے کر / نالہ تو مرا جب بھی گرانبار نہ ہوگا
ہوگا جنھیں توبہ کا بھروسا مرے مالک / وہ اور ہی ہوں گے یہ گنہگار نہ ہوگا
اُچھلا جو یہ بوتل سے تو بن آئے گی اے شیخ / اس کاگ سے اچھا گُلِ دستار نہ ہوگا
وہ کہہ گئے آنے کو اجل آئے کہ نیند آئے / اب بند مرا دیدۂ بیدار نہ ہوگا
رستے کی طرح ہم کو کھلائے گا وہ ٹھوکر / دربان تمھارا کبھی ہموار نہ ہوگا
جب تک وہ مرے ہاتھوں سے مجبور نہ ہوں گے / وعدے کا انھیں حشر میں اقرار نہ ہوگا
چھپتا ہے مرے ساتھ مرا داغ زمیں میں / اب ڈوب کے یہ چاند نمودار نہ ہوگا
کس ناز سے کہتے ہیں وہ اللہ رے شوخی / تجھ سے نہ ہوا وصل کا اقرار نہ ہوگا
سر پر مرے آ رہنے کو دیوار تو ہوگی / کیا ہوگا اگر سایۂ دیوار نہ ہوگا

رکھنا نہ ریاضؔ اس دلِ بدخو سے توقع
یہ آپ کا دشمن ہے، کبھی یار نہ ہوگا

ایک خط ہلکا سا گردن پر پڑا / کس قدر اوچھا ترا خنجر پڑا
اور زیور سادگی کو بار تھا / کان میں آویزۂ گوہر پڑا
مجھ کو درباں نے نکالا اس طرح / اُن کے در پر رہ گیا بستر پڑا
دو فرشتے ہیں لیے محشر میں ساتھ / بارِ عصیاں آج اُنھیں کے سر پڑا
کوئی پوچھے رہ گئی واعظ کی کیا / آج تو سر پر سرِ ممبر پڑا
میکدے جاتے ہوئے رستے میں آج / مل گیا جمشید کا ساغر پڑا
کھُل کے لوٹی حسن کی دولت ریاضؔ / آج تو ڈاکا سرِ محشر پڑا

سایۂ پرچشم زلف کا مجھ پر پڑا
یہ بُرا دورانِ سر اب سر پڑا

بیخودی میری تری درباں ہوئی
پانوٗں جب اندر دھرا باہر پڑا

دل لُٹا مژگاں نے بھاڑ و پھیر دی
یہ بُرا ڈاکا ہمارے گھر پڑا

لی خبر درباں نے میں کھویا گیا
صحن در سے دور ہے بستر پڑا

کھینچ مارا میں نے واعظ کے وہی
منھ پر اُس کے آج کیا ساغر پڑا

میں لحد سے اُٹھ کے جلنے کا نہیں
مجھ کو کیا جیتا کرے محشر پڑا

آشیاں تک ڈھیر تھا گلزار میں
آج پتھر سا یہاں پتھر پڑا

میں تو سمجھا پنکھڑی ہے پھول کی
کس قدر ہلکا ترا خنجر پڑا

ہم گرے جب لڑکھڑا کر بزم میں
سر سبو پر ہاتھ ساغر پر پڑا

دل کی خو بو کچھ نہیں اے طفلِ اشک
کچھ نہیں معلوم تو کس پر پڑا

روگ تھی تیمارداری بھی مری
میں تو میں بیمار گھر کا گھر پڑا

جنسِ رسوائی کے ہم گاہک نہ تھے
یہ بُرا سودا ہمارے سر پڑا

اُن کے در سے کب اُٹھا بستر ریاضؔ
میں گیا تو رہ گیا بستر پڑا

لبِ میگوں کا تقاضا ہے کہ جینا ہوگا
آنکھ کہتی ہے تجھے زہر بھی پینا ہوگا

رمضاں میں نہ پلانا نہ یہ پینا ہوگا
کس طرح گزرے گی کیسا یہ مہینا ہوگا

حشر میں سروقدوں سے ہمیں کچھ کام نہیں
گوشۂ حشر میں ہم ہوں گے یہ مینا ہوگا

کیجیے کیا اسے ہے موت بھی اُنکے بس کی
زہر ہم کھائیں گے تو بھی ہمیں جینا ہوگا

ہے سحر ایک شبِ گور کی دشمن باقی
حشر کے روز ابھی پھر ہمیں جینا ہوگا

اُن کا ہنسنا کسی دیوانے کا اُن سے کہنا — آپ کو چاکِ گریباں ابھی سینا ہوگا
نعرے مستوں کے دبا دیں گے یوں ہی حشر کا غُل — شور تیرا ابھی تو اے قلقلِ مینا ہوگا
وصل میں پچھلے کو یاں صبح کا ہونا کیسا — چاکِ دامانِ سحر آپ کو سینا ہوگا
جامِ کوثر کو نہ رو کو لبِ کوثر اے شیخ — کسی میکش نے ترے ہاتھ سے چھینا ہوگا
حشر میں میکدے والو! جو خدا نے چاہا — یہی جلسہ، یہی ساغر، یہی مینا ہوگا
طور کیا، عرش سے اونچا ہے ترا بام بلند — عرش بھی کوئی ترے بام کا زینا ہوگا
مے کوثر میں یہ بو باس کہاں تھی زاہد — کچھ نہیں یہ کسی میکش کا پسینا ہوگا
بے طرح ڈوب رہا ہے دلِ غمگیں میرا — آج کیا غرق اُمیدوں کا سفینا ہوگا
دُور سے خانۂ کعبہ کو بھی کریں گے سلام — زندگانی ہے تو ہم ہوں گے مدینا ہوگا

پچھلے دو چار برس نزع کی تلخی کا مزا
اے ریاض اور ابھی آپ کو جینا ہوگا

گزرے معشوق حسیں میری نظر سے کیا کیا — فتنے اُٹھتے رہے اس راہگزر سے کیا کیا
حسرتیں ٹپکی ہیں اس دیدۂ تر سے کیا کیا — رو کے نکلی ہے تباہی مرے گھر سے کیا کیا
بزم تھی غیر کی، وہ صحبتِ خلوت تو نہ تھی — راز افشا ہوئے دزدیدہ نظر سے کیا کیا
آہ بھی شوخ ہے کتنی کہ نہ آئی لب تک — ہم پشیماں ہوئے تکلیفِ اثر سے کیا کیا
تیغ سے کاہے کو خونِ شہدا دیکھا تھا — ڈر کے لپٹی ہے وہ قاتل کی کمر سے کیا کیا
تم تو تم، مجھ سے شبِ وصل بھی شرماتی ہے — منھ چھپاتی ہے وہ دامانِ سحر سے کیا کیا
ہو گیا ہے اُسے دامن کا چھڑانا مشکل — آہ اُلجھی ہے سرِ عرش اثر سے کیا کیا
بادل اُمڈے ہوئے تھے رات سے میخانے پر — مُہرِ خم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسے کیا کیا

اے جوانی! ترے دن رات ٹھہرتے ہی نہیں — جی اُلجھتا ہے مرا شام و سحر سے کیا کیا
آسماں بھی نہ رہا گھر کی زمیں کا کیا ذکر — آج طوفان اُٹھے دیدۂ تر سے کیا کیا
نہ گیا سوئے نشیمن کبھی اُڑ کر افسوس — تھیں اُمیدیں مجھے ٹوٹے ہوئے پر سے کیا کیا
کبھی آنچل اُڑے اُن کے کبھی زُلفیں بکھریں — وہ پریشان ہوئے بادِ سحر سے کیا کیا

اے ریاضؔ آنکھ لڑاتے ہوئے جی ڈرتا ہے
زخم پہونچے ہیں حسینوں کی نظر سے کیا کیا

ہائے کمبخت شبِ وصل بھی تر سے کیا کیا — لطف رکھتی ہے نزاکت بھی کمر سے کیا کیا
حشر بھی، حشر کے معشوق حسیں بھی سب گرد — فتنے اُٹھتے ہیں تری راہگزر سے کیا کیا
بے طرح کچھ یہ بھری تھی کہ نکل کر دل سے — میری فریاد لڑی جا کے اثر سے کیا کیا
چاہتی ہے کہ ہر اک بات میں بڑھ چڑھ کے رہے — بل کی لیتی ہے تری زُلف کمر سے کیا کیا
ابر کے آتے ہی سے حضرتِ ناصح کچھ اور — گر جے کیا کیا یہی ہم پر یہی بر سے کیا کیا
ڈرتے ہیں یار نہ ہو جائے کہیں دل کی طرح — بچتے ہیں آئنے بھی تیری نظر سے کیا کیا
نبھ سکے یہ، تو عجب چیز ہی خودداری عشق — ہم کھنچے ہیں تو لگاوٹ ہے اُدھر سے کیا کیا
ٹھوکریں کھا کے پہنچ تو گئے تقدیر سے ہم — نعمتیں ملتی ہیں اب آپ کے در سے کیا کیا
حشر برپا ہوا ہے ہیں وصل کے وعدے شبِ وصل — اُس نے اقرار کئے رات کو ڈر سے کیا کیا
صبح کو آ کے کسی دن یہ تماشا دیکھو — کہ نکلتی ہیں بلائیں مرے گھر سے کیا کیا
سامنے آتے ہیں وہ دل کو بنا کر پتھر — ڈرتے ہیں آئنے بھی تیری نظر سے کیا کیا
آ اُٹھے آئی یہی کمبخت شبِ وصل اُن کے — اس نزاکت کو لگاوٹ ہے کمر سے کیا کیا
مرگِ غربت نہ کہیں مجھ کو ستائے جاتی ہو — دم اُلجھتا ہے مرا عزمِ سفر سے کیا کیا

آنکھ سے دیکھ لیا خونِ تمنا سو بار
دیکھئے پھر بھی ٹپکتا ہے نظر سے کیا کیا

ہو گیا مجھ کو جنون صبحِ شبِ وصل ریاضؔ
ہاتھ اُب الجھے مرے دامانِ سحر سے کیا کیا

آپ آئے تو خیالِ دلِ ناشاد آیا
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

عرش سے آج اتر تا لبِ فریاد آیا
ایک ہی آہ میں کافر کو خدا یاد آیا

جور کے ساتھ ترا لطف بھی کچھ یاد آیا
ہونٹ پر بن کے ہنسی شکوۂ بیداد آیا

آج شب میں کوئی سو بار تو بجلی چمکی
آج دن میں کوئی سو بار تو صیاد آیا

میرے دل میں عجب انداز سے آیا ناوک
میں یہ سمجھا کوئی معشوق پریزاد آیا

کیا کہا پھر تو کہو، بھول گئے ہم کس کو
صدقے اُس کے جو تمھیں بھول کے یوں یاد آیا

فتنۂ حشر نے بھی اُٹھ کے بلائیں لے لیں
عجب انداز سے میرا ستم ایجاد آیا

سن سے جھونکا کوئی آیا جو ترا بادِ بہار
چونک اُٹھے مُرغِ چمن ناوکِ صیاد آیا

ارے قاتل ابھی بہہ جائے گا پانی ہو کر
سامنے میرے اگر خنجرِ فولاد آیا

یہی گلشن کی ہوا ہے یہی گلشن کی بہا
کبھی صیاد کبھی ناوکِ بیداد آیا

نظر آتی ہیں کہیں ایسی بھی کافر شکلیں
دیکھ کر حسنِ خداداد خدا یاد آیا

پاس سے نیم نگہ دور سے مژگانِ دراز
چبھنے والے نئے نشتر لئے فصاد آیا

نہ سُنا ہم نے کبھی باغ میں آئی ہے بہار
جو سُنا بھی تو سُنا ہم نے کہ صیاد آیا

کیوں نگاہیں یہ گڑی ہیں شکنِ دامن پر
صدقے اندازِ حیا کے تجھے دل یاد آیا

آشیاں برق کو سونپا مجھے آئی جو ترنگ
اور میں اُڑ کے اِدھر تا کفِ صیاد آیا

اثر آیا بھی تو جیسے کوئی فریادی ہو
ہاتھ میں تھامے ہوئے دامنِ فریاد آیا

دستِ ماتم لئے بیٹھی رہی شیریں اپنے — تیشہ اچھا کہ ترے کام تو فرہاد آیا
ایسی ضد ہو تو اُنھیں کون منائے یارب — وہ یہ مچلے ہیں کہ کوئی مجھے کیوں یاد آیا
لئے خنجر کی روانی تھی ہر اک موجِ خرام — آج مقتل میں نئی شان سے جلاد آیا
میں جو پہونچا تو لئے اُٹھ کے بگولوں نے قدم — نجد میں دھوم مچی قیس کا اُستاد آیا
بڑھ کے لے حلقۂ آغوش میں اے دستِ جنوں — بیڑیاں کاٹنے کس لطف سے حداد آیا
ڈر کے صحرائے بلا سے جو پکارا میں نے — قیس نے دی مجھے آواز کہ فرہاد آیا
صدقے ہونٹوں کے جنھیں نازِ مسیحائی ہو — صدقے باتوں کے جنھیں شیوۂ جلاد آیا
لے اُٹھیں خون رگیں نام جو نشتر کا لیا — رنگ ایسا مری تصویر میں بہزاد آیا

طفلِ اشک آکے مری گود میں مچلے جو ریاضؔ
دلِ مرحوم مجھے آج بہت یاد آیا

وہ کون ہے دُنیا میں جسے غم نہیں ہوتا — کس گھر میں خوشی ہوتی ہے ماتم نہیں ہوتا
ایسے بھی ہیں دُنیا میں جنھیں غم نہیں ہوتا — اک غم ہے ہمارا جو کبھی کم نہیں ہوتا
تم جاکے چمن میں گل و بلبل کو تو دیکھو — کیا لطف تہ چادرِ شبنم نہیں ہوتا
کیا سُرمہ بھری آنکھوں سے آنسو نہیں گرتے — کیا منہدی لگے ہاتھوں سے ماتم نہیں ہوتا
اُڑتی تھی وہ شے آتی تھیں جنت کی ہوائیں — اب رندوں کا جمگھٹ سرِ زمزم نہیں ہوتا
یہ جان کے کیوں روئے گا کوئی سرِ تربت — سبزے سے جدا قطرۂ شبنم نہیں ہوتا
یہ شانِ گدائے درِ میخانہ ہے ساقی — بھولے سے وہ ہم بزمِ کئے و جم نہیں ہوتا
مایوسِ اثر اشکِ عنادل نہیں ہوتے — مانوسِ اثر گریۂ شبنم نہیں ہوتا
کچھ اور ہی ہوتی ہیں بگڑنے کی ادائیں — بننے میں سنورنے میں یہ عالم نہیں ہوتا

سوئے ہنستے ہو روتے نہیں تم جان کو اُس کی — اب غیر کے گھر رات کو ماتم نہیں ہوتا
گھٹتی نہیں تربت میں بھی فرقت کی اذیت — یہ درد وہ ہے مر کے بھی جو کم نہیں ہوتا
تسکین تو ہو جائے جو تو پھوٹ کے بہہ جائے — یہ تجھ سے بھی سلے دیدۂ پرنم نہیں ہوتا
سبزہ مری تربت کا رگِ گل نہیں بلبل — ان آنسوؤں سے تیرے تو یہ نم نہیں ہوتا
مٹتے ہوئے دیکھی ہے عجب حسن کی تصویر — اب کوئی مرے مجھ کو ذرا غم نہیں ہوتا
وہ بھی تو مٹے جانِ جہاں نام تھا جن کا — یہ نقشِ جہاں پھر بھی تو برہم نہیں ہوتا

کچھ بھی ہو ریاضؔ آنکھ میں آتے نہیں آنسو
مجھ کو تو کسی بات کا اب غم نہیں ہوتا

اندازِ تبسم نہ ہو غماز کسی کا — ڈرتا ہوں نہ کھل جائے کہیں راز کسی کا
اثباتِ دہن پر نہ تُلے ناز کسی کا — ہنسنے میں نہ کھل جائے کہیں راز کسی کا
کیا مجھ سے چھپے گا کوئی آغوشِ عدو میں — لاکھوں میں تو چھپتا نہیں انداز کسی کا
گرتی ہے بھری بزم میں ہر تان سے بجلی — چمکا ہے بہت شعلۂ آواز کسی کا
بن کر نگہِ ناز مرے دل میں چبھا ہے — ناوک ہے کہ چبھتا ہوا انداز کسی کا
شرمائیں مجھے حشر میں جھوٹے ترے وعدے — بن جائے اگر کام خدا ساز کسی کا
درباں سے مرا ساز مرے دل سے انھیں ساز — بگڑے نہ کسی سے کوئی ہمراز کسی کا
آگے تو رقیبوں کی اُٹھا لیتے تھے سختی — یہ ضعف ہے اُٹھتا نہیں اب ناز کسی کا
دھوکے میں پڑے کوئی نہ اُمیدِ وفا پر — ہوگا نہ ہوا ہے وہ دغا باز کسی کا
یہ حال ابھی سے ہے کہ خم تکتے ہیں خالی — اچھا نہیں میخانے میں آغاز کسی کا
ہم ناز اُٹھانے کا اجارہ نہیں لیتے — دل پھیر دے اے چشمِ فسوں ساز کسی کا

کیا آرزوئے مُردہ میں اب جان پڑے گی   باتیں نہ بنائے لبِ اعجاز کسی کا

معشوق ریاضؔ اس دلِ بد خو سے خفا ہیں
کمبخت سے اُٹھتا ہی نہیں ناز کسی کا

مٹھی میں دل نہ تھا شکنِ آستیں میں تھا   مہندی کا چور تھا جو کفِ نازنیں میں تھا
اک ذوقِ نالہ ضبط سے وہ بھی مٹا ہوا   میں کیا بتاؤں کیا دلِ اندوہگیں میں تھا
تھیں روسیاہیوں سے کچھ اُس کی نمائشیں   جو نامِ بے نشاں سا ہمارا نگیں میں تھا
آیا تھا اُن کے پاس سے چُپ چاپ جو مرے پاس   پوشیدہ کوئی راز دلِ ہمنشیں میں تھا
مجھ پر نکالی آنکھ نکیرین نے عبث   داغِ سجود بعدِ فنا بھی جبیں میں تھا
قاتل بھی آب آب تھا خنجر بھی آب آب   اللہ کیا اثر نگہِ واپسیں میں تھا

جب یاد آئی ہم نے بھی مُنھ چوم ہی لیا
ایسا مزا ریاضؔ کسی کی نہیں میں تھا

شرمِ گنہ سے حشر میں جایا نہ جائے گا   ہم سے تو مُنھ خدا کو دکھایا نہ جائے گا
ہم سے بھی اس کے دام گھٹائے نہ جائیں گے   اُن سے جو مول دل کا بڑھایا نہ جائے گا
وہ پیاری پیاری شکل وہ نازک سے ہاتھ پاؤں   ہم جانتے تھے اُن سے ستایا نہ جائے گا
پُر درد دل میں داغ بھی ہیں کتنے زخم بھی   کیا اب بھی دل سے ہاتھ اُٹھایا نہ جائے گا
اتنا کہاں سے روزِ غم آئے کہ ہو یہ سیر   ہم سے تو دل کا بوجھ اُٹھایا نہ جائے گا
وہ بیخودانِ عشق کو ٹھکرائیں تو سہی   اچھی کہی کہ ہوش میں آیا نہ جائے گا
قاتل تو جانتے تھے مگر جانتے تھے ہم   پانی کی طرح خون بہایا نہ جائے گا
وعدہ جو کچھ کیا ہے تو اللہ رے اُن کی شرم   کہتے ہیں مجھ سے حشر میں جایا نہ جائے گا

ہم اور اپنے خانۂ ویراں میں رہ سکیں — ہم سے تو قبر کو بھی بسایا نہ جائے گا

بن بن کے بجلی آگ لگانے وہ آئیں گے — آنکھوں میں نور بن کے سمایا نہ جائے گا

وہ بھی کھنچے ہیں تیغ بھی اُن کی کھنچی ہوئی — دونوں کا ناز ہم سے اُٹھایا نہ جائے گا

دل دوں کسی کے دستِ حنائی میں کس طرح — ہم سے تو آگ میں یہ جلایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ساتھ مرے شمع بزم کو — روتے ہوؤں کو تم سے ہنسایا نہ جائے گا

کہتے ہیں وہ ریاضؔ کا دل لے کے کیا کریں
ہم سے گلے کا ہار بنایا نہ جائے گا

جب تک حجاب رُخ سے اُٹھایا نہ جائے گا — آپ آئیں ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا

تو نے دیا ہے مجھ سے مٹایا نہ جائے گا — یہ داغِ عشق دِل سے خدایا نہ جائے گا

لب تک ہمارے نالوں سے آیا نہ جائے گا — سر پر اب آسمان اُٹھایا نہ جائے گا

بھولے ہیں اک جہان کو ہم اُس کی یاد میں — اُس کا خیال دل سے خدایا نہ جائے گا

دامن میں ہو کہ زُلف میں ہو داغدار دل — ان بادلوں سے چاند چھپایا نہ جائے گا

یہ وزن ہے تو بارِ معاصی ہمیں ہا — ہم کیا کسی سے بھی یہ اُٹھایا نہ جائے گا

اے جوئے سلسبیل ہمیں آئیں تو بئیں — تجھ سے اُبل کے حشر میں آیا نہ جائے گا

دل میں ہمارے آپ چلے آئیں شوق سے — اس آئنے میں عکس سے آیا نہ جائے گا

دامن کے بدلے دل کو وہ چوٹی میں دیں جگہ — اب عرش پر تو اُن سے چڑھایا نہ جائے گا

تاروں سے آسمان ہے کیسا بھرا ہوا — پھولوں سے کیا قفس کبھی چھایا نہ جائے گا

دن دوپہر وہ کھولے ہوئے بال آئے ہیں — اب گیسوؤں کا قہر سے سایا نہ جائے گا

چھوٹی سی یہ صدا ان کی شب جانے یاد ہے — ہم سے کسی حسین کو ستایا نہ جائے گا

رکھیں سب مجھے معاف وہ تکلیفِ رشک سے — اس آگ میں یہ دل تو جلایا نہ جائے گا
روشن چراغِ قبر نہیں دل کا داغ ہے — سو آندھیوں سے بھی یہ بجھایا نہ جائے گا
کہتے ہیں ہنس کے وہ دلِ بدخو سے وقتِ وصل — جو روٹھ جائے گا وہ منایا نہ جائے گا
ڈرتے ہو جھوٹے پائے حنائی سے قبر کو — بیٹھو بھی تم سے حشر اُٹھایا نہ جائے گا
سینے میں یادگارِ وفا دل کا داغ ہے — اے آسماں یہ تجھ سے مٹایا نہ جائے گا
اِس شرط سے کریں دلِ پُر آرزو کا خوں — ہاتھوں میں یہ رہے گا بہایا نہ جائے گا

آئی ہوئی کسی کی اجل کہہ گئی ریاضؔ
تا عمر تم سے ہوش میں آیا نہ جائے گا

کچھ آئینے نے اور ہی عالم دکھا دیا — دونوں کو ایک دوسرے نے کیا بنا دیا
دیوانگی نے میری سب مجھے کیا مزا دیا — اُن کو بھی ساتھ میرے تماشا بنا دیا
طاعت کا اِن بتوں نے سلیقہ سکھا دیا — خود کیا ملے کہ مجھ کو خدا سے ملا دیا
صیاد کو بھی کچھ ترس آیا بہار میں — در کھول کر قفس کا مجھے خود اُڑا دیا
ننھے سے دل کی چھوٹی سی تُربت بنائی تھی — نقشِ قدم نہ تھا جسے تم نے مٹا دیا
سنتے ہیں کوس کوس کے وہ عندلیب کو — کمبخت کی فغاں نے مرا دل دُکھا دیا
کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے — واعظ کو کچھ مزا نہ کسی نے چکھا دیا
اتنا ہوا کہ ہاتھ سے کچھ دھجیاں گئیں — دستِ جنوں نے کانٹوں سے دامن چھڑا دیا
پہچان ہی لیا اُنھیں فتنوں نے حشر کے — انگلی اُٹھا کے دور سے اُن کو بتا دیا
شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اُڑا دئے — جس غنچے پر نگاہ پڑی دل بنا دیا
اس واسطے کہ آدھی گت میکدے میں ہو — پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

مجھ کو ادب، حجاب اُنھیں، دُختِ رز خموش　　آخر یہ کس نے آنکھ کا پردہ اُٹھا دیا

اک قبر کا چراغ ہے اک دل کا داغ ہے　　اِس کو جلا دیا کبھی اُس کو جلا دیا

ہم گزرے جس طرف سے اُدھر انگلیاں اُٹھیں　　دیوانہ ان حسینوں نے ہم کو بنا دیا

یہ کہہ کے کس ادا سے دیا ساغرِ شراب　　لو آج ہم نے زہر بھی اس میں ملا دیا

تم کیا مٹا سکو گے اسے دل کا داغ ہے　　نقشِ قدم نہیں جسے تم نے مٹا دیا

میں رو رہا تھا، دل میں مگر گدگدی اُٹھی　　کچھ اس ادا سے آئے کہ مجھ کو ہنسا دیا

چکرائے میری باتوں سے گم گشتگی میں بھی　　جب مل گئے تو خضر کو رستا بتا دیا

تھا حُسنِ اتفاق کہ پہیم شرر اُٹھے　　وہ خوش ہوئے کہ شمع کو ہم نے ہنسا دیا

دیکھا کوئی حسین کہ ہم مُدعی ہوئے　　قاتل اُسی کو حشر میں ہم نے بتا دیا

مجھ سے سیاہ کار کے کام آئی تیرہ گور　　یہ تو ہوا فرشتوں کو اندھا بنا دیا

اس بھولے پن کے ساتھ کہ لطف آ گیا انھیں　　اپنا فسانہ آپ ہی ہم نے سُنا دیا

ہم میں نہ جان حشر میں آئے گی، ہوش کیا　　ساقی نے میکدے میں ہمیں کیا پلا دیا

پاؤں تو ان حسینوں کا مُنھ چوم لوں ریاضؔ
آج ان کی گالیوں نے بہت ہی مزا دیا

کوئے دشمن سے اسے چھپ کے نکلتے دیکھا　　ہم نے نقشِ قدمِ یار کو چلتے دیکھا

ہائے کیا حال دمِ وصل ہمارا ہوگا　　بوسہ لینے میں تمھیں رنگ بدلتے دیکھا

ابر بن کر جو برسنے کو آیا واعظ　　بے طرح ہم نے خُمِ مے کو اُبلتے دیکھا

یہ بھی پینا ہے کوئی، چال ہے یہ بھی کوئی　　ہر قدم پر اُنھیں سو بار سنبھلتے دیکھا

یہی آنکھیں ہیں کہ جن میں نہیں نام کو اشک　　انھیں آنکھوں سے کبھی خون اُبلتے دیکھا

حشر کے روز نہ تاب ابرِ کرم کو آئی
مجھ گنہگار کو جب دھوپ میں جلتے دیکھا

گیسوئے حور کہو، سبزۂ تربت کیسا
قبرِ دشمن سے دھواں ہم نے نکلتے دیکھا

کوچۂ عشق میں اللہ رے پامردیٔ دل
ٹھوکریں کھا کے اسے ہم نے سنبھلتے دیکھا

غیر کے گھر سے جھجکتے ہوئے تم نکلے تھے
رکتے دیکھا تمھیں پھر چھپ کے نکلتے دیکھا

دل میں کیا جان تھی کیا قطرۂ خوں کی تھی بساط
مٹتے دیکھا اُسے ہاتھوں سے مسلتے دیکھا

بھید دل لٹنے کا کھلا تھا کہ شفق شام کی تھی
وصل کی رات کو بھی رنگ بدلتے دیکھا

کبھی کچھ رات گئے یا کبھی کچھ رات رہے
ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا

خونِ دل پر ہے عبث رشک تری مہندی کو
اپنی ہی آگ میں ہم نے اُسے جلتے دیکھا

دلِ بیتاب تھا یا آگ کی چنگاری تھی
کس قدر جلد انھیں پاپوش سے ملتے دیکھا

واہ کیا رنگ ہے کیا خوب طبیعت ہے ریاضؔ
ہو زمیں کوئی تمھیں پھولتے پھلتے دیکھا

وہ پوچھتے ہیں شوق تجھے ہے وصال کا
منھ چوم لوں جواب یہ ہے اس سوال کا

اُٹھے گا لطف خلد میں جا کر وصال کا
موقع ملا جو حشر کے دن دیکھ بھال کا

او جامہ زیب چھین لے تو آسمان سے
دامن شفق کا اور گریباں ہلال کا

سو ناز سے جو آئے قیامت تو کچھ نہیں
انداز اور ہے تری مستانہ چال کا

روٹھے ہوئے بھی چھیڑ کے سنتے ہیں میرے شعر
میرے کلام میں ہے مزا بول چال کا

کہتے ہیں رونق اور مری رہگزر کی ہے
لایا ہے رنگ خون کسی پائمال کا

ممکن نہیں کہ سن کے تمھیں ہو شگفتگی
پوچھو نہ حال تم کسی آشفتہ حال کا

میرے گنہ ہیں باعثِ بخشش مرے لئے
میرے گنہ سبب ہیں مرے انفعال کا

دامانِ برقِ طور ہے تیرا حجابِ رُخ — معشوق ہو تو ہو ترے حسن و جمال کا
دیتے نہ جان ہم جو سمجھتے شبِ لحد — شک تھا کہ آج دن ہے کسی کے وصال کا
قسمت مری وہ آئے مرا دل خریدنے — ہوتا ہے مول آج تو مفلس کے مال کا

رہنا ریاضؔ سایے سے بھی اس کے دُور دُور
دُشمن یہ آسمان ہے اہلِ کمال کا

یہ کافر بُت جنھیں دعویٰ ہے دُنیا میں خدائی کا — ملیں محشر میں مجھ عاصی کو صدقہ کبریائی کا
یہ مجھ سے سخت جاں پر شوق خنجر آزمائی کا — خدا حافظ مرے قاتل تری نازک کلائی کا
نہ ہو پہلو میں میرے دل تو کوئی بات کیوں پوچھے — یہی تو اک ذریعہ ہے حسینوں تک رسائی کا
تم اچھے غیر اچھا غیر کی تقدیر بھی اچھی — یہ آخر ذکر کیوں ہے میری قسمت کی بُرائی کا
وہ کیا سوئیں گے غافل ہو کے شب بھر میرے پہلو میں — اُنھیں یہ فکر ہے نکلے کوئی پہلو لڑائی کا
ہزاروں دیدہ و دل بام لاکھوں طور سے بڑھ کر — کروروں جلوہ گاہیں شوق تو ہو خود نمائی کا
قفس میں اب کہاں وہ انبساطِ صبحِ آزادی — چمن تک لطف تھا صیاد میری خوش نوائی کا
اشارے پر ترے چل کر یہ لائے رنگ مشکل ہے — ابھی محتاج ہے خنجر ترے دستِ حنائی کا
کوئی کیا جانے جنت میں کہ اُس نے طول کھینچا ہے — قیامت پر بھی سایہ پڑ گیا روزِ جدائی کا
وہ دن بھی آئے ہم ہوں اور گلیاں ہوں مدینے کی — گدایانہ صدا ہو ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

بنائی کیا بُری گت میکدہ میں بادہ نوشوں نے
ریاضؔ آئے تھے کل جامہ پہن کر پارسائی کا

نہ تارے افشاں نہ کہکشاں ہے نمونہ ہنستی ہوئی جبیں کا
کھلا ہے پرچم گرا ہے جھنڈا افلاک پر اس آہِ آتشیں کا

رہتے ہیں گھُس مل کے یکسے دونوں یہ ایک ہیں دل کے کیسے دونوں
چھُٹا جو ہم سے کسی کا دامن تو ساتھ ہے اشک و آستیں کا

جو ایک ہو تو ہم اُس کو رو ئیں ہوئے ہیں دشمن بدن کے رُئیں
ہیں تو ہزار آستیں پر گمان ہے مار آستیں کا

جو رنگ اُن کا بدل چلا ہے تو شوق اب ہے نہ ولولا ہے
بہت ہی نازک معاملا ہے وصالِ معشوقِ نازنیں کا

چڑھی ہے کچے گھڑے کی ایسی بندھی ہے یہ دُھن تا ہیں بھی ساقی
چکھائیں واعظ کو آج ہم بھی ذرا مزا شہد و انگبیں کا

تھا ایسے انکار نے چبھوئے ہمارے دل میں ہزاروں نشتر
تم ایسے نازک کہ نقش بن کر رہا ہوں پریشاں نہیں کا

جو چھینٹیں اُڑ کر پڑیں خدایا وہ اور محشر کریں گی برپا
ہے میری گردن پر اور اُلٹا یہ خون قاتل کی آستیں کا

کلی نہ دامن کی مسکرائے نہ آستیں تیری گل کھلائے
میں صدقے قاتل نہ رنگ لائے یہ خون دامن کا آستیں کا

ریاضؔ معشوقِ ماہ پیکر کوئی نہ کوئی ہے جلوہ گستر
کہ شام آئی ہے جو مرے گھر وہ چاند لائی ہے چودہویں کا

چمکے گا اب نہ داغِ دلِ داغدار کا
لو بجھ گیا چراغ شبِ انتظار کا

کیسا مٹا کے خاک کیا تیرے شوق نے
میں بن گیا غبار رہِ انتظار کا

شوخی بھی ہے مزاج میں کچھ تمکنت بھی ہے
وہ لے رہے ہیں صبر دلِ بیقرار کا

تارے نکل کے ڈوب گئے آسمان پر — عالم وہی ہے میری شبِ انتظار کا
معشوقِ نازنیں مجھے قابو کے مل چکے — دل بھی مجھے ملا نہ مرے اختیار کا
اللہ میرے گزری ہے کیا ایسی واردات — مُنھ دیکھتے ہیں سب مری شمعِ مزار کا
تسکین دے دو وعدۂ محشر سے جھوٹ سچ — ٹوٹے نہ آسرا دلِ اُمیدوار کا
اُبھری ہوئی یہ شاخ میں کلیاں گلاب کی — جوبن دکھا رہی ہیں عروسِ بہار کا
تھی دل میں گدگدی کہ میں پوچھوں دمِ وصال — یہ تو ہنسا کہ چوں بھلا تیرے ہار کا
وہ لاکھ زلف کھول کے بیٹھیں عدو کے گھر — عالم کچھ اور ہے مرے شبہائے تار کا

اُمید ہے کہ شب کو بھی ہو شغلِ مے ریاضؔ
مُنھ صبح ہوتے دیکھ لیا روزہ دار کا

ارمان ہے کہ پھول کھِلے اُن کے ہار کا — گھونگھٹ کہیں کھُلے بھی عروسِ بہار کا
کیا چرخ پر یہ عکس پڑا لالہ زار کا — دامن شفق بنی ہے عروسِ بہار کا
خُم دوش پر بغل میں صراحی وہ روزِ حشر — اُٹھنا مزار سے وہ کسی بادہ خوار کا
ہے بات کچھ بنی ہوئی بازارِ حُسن میں — مجھ کو گراں ہے مُفت بھی سودا اُدھار کا
اس لُطف سے بہار کچھ آئی ہے اب کے بار — پانی میں بھی مزا ہے مے خوشگوار کا
قدرت تو دیکھنا شفقِ شام کی ذرا — بتلا رہی ہے وقت یہ اُن کے سنگار کا
رکھنا پڑا ہمیں خُم و مینا کو سر بہ مُہر — کوئی بھی آدمی نہ ملا اعتبار کا
مدت کے بعد آئی تھیں دو چار آندھیاں — کچھ حال کہہ گئیں مرے اُجڑے دیار کا
میکش تو کیا گھٹا میں چلیں جھومتی ہوئی — زاہد نہ مجھ سے پوچھ مزا سبزہ زار کا
دولھا وطن ہیں خیر سے دونوں دراز قد — ہے روزِ حشر جوڑ شبِ انتظار کا

حاصل سمجھ لئے ہیں اسے زندگی کا ہم — دن رات ہم ہیں اور تصور ہے یار کا
کس لطف سے کھلی ہوئی آنکھیں ہیں بعد مرگ — ہم مٹ گئے مزا نہ مٹا انتظار کا

اب تو ریاضؔ پھول اڑاتے ہیں رات دن
جوبن یہ لوٹتے ہیں عروسِ بہار کا

گلچیں یہ اہتمام کسی ایک بار کا — لوٹا ہے دونوں ہاتھ سے جوبن بہار کا
موتی بنے گا خاک پہ اشک اُن کے ہار کا — دامن کے تار کا نہ گریباں کے تار کا
دیکھے تو کوئی فیضِ نسیمِ بہار کا — گُل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا
اُٹھوں تو آسمان جو بیٹھوں تو خاک ہوں — ظالم غبار ہوں میں تری رہگزار کا
ایسی مہیب ہو نہیں سکتی لحد کی رات — ٹکڑا ہے یہ بھی کوئی شبِ انتظار کا
بے نور بے فروغ نہ رونق نہ رنگ روپ — دیکھے تو منھ کوئی مری شمعِ مزار کا
دامن میں اپنے رکھ لے اسے اے نگاہِ شوخ — قربان تیرے دل ہے کسی بے قرار کا
اب میں تو کیا قفس بھی گیا تیرے ہاتھ سے — صیاد آ رہا ہے زمانہ بہار کا
کچھ دور دور رہتی ہے بالیں سے تیرگی — روشن ہے چراغ ہمارے مزار کا
جب کے ملے گی قرض پہ نے جائیں گے ضرور — ہم جانتے ہیں مفت ہے سودا اُدھار کا
بجلی بنی ہوئی ہے کسی کی نگاہِ شوخ — دامن میں اُس کے دل ہے کسی بیقرار کا
مینا کا منھ ہے بند یہ ہے احترامِ صوم — ساغر کا ہونٹھ لب ہے کسی روزہ دار کا

دھبا نہ آئے ریشِ حنائی پر اے ریاضؔ
کم سن نہیں مگر ہے زمانہ بہار کا

پھرتا نظر میں پھول کا موسم ہے خار کا — کیا چیز اے جنوں ہے زمانہ بہار کا

عالم کچھ اور ہے ترے پھولوں کے ہار کا ہر پھول میں ہے حسنِ عروسِ بہار کا
سایہ جہاں پڑا قدحِ بادہ خوار کا دامن بنا لہکتے ہوئے سبزہ زار کا
پوچھا کسی نے حال کہ آنسو ٹپک پڑے رونا مجھے ہے گریۂ بے اختیار کا
سوئے ہوئے نصیب کہاں چونکتے ہیں اب سایا پڑا ہے میرے تغافل شعار کا
فرقت کے دن ہیں فرق نہیں دن میں رات میں اب رنگ ہی کچھ اور ہے لیل و نہار کا
آنکھیں جھکائے کیوں مری تربت پہ آئے ہیں کشتہ ہوں میں کسی نگہِ شرمسار کا
بوتل جب اُس کے حجرے میں چھوٹی بھری ملی زاہد بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

کہتی ہے لے ریاضؔ درازی یہ ریش کی
ٹٹی کی آڑ میں ہے مزا کچھ شکار کا

مے نوش جس کو کہتے ہیں موسم بہار کا اک وقت ہے وہ دخترِ رز کے نکھار کا
لوٹیں گے ہم شباب عروسِ بہار کا سہرا ہمارے سر ہے گریباں کے تار کا
کہتا ہے ہنس کے پھول ہر اک اُن کے ہار کا جوبن لٹا ہے آج عروسِ بہار کا
مسی دیں جو تو نے ملکیں تو صیاد کیا ہوا آنکھوں میں پھر رہا ہے زمانہ بہار کا
تل بھر نہ اس سے کم ہے نہ وہ بال بھر سوا رات انتظار کی ہو کہ دن انتظار کا
فصلِ جنوں کی یاد میں چھیڑیں نئی نئی تلوے میں چبھ کے دل میں کھٹکنا وہ خار کا
اُمڈا ہوا جہان وہ میدانِ حشر میں چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا
کہتے ہیں جس کو بنتِ مینائے شب فروز ہم میکشوں میں نام ہے صبحِ بہار کا
کیوں آج پھوٹی آنکھ کی پتلی بنا ہے دل دن دیکھنا نصیب میں تھا انتظار کا
ہے میری مشتِ خاک دو عالم کی کائنات ہر ذرہ آسمان ہے میرے غبار کا

ہیں لاکھ لاکھ دستِ حنائی سے اہتمام
جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

[illegible] عدو کو ساتھ لئے آئیں تو سہی
دیکھیں تو آس کے حالِ دلِ بے قرار کا

[illegible] شمار بھی تو ہے گنتی کا ایک دن
ہو گا شمار کیا ستمِ بے شمار کا

[illegible] نہ آپ بزم میں چھلکائیں جامِ خلد
کھلوائیں منھ حبابِ مجھ بادہ خوار کا

[illegible] جنوں کے جوش میں جا تا وسوئے دشت
لینا قدم وہ دُور سے صحرا کے خار کا

[illegible] اوس، خشک سبزۂ تربت نہ تر کرے
دامن وہ موتیوں سے بھرے سبزہ زار کا

[illegible] کی بزم ہمیں بھی نصیب ہو
لطف آئے ہم کو بھی ربابِ سے شکار کا

[illegible] شفق سے بارشِ مے کی اُمید ہے
بدلا ہے رنگ صبح سے اب کارزار کا

[illegible] ہے خیال کوئی یہ نہ کہہ سکے
ہے آسمان اُور سمندر کے پار کا

[illegible] بھی اپنے کام میں آندھی سے کم نہیں
کم ہوں تو کام دیں یہ نسیم بہار کا

چوری گئی شراب تو کیا دُزدِ مے وہ ہے
جو نام لے ریاضؔ سے پرہیزگار کا

[illegible] نام لوں میں شیخِ تہجد گزار کا
ہے کام میکدے میں بڑے ہوشیار کا

[illegible] جنوں میں حال نہ وہ تجھ سے زار کا
ہے ہاتھ پر گمان گریباں کے تار کا

[illegible] ہے شب کو داغِ دلِ داغدار کا
روشن ہے چراغ ہمارے مزار کا

[illegible] ہے موقع ہے پیار کا
میں لطف اُٹھا لوں آج تو صبحِ بہار کا

[illegible] سے توبہ ملے ٹوٹ ٹوٹ کر
اس سے نبھے گا ساتھ نہ مجھ بادہ خوار کا

[illegible] گریں نہ دل سے بے قرار پر
لیں شوخیاں نہ صبرِ دلِ بے قرار کا

[illegible] دل سے سرہانے کھلا ہوا
شب میں یہی چراغ ہے اپنے مزار کا

اے محتسب نہ خلد کے اُس میں نہ اس میں پھول
حجرہ وہ شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا

توبہ کا یہ اثر ہے لبِ جُو کہ جام سے
تبخالہ بن گیا ہے لبِ جوئبار کا

چوری ہی گیا ہے رات کوئی میکدے سے خم
نکلا ہے نام زاہدِ شب زندہ دار کا

کھڑکی کھُلی تو بامِ قفس سے میں چڑھ گیا
احسان ہے جھُکی ہوئی اک شاخسار کا

خوابِ سحر ہے چہرے حسینوں کے دیکھئے
چہروں پر اُن کے حُسن وہ صبحِ بہار کا

یہ آج کس کے پائے حنائی کے نقش نے
روشن کیا چراغ ہمارے مزار کا

پی پی کے اُس نے سجدے کئے ہیں تمام رات
اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا

خم سے نہ ہو وہ سیر میں چُلّو سے سیر ہوں
یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ میگسار کا

قطرے میں بھی شراب کے دریا نظر پڑے
اتنی ملی کہ شکر ہے پروردگار کا

ہے دیکھنے کی چیز قیامت میں اے ریاضؔ
جانا لحد سے اُٹھ کے ہمارے غبار کا

شب کو غازہ جو مَلا حُسن بلا کا نکلا
ماہِ کامل تری تصویر کا خاکا نکلا

کون کشتہ نہ تری تیغِ ادا کا نکلا
ناز سے کام لیا نام قضا کا نکلا

ہو چکا حشر مگر اپنی لحد سے باہر
کوئی کشتہ نہ تری تیغِ ادا کا نکلا

نامہ بر بن کے ترے کوچے سے وہ ہو آئی
کام ہاتھوں سے مرے بادِ صبا کا نکلا

داورِ حشر کے آگے نہ ستم کی ٹھہری
لے جفا جو کوئی حیلہ نہ جفا کا نکلا

میں یہ سمجھا تھا کہ ہوگا دلِ پُرخوں میرا
اُن کی مٹھی جو کھُلی رنگ حنا کا نکلا

حشر میں جورِ بُتاں کی وہ شہادت دیتا
کوئی اتنا بھی تو بندہ نہ خدا کا نکلا

جب سے رندوں میں ہوا جامِ سفالیں ایجاد
پانی پانی یہ ہوا جام نہ جم کا نکلا

ہم سمجھتے تھے ریاضؔ اس کو بہت شوخ و شریر
وصل کی رات تو پتلا وہ حیا کا نکلا

لطف دیتا ہے یہ ہر بار ترا کیا کہنا — میں بھی کہہ لوں مرے دلدار ترا کیا کہنا
وصل پر جب سے زباں غیر کو دی ہے تو نے — مجھ سے اقرار نہ انکار ترا کیا کہنا
نشۂ مے میں بھی لغزش کی کوئی بات نہیں — تیرے صدقے مرے ہشیار ترا کیا کہنا
ڈال دی جان ہر اک نقشِ قدم میں تو نے — واہ ری شوخیِ رفتار ترا کیا کہنا
کیا رقیب اب تری باتیں نہیں سنتے اگر — اب نہیں مانتے اغیار ترا کیا کہنا
پاؤں مستی میں بھی رکھا تو سنبھل کر رکھا — بولی لغزش دمِ رفتار ترا کیا کہنا
باتیں معشوقوں کی کانوں میں ہیں بیہوش ہوں میں — نشۂ بادۂ گفتار ترا کیا کہنا
تیرے پامال نے حسرت کی نگاہیں بھی کیں — بول اٹھی شوخیِ رفتار ترا کیا کہنا

قدر کی آج انھوں نے بھی سرِ بزم ریاضؔ
بولے سن کر مرے اشعار ترا کیا کہنا

اے اشکِ غم ان آنکھوں سے تو سرخرو ہوا — مے خوش ہو دل کے ساتھ جگر بھی لہو ہوا
تیرا ہوا جو خون تو دل بھی لہو ہوا — آخر مآلِ کار یہ اے آرزو ہوا
آیا جو محتسب تو بنی رزم بزمِ مے — مجروح خم، شہید ہمارا سبو ہوا
کوثر کا حوض حشر میں سر پر لئے پھروں — چلائے شیخ یہ بھی تمہارا سبو ہوا
نشہ میں گر کے ہاتھ سے ساغر ہوا جو چور — ہر ریزہ جا کے سبزہ لبِ آبجو ہوا
کس سے کہیں کلیم جو گزری کلیم پر — پردے سے بات کر کے جو بے پردہ تو ہوا
نکلے جو خار بعد جنوں سوئیاں چبھیں — دامن کوئی ہزار جگہ تو رفو ہوا

دہلی میں وائسرائے کے مہماں ہوئے ریاضؔ
دربارِ قیصری سبب آبرو ہوا

اُف رے اُبھار اُف رے زمانہ اُٹھان کا — کل بام پر تھے آج ہے قصد آسمان کا
رونا لکھا نصیب میں ہے اپنی جان کا — شکوا نہ آپ کا نہ گلا آسمان کا
بازار میں بھی چلتے ہیں کوٹھوں کو دیکھتے — سودا خریدتے ہیں تو اونچی دوکان کا
یہ بھی خدا کی شان ہم اب ایسے ہو گئے — سایا بھی بھاگتا ہے تمھارے مکان کا
کیوں غم نصیب دل کو بُرا کہہ رہے ہو تم — کیوں صبر لے رہے ہو کسی بے زبان کا
واعظ شرابخانے میں کھوسے گا کیا زباں — ہم خوب جانتے ہیں وہ ٹرّا ہے تھان کا
ہم جام مے کے بھی لب تر چومتے نہیں — چسکا پڑا ہوا ہے تمھاری زبان کا
میں دل کی واردات تو کہنے کو کہہ چلوں — کس کو یقین آئے گا میرے بیان کا
یہ تو کہا کبھی ہو لہو تھوکنا نصیب — تم نے کبھی دیا کوئی ٹکڑا بھی پان کا
میں جاؤں یا نہ جاؤں اُنھیں مے کے بام پر — بدلا ہوا ہے رنگ بہت آسمان کا
افسانہ تم نے قیس کا شاید سنا نہیں — ٹکڑا ہے ایک وہ بھی مری داستان کا
اب کوئی سینہ چیر کے رکھے کہ دل بنائے — آویزہ گر پڑا ہے کوئی اُن کے کان کا
آیا جو غیر لطف بہت دیر تک رہا — بدلا تھا میں نے بھیس ترے پاسبان کا

دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاضؔ پر
کس وضع کا جوان ہے کس آن بان کا

او دلِ رُسوا اُسے رُسوا کیا — کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا
مجھ کو تم کو غیر نے رُسوا کیا — کہہ بھی دو اچھا کیا اچھا کیا

سنگِ در سر سے جدا ہوتا نہیں — سجدہ کر کے دردِ سر پیدا کیا
واہ رے دستِ جنوں زورِ جنوں — چاک تم نے دامنِ صحرا کیا
مے پرستی کی خدا کو چھوڑ کر — دین بھی نذرِ مے و مینا کیا
حشر کے دن بھی وہی ہیں شوخیاں — آج بھی تو وعدۂ فردا کیا
کوہ تا کون آگ میں لے برقِ طور — میں تماشا دور سے دیکھا کیا
اے شبِ فرقت نہ آئی تجھ کو شرم — غیر کے گھر جا کے منھ کالا کیا
قبر پر اُبھرا یہ جاتے ہی ترے — نقشِ پا نے حشر ہی برپا کیا
اُس کو بھی حُسن آفریں رُسوا کرے — اے حسیں جس نے تجھے رُسوا کیا
تھا حنا سے ساز، پیسا دل کو بھی — آپ نے انصاف تو اچھا کیا
قبر میں ہے آج او پردہ نشیں — بے ترے رُسوا نے بھی پردا کیا

توبہ کر کے آج پھر پی لی ریاضؔ
کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

یہی ہے اُن کی نزاکت تو حال کیا ہوگا — مجھے یہ ڈر ہے کہ وقتِ وصال کیا ہوگا
کسی کا سبزۂ تربت نہ ہو سکا پامال — خرامِ ناز سے دل پائمال کیا ہوگا
لحد پر آنے لگا کیوں پسِ فنا کوئی — مٹے ہوؤں کا کسی کو خیال کیا ہوگا
وہ سن ہی کیا ہے سمجھ ہو جو ایسی باتوں کی — وہ پوچھتے ہیں کہ روزِ وصال کیا ہوگا
نہ دل رہا نہ طبیعت رہی وہ پہلی سی — کسی کی بات کا ہم کو ملال کیا ہوگا
انارِ شوق ہیں کیوں آئنے کی خواہش ہے — وہ بات ہی نہیں چہرہ نڈھال کیا ہوگا
اجل خدا کے لئے رحم کر حسینوں پر — ملا کے خاک میں حُسن و جمال کیا ہوگا

مری خوشی کی اُنھیں کس لئے خوشی ہوگی	مرے ملال کا اُن کو ملال کیا ہوگا
بتائیں کیا تمھیں کیونکر گلے لگائیں گے	بتائیں کیا تمھیں روزِ وصال کیا ہوگا
شراب پینے کی عادت ہے مجھ کو چُلّو سے	مجھے ملا بھی تو جامِ سفال کیا ہوگا

ریاضؔ عمر تو گزری سیاہ کاری میں
خبر نہیں کہ ہمارا مآل کیا ہوگا

کیوں بجھے یہ چراغ محفل کا	چاند اِس گھر کا داغ ہے دل کا
خونِ بسمل کی شوخیاں دیکھو	آج دامن رنگا ہے قاتل کا
میری تُربت کا ایک اک ذرّہ	تم کو دے جائے گا مزا دل کا
اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ	پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا
نہ وہ تُربت نہ پھول تُربت کے	نہ وہ خنجر مٹ رہا عنادل کا
دیکھئے گا سنبھل کے آئینہ	سامنا آج ہے مقابل کا
کچھ عجب رسم و راہ ہے ان میں	نہ کھُلا راز دیدہ و دل کا
تھک کے بیٹھے جہاں، یہ چین ملا	کہ نہ پوچھا نشان منزل کا

بزمِ دشمن میں ہیں ریاضؔ بھی آج
جمنے دیں گے نہ رنگ محفل کا

روگ تھا آزار تھا اچھا ہوا جاتا رہا	ایسے دل کا رنج کیا جاتا رہا جاتا رہا
صدقے روزِ وصل کے شکوہ مرا جاتا رہا	اُن کا شکوہ رہ گیا میرا گلا جاتا رہا
اب وہ شاہد پرستی ہے نہ ذوقِ میکشی	مٹ گئیں وہ صحبتیں وہ مشغلا جاتا رہا
کیا کروں اے آرزوئے دیدِ ارمانِ وصال	نامہ بر تو عمر بھر آتا رہا جاتا رہا

شرم ہے صبحِ شبِ وصل اور بھی دونی مگر — شام کو جو تھا وہ اندازِ حیا جاتا رہا
مرگِ دشمن پر کفِ افسوس کیوں ملتے ہیں آپ — ہاتھ ملئے ہاتھ سے رنگِ حنا جاتا رہا
سوئے گردوں ہم مصیبت میں اُٹھا دیتے تھے ہاتھ — کیا کریں جب کام سے دستِ دعا جاتا رہا
صبح ہوتے جب کہا میں نے کہ ہے کچھ التماس — ہنس کے بولے وقتِ عرضِ مدعا جاتا رہا
میری صورت پر ترس کیوں دشمنوں کو آگیا — تیرے صدقے کیوں وہ اندازِ جفا جاتا رہا
دیکھنا شوخی وہ کہتے ہیں مرے ہوتے ہوئے — کیوں توقع مٹ گئی کیوں آسرا جاتا رہا
اس طرح اب اپنے دل کو ڈھونڈھنے نکلے ہیں ہم — پوچھتا ہے ہر حسیں گھبرا کے کیا جاتا رہا
لُٹ گئی شب کو وہ شے جس کو چھپاتے تھے بہت — ان حسینوں سے کوئی پوچھے کہ کیا جاتا رہا

دستِ شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاضؔ
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومنا جاتا رہا

اگر اُن کے لب پر گِلا ہے کسی کا — تو بے جا بھی شکوہ بجا ہے کسی کا
حسیں حشر میں سر جھکائے ہوئے ہیں — وفا آج وعدہ ہوا ہے کسی کا
وہ جوبن بہت سر اُٹھائے ہوئے ہیں — بہت تنگ بندِ قبا ہے کسی کا
وہ خود چاہتے ہیں کوئی اب ستائے — ستانا مزا دے گیا ہے کسی کا
جو ہیں دستِ گستاخ اپنے سلامت — تو جھوٹا ہی وعدہ وفا ہے کسی کا
وہ کیوں اُٹھ کے خلوت سے محفل میں آئیں — وہ کیا جانیں کیا مدعا ہے کسی کا
بنالوں، خدا، تو بھی میرے نہ ہوں گے — بتوں میں کوئی بھی ہوا ہے کسی کا
کوئی گود میں جھم سے آ ہی گیا ہے — تصور ہمیں جب بندھا ہے کسی کا
ریاضؔ اور ہی رنگ میں مست ہیں اب — سُنا ہے پیالا پیا ہے کسی کا

چبھ کے سینے میں مرے قاتل کا پیکاں رہ گیا　　چٹکیاں لینے کو دل میں دل کا ارماں رہ گیا
رہ گیا ہاں غیر کو آنے کا ارماں رہ گیا　　سایہ میرا اُن کے در پہ بن کے درباں رہ گیا
ہائے ری دیوانگی ہم پھول چنتے رہ گئے　　موسمِ گل میں سلامت اب کے داماں رہ گیا
رہ گیا محروم مجھ سے کون اے فصلِ بہار　　ہاں مگر میں رہ گیا میرا بیاباں رہ گیا
اُس نمک پاشِ جراحت نے کیا اچھا علاج　　زخم میرے بھر گئے خالی نمکداں رہ گیا
سایہ چھوٹا جست کرتے ہی کہ جاتی تھی بہار　　اے جنوں سایا سرِ دیوارِ زنداں رہ گیا
بات ہی ایسی تھی یہ منہ چوم لیتے ہم ضرور　　وہ تو کہئے لب تک آتے آتے پیماں رہ گیا
قیس دیوانوں میں اک باقی تھا اب وہ بھی نہیں　　پھاڑ کھانے کو مجھے خالی بیاباں رہ گیا
اُڑ گیا پریوں کا سایا بھی مری تقدیر سے　　میرے سر پر سایۂ دیوارِ زنداں رہ گیا
کیوں بچے پھرتے سے لُٹے پاؤں تم دشمن کے گھر　　رہ گیا بھولے سے کچھ یا کوئی ارماں رہ گیا
ایک میں باقی تھا میں بھی ہو گیا گمراہِ عشق　　اس زمانے میں اب تو کوئی مسلماں رہ گیا
تیرے صدقے کیا ہوئیں دشمن سے باتیں کہہ بھی دے　　اٹھ رہی کوئی قسم یا کوئی ارماں رہ گیا
سخت جاں وہ ہوں کہ بسمل ہو کے بھی نکلی نہ جاں　　مجھ کو حسرت رہ گئی قاتل کو ارماں رہ گیا
تار ہیں نکلے ہوئے کچھ خار ہیں اُلجھے ہوئے　　اے جنوں داماں مرا اب کوئی داماں رہ گیا
عمر بھر رونا ہے گا دیکھنا اے اشکِ شرم　　میرے دامن میں جو کوئی داغِ عصیاں رہ گیا
رہ گئے وہ آتے آتے رہ گیا سامانِ وصل　　آج ساماں ہو چکا تھا ہو کے ساماں رہ گیا
تھے جو کانٹے راہ میں اب اس صحرا میں ہیں　　کوئی بھی دیوانہ زلفِ پریشاں رہ گیا
رہ گیا آنچل ہی آنچل دے چکی محرم جواب　　ایک ہی جوبن کا اُن کے اب نگہباں رہ گیا
جاتے جاتے مجھ کو زنداں کی محبت آ گئی　　میں اُچک کر آج سے دیوارِ زنداں رہ گیا

ہو گئی رسوائی مری دنیا میں لے دستِ جنوں
ایک بھی باقی اگر تارِ گریباں رہ گیا

قیس بھی باقی نہیں ہیں ہوں خدا کی ذات ہے
ہُو کا عالم ہو گیا خالی بیاباں رہ گیا

ناتوانی میں دیا دستِ جنوں نے بھی جواب
پھانسی دینے کو مجھے میرا گریباں رہ گیا

کون آئے اب کفن کے کام لے دستِ جنوں
تارِ داماں رہ گیا تارِ گریباں رہ گیا

کام تو ہیں کافروں کے نام ہے اسلام کا
اب مسلماں رہ گیا کوئی نہ ایماں رہ گیا

ولولوں کے دن نہیں وہ دل نہیں وہ تن نہیں
شوقِ عصیاں مٹ گیا اب خوفِ عصیاں رہ گیا

اک بُتِ کافر کو دل دے کر ہوا کافر ریاضؔ
اب تقدس رہ گیا اس میں نہ ایماں رہ گیا

بتا دو تم ہمیں بیداد کرنا
سکھا دیں ہم تمھیں فریاد کرنا

وہ پہلے مسکرا کر یاد کرنا
وہ پھر شرما کے کچھ ارشاد کرنا

قفس کی تیلیاں توڑیں تڑپ کر
نہیں آتا ہمیں آزاد کرنا

تمنا جس کی ہے وہ دن تو آئے
تمھیں آجائے گا بیداد کرنا

ہم آجائیں گے اپنی یاد بن کر
نہ بھولے سے ہمیں تم یاد کرنا

قیامت ڈھاتی ہے مظلوم کی آہ
سمجھ کر تم ذرا بیداد کرنا

تصور میں یہ کوئی کہہ رہا ہے
شبِ فرقت میں ہم کو یاد کرنا

قفس میں رہ کے قیدِ نغمہ سنجی
ستم ہے خاطرِ صیاد کرنا

سکھایا ہے ہمیں ظالم بتوں نے
مصیبت میں خدا کو یاد کرنا

ہماری خاک ہے رسوا کنِ حسن
سمجھ کر تم اسے برباد کرنا

ریاضؔ اک مردِ آخر ہیں ہو تم بھی
سمجھ کر عاقبت برباد کرنا

نہ منھ دیکھ او چشمِ سوزن کسی کا
رفو کرنے بیٹھے ہیں دامن کسی کا

مزا ہو کہ جھک جھک کے رہ جائے بجلی
گلوں سے چھپا ہو نشیمن کسی کا

یہ شوخی کہ اُڑتی ہے ٹھوکر سے اُن کی
ادب بھی کچھ او خاکِ مدفن کسی کا

دل اتنے بچے ہوں کہ دب جائیں فتنے
جھٹک دے وہ جو محشر میں دامن کسی کا

یہ بجلی ہے کیوں گرد میرے قفس کے
چمن میں بتا دو نشیمن کسی کا

زمانے میں ڈرنے کی چیز اک ہمیں ہیں
ہمیں لوٹ لیتے ہیں جوبن کسی کا

خدا جانے کیا آگ اندر لگی ہے
شرر سے اُٹھا سنگِ مدفن کسی کا

جوانی کے دامن سے لپٹا ہوا ہے
نہ اب تک ہائے بچپن کسی کا

وہ گل کرنے کیوں شمعِ تربت کو آئے
ہمیں کیا، ہوا نام روشن کسی کا

وہ صبحِ شبِ وصل نیچی نگاہیں
وہ سُکا ہُوا ہائے دامن کسی کا

ریاضؔ ایسی دیوانگی روزِ محشر
ارے چھوڑ کمبخت دامن کسی کا

مشکل اس کوچے سے اُٹھنا ہو گیا
حشر بھی نقشِ کفِ پا ہو گیا

دیکھ واعظ مجھ کو میں کیا ہو گیا
آدمی تھا، پی، فرشتا ہو گیا

اور ہی وادی وہ ہے لے اہلِ طُور
قیس جس میں جا کے لیلےٰ ہو گیا

تلخ ہیں جب تک یہ ہے انگور ہے
شیخ نے توڑا کہ مینا ہو گیا

تم کو سمجھا حُور تیرہ گور میں
اے فرشتو مجھ کو دھوکا ہو گیا

مُنہ جو کعبے میں کھُلا وقتِ اذاں
بند ناقوسِ کلیسا ہو گیا

میکدہ واعظ سے اب چھٹتا نہیں
بادپیما بادہ پیما ہو گیا

اے بتو اللہ کو سونپا تمھیں　　بتکدہ دشمن تھا ہوں کعبا ہو گیا
باغ تک جاتے بھی ہیں آتے بھی ہیں　　اب قفس تو گھر ہمارا ہو گیا
آئے گا پینے پلانے کا مزا　　پارسا اب بادہ پیما ہو گیا
موت آئی آپ کا منھ دیکھ کر　　آپ کا بیمار اچھا ہو گیا
ڈوب جاتیں اے وہ طوفاں کہاں　　اشک تو آنکھوں کا تارا ہو گیا

رنگ بدلا کیا زمانے نے ریاضؔ
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا

او بت کافر تجھے کیا ہو گیا　　غیر کے سجدے سے خدا ہو گیا
ہے یہ بہت نشہ ذرا ہو گیا　　مل گئی تھوڑی سی بھلا ہو گیا
حشر میں آگے مرے منھ پر نقاب　　میں ابھی کوئی آج بینا ہو گیا
پانی پیا ساغر مے میں اگر　　وہ بھی مئے ہوش ربا ہو گیا
مجھ سے بڑھا ہے مرے قاصد کا شوق　　نامہ ملا اور ہوا ہو گیا
کس کی نظر او دل ناداں لگی　　میں ترے صدقے تجھے کیا ہو گیا
بگڑی ترے آتے ہی ترتیب بزم　　حشر میں ہنگامہ بپا ہو گیا
کہتے ہیں رات آئی جوانی وصل کی　　جان کو تو میری بلا ہو گیا

جھومتے ہیں بیٹھے حرم میں ریاضؔ
آکے یہاں نشہ سوا ہو گیا

نازک ہیں نزاکت کا بیاں ہو نہیں سکتا　　وہ ایسے ہیں کچھ اور گماں ہو نہیں سکتا
تو اور رہ شوق اس آہستہ روی سے　　اب ساتھ ترا عمر رواں ہو نہیں سکتا

میں کون ہوں کیا ہوں نہیں معلوم کہاں ہوں — مجھ سا کوئی بے نام و نشاں ہو نہیں سکتا
اس شیخِ کہن سال کی اللہ رے بزرگی — جنت میں بھی جا کر یہ جواں ہو نہیں سکتا
میں اور شبِ وصل کہوں تیرے ہی دل کی — ہو منھ میں ترے میری زباں ہو نہیں سکتا
ایفا جو کریں وعدہ تو سو حشر میں ہوتے — کیا ہو نہیں سکتا ہے کہاں ہو نہیں سکتا
کھل کھیلی ہیں ہر طرح جوانی کی امنگیں — ایسوں کا تو کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
کہتی ہے پکارے وہ نقابِ رخِ روشن — یہ حسن تو پردے میں نہاں ہو نہیں سکتا
اکسیر ہے زاہد سے و معشوق کا ملنا — یہ خوب کہی پیر جواں ہو نہیں سکتا
بن جاتی ہے ہر بات جو موقع بھی خدا دے — یہ جھوٹ ہے سچ عہدِ بتاں ہو نہیں سکتا
جب لوگوں میں دونوں کی بزرگی ہے مسلّم — کیا شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا
وہ ساتھ گئی وقت کے تھی وقت کی جو بات — دیکھا ہے جو ہم نے وہ سماں ہو نہیں سکتا
کام آئے ہمارے جو حسینوں کی جوانی — کیا ہم سا کہن سال جواں ہو نہیں سکتا
رکھ لیں ابھی سر پر جو ملے بارِ گنہ اور — یہ بار ہو کتنا بھی گراں ہو نہیں سکتا
ہر راز میں سو باتیں ہیں ہر بات میں سو راز — افسانۂ دل ہم سے بیاں ہو نہیں سکتا

ہم نے بھی ریاضؔ آپ کے اشعار سنے ہیں
یہ لطفِ بیاں لطفِ زباں ہو نہیں سکتا

الفت میں عیاں سوزِ نہاں ہو نہیں سکتا — یہ آگ ہے ایسی کہ دھواں ہو نہیں سکتا
کیا پارۂ دل کوئی زباں ہو نہیں سکتا — کیا اُڑ کے لہو رنگِ فغاں ہو نہیں سکتا
او جلوہ گرِ طور سے کھل کھیلنے والے — کیا دل کوئی خلوت کا مکاں ہو نہیں سکتا
مجھ کو ہے لبِ جامِ شکستہ بھی مہِ عید — ساقی یہ ہلالِ رمضاں ہو نہیں سکتا

جوبن سے ہے سکی ہوئی محرم کا اشارہ — یہ دن وہ ہیں کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
جلنے میں وہاں آندھی سے ہے اے آہِ رسا تو — کیا اشک، وہاں سیلِ رواں ہو نہیں سکتا
دن اور جگہ اور ہو اے داورِ محشر — انصاف حسینوں کا یہاں ہو نہیں سکتا
دیوانہ لیلے کو نہ لیلے سے رہا کام — کچھ اور بلا ہے خفقاں ہو نہیں سکتا
جو دام اُٹھیں حسنِ جوانی کے وہ کم ہیں — سودا یہ کسی طرح گراں ہو نہیں سکتا
بتخانے بنا کرتے ہیں کس طرح مساجد — جب نغمۂ ناقوس اذاں ہو نہیں سکتا
دیوانوں کا انداز اُڑاتے ہیں عنادل — دیوانے میں یہ رنگِ فغاں ہو نہیں سکتا
یہ جان کو میری ہے عذابِ آٹھ پہر کا — دل سا بھی کوئی آفتِ جاں ہو نہیں سکتا
ہیں پیری و طفلی و جوانی کے مزے اور — دُنیا سا کوئی اور جہاں ہو نہیں سکتا
بدلے ہوئے ہیں چرخ کے سب چاند ستارے — وہ وصل کی راتیں وہ سماں ہو نہیں سکتا

بننے کو ریاض آپ بنیں کوہکن و قیس
ہیں ساختہ باتیں خفقاں ہو نہیں سکتا

تو اے فلکِ پیر جواں ہو نہیں سکتا — پہلے ہو جواں یہ بھی گماں ہو نہیں سکتا
ساقی کی گری آنکھ ہے کیوں کعبۂ دل پر — یہ بادہ فروشوں کی دُکاں ہو نہیں سکتا
اک چاند سی ہے شکل ہم آغوشی شب کو — اس سے فلکِ پیر جواں ہو نہیں سکتا
جنت میں نہ بیٹھیں گے لگانے کبھی مہندی — یہ عذر حسینوں کو وہاں ہو نہیں سکتا
کچھ خشک سا ہے تُربتِ میخوار کا سبزہ — کیا ابرِ بہار اشک فشاں ہو نہیں سکتا
جب کاتبِ اعمال ہوئے بار نہ ہم کو — تو بارِ معاصی کا گراں ہو نہیں سکتا
ہر شام نہ جس کی سحر عید ہو واعظ — میخانے میں ایسا رمضاں ہو نہیں سکتا

ملتی ہے درِ ساقی کو تُرسے خدمت — اس طرح کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا
ہے دل سے سوا طفلِ سرِ شک آنکھ میں میری — بچپن ہو یہ جس کا وہ جواں ہو نہیں سکتا
اچھا کہ بُرا کوئی بھی ہو گھر ہے یہ اُس کا — میخانہ مرا باغِ جناں ہو نہیں سکتا
ہم دردِ محبت میں نہ کرتے کبھی اُف بھی — مجبور ہیں اب ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
ہٹتی نہیں چہرے سے نقابِ رُخِ روشن — اس حُسن سے کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
رہنے کی حسینوں میں ہے مضغۂ دلِ ناداں — تجھ سا بھی کوئی دشمنِ جاں ہو نہیں سکتا

شاید ہو ریاض اس میں کوئی بوند لہو کی
دل دیدۂ خونابہ فشاں ہو نہیں سکتا

مے چرانے میں ہمیں ہے یدِ طولیٰ کیسا — ہم اُڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا
دلِ بیتاب بھی کیا اشک کے طوفاں میں گیا — پُر شکن موج سے ہے دامنِ دریا کیسا
جائیے جائیے ہم حشر میں سُننے کے نہیں — آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا
کہتے ہیں خوب کہی ہم نہ ستائیں تم کو — تم جو پا جاؤ ستاؤ ہمیں کیسا کیسا
سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے — آج شیشے میں اُسے ہم نے اُتارا کیسا
حشر کے روز اُمڈ آئی ہے دُنیا کیسی — دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
تنگیِ رزق میں کھانے کو ملی یہ نعمت — غم بنا آکے مرے مُنھ کا نوالا کیسا
اب یہ عالم ہے کہ پلکیں بھی نہیں تر ہوتیں — انھیں آنکھوں سے بہا دیتے تھے دریا کیسا
دیکھنا چٹکی میں اُن کے کوئی ناوک تو نہیں — مُنھ کو رہ رہ کے یہ آتا ہے کلیجا کیسا
چلمنیں اُٹھی کسی کمرے کی قیامت بن کر — ہو رہا ہے سرِ بازار تماشا کیسا
مجھ سے مینا ہی کہتا ہے بہ آوازِ بلند — میرے ہوتے ہوئے اندیشۂ فردا کیسا

ادی لیلے یہ سمجھ کر کہ ترا عاشق ہے
تیرے ناقے نے کیا قیس سے غمزا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید
میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

چھا گئیں آکے سر بزم گھٹائیں کیسی
بن کے طاؤس رہا رقص میں مینا کیسا

جب یہ مل جائیں کلیجے سے لگائے ان کو
مہ جبینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

گھر میں دس ہوں تو یہ رونق نہیں ہوتی گھر میں
ایک بولنے سے آباد ہے صحرا کیسا

یوں تو مشہور زمانہ ہیں بہت میر و امیر
کہئے شاعر ہے ریاضؔ سخن آرا کیسا

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا
مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

یہ دل کی تڑپ کیا لحد کو ہلاتی
تمھیں قبر پر پاؤں دھرنا نہ آیا

نمکداں کئے تم نے گو لاکھ خالی
نمک تم کو زخموں میں بھرنا نہ آیا

یہی دن تھے سو سو طرح تم سنورتے
جوانی تو آئی سنورنا نہ آیا

دبا تا تھا کافر حسینوں کا جوبن
مرے داغِ دل کو ابھرنا نہ آیا

تری تیغ کیا کیا نہائی لہو میں
تری طرح لیکن نکھرنا نہ آیا

سنا کر وہ کہتے ہیں کس بھولے پن سے
ہمیں وعدہ کر کے مکرنا نہ آیا

بنے پنکھڑی نقش پا کی لحد پر
تجھے اے صبا گل کترنا نہ آیا

ریاضؔ اپنی قسمت کو اب کیا کہوں میں
بگڑنا تو آیا سنورنا نہ آیا

تمھارا مدعا پورا ستم سے ہو نہیں سکتا
ہم اپنا دل تمھیں دے دیں یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

جو ہونا ہے رہے گا ہو کے وہ دن ہے یہ محشر کا
ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

یہیں سے بندگی دونوں کو پہونچے میکدے والو — تعلق اب مرا دیر و حرم سے ہو نہیں سکتا
بہت پھیکا پڑا رندو! یہ آکر بزمِ ساقی میں — جمائے رنگ اپنا جامِ جم سے ہو نہیں سکتا
ٹھہر جائے کبھی دم بھر یہ مجھ بیکس کی تربت پر — ترے چلتے ہوئے نقشِ قدم سے ہو نہیں سکتا
جو ناممکن ہے، آساں ہے تری شانِ کریمی سے — خدایا کیا ترے فضل و کرم سے ہو نہیں سکتا
مرادِ دل ہو بر تیرا ستمگر! ہے بہت مشکل — کرم سے ہو بھی سکتا ہے ستم سے ہو نہیں سکتا
انھیں میں سے کوئی آئے، تو میخانے میں آ جائے — بلا نوش و جاگے میں اہلِ حرم سے ہو نہیں سکتا
وہاں ہیں خارِ صحرا، استخواں فرہاد و مجنوں کے — بیاباں بڑھ کے صحرائے عدم سے ہو نہیں سکتا

ریاضؔ اک بندۂ عاصی ہوں مگر یہ بھی میں کہتا ہوں
رہوں محروم میں اس کے کرم سے ہو نہیں سکتا

دور ہی راہ سے کچھ بیٹھ گیا دل میرا — پانوں کیا خاک اُٹھے اب سوئے منزل میرا
ہو گا ناخن سے نہ وا عقدۂ مشکل میرا — چٹکیاں آپ نہ لیں، ارے نہیں دل میرا
رنگ باندھا ہے چمن میں یہ فغاں نے میری — چپکے منھ دیکھتے رہتے ہیں عنادل میرا
نہیں اتنا بھی ٹھہر جائے ذرا تیری نظر — کسی بسمل گھٹ کے رہا تل سے ترے دل میرا
آستیں رنگ سے آئی نہ لہو سے نکلی — نہ چھپا لاکھ چھپا حشر میں قاتل میرا
کون ہو جان مری پوچھتے ہو کیا مجھ سے — ہے وہی جان مری جس نے لیا دل میرا
منھ اُتر جائے اگر آرسی ٹوٹے اُن کی — دل مرا دیکھتے ہیں توڑ کے وہ دل میرا
ہے وہ مشتاق رہِ عشق میں رکھوں جو قدم — بڑھ کے لے پانوں ابھی جادۂ منزل میرا
کچھ عجب لطف سے مل جل کے رہا ایک سے ایک — غم ترا جان مری، رنج ترا دل میرا
بو لیلےٰ ہو نہ اُڑنے سے میں اس کے رُسوا — آگ لگ جائے اُڑے پردۂ محمل میرا

کثرتِ خارِ الم سے جو ہوا جی چھوٹا　　دل بڑھانے کو بڑھا آبلۂ دل میرا
میں کہوں بڑھ کے شبِ وصل سے ہے زلف دراز　　تو نہ کہہ گھٹ کے شبِ وصل سے ہے تِل میرا
یہ مرا ہو کے رہا بعد فنا تربت میں　　جان سے بھی ہے سوا میرے لئے دل میرا
زخم ایسا تو ہو اے تیغ میں تیرے صدقے　　کہ تڑپ جائے مرے ساتھ ہی قاتل میرا
ہاتھ پر رکھ کے اُسے جب وہ چمن میں پہنچے　　برگِ گل جان کے بلبل نے لیا دل میرا

جو کھلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاضؔ
جو کلی رہ گئی کھلنے سے بنی دل میرا

رسائی بام تک اُن کے ہوا ایسا ہو نہیں سکتا　　بلند اتنا مری قسمت کا تارا ہو نہیں سکتا
زمیں بھی اُنکے کوچے کی مجھے بھاری سمجھتی ہے　　کہیں ایسوں کا دُنیا میں ٹھکانا ہو نہیں سکتا
تمنا دل کی تم سے کیا چھپاؤں چھپ نہیں سکتی　　یہ دل گھر ہے تمھارا تم سے پردا ہو نہیں سکتا
نہ نکلا کام بیماروں کا اُن کا نام کیوں نکلا　　وہ اچھے ہیں مسیحا کوئی اچھا ہو نہیں سکتا
ہماری بات رکھ لی آج کس نے طور والوں میں　　پکارا کون اِدھر آ تجھ سے پردا ہو نہیں سکتا
اُٹھاؤں ناز بھی دل کے نباہوں وضع بھی اپنی　　بڑا جھگڑا یہ ہے مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا
کئے ہیں شیشۂ دل چور تو نے سخت باتوں سے　　ارے واعظ ترا انجام اچھا ہو نہیں سکتا
سلامت کنجِ تنہائی سلامت یہ خم و ساغر　　بہار آئے نہ آئے مجھ کو سودا ہو نہیں سکتا
ترے کوچے میں اُفتاد آ چکی ہے میش اس کو بھی　　وہ کچھ ہو کھا کے ٹھوکر حشر برپا ہو نہیں سکتا
یہاں رہتا ہے مجمع بالکبا زانِ محبت کا　　ترے کوچے میں آکر کوئی رُسوا ہو نہیں سکتا

حرم والو ریاضؔ آکر حرم میں پڑ رہیں کیونکر
گزران کا کہیں سبے جام و مینا ہو نہیں سکتا

رہگزر کس کی تھی سجدے میں مرا سر رہ گیا
ناتوانی یہ ترا احسان سر پر رہ گیا

اس سے اچھے دشتِ صحرا اس سے اچھے گردباد
عالمِ وحشت میں میرا گھر کوئی گھر رہ گیا

رحم اُن کو آگیا کچھ سخت جانی پہ مری
کیا لہو کے گھونٹ پی کر آج خنجر رہ گیا

در سے سر ٹکرا رہا ہے صبح سے سایا مرا
قیدِ تنہائی تھی وہ زنداں کے باہر رہ گیا

اک شریکِ انجمن سے وحشتِ زکا تھا پیام
لا کے لب تک بزم میں خاموش ساغر رہ گیا

تھی رگِ جاں کی تڑپ بھی کس قدر چبھتی ہوئی
چارہ گر نشتر کے بھی چبھ چبھ کے نشتر رہ گیا

ہائے قفس کی تیلیاں ٹوٹیں تڑپنے سے مرے
میرے بازو میں سلامت کب کوئی پر رہ گیا

گھر میں پہونچا تھا کہ آئی نجد سے آوازِ قیس
پاؤں میرا ایک اندر ایک باہر رہ گیا

وصل کی شب ماہ و انجم رک گئے گردش سے کیوں
آج تو کچھ آسماں بھی کھا کے چکر رہ گیا

کام لے لندو نہ آئی حشر کی بھی تیز دھوپ
خشک ہونے سے یہاں بھی دامنِ تر رہ گیا

کیوں قفس سے ہاتھ میں صیاد پھر مجھ کو لیا
تیرے صدقے کیا کترنے سے کوئی پر رہ گیا

حشر میں بھی ساتھ غفلت نے نہ چھوڑا اے ریاض
سو کے ہم اُٹھے بھی کب، دن جب گھڑی بھر رہ گیا

ہم اُڑ کر بھی نہ پہونچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا
مُبارک شاخِ گل کو شاخِ نخلِ طور ہو جانا

جوانی آتے ہی نشہ میں ایسا چور ہو جانا
یہ دو دن کے لئے اچھا نہیں مغرور ہو جانا

وہ راتیں یاد آتی ہیں وہ باتیں یاد آتی ہیں
مرا کھل کھیلنا ظالم ترا مجبور ہو جانا

بتانِ ماہ سیما کو عجب عالم دکھاتا ہے
سحر ہوتے ہمارے رنگ کا کافور ہو جانا

قیامت ہے وہ تیرا ناز سے انگڑائیاں لینا
ستم ہے کافر آنکھوں کا تری مخمور ہو جانا

دکھا دو مستِ مے ہو کر تم اپنا ناز سے چلنا
دکھا دیں شیشۂ دل کا تمھیں ہم چور ہو جانا

مرے دل سے نگاہِ لطف کی کچھ راہ تو نکلی
مُبارک میرے زخموں کو ہوا ناسور ہو جانا

کسی کا وصل کی شب اک ادا سے ہائے یہ کہنا
پرائے بس میں پڑ کر قہر ہے مجبور ہو جانا

نظر کے سامنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے
کہ دل سے دور ہونا ہے نگہ سے دور ہو جانا

بھرے ساغر میں ہے بھرپور رنگ اُنکی جوانی کا
غضب ہے بے پیئے نشہ میں میرا چور ہو جانا

بہار آئے تری قسمت سے اب کے ہم دکھا دیں گے
ترے تسبیح کا زاہد خوشۂ انگور ہو جانا

جو موج آ جائے کچھ تو آ نکلنا بام پر میرے
ادھر بھی اک نظر اُلجھونے سے برقِ طور ہو جانا

مزا دیتی ہیں گھڑیاں انتظارِ یار کی کیا کیا
کبھی مسرور ہو جانا کبھی رنجور ہو جانا

کہوں کیا اپنی تربت پر اندھیری رات کا عالم
عجب حسرت فزا تھا شمع کا بے نور ہو جانا

ریاضؔ اس شہر سے اب کیا کریں ہم قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاکِ گورکھپور ہو جانا

رنگ پر کل تھا ابھی لالۂ گلشن کیسا
بے چراغ آج ہے ہر ایک نشیمن کیسا

دلِ پُر داغ جو ہوتا ہے لحد میں بیتاب
جھلملاتا ہے چراغِ سرِ مدفن کیسا

میں کہیں کا نہ رہا بادِ خزاں کے چلتے
اُڑ گیا میرے مقدر سے نشیمن کیسا

اب خدا جانے بہار آتی ہے اس میں کہ نہیں
میرے دم سے کبھی آباد تھا گلشن کیسا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے
بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

لال ہاتھوں نے لیا ہونٹھوں نے افشاں چُن لی
آ کے قابو میں لُٹا آپ کا جوبن کیسا

ہم نے دیکھے ہیں مقاماتِ تجلی اُن کے
طور کہتے ہیں کسے وادیٔ ایمن کیسا

ہے ابھی میرے بڑھاپے میں جوانی کیسی
ہے ابھی اُن کی جوانی میں لڑکپن کیسا

ذبح کے وقت بہت صاف رہا تھا یہ تو
دے اُٹھا خون دمِ حشر یہ دامن کیسا

تو دھری جائے گی اس گھر سے جو نکلی کوئی بات | نگہِ شوق یہ دیوار میں روزن کیسا
میری سج دھج تو کوئی عشقِ بتاں میں دیکھے | ساتھ قشقے کے ہے زنارِ برہمن کیسا
آئے ہیں داغ نیا دینے وہ مجھ کو پسِ مرگ | آج پھیلا ہے اجالا سرِ مدفن کیسا
مسی مالیدہ لبِ یار کی سن کر تعریف | منہ پھلائے ہوئے ہے غنچۂ سوسن کیسا
باغباں کام ہمیں کیا ہے وہ اجڑے کہ رہے | جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا

پارسا بن کے ریاض آئے ہیں میخانے میں
آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

یہ سن کے ہیں بلائیں جو سو بار کیا ہوا | ہے ہے بلائے جاں یہ ہوا پیار کیا ہوا
رحمت سے اس کی خلد کے دروازے کھل گئے | قسمت مری کھلی ہیں گنہگار کیا ہوا
بےکس سمجھ کے ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں | سر سے جدا وہ سایۂ دیوار کیا ہوا
کمبخت دل کی فکر کسے وہ گیا گیا | مجھ کو تو یہ پڑی ہے غمِ یار کیا ہوا
ہلکی شراب پی جو کسی نازنیں کے ساتھ | واعظ میں اس گنہ سے گراں بار کیا ہوا
دشمن کے گھر گئے وہ دبے پاؤں کس طرح | اس کی گلی میں فتنۂ رفتار کیا ہوا
ہیں دستِ شوق پیار سے گردن میں ڈال دو | کہتے ہیں وہ گلے کا مرے ہار کیا ہوا
اے دل نگاہ ملتے ہی شرما گئے وہ کیوں | آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ مرے یار کیا ہوا
قابو میں آ کے آج یہ کیوں آپ چپ سے ہیں | فرمائیے وہ روز کا انکار کیا ہوا
وہ کوچۂ رقیب میں یہ قبر پر مری | نقشِ قدم کو شوخیٔ رفتار کیا ہوا
چوری چھپے کی بات تھی کیوں آنکھ کھل گئی | سوئے مرے نصیب وہ بیدار کیا ہوا
وہ کیا بتائیں غیر کو کیونکر زبان دی | اب کیا کہیں کہ غیر سے اقرار کیا ہوا

تھا دیکھنے کا لُطف تجھے دیکھتے یہاں — محشر کے دن ہوا بھی تو دیدار کیا ہوا
کہتے ہیں میری راہ میں ہو کوئی پائمال — جاتی ہے پوچھنے مری پیزار کیا ہوا
پیری میں وہ شباب کی سج دھج کدھر گئی — وہ بانکپن، وہ طرّۂ دستار کیا ہوا
رنگین وہ ساغرِ مئے گلرنگ کیا ہوئے — پیشِ نظر جو تھا وہ چمن زار کیا ہوا
صدقے ترے نثار ترے اے نگاہِ شرم — چُپ چاپ سے کچھ بہت ہیں لبِ یار کیا ہوا
چھپتا نہیں چھپانے سے عالم اُبھار کا — آنچل کی تہ سے دیکھ نمودار کیا ہوا
مجھ کو بھی اپنے غنچۂ دل کی تلاش ہے — اُترا ہوا گلے کا ترے ہار کیا ہوا
سینچے ہوئے چمن میں مرے خاک اُڑ گئی — وہ جوششِ اشکِ دیدۂ خونبار کیا ہوا
جن پر حسین لوٹتے تھے وہ داغ کیا ہوئے — جس کی یہ تھی بہار وہ گلزار کیا ہوا
کوئی نہ کوئی سانحہ گزرا ضرور ہے — اے جانِ زار اے دلِ بیمار کیا ہوا
مقصود ہے کوئی نہ پئے وہ حریص ہوں — واعظ ہوا میں رندِ قدح خوار کیا ہوا
سیدھا سا دل بھی پیچ میں تیرے نہ آسکا — کس بل ترا وہ طرّۂ طرّار کیا ہوا
انگلی پر آرسی نے نچایا کسے یہ آج — تیرا غرورِ آئینہ رُخسار کیا ہوا
دیکھا کبھی نہ پھر کے مرے خوش خرام نے — کس کس کے دل پہ سے دمِ رفتار کیا ہوا

"فتنے" کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

ہمیں پینے پلانے کا مزا اب تک نہیں آیا — کہ بزمِ مے میں کوئی پارسا اب تک نہیں آیا
ستم بھی لطف دیتا ہے بھولے پن کی باتوں سے — سمجھ لے جانِ اندازِ جفا اب تک نہیں آیا
دمِ آخر سرِ بالیں جو آنے کو وہ آئے بھی — تو ہنس کر کہہ گئے وقتِ دعا اب تک نہیں آیا

سحر ہوتے بجھائے کون لے شمعِ لحد تجھ کو　　کوئی جھونکا نسیمِ صبح کا اب تک نہیں آیا
خدا جانے ہوا کیا کوچۂ جاناں میں دل جاکر　　مرا بھولا ہوا بھٹکا ہوا اب تک نہیں آیا
گیا تھا کہہ کے یہ قاصد کہ اُلٹے پاؤں آتا ہوں　　کہاں کمبخت جاکر مر رہا اب تک نہیں آیا
جسے تم کوستے ہو عمر اُس کی اور بڑھتی ہے　　تمھیں سب کچھ تو آیا کوسنا اب تک نہیں آیا
ستم کرنا، دغا کرنا، کہ وعدے کا وفا کرنا　　بتاؤ کیا تمھیں آیا ہے کیا اب تک نہیں آیا
کسی نے کوئے دشمن میں چھپا ڈالا مٹا ڈالا　　گلی تو آئی اُن کا نقشِ پا اب تک نہیں آیا
یہ کیا انصاف ہے صیاد چھوٹے قید سے مجھ کو　　کہ ایسا کوئی مُرغِ خوشنوا اب تک نہیں آیا
بتا دیں آ گیا کیا تم کو اس اُٹھتی جوانی میں　　بتا دیں کان میں چپکے سے کیا اب تک نہیں آیا
بتانِ نازنیں جب دیکھتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں　　تمھاری جان پر قہرِ خدا اب تک نہیں آیا
کیا حسرت سے رخصت صبح کے تاروں کو یہ کہکر　　کہ جس کا شام سے تھا آسرا اب تک نہیں آیا
یہ غفلت ہے کہ محشر میں بھی آنکھیں بند ہیں میری　　سمجھتا ہوں یہی روزِ جزا اب تک نہیں آیا
نہ پھوٹی کوئی کونپل تک مری شاخِ نشیمن میں　　خزاں کے بعد موسم دوسرا اب تک نہیں آیا
دیا ہو تو دیا ہو کچھ پیامِ شوق آنکھوں نے　　مرے لب پر تو حرفِ مدعا اب تک نہیں آیا
اس اُبھرے اُبھرے جوبن پر یوں ہی وہ بیٹھے رہ جاتے　　انھیں اُٹھتی جوانی کا مزا اب تک نہیں آیا

وہ دن آئے مرے سرکارؔ اہلِ بزم سے پوچھیں
کہاں ہے کیوں نہ آیا احسنِ خوشنوا اب تک نہیں آیا

آپ کے پہلو میں دشمن سو چکا　　جانیے ہونا تھا جو کچھ ہو چکا
ہنستی ہے تقدیر ہنس ہنس کے اُن کے تھا　　دل بنے بیٹھے ہیں اپنے دل کو رو چکا

سہ نواب حامد علی خاں بہادر بانقابہ فرمانروائے رام پور

ہاتھ رکھا میں نے سینے میں کہاں — بولے وہ جھنجھلا کے اب میں سو چکا

حشر میں آنا تھا پہلے سے ہمیں — ہم کب آئے جب تماشا ہو چکا

خار اس دل نے مجھے کیا کیا دیئے — میرے حق میں یہ بھی کانٹے بو چکا

اب جو گھٹتا ہے گھٹے طوفانِ اشک — اپنی قسمت کا لکھا میں دھو چکا

بک گیا عمامہ ہو کر رہنِ مے — بوجھ اُترا سر سے جھگڑا تو چکا

توبہ کی عصیاں سے اب پوچھے گا کون — جمع کی تھی جتنی دولت کھو چکا

آفتابِ حشر کب چمکا ریاضؔ

داغِ مے دامن سے جب میں دھو چکا

وہ حشر میں بھی سر بہ گریباں نہیں ہوتا — کافر نہیں ہوتا ہے پشیماں نہیں ہوتا

کیوں پوچھتے ہو وصل کا ساماں نہیں ہوتا — سامان سے پورا کوئی ارماں نہیں ہوتا

آفت ہے مری جان کو اس ضعف میں وحشت — ہاتھوں سے مرے چاک گریباں نہیں ہوتا

پی کر بھی جھلک نور کی منھ پر نہیں آتی — ہم رندوں میں جو صاحبِ ایماں نہیں ہوتا

ہم کو تو فقط لطف ہے پیماں شکنی سے — صدقے ترے ہم سے کبھی پیماں نہیں ہوتا

ہم خاک کسی بات کا ارمان کریں گے — جو دل نہیں رکھتے انھیں ارماں نہیں ہوتا

اب پھولوں سے رنگیں نظر آتا نہیں دامن — خوں نابہ فشاں دیدۂ گریاں نہیں ہوتا

جو دور ہی سے آگ لگا تا ہو دلوں میں — وہ حسن چراغِ تہِ داماں نہیں ہوتا

بگڑے نہ طبیعت کہیں پروانوں کی اے شمع — یوں کوئی بھری بزم میں عریاں نہیں ہوتا

بچ جائے جوانی میں جو دنیا کی ہوا سے — ہوتا ہے فرشتہ کوئی انساں نہیں ہوتا

سایہ بھی بھٹکنے نہیں پاتا ترے در پر — ہوتے ہیں ہمیں ہم جو نگہباں نہیں ہوتا

اٹھ جائے کہیں ہاتھ میرا مہ نو پر ۔۔۔ یہ جھک کے حسینوں کا گریباں نہیں ہوتا
کس طرح لپٹتی ہیں سیہ کار بلائیں ۔۔۔ بے تیرے مزا ئے شبِ ہجراں نہیں ہوتا
سن اور تھا دن اور تھے کچھ اور تھا عالم ۔۔۔ اب ہم کو کسی بات کا ارماں نہیں ہوتا

مشتاق بہت قدر شناسانِ سخن ہیں
کیوں طبع ریاضؔ آپ کا دیواں نہیں ہوتا

نذر اس بت کے ہوا ایمان یہ کچھ دور نہ تھا ۔۔۔ اپنے اللہ کے صدقے اسے منظور نہ تھا
ہم چھلکتے ہوئے ساغر کی اٹھاتے لذت ۔۔۔ باغ میں کوئی چھلکتا ہوا انگور نہ تھا
میں پرانا ہوں ترا دیکھنے والا اے دوست ۔۔۔ وہ بھی جلوے مری آنکھوں میں ہیں جب طور نہ تھا
اس کے آغازِ جوانی کا کہوں کیا عالم ۔۔۔ کچھ اسے نشہ سا تھا نشے میں وہ چور نہ تھا
دلِ پرداغ کا گلدستہ جو لائے آئے ۔۔۔ آپ کی بزم میں پہلے تو یہ دستور نہ تھا
بزمِ ساقی میں مرے واسطے سے تھی اے شیخ ۔۔۔ کیا ترے واسطے افشردہ انگور نہ تھا
شوق سے میں نے رہِ عشق میں کانٹے ہیں چنا ۔۔۔ کوہکن ہو تو ہو میں تو کوئی مزدور نہ تھا
کوئی میکش نہ مرا ہو کہیں تائب ہو کر ۔۔۔ منہ کفن کھول کے دیکھا تو ذرا نور نہ تھا
تھی چمکنے کو سرِ شاخِ نشیمن بجلی ۔۔۔ آشیانے کے لیے نخلِ سرِ طور نہ تھا
آئی دن بننے کو تو میرے سیہ خانے میں ۔۔۔ کیا ٹھکانا کہیں تیرا شبِ دیجور نہ تھا

بیٹھ کر کیا دلِ مرحوم کو روتے ہو ریاضؔ
بگڑی قسمت سے اللہ کو منظور نہ تھا

نہ کانٹا تھا نہ کوئی پھانس نشتر تھا نہ پیکاں تھا ۔۔۔ جو دل میں چبھ رہا تھا وہ ہمارے دل کا ارماں تھا
بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں ہم کو ۔۔۔ کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

ہماری طرح دن کاٹے نہ راتیں ہجر کی کاٹیں
کیا وہ کام تو نے کوہکن جو تجھ کو آساں تھا

جو سینے سے ہٹا آنچل نگاہِ شوق کھُل کھیلی
ہوا میں اُڑنے والا اُن کے جوبن کا نگہباں تھا

وہاں جا کر یہ ہم تھے کون دامن تھامنے والے
عدو تھا وہ تھے اُن کا باغ تھا اُن کا شبستاں تھا

ہوا شورِ سلاسل سے بھری رہتی تھی جنگل کی
ہُوا تھا جب جنوں ہم کو بہت آباد زنداں تھا

کوئی بوسہ نہ کچھ وعدہ نہ راتوں کے نہ باتوں کے
دل اُن کو کوئی دے دیتا اب ایسا کوئی ناداں تھا

بڑا میدان مارا اُس نحیف و زار مجنوں نے
جو سچ پوچھو تو دیوانوں میں وہ اک مردِ میداں تھا

زمانہ ہو رہا تھا تنگ مجھ پر میں کہاں جاتا
رہائی پا کے بھی میں سایۂ دیوارِ زنداں تھا

تماشے کو ابھی مہماں ہے یار رخصت ہوا دشمن
کہا تھا کہنے والے نے کہ وہ دو دن کا مہماں تھا

نہ یاری کعبہ والوں سے نہ کاوش دیر والوں سے
ریاض اللہ والا تھا بڑا مردِ مسلماں تھا

بہار میں مجھے صیاد اسیرِ دام کیا
ترا بُرا ہو مرا کام ہی تمام کیا

یہ کس کی زلف نے آزاد اک غلام کیا
کہ دل نے دور سے جھُک جھُک کے اُسے سلام کیا

لنڈھا کے آل خم سے جا کے مر رہے اُس میں
یہ ہم نے حشر میں جانے کا انتظام کیا

بھائی قیس نے ہم نے کبھی نہ جوئے سرشک
ہمارے بھائیوں میں کوہکن نے نام کیا

چھلکتے جام سے سوئے زمیں نہ جانے دی
عمامہ ہم نے سرِ بزم نذرِ جام کیا

رہے گا ہوش کسی کو نہ خلد و دوزخ کا
کبھی جو حشر میں جلوے کو اُس نے عام کیا

نکلتے دیکھ لیا ہے شراب خانے سے
کسی نے آج ہمیں دور سے سلام کیا

یہ کم نہیں ہے بڑھاپے میں ہم نے توبہ کی
تمام عمر میں ہم نے یہ ایک کام کیا

کیا جو میکدہ جانے سے منع واعظ نے
تو روز اُٹھ کے یہی کام صبح و شام کیا

اُٹھا کے میز سے مینا لگائے خوشۂ تاک یہ میری توبہ کا ساقی نے احترام کیا

نمازِ عید ہوئی میکدے میں دھوم سے آج
ریاضؔ بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

جنوں میں تیشہ لئے سوئے کوہسار گیا گیا جہان سے اب کوہکن سا یار گیا
کمندِ زلف کے حلقے سے صاف نکلا دل بڑا شکار گیا یہ بڑا شکار گیا
شبِ وصال یہ دیوانگی ہے شوق نہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ میرے گلے کا ہار گیا
اثر فزا تھا بہت آج وعظ خیر ہوئی نہ میں گیا نہ کوئی اور بادہ خوار گیا
یہ فصلِ گل ہے اسیرِ قفس کہاں صیاد قفس وہ ساتھ لئے لوٹنے بہار گیا
ہمیشہ فقر میں فاقے میں نقد دے کر پی وہ اور ہوں گے سدا جہاں اُدھار گیا
فرشتے تھے نہ گنہ بارِ دوشِ حشر کے دن مرا جنوں تھا جو سر پر مرے سوار گیا
قریب نجد کا جنگل نہ بے ستوں نزدیک یہ کون تھا مجھے صحرا میں جو پکار گیا
وہ نامہ بر تھا مرا میں نہ تھا ارے درباں ہزار بار جو آیا ہزار بار گیا
بتوں کو دیکھ کے اللہ یاد آتا ہے وہ دن گئے وہ محبت گئی وہ پیار گیا
ضرور قصد کیا اُس نے بامِ لیلیٰ کا بلند آج بہت قیس کا غبار گیا
مزے کی چیز تھی بڑھتی جو انتظار کی رات سحر کے ہوتے ہی وہ لطفِ انتظار گیا

نہ اُٹھ سکا میں لحد سے اثر یہ ضعف کا تھا
ریاضؔ حشر میں اُٹھ کر مرا مزار گیا

ملا بھی یہ تو اِسے پھر خدا نہیں ملتا نہیں نہیں دلِ بے مدعا نہیں ملتا
وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کو خدا نہیں ملتا کوئی ہمارے سوا دوسرا نہیں ملتا

مٹے ہوؤں کا الٰہی پتا نہیں ملتا
رہِ عدم میں کہیں نقشِ پا نہیں ملتا

حنا سے خون کسی غیر کا ملا ہوگا
ہمارے خون سے رنگِ حنا نہیں ملتا

زمیں پر کبھی اُنکے قدم نہیں پڑتے
کہ سجدہ کرنے کو بھی نقشِ پا نہیں ملتا

نکل کے دیکھتے کیا ہے ہوا زمانے کی
درِ قفس کبھی ہم کو کھُلا نہیں ملتا

لحد سے اُٹھ کے کہاں جائیے قیامت ہے
وہ بھیڑ ہے کہ کہیں راستا نہیں ملتا

اچھوتے جام ہیں جنت کے کچھ الگ رکھے
کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

یہ آس لائی ہے ساقی ترے آستانے پر
درِ کریم سے سائل کو کیا نہیں ملتا

بُری طرح لبِ شیریں کسی نے چوسے ہیں
کہ گالیوں میں تری اب مزا نہیں ملتا

بجاتے دیکھے ہیں ناقوس ہم نے وقتِ اذاں
ریاضؔ آپ کا اُن سے گلا نہیں ملتا

نیا کھلا ہے شگوفہ کوئی بہار میں کیا
گندھا ہوا ہے مرا دل کسی کے ہار میں کیا

اُڑانے پھول حسیں آئے ہیں بہار میں کیا
لگی ہے آگ سی یہ آج لالہ زار میں کیا

کسی سے کہنے یہ آئے ہیں وہ سحر ہوتے
تمام رات کٹی میرے انتظار میں کیا

تمھارے خال کا بوسہ نہیں ہے گنتی میں
ذرا سی چیز ہے آئے گی یہ شمار میں کیا

اُتار لی سرِ بازار جس نے رُخ سے نقاب
حجاب آئے اُسے سو میں کیا ہزار میں کیا

یہ سُرمہ چشمِ عدو کے لئے اُٹھا رکھیں
وہ خاک ڈالتے ہیں چشمِ اعتبار میں کیا

بنائیں گے دلِ بے داغ جمع کر کے انھیں
چمکتے دیکھے ہیں ذرے مرے غبار میں کیا

یہ میرے دوش سے ہوتے نہیں جدا دمِ نزع
گڑیں گے میرے فرشتے مرے مزار میں کیا

ہے انتظار کہ مینوشِ خُم سے لئے پہونچیں
گھری ہیں کل سے گھٹائیں سبزہ زار میں کیا

جو دیکھے سانپ کے کاٹے کی لہر اُسے آئے   بھرا ہے زہر یہ ایسا بھی زلفِ یار میں کیا

شراب بھی سوا خوشگوار ہے ہم کو   بتائیں کیا کہ مزا پڑ گیا اُدھار میں کیا

کنارِ شوق میں آ کر حسین نکل نہ سکے   اثر خدا نے دیا ہے ہمارے پیار میں کیا

ریاضؔ توبہ کرو دن خزاں کے آئے ہیں
تم آئے پینے کو جاتی ہوئی بہار میں کیا

پاؤں کا آگے بڑھانا مجھ کو دوبھر ہو گیا   دیکھ کر سر پر سُبو واعظ مرے سر ہو گیا

بے کہے کچھ آپ سے کم بخت باہر ہو گیا   زیبِ ممبر ہوتے ہی واعظ مِرے سر ہو گیا

میں لباسِ قیس میں تھا جب تھا جوشِ بہار   فصلِ گل آتے ہی میں جامے سے باہر ہو گیا

روز لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اُس کے شوق میں   رہ کے دستِ ناز میں اتنا تو خنجر ہو گیا

دھجیاں دیوانے لے بھاگے تبرک کی طرح   ٹکڑے ٹکڑے اس طرح دامانِ محشر ہو گیا

نرم تھیں جتنی زمینیں بن گئیں وہ سنگلاخ   میں نے رکھا جس جگہ جو لفظ پتھر ہو گیا

دور تھا تو ناوکِ دلدوز تھا موئے مژہ   تم جو پاس آئے تو یہ ناوک سے نشتر ہو گیا

کھلنے سے پہلے تو وہ مینائے مے تھا تنگ مُہر   پھول کھل کر بادۂ رنگیں کا ساغر ہو گیا

آنکھیں تلووں سے ملا کرتے ہیں آ کر غزال   ہو رہا صحرا کا میں صحرا مرا گھر ہو گیا

رشکؔ[۱] کے دربار میں پائی جگہ شاید ریاضؔ
تجھ کو حاصل عیش کا سامان کیونکر ہو گیا

پھول ہے لالۂ صحرائی کا   یا کلیجہ ترے سودائی کا

پنکھڑی پھول کی محرم نہ بنے   قطعِ جامہ نہ ہو رعنائی کا

---

۱ مرحوم فرمانروائے رام پور اعلی اللہ مقامہ

بیٹھ کر چوری سے پینا پسِ خم — راز ہے گوشۂ تنہائی کا
مثلِ گیسو ہیں پریشاں شبِ وصل — تھا جنھیں شوق خود آرائی کا
خمِ قد ہے خمِ مینا سوئے جام — موجِ مے ہاتھ ہے انگڑائی کا
ے کے پہلو سے زرا دامن یا — رنگ دیکھو دلِ شیدائی کا
جائے یہ میرے سیہ خانے سے — مُنھ ہو کالا شبِ تنہائی کا
اس میں ہوں نخلِ سرِ طور کے پھول — دامنِ دل ہے تماشائی کا
ے خدا عقل تو دیوانہ بنے — کہ جنوں کام ہے دانائی کا
مستِ مینا ہوں پیا ہے میں نے — جام امیر احمدِ مینائی کا
قید کعبے کی نہ بتخانے کی — شوق ہے ناصیہ فرسائی کا
کچھ سے کچھ ہو گئی حالت دل کی — اب نہیں کام شکیبائی کا
حشر کا نام یوں ہی نکلا ہے — وہ تو دن ہے مری رسوائی کا
جل بجھے طور تو پروا نہیں کچھ — دل نہ بجھ جائے تماشائی کا

بزمِ ساحر[سلہ] میں ہوں خاموش ریاضؔ
ناطقہ بند ہے گویائی کا

کام کیا دل میں شکیبائی کا — پاس ہے حُسن کی رسوائی کا
رنگ دے جائے گا تجھ میں مل کر — اے حنا دل ہے تمنائی کا
نہیں خورشیدِ قیامت واعظ — داغ ہے دامنِ رسوائی کا
جا کے فرہاد سے ٹکراتا ہے — سر پھرا ہے ترے سودائی کا

سلہ سر مہاراجہ محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہ

شاخِ گل سیکھے صبا سے انداز بُتِ طنّاز کی انگڑائی کا

نگہِ شوق یہ کہتی آئی دل میں کیا کام شکیبائی کا

دل پر داغ ہیں گلدستوں میں شوق ہے انجمن آرائی کا

تھوڑی پیتا ہوں بڑھاپے میں بھی کہ سبب ہو یہ توانائی کا

سر پہ اب دھوپ نہیں چین سے ہوں سایہ ہے لالۂ صحرائی کا

مُنہ کو آیا ہے کلیجہ سو بار ہائے عالم شبِ تنہائی کا

آنکھیں بیمار ہیں جن کی مشہور اُن کو دعوائے ہے مسیحائی کا

مٹ گئیں تیری ادائیں تجھ پر ہائے عالم تری انگڑائی کا

کسی شاعر کا تخلص ہے ریاضؔ

نام سہے یا ترے سودائی کا

وہ گئے ناز سے ٹھکراتے ہوئے سر میرا یہ بھی کہتے گئے اب چھوٹ چکا در میرا

جس جگہ شام ہوئی ہے وہیں بستر میرا نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ کہیں گھر میرا

توبہ کرتے ہوئے آتا ہے یہ رہ رہ کے خیال مُنہ مرا دیکھ کے رہ جائے گا ساغر میرا

دلِ مشتاق سے کہتی ہے یہ گھونگھٹ کی نگہ پاؤں نکلا نہیں گھر سے کبھی باہر میرا

کیا تڑپ ہاتھ سے صیاد تڑپ کر نکلوں ہاتھ میں تیرے نہ رہ جائے کوئی پر میرا

داورِ حشر نہ ہوں عشق کے کچھ راز اس میں بات کیا ہے نہیں کھلتا ہے جو دفتر میرا

میں ہوں یا نہ رہوں اتنی اجازت مل جائے آپ گھر میں ہیں در پر ہے بستر میرا

لے چلوں میں طرفِ خلد اُنھیں کھینچ کے ہاتھ وہ کہیں حشر کے دن یہ بھی مقدر میرا

کوئی تیغِ نگہِ ناز کی باتیں تو سُنے مجھ سے کہتی ہے زرا دیکھ لو جوہر میرا

گھِستی آئیں ہمیں اُن گیسوؤں نے بھیجا ہی — دیکھنے آئیں بلائیں جو کبھی گھر میرا
کہتے ہیں وہ، نہیں اس کام کے مژگانِ دراز — مُنھ رگِ جاں سے چُرا جائے گا نشتر میرا

سایہ گستر مرے سر پر رہیں سرکار ریاضؔ
پاؤں پر حضرتِ ساحرؔ کے رہے سر میرا

اب کیا ملے گا آنسوؤں میں دل نکل گیا — وہ قافلہ بھی تو کئی منزل نکل گیا
کچھ بڑھ کے خالِ رُخ سے رہا بوسے کا نشان — تِل سے اِدھر اُدھر کوئی دو تِل نکل گیا
ہاتھ اپنے میرے خون سے تو نے تو رنگ لئے — تیرا تو حوصلہ مرے قاتل نکل گیا
سینے میں دیکھئے تو کوئی زخم بھی نہیں — تیرِ نگاہ لے کے مرا دل نکل گیا
خوش تھے کہ ہم نے جور و ستم سب بجا کئے — محشر میں زعمِ دعوئے باطل نکل گیا
بچُن چن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے — اب کیا کھنچے گی تاک کا حاصل نکل گیا

صیاد سے بھڑک بھی نہ باقی رہی ریاضؔ
رہ کر قفس میں خوفِ عنادل نکل گیا

پہلو سے کوئی یوں سرِ محفل نکل گیا — معلوم یہ ہوا کہ مرا دل نکل گیا
لائے گا رنگ حشر میں کل خونِ بے گناہ — دامن بچا کے آج تو قاتل نکل گیا
آنا تھا اس کو چاند سی صورت کے سامنے — بادل میں چھپ کے کیوں مہِ کامل نکل گیا
کس سخت جاں سے کام پڑا تیغِ ناز کو — سب زورِ دستِ بازوئے قاتل نکل گیا
شاید گلوں کے دامنِ رنگیں میں ہو تو ہو — بن بن کے اشک خونِ عنادل نکل گیا
دستِ جنونِ قیس تھی موجِ ہوائے نجد — کیوں سو جگہ سے پردۂ محمل نکل گیا
سنجیدگی سے محفلِ ساقی میں بات کی — ناصح سا بے وقوف بھی عاقل نکل گیا

کچھ فیض میکدے کو وہ پہونچا گیا ضرور — ہو کر اُدھر جو مرشدِ کامل نکل گیا

وحشت زدہ ریاضؔ نہ زنداں میں رہ سکا
لے کر وہ سب کے طوق و سلاسل نکل گیا

بن کے وہ نقشِ قدم خاکِ قدم سے اُٹھا — پس کے محشر تری رفتارِ ستم سے اُٹھا
مجھ کو ہنسنے کے لئے غیر بھی آ بیٹھا تھا — وہ بھی گھبرا کے مری محفلِ غم سے اُٹھا
سر فرشتوں کے پڑا دفترِ عصیاں کیسا — ہم سے یہ بار اُٹھایا تو نہ ہم سے اُٹھا
کیا کہا وعدہ وفا ہوگا ترے سر کی قسم — اعتبار آج ترا تیری قسم سے اُٹھا
ہاتھ سے بوجھ گناہوں کا اُٹھے گا کیونکر — رعشہ ایسا ہے کہ ساغر بھی نہ ہم سے اُٹھا
تیری رفتار کی شوخی نے قیامت ڈھائی — فتنۂ حشر ترے نقشِ قدم سے اُٹھا
ہو رہیں گے اسی میخانے کے ہم بھی جا کر — آب و دانہ جو کبھی دیر و حرم سے اُٹھا

میری محفل میں ریاضؔ آ کے وہ بیگانہ رہا
لطفِ صحبت کا نہ کچھ شرکتِ جم سے اُٹھا

تو بھی تھا شمع بھی تھی بزم میں گلگیر بھی تھا — بوسہ لینے کو نہ لئے میں تری تصویر بھی تھا
میں نے کیا رکھ لئے سب تیر زرا سے دل میں — تیرے صدقے ترے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا
شفقِ سُرخ کی سج دھج یہ کہے دیتی ہے — کہ جوانی میں حسیں کچھ فلکِ پیر بھی تھا
زخم خوردہ کوئی دِل اُن کے حوالے کر دے — صید ہے وابستۂ فتراک یہ نخچیر بھی تھا
جل بجھی شمع لگی میں نہ ہوا کوئی شریک — مُنھ میں لینے کو زباں شمع کی گلگیر بھی تھا
نالہ و آہ نہ ہوں، وہ کسی دیوانے کی — عرش کی آج ہلاتا کوئی زنجیر بھی تھا
ایک بوسے کے عوض اُس نے سُنائیں سو سو — واقعی جرم مرا قابلِ تعزیر بھی تھا

بزم میں شمع سے گُلگیر ہی تھا پیوستہ — کوئی سینے سے لگائے تری تصویر بھی تھا
توڑتے ٹکرا کے سبو ہم نے بھی اُس کے سر سے — چُپ ہے واعظ کہ یہی حاصلِ تقریر بھی تھا
صدقے ہونے کی مجھے داد ملی یہ اُن سے — کہتے ہیں کچھ اثرِ گردشِ تقدیر بھی تھا
وصل کی شب مرے دشمن کو بھی موت آنا تھی — ہنس کے فرماتے ہیں کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
نقل ہے نامۂ اعمال میں قسمت کا لکھا — جو کیا جُرم وہی پہلے سے تحریر بھی تھا
دم قدم سے مرے آباد تھا زنداں کیسا — شورِ فریاد بھی تھا نالۂ زنجیر بھی تھا
مجھ سے دیوانے کو کس بات کا دیتے وہ جواب — حرفِ مطلب مرے خط میں کوئی تحریر بھی تھا
زورِ وحشت نے ٹھہرنے نہ دیا زنداں میں — ورنہ زنجیر بھی تھی طوقِ گلوگیر بھی تھا
ان حسینوں کو کبھی چین سے سونے نہ دیا — میری ہی طرح مرا نالۂ شبگیر بھی تھا

میں نے سب رُخ جو نہیں پاؤں نکالا ہے ریاضؔ
تنگ زنداں کی طرح خانۂ زنجیر بھی تھا

شیخ مستِ مے کہن بھی ہُوا — نشہ اُترا تو خندہ زن بھی ہُوا
تھا وہ لاغر کہ تارِ دامنِ قیس — پیرہن بھی رہا کفن بھی ہُوا
سروِ گلشن جو دن میں مینا تھا — شب کو وہ شمعِ انجمن بھی ہُوا
گزری مجھ پر جو ہاتھ سے میرے — کچھ وہی حالِ کوہکن بھی ہُوا
نہ شگوفہ نہ گُل نہ رنگِ بہار — اب تو وحشت کا گھر چمن بھی ہُوا
مرنے پر میرے پوچھتا تو کوئی — کہ میسّر اسے کفن بھی ہُوا
اب وہاں خاک بھی نہیں اُڑتی — جائے عبرت مرا وطن بھی ہُوا
شرم میری مرا خدا رکھ لے — رہن سے آج پیرہن بھی ہُوا

یہ ہے گردش زدہ ریاضؔ کا حال
گھر بھی اُجڑا وہ بے وطن بھی ہوا

اے جنوں پھول نہیں لالۂ صحرائی کا — منھ کو آیا ہے کلیجہ کسی سودائی کا
وصف ہے گُل کی زباں پر تری زیبائی کا — ہر کلی پہنے ہے جامہ تری رعنائی کا
ہو گئے اُن کے لبِ سُرخ مسی آلودہ — نام بھولے سے لیا تھا شبِ تنہائی کا
آنکھ اے حضرتِ موسیٰ نہیں دیر اُٹھتی — حوصلہ پوچھ رہے ہیں وہ تماشائی کا
میں وہ رُسوا ہوں، ترا عرصۂ محشر واعظ — ایک گوشہ ہے مرے دامنِ رُسوائی کا
کس تبختر سے کہا توڑ کے آئینۂ دل — ہم نہ خود بیں نہ ہمیں شوق خود آرائی کا
نگہِ شوق کو مژگاں نے اُبھارا شاید — امتحاں لینے چلی دل کی شکیبائی کا
کیا قیامت ہے شبِ وصل خموشی اُسکی — جس کی تصویر کو بھی ناز ہے گویائی کا
دھڑکے بے وجہ کے ہیں فتنۂ محشر کیسا — حشر تو نام ہے صبحِ شبِ تنہائی کا

ذی کمال اہل سخن اور "مصاحب منزل"
اے ریاضؔ آج عجب لطف ہے یکجائی کا

رنگ دیکھے تو کوئی لالۂ صحرائی کا — خون کچھ اس سے ملا ہے کسی سودائی کا
نشۂ حُسن ہے کب ہوش ہے زیبائی کا — وہ ہیں جن کو نہیں شوق خود آرائی کا
شاخِ گل تنتی ہی کیا باغ میں ہے جوشِ بہار — اس میں انداز کہاں یار کی انگڑائی کا
دلِ پُر داغ بھی رکھے گئے گلدستوں میں — شوق اتنا بھی نہ ہوا انجمن آرائی کا
روک تھام سکی کچھ اے زلفِ گرہ گیر نہ کر — پاؤں زنجیر سے نکلا کسی سودائی کا
دل میں آئے تو کہا آرزوؤں سے ہنس کر — خون تو چوس لیا میرے تمنائی کا

وصل کی رات بھی ہوتے رہے وعدے ہم سے ۔۔۔ ذکر یہ ہے کسی ناداں کی دانائی کا
اور بڑھ جاتی ہے آشفتہ مزاجی اسکی ۔۔۔ حال پوچھے جو کوئی آپکے سودائی کا
آگئی آپکے حصے میں جوانی کی پھبن ۔۔۔ زیب دیتا ہے غرور آپ کو رعنائی کا
دلِ وارفتہ بھی پہلو سے گیا وائے نصیب ۔۔۔ نہ رہا کوئی شریک اب غمِ تنہائی کا

لبِ شیریں سے وہ کوسیں ہمیں سو بار ریاضؔ
ہم نے لوٹا ہے مزا اُن کی مسیحائی کا

کشمکش میں نہ شکن آئی نہ داماں نکلا ۔۔۔ خیر گزری کہ یوں ہی غیر کا ارماں نکلا
کچھ مرے خون کا پیاسا ہر اک ارماں نکلا ۔۔۔ کوئی دشنہ کوئی خنجر کوئی پیکاں نکلا
دے گیا میں بھی طرح سوچ کے کچھ حشر کے دن ۔۔۔ وہ بھی کچھ اپنی جفاؤں سے پشیماں نکلا
ہنس کے کہتے ہیں کسی کا دلِ بدخو ہوگا ۔۔۔ بن کے فتنہ جو سرِ گوشۂ داماں نکلا
ڈر گئے، چیخ اُٹھے، بات تھی کیا کہئے تو ۔۔۔ کیا شبِ وصل کسی کا کوئی ارماں نکلا
کیا سمائے ہوئے تھے حشر کے ڈھرے دل میں ۔۔۔ آنکھ میری جو کھلی خوابِ پریشاں نکلا
ٹیلے صحرا کے دکھا جاتے ہیں پھر بھی رونق ۔۔۔ قیس کا ڈھیر تو کچھ ننگِ بیاباں نکلا
کیسے ہم کھوئے گئے قیدِ قفس سے چھٹ کر ۔۔۔ آشیانے کی طرح باغ بھی ویراں نکلا
بن سنور کر مرے گھر شام سے آنے والا ۔۔۔ اپنے گیسو کی طرح صبح پریشاں نکلا
کام آئی نہ تو محرم نہ وہ دہرے آنچل ۔۔۔ رعبِ حسن آپکے جوبن کا نگہباں نکلا
اشک نے دل کے مزے آج دکھائے اُن کو ۔۔۔ وہ سمجھتے تھے کہ قطرہ ہے یہ طوفاں نکلا
دیر والوں نے کیا کعبہ نشینوں کو سلام ۔۔۔ کیا اُدھر ہو کے کوئی دشمنِ ایماں نکلا
رام پور آئے ریاضؔ آپ بہت خوب ہوا ۔۔۔ اپنے اُستاد کی پابوس کا ارماں نکلا

میرے گھر مثل تبرک کے یہ سامان نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا
صبح ہوتے ہی رفو ہونے کو داماں نکلا — رات شاید کسی کم بخت کا ارماں نکلا
حشر کہہ کر جسے واعظ ہمیں چونکاتا تھا — وہ شبِ گور کا اک خواب پریشاں نکلا
آتے آتے سرِ مژگاں جو کبھی خشک ہوا — گرتے گرتے وہی آنسو کبھی طوفاں نکلا
نہ درازی ترے دامن کی نہ اتنے فتنے — دامنِ حشر ترا گوشۂ داماں نکلا
کرتے ہیں غل در و دیوار بھی زنجیر کے ساتھ — سنئے دیوانوں سے آباد یہ زنداں نکلا
چھوڑ دیتا یوں ہی میں مردِ مسلماں تجھ کو — بُتِ کافر ترا اللہ نگہباں نکلا
حشر کے روز گئی کاتبِ اعمال کے سر — شکر ہے حرفِ غلط دفترِ عصیاں نکلا
پر جبریل نہ تھی ریشِ درازِ واعظ — ہم فرشتہ جسے سمجھے تھے وہ انساں نکلا
کھال کھچوائی عبث غصے میں ویرانہ نشیں — قیس تو بعد سزا اور بھی عریاں نکلا
دونوں سینے سے مرے ہو کے جدا ایک ہے — دل نہ پیکاں ہے نہ دل سے مرے پیکاں نکلا
اُٹھ رہی تھی یہ داخاص قیامت کے لئے — جو رہے اپنے کوئی آج پشیماں نکلا

اک زمانہ جسے کہتا تھا کہ کافر ہے ریاضؔ
وہی بخشش ترا مردِ مسلماں نکلا

کچھ بگولوں سے بھرا خانۂ ویراں نکلا — خاک میں مل کے بھی چھوٹا سا بیاباں نکلا
جب کہا کشمکشِ وصل میں داماں نکلا — بولے وہ آپ کو کیا آپ کا ارماں نکلا
وہ ادا تھی کہ فدا لاکھ حسینوں کا بناؤ — خون میں ڈوب کے اس رنگ سے پیکاں نکلا
دور رہ کر بھی رہا چبھ کے ہمارے دل میں — کچھ عجب چیز ترا ناوکِ مژگاں نکلا
شفقِ شام بنی لالہ رخوں کا دامن — مہِ نو بن کے حسینوں کا گریباں نکلا

یہ وہ پتھر ہے جگہ سے جو کبھی ہٹ نہ سکا — سنگِ در سے بھی سوا آپ کا درباں نکلا

ہم نے دل کھول کے لیں کتنی بلائیں شبِ وصل — بل ترا آج کچھ اے زلفِ پریشاں نکلا

خاکِ مجنوں کے بگولے گلے ملنے کو اُٹھے — کوئی دیوانہ سوئے نجد جو عُریاں نکلا

رات بھر غیر کے گھر گو مرے ماتم میں رہے — آستیں آپ کی نکلی نہ گریباں نکلا

مُنہ میں ٹپکائی تھی مینا سے کہ ہچکی آئی — شیخ میخانے میں کچھ دیر کا مہماں نکلا

اُٹھ رہے دوسرے دن پر نہ کہیں سب کا حشر — پیش ہونے کو مرا دفترِ عصیاں نکلا

شعرا کو نگہِ کم سے جو دیکھے وہ ریاضؔ
فکرِ ساحر کا ہزاروں میں ثنا خواں نکلا

کیا بننے کو جوان کچھ آپ بنا لیا — اے شیخ! میفروش سے آخر یہ کیا لیا

دیوانہ میں نے حشر میں خود کو بنا لیا — جو مل گیا حسین گلے سے لگا لیا

اُٹھنے کا اب تو نام بھی لیتا نہیں ہے درد — پہلو میں ہم نے آج یہ کس کو بٹھا لیا

کمبخت جب قبول نہ ہو کوئی کیا کرے — مدت ہوئی کہ ہاتھ دُعا سے اُٹھا لیا

ہم دل کے ساتھ ساتھ رہے کوئے یار میں — اس دل نے راہ پر ہمیں آخر لگا لیا

بعدِ فنا بھی دل ہے مرا حسرتوں کی پوٹ — ایسا نہیں ہے چُپکے سے جس کو اُٹھا لیا

کھانے میں قیدِ وقت نہ اچھے بُرے سے کام — جب مل گیا تو شکر کیا اور کھا لیا

ڈر ہے کوئی تجھے بھی تو اب چھیڑتا نہیں — تصویرِ یار رنگ تو اچھا جما لیا

اقلیمِ حُسن و عشق میں اس کا چلن ہے خوب — داغِ جنوں نے خوب ہی سکہ جما لیا

رکھا ہے پان دان تو اتنا نمائشی — لیکن نہ اُس میں پان نہ کتھا نہ چھالیا

باقی لہو نہیں وہ تن و توش اب کہاں — ہم کو تو فکرِ رزق نے اے شیخ کھا لیا

دل لاکھ پاک صاف ہے دامن کو کیا کروں | جا جا کے میکدے میں یہ دھبا لگا لیا
تم جانو ہم تو تجھے ہی عجب دل لگی کی چیز | ساتھ اُس کے ہو لئے ہمیں جس نے لگا لیا

بوسے سے چوکتا تھا کہیں تُو سے کے دل ریاضؔ
لاکھوں میں ایک شخص تھا جس نے دیا لیا

یہ بھی اک چاند لئے تیرے مقابل ہوتا | دل میں تصویر تری آرسی میں دل ہوتا
کچھ تو مرنے کا اس دشت میں حاصل ہوتا | خاک مجنوں کا بگولا سرِ محمل ہوتا
وہ گل اندام ہو تم ٹوٹتے بلبل تم پر | تم جدھر جاتے اُدھر شورِ عنادل ہوتا
جانے دیتا نہ مجھے خون کا دعویٰ کرنے | ہاتھ میں ہاتھ دیئے حشر میں قاتل ہوتا
برق کے شعلے ہر اک شاخ سے لپٹے ہوتے | پھولتی کشتِ تمنا تو یہ حاصل ہوتا
صدقے ہوتی دلِ پر زخم پر آ آ کے بہار | خون سے میرے چمن کوچۂ قاتل ہوتا
میری قسمت کی کجی راہ بھلاتی مجھ کو | کبھی سیدھا جو کوئی جادۂ منزل ہوتا
ہاتھ قاتل نے لگایا نہ اُسے خیر ہوئی | میں تو کیا خنجرِ جلاد بھی بسمل ہوتا
یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں | پنکھڑی ٹوٹتی تو شورِ عنادل ہوتا
چھوٹے سے دل کا سویدا تو اسی کام کا تھا | کہ ترے چاند سے رخسار کا وہ تل ہوتا
نیند کے آنے سے کیا آنکھ جھپکتی اُس کی | موت کے آنے سے درباں نہ غافل ہوتا
رہ کے پہلو میں یہ بیگانہ بنا رہتا ہے | کام میرے کبھی آتا جو مرا دل ہوتا

کام شیشے کی پری سے نہیں چلتا ہو ریاضؔ
میرے پہلو میں کوئی حور شمائل ہوتا

جاتے ہی میکدہ مجھے اجمیر ہو گیا | اتنی ملی کہ پینے سے جی سیر ہو گیا

جا کر گلی میں زلف کی اندھیر ہو گیا — اچھا بھلا تھا دل ابھی کچھ پھیر ہو گیا
لے لیں بلائیں زلف کی دشمن نے بڑھ کے آج — دن دوپہر یہ حشر میں اندھیر ہو گیا
دیکھا کچھ اس ادا سے گریں لاکھ بجلیاں — کی ایک ہی نگاہ کہ میں ڈھیر ہو گیا
وہ اور بھیجیں مجھ کو خطِ شوق نامہ بر — کیا اس میں کچھ سمجھ کا تری پھیر ہو گیا
دیکھا مجھے جو آج سگِ کوئے یار نے — اپنی گلی میں دیکھتے ہی شیر ہو گیا
وہ چاہتا تھا جا نہ سکے آہ عرش پر — سرکش تھا آسمان مگر زیر ہو گیا
جاتے تھے سوئے میکدہ نکلے حرم میں ہم — کیا جانے آج راہ میں کیا پھیر ہو گیا
تا دیر بزمِ مے میں رہے شیخ گل فشاں — ذکرِ مئے طہور بھی کچھ دیر ہو گیا
ہنگامِ رقص گھٹ کے رہا دورِ چرخ سے — کم اُن کی پیشواز کا کچھ گھیر ہو گیا
کیوں وقتِ وصل تول رہے ہو نگاہ میں — اب دل کا وزن بڑھ کے کئی سیر ہو گیا
تڑپا رہا ہے شوقِ زیارت مجھے بہت — میرا ابھی قصد اب سوئے اجمیر ہو گیا
اُلٹے پھرے وہ آنکھ سے دل تک نہ آسکے — مانع ضرور راہ کا کچھ پھیر ہو گیا
بس اے فلک معاف کہ نیت ہی بھر گئی — کھایا غم اس قدر کہ دل اب سیر ہو گیا

پہونچا کہاں ریاضؔ سا سجدہ گزارِ حق
تھا قصدِ کعبہ رُخ سوئے اجمیر ہو گیا

مانگے دیا تھا آپ کو بیجا تو کچھ نہ تھا — دل تھا مرا وہ مُفت کا سودا تو کچھ نہ تھا
آپ آ کے دل میں دل کی تمنائیں دیکھتے — گھر آپ کا تھا آپ سے پردا تو کچھ نہ تھا
بجلی گرائی تیری چمک نے مریض پر — اے دردِ تیرے اُٹھتے ہی دیکھا تو کچھ نہ تھا
کھاتے تھے اپنی بھوک تو سوتے تھے اپنی نیند — مانا قفس میں تھے ہمیں کھٹکا تو کچھ نہ تھا

ہم لے کے میفروش سے منہ چور کیوں بنے — جب چاہیے دیتے دام تقاضا تو کچھ نہ تھا

اُس کی گلی کو چھوڑ کے جاتا جو سوئے دشت — دیوانہ میں نہ تھا مجھے سودا تو کچھ نہ تھا

چلو ہی بھر سہی ہمیں تسکین اُس سے تھی — جب تک سبو میں تھی غم فردا تو کچھ نہ تھا

یہ سُن کے مجھ سے رسم ہے تم کیوں برس پڑے — جو کچھ کہا رقیب نے سمجھا تو کچھ نہ تھا

کیوں اس قدر ہجوم تھا گرد اُس غریب کے — دم توڑتا تھا کوئی تماشا تو کچھ نہ تھا

جنت سے کم سہی مگر اچھا تھا میکدہ — جب تک یہاں تھے ہم غم فردا تو کچھ نہ تھا

کیا جانے کیوں رقیب بنا تھا گلے کا ہار
صورت میں وہ ریاضؔ سے اچھا تو کچھ نہ تھا

خانقہ میں جو کبھی طاق سے مینا اُترا — ہم یہ سمجھے کوئی رحمت کا فرشتا اترا

رستے چھوٹے جو سرِ راہ عماما اُترا — سر سے ان بادہ فروشوں کا تقاضا اُترا

نشہ بھی نیند بھی خلوت بھی مگر ہائے رہی شرم — نہ کھُلے بند قبا کے نہ دوپٹا اُترا

آج ممبر سے جو واعظ کو اُتارا سرِ بزم — بعد مدت کے ذرا نشۂ صہبا اُترا

اُتری وہ چینِ جبیں موجِ تبسم بن کر — دیکھو دیکھو وہ ہنسی آئی وہ غصا اُترا

ہے تعجب مجھے مستی میں ملانے کیسے لئے — دوشِ احباب سے کس طرح جنازا اُترا

صبح کو وصل کی شب وہ ہیں کہ اُن کی تصویر — شرم سے آنکھیں جھکیں چہرہ کچھ اُترا اُترا

کسی بھٹی میں کبھی کچے گھڑے کی پی تھی — ڈھل گیا حشر کا دن جب کہیں نشا اُترا

جس کا مصرع یہ ہے ساحر کی غزل خوب ہے وہ — ہم چھپر کھٹ سے اُتر آئے تو غصا اُترا

گھر مرا جیسے پرستان کا ٹکڑا ہو ریاضؔ
جب ہوئی شام کوئی تخت پری کا اُترا

مری جان میں تیر سے قربان جاتا — مری بات چپکے سے تو مان جاتا
نگاہوں سے میری وہ پہچان جاتا — جو ہوتی مرے دل میں وہ جان جاتا
کبھی قیس دیوانہ آتا جو مجھ تک — مرے پاس سے بن کے انسان جاتا
جو گوبخ اُلجھی بالی کی جھنجھلا کے بولے — لگے پیار کو آگ ابھی کان جاتا
اگر پاؤں پڑتا نہ میدانِ محشر — مرے ہاتھ سے کیوں یہ میدان جاتا
اُٹھالی معاصی کی جی بھر کے لذت — لئے قبر میں کون ارمان جاتا
کبھی ہاتھ اُٹھاتے نہ ہم ان بتوں سے — وہ ایمان رہتا کہ ایمان جاتا
بہت پاک جاتا میں پھر میکدے میں — جو توبہ سے ہو کر پشیمان جاتا
وہ کافر حرم میں تھا ہم میکدے میں — جو کعبے میں ہوتے تو ایمان جاتا

ریاض اور جاتا پئے حجِ کعبہ
وہ کافر جو ہوتا مسلمان جاتا

انکار میں پہلو جو رہے ہاں سے بھی اچھا — قرباں ترے وہ ترے پیماں سے بھی اچھا
ارماں ہے خلش میں ترے پیکاں سے بھی اچھا — پیکاں ہے دل میں ترے ارماں سے بھی اچھا
کیوں ہے کہ نہیں؟ کون برا بننے کو جاتا — میں تجھ سے بھی اچھا ترے درباں سے بھی اچھا
جُھرمٹ سے بلاؤں کے ہے کچھ اور ہی عالم — چھوٹا سا مرا گھر ہے بیاباں سے بھی اچھا
درماں کا سبب ہوتی ہے تکلیف و اذیت — جس درد میں لذت ہو وہ درماں سے بھی اچھا
زاہد تجھے لذت ہی نہیں عشق بتاں کی — اس راہ میں تو کفر ہے ایماں سے بھی اچھا
زخموں میں مزا دیتے ہیں ٹوٹے ہوئے پیکاں — لذت کا یہ پہلو ہے نمکداں سے بھی اچھا
کہتے ہیں کہ رکھتی ہے ترے دل سے تعلق — سمجھوں گا میں اس زلف پریشاں سے بھی اچھا

سرکار کے اشعار ریاضؔ اور ہی کچھ ہیں
جو شعر ہے وہ ہے مرے دیواں سے بھی اچھا

مرے ہاتھ سے پہننا انھیں وبال ہوتا — کمر اور بھی لچکتی جو گلے میں ہار ہوتا
یہ ذرا سا حشر کا دن شبِ وصلِ یار ہوتا — شبِ وصل اگر نہ ہوتا شبِ انتظار ہوتا
یہ نشاطِ زندگانی یہ شباب یہ جوانی — یہی دن وہ ہیں کہ جن کا نہیں اعتبار ہوتا
جو گھرا ہے ابرِ تیرہ یہ جھکا تھا میکدے پر — خمِ مے ابھی اتر کر سرِ کوہسار ہوتا
مجھے جان سے سوا تھا وہ مزاج آشنا تھا — شبِ غم کوئی نہ ہوتا دلِ غمگسار ہوتا
بطِ مے بھی ساتھ اڑتی جو اڑاتے کاگ میکش — کوئی جوئبار ہوتی لبِ جو شکار ہوتا
ترے نقشِ پا نہ ہوتے بتِ بے وفا نہ ہوتے — مری حسرتیں تو ہوتیں جو مرا مزار ہوتا
بری کیا تھی فاتحہ مستی ترے لطف سے گزرتی — لئے کچھ جو مے کی لٹی غمِ روزگار ہوتا
تری چھلکی تاک بھر اس کو مرے دستِ شوق لاتے — ترے ہاتھ سے جو ناوک مرے دل کے پار ہوتا
ہوئی صبحِ حشر اٹھائیں کئی خم چڑھائے تھا میں — خمِ مے سے تھا سوا میں مجھے کیا خمار ہوتا
اسے کیا تھا ڈر نہ اٹھتا وہ ترا تھا در نہ اٹھتا — کبھی بیٹھ کر نہ اٹھتا جو مرا غبار ہوتا

مے سلسبیل ہوتی نہ شرابِ حوضِ کوثر
جو ریاضؔ سا مسلماں نہ شرابخوار ہوتا

جو زمین کو دباتا وہ مرا مزار ہوتا — جو فلک کو زیر کرتا وہ مرا غبار ہوتا
ترے ناوکوں کے صدقے دلِ بیقرار ہوتا — کوئی دل میں چھپ کے رہتا کوئی دل کے پار ہوتا
کبھی ہیں بلائیں لیتا کبھی میں نثار ہوتا — جو نصیب میں کبھی تھی خمِ زلفِ یار ہوتا
یہ بتِ حسیں ستمگر اسے ٹھوکریں لگا کر — نہ چڑھاتے آسماں پر جو مرا مزار ہوتا

تری رحمتوں کے بادل ابھی ٹوٹ کر برستے　　جو سیاہ کار یارب کوئی اشکبار ہوتا
ارے او ستانے والے تجھے یہ بہت ستاتا　　شبِ وصل تجھ سے بڑھ کر دلِ بیقرار ہوتا
یہی شکرِ نگ لاتے یہی میرے کام آتے　　انھیں دل بنا کے رکھتا اگر اختیار ہوتا
وہ مژہ چبھوتی رہتی یوں ہی گھرے گھرے نشتر　　مرے دل میں درد یارب یوں ہی بار بار ہوتا
مرے حلق سے اتر کر مئے صاف اشک بنتی　　ابھی میں گناہ کرتا ابھی اشکبار ہوتا
جو یہ زلف اڑ کے آتی دمِ ذبح تیرے رخ پر　　تو بلائیں لینے والا یہی جاں نثار ہوتا
مری انجمن میں رہتا شب و روز شورِ قلقل　　ترے حلق پہ جو مینا مجھے اختیار ہوتا
ترے نشترِ نگہ سے رگِ جاں لہو جو دیتی　　تو لہو کا قطرہ قطرہ دلِ بیقرار ہوتا

ترے آگے سر اٹھاتا کوئی پارسا نہ ساقی
جو ریاضؔ پارسا بھی کہیں بادہ خوار ہوتا

مرے سینے میں جو میرا دلِ داغدار ہوتا　　مرے باغِ آرزو کی وہی اب بہار ہوتا
پئے سیر جلوہ فرما بتِ گلعذار ہوتا　　دلِ داغ داغ میرا کوئی لالہ زار ہوتا
کوئی خاک اگر اڑاتا یہ زمیں زمیں نہ ہوتی　　یہ فلک فلک نہ ہوتا یہ فلک غبار ہوتا
تری رحمتوں کے بادل خمِ دوش جھک کے بنتے　　لئے حشر میں خم مے یہ سیاہ کار ہوتا
کبھی تو نے بھی یہ دیکھا ارے او نگاہِ پُرفن　　وہی تیر دل میں رہتا وہی دل کے پار ہوتا
کبھی خارِ راہ بنتے اگر استخوانِ دشمن　　تو گلی میں تیری جا کر مجھے اور خار ہوتا
یوں ہی لین دین رہتا ارے میفروش تجھ سے　　کبھی دام نقد ملتے کبھی کچھ ادھار ہوتا
بتِ شوخ و شنگ کیونکر رہیں عاشقوں کے بس میں　　کہ ذرا سے دل پر ان کو نہیں اختیار ہوتا
کبھی حشر میں نہ ہوتی انھیں میکدے کی پروا　　جو بہشتِ میگساراں کوئی سبزہ زار ہوتا

نے لاکھ حشر ہوتا کسی زلف کی درازی   تری شام ہی کا حصہ شبِ انتظار ہوتا

ارے او ریاض سچ ہے تری وضع ہے کچھ ایسی
تری بات کا کسی کو نہیں اعتبار ہوتا

کھلتا نہیں ہے کچھ مرے دشمن نے کیا کہا   دشمن کی سُن کے اُس بُتِ پرفن نے کیا کہا
کوئی تو ایسی بات تھی جو گدگدی اُٹھی   گل ہنس پڑے یہ بلبلِ گلشن نے کیا کہا
دبنے کا وہ نہیں ترے بندِ قبا سے اب   کھُل کھُل کے تیرے سامنے جوبن نے کیا کہا
رکھ دے گی ذبح کرکے مجھے یہ چھُری سے آج   تو نے تو کچھ نہیں تری چتون نے کیا کہا
سنبل نے لیں بلائیں جو دیکھی تمھاری زلف   دیکھی مسی جو لب کی تو سوسن نے کیا کہا
کیا دی مجھے دُعا تجھے آنا ہو پھر نصیب   غربت میں مجھ کو لوٹ کے رہزن نے کیا کہا
یارب دکھا کے حشر میں میرے لہُو کے داغ   قاتل کی آستین سے دامن نے کیا کہا
دے گا ترے لبِ مسی آلودہ کا جواب   یہ پھوٹے منہ سے غنچۂ سوسن نے کیا کہا
بوسے کا مجھ کو وہم ہے بدلا جو رنگِ رُخ   جُھک کر یہ تیرے کان میں دشمن نے کیا کہا
راتوں کو لوٹے جاتے ہیں ہم دونوں ہاتھ سے   تو نے بھی کچھ سُنا ترے جوبن نے کیا کہا
دامن کا چاک تھا جو ہنسا کچھ رفو کے وقت   بے مُنہ کی تھی وہ چُپ ہی سوزن نے کیا کہا
کیا اے صبا اسیرِ قفس کو دیا پیام   جُھک جُھک کے تجھ سے شاخِ نشیمن نے کیا کہا
کچھ ہوش ہے کلیم جلا طور کس طرح   آتش فروزِ وادیِ ایمن نے کیا کہا
میں نے جو بزم میں سوئے ساغر بڑھائے ہاتھ   آنکھیں دکھا کے ساقیِ پُرفن نے کیا کہا

ہم تو خدا پرست بھی تھے بُت پرست بھی
ہم کو ریاض شیخ و برہمن نے کیا کہا

شاید مرے رقیب سے تھا آسماں ملا　　اُٹھ اُٹھ کر اُس سے قبر کا اُس کی دُھواں ملا
چھُٹ کر قفس سے چین ہمیں پھر کہاں ملا　　وہ شاخِ گل ملی نہ ہمیں آشیاں ملا
تو نے دیئے جو داغ تو دل کھِل اُٹھا مرا　　معلوم یہ ہُوا چمنِ بے خزاں ملا
ظالم کا مُدّعا تھا بڑھ جائے فشارِ قبر　　کیوں ٹوٹ کر لحد سے مری آسماں ملا
ریشِ سفید پنبۂ مینا بنی رہی　　پیری میں تجھ سے فیض یہ پیرِ مغاں ملا
سب سمجھے تھے گردِ راہ وہ میرے غبار کو　　ہر ذرّہ میری خاک کا محشر نشاں ملا
کس بانکپن کے ساتھ نباہی ہے چرخِ پیر　　باوضع کوئی بھی تجھے ہم ساجواں ملا
کم بخت کو بلائی بھی لیکن چلا نہ کام　　کس درجہ ہوشیار اُنھیں پاسباں ملا
وہ کشمکش وہ بھیڑ وہ آفت کی دار و گیر　　ملنے کا اُن سے حشر میں موقع کہاں ملا
ہے میکدے کا خاص مقامات میں شمار　　جو مغبچہ ملا مجھے پیرِ مغاں ملا

شیشے میں کس پری کو اُتارا ریاضؔ نے
بنتِ عنب سے خوش مجھے کیسا جواں ملا

بڑھ کے کیوں پست حوصلہ آیا　　خار پر مُنھ نہ آبلہ آیا
بوسہ کس نے لیا کہ بن کے ہنسی　　آپ کے ہونٹ پر گلہ آیا
ہو گئی اب نوک جھونک مژگاں سے　　بن کے دل دل کا آبلہ آیا
واپس آیا نہ کوئے زلف سے دل　　پیش کوئی معاملہ آیا
مجھ سے بھی کچھ سوا تھا درماندہ　　پاؤں میں اُٹھ کے آبلہ آیا
پُرخطر ہے بہت ہی منزلِ گور　　لُٹ کے آیا جو قافلہ آیا
چُبھ گئی کچھ زبانِ خار کی بات　　مُنھ پھُلاتے جو آبلہ آیا

آئینہ کیوں غرور سے دیکھا — عکس کرنے مقابلہ آیا

منہ کی کھاتا زباں دراز تھے خار — اُن کے منہ کیوں نہ آبلہ آیا

گم شدہ ہوں نہ میکدے والے — کعبے سے کوئی قافلہ آیا

شغل مے ہے ریاض پیری میں
کیوں جوانی کا ولولہ آیا

وہ ہوا جنت کی وہ ابر کرم چھایا ہوا — میکدہ جنت ہے جنت میں جو پی تو کیا ہوا

کیا ہوا بزم عدو میں لے لیں صدقے کیا ہوا — ہنس رہا ہے آج کچھ دامن ترا مسکا ہوا

آچکا اُن کی گلی میں میرے آگے آچکا — فتنۂ محشر تو ہے سو بار کا دیکھا ہوا

دیکھنے کی چیز تھا محفل میں ساقی کا شباب — بے پئے سو بار مجکو نشۂ صہبا ہوا

میں جو خم پر جھک پڑا تو ہو گیا وہ میرے سر — مجھسے بڑھکر آج کل ناصح ہی کچھ بہکا ہوا

خم بنا میرے لئے وہ فیض ساقی سے تو کیا — دانۂ انگور تھا قطرے سے جو دریا ہوا

کل تو اُٹھکر دب چکا تھا حشر کوئے یار میں — آج سنتا ہوں کوئی فتنہ نیا برپا ہوا

آئی آوازِ اذانِ صبح اُٹھو بھی ریاض
میکدے میں بھی تو شورِ قلقلِ مینا ہوا

اس عشق جنوں خیز میں کیا کیا نہیں ہوتا — دیوانہ ہے جو قیس سے لیلی نہیں ہوتا

کچھ حشر لحد پر ابھی برپا نہیں ہوتا — آئے ہو تو ٹھہرو کوئی زندہ نہیں ہوتا

کیونکر یہ کہوں حسن کا نشا نہیں ہوتا — ہوتا تو بہت ہے مگر اتنا نہیں ہوتا

کچھ کہئے تو شرما کے جھکا لیتے ہیں گردن — بھولے سے بھی اب وعدۂ فردا نہیں ہوتا

ملتے ہیں وہ دل سرخ ہوئی جاتی ہے چٹکی — نازک ہیں بہت خونِ تمنا نہیں ہوتا

دیتی ہے مزا مَے کا ہمیں تلخیٔ توبہ　　جب ہاتھ میں پیمانۂ صہبا نہیں ہوتا

وہ حشر کے دن کشتے کو ٹھکرا چکے سو بار　　کچھ جان سی پڑ جاتی ہے زندہ نہیں ہوتا

بولی یہ تمنا جو رُکے وہ درِ دل پر　　گھر آپ کا ہے آپ سے پردا نہیں ہوتا

تیروں کو جگہ دیتے ہیں جو سینے میں اپنے　　ان لوگوں کے اے جان کلیجا نہیں ہوتا

صحرا سے قدم گھر کی طرف خاک اُٹھاؤں　　کانٹے سے جدا پاؤں کا چھالا نہیں ہوتا

بیٹھے نظر آتے ہیں وہی تیری گلی میں　　جنکا کہیں دنیا میں ٹھکانا نہیں ہوتا

فرقت میں ہے کیوں نزع کی تکلیف گوارا
مر جائیں ریاضؔ آپ سے اتنا نہیں ہوتا

محشر کے لئے قول وقسم کیا نہیں ہوتا　　جھوٹے تجھے اندیشۂ فردا نہیں ہوتا

رندانِ بلانوش میں گنتی ہے ہماری　　ہم خم بھی چڑھا جائیں تو نشا نہیں ہوتا

پیکاں کے لئے کیوں جگر و دل میں کشش ہے　　اے زخمِ دل آپس میں تو ایسا نہیں ہوتا

وحشت نے مری ڈال دی کچھ خاک سی نیر　　اب قیس کا فرہاد کا چرچا نہیں ہوتا

جو اُف نہیں کرتے ستم و جور و جفا پر　　وہ جانتے ہیں ان کے کلیجا نہیں ہوتا

آزارِ محبت نہیں جاتا نہیں جاتا　　بیمارِ محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا

پڑتے ہی نہیں دل کے سوا پاؤں زمیں پر　　مغرور کوئی حسن پر اتنا نہیں ہوتا

ہم رند سمجھتے ہیں اسے انجمنِ وعظ　　جس بزم میں ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا

ہوتی ہیں وہاں کوہکن و قیس کی باتیں
مدت سے ریاضؔ آپ کا چرچا نہیں ہوتا

مر کر ارے واعظ کوئی زندہ نہیں ہوتا　　وہ حشر مرے کا ہے جو برپا نہیں ہوتا

بُت توڑنے سے بتکدہ کعبہ نہیں ہوتا
پہلے کبھی ہوتا ہو اب ایسا نہیں ہوتا

سب حشر میں ہیں آج ہمیں زیر لحد ہیں
کیا جانئے کیوں حشر ہمارا نہیں ہوتا

ہوتی ہے جو شیشے میں تو ہوتی نہیں کچھ فکر
تھوڑی سی بھی ہو تو غم فردا نہیں ہوتا

ٹھکراتے نہیں پائے حنائی سے وہ سر کو
روشن کبھی قسمت کا ستارا نہیں ہوتا

سُن لیتے ہیں چپکے سے تو ذن کی ہم اے شیخ
جب ہاتھ میں ناقوسِ کلیسا نہیں ہوتا

آنے کو تو آتی ہیں جنوں خیز بہاریں
کیا جانئے اب کیوں ہمیں سودا نہیں ہوتا

میخانہ میں کیوں یاد خدا ہوتی ہے اکثر
مسجد میں تو ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا

اللہ دکھائے نہ بُرا وقت کسی کو
کوئی بھی زمانے میں کسی کا نہیں ہوتا

ٹھکراتے ہوئے ڈرتے ہو کیوں میری لحد کو
ٹھوکر سے تمہاری کوئی زندا نہیں ہوتا

آقا سے ریاضؔ آپ تو کہتے نہیں کچھ بھی
اوروں سے گلہ کام ہمارا نہیں ہوتا

اس نزاکت سے مہِ نو کا نمایاں ہونا
چاہتا ہے کوئی نازک سا گریباں ہونا

اب کہاں عکس کا اس گھر میں وہ مہماں ہونا
آئینہ سیکھ گیا دیدۂ حیراں ہونا

نگہِ شرم سے دبتے رہے سرکش جوبن
کام آیا خمِ گردن کا نگہباں ہونا

مجکو آنکھوں نے دکھایا ہے پلک جھپکاتے
خشک ہو کر کسی دریا کا بیاباں ہونا

سب سے پہلے کسی غنچے کا وہ کھلنا سرِ شاخ
اس سے پہلے وہ مرا چاک گریباں ہونا

یادِ گیسوئے دراز اور تری عمر دراز
اب بہت دُور ہے صبح شبِ ہجراں ہونا

کیا زمانہ ہے کہ دشوار نظر آتا ہے
لاکھ دو لاکھ میں بھی صاحبِ ایماں ہونا

کیف مَے سے نہیں اے حشر کوئی آپ میں آج
رنگ لایا ہے مرا داغ بہ داماں ہونا

سر جھکانا مجھے تقدیر سے سب کے آگے
کوئی بھی ہو مجھے شرمندۂ احسان ہونا

دیکھ کر ترشے ہوئے پاؤں کے ناخن اُن کے
وہ ابھرنا مہِ نو کا وہ پشیمان ہونا

شور دیوانوں میں ہونا وہ بہار آئی ریاض
اور وہ گھر کا مرے صورت زنداں ہونا

ساتھ ہی تیر فگن لے صفِ مژگاں ہونا
آج ہم کو بھی ہے سو جان سے قرباں ہونا

رنگ وہ ہار کے پھولوں کا بدلنا شبِ وصل
بے چھوئے چھیڑے وہ زلفوں کا پریشاں ہونا

حشر تک غیر کو تڑپائیگا یا رب شبِ وصل
مجھ میں اس شوخ میں کل کے لئے پیماں ہونا

تم ملو یا نہ ملو ہم کو خدا ملتا ہے
ہے بڑی چیز بتو صاحبِ ایماں ہونا

سلسلے کی ہے کڑی موج شرابِ گلرنگ
لہر رندوں کی ہے مستِ مئے عرفاں ہونا

صدقے اس مے کے جو پی کر عرقِ شرم بنے
کام آجائے مرا دل میں پشیماں ہونا

غیر نے شام ہی سے گھی کے جلائے ہیں چراغ
آج دشوار ہے صبحِ شبِ ہجراں ہونا

وضع رندانہ رہے۔ ریش رہے صاف ریاض
خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

کبھی ممکن نہیں مے خانہ کا ویراں ہونا
کبھی ممکن نہیں جنت کا بیاباں ہونا

ایسی دیوانی جوانی کہ یہ کہتی آئی
لے مبارک ہو تجھے چاک گریباں ہونا

جس کی آنکھوں میں سماتا ہی نہیں کوئی حسیں
آئینہ دیکھ کے اس شوخ کا حیراں ہونا

پھول برسانے کو اے ابر کرم کافی ہے
داغِ دامن سے مرا سر بہ گریباں ہونا

موت ہی موت اگر یاس سے بدلے امید
کچھ نہیں دل میں کسی بات کا ارماں ہونا

عمر بھر کاتبِ اعمال فرشتے ہی رہے
پاکے صحبت بھی نہ آیا انہیں انساں ہونا

دیکھنے میں تو نہیں کچھ بھی وہ مژگانِ دراز — مگر آتا ہے اسے ناوک و پیکاں ہونا

کام ہے کام جگانا نہ ستانا شب بھر — نہ پریشاں انہیں کرنا نہ پریشاں ہونا

دستِ بے تیغ سے ظالم نے لیا تیغ کا کام — آستیں چڑھتے ہی شمشیر کا عریاں ہونا

مدد اے زورِ جنوں اب نہ لگی رہ جائے — طوق و زنجیر سے ہے دست و گریباں ہونا

ہم سے کہتا ہے ہمارا دلِ صد چاک ریاضؔ
تمہیں آتا ہی نہیں چاک گریباں ہونا

جس پر گمان حشر میں ہے آفتاب کا — تاریک رخ ہے وہ مری فردِ حساب کا

نقطہ بنا ہر اک مری فردِ حساب کا — محشر کے دن حجاب رخِ آفتاب کا

آئے ہمارے آگے وہ ساغر شراب کا — ساقی نے جس میں رنگ بھرا ہو شباب کا

دل کو نہیں ہے خوف نگاہِ عتاب کا — ہے پاؤں بیچ میں ترے تارِ نقاب کا

وقتِ عتاب بنگئی چہرہ عتاب کا — دیکھے تو کوئی رنگ بدلنا نقاب کا

موقع شبِ وصال ملا ہے جواب کا — ممنون ہوں ترے ستمِ بے حساب کا

پردے میں چھپ سکا نہ وہ چہرہ عتاب کا — دیکھا ہے ہم نے رنگ بدلنا نقاب کا

بدمست دل ہے آنکھ ہی ساغر شراب کا — ساقی کا میکدہ ہے زمانہ شباب کا

خاکسترِ شرار کو انساں بنا دیا — بھر کر ہوا حباب کی پانی حباب کا

جس کو ہوا اڑا نہ سکے میں وہ خاک ہوں — بیٹھا ہوا غبار ہوں میں سطحِ آب کا

الجھی بری طرح ہے کسی کی نگاہِ شوق — جو حال اب نہ ہو تری نازک نقاب کا

سوے حرم گیا ہے کوئی مست میکدہ — ہر نقشِ پا چراغ ہے راہِ ثواب کا

بنتے بگڑتے دیر نہیں اس جہان میں — دیکھا ہے بیٹھنا بھی ابھر کر حباب کا

رحمت کو یہ ادا مری شاید پسند آئے ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے پینا شراب کا
شوخی وہ کیا کہ جس سے بڑھیں بد گمانیاں عنوان اور ہے مرے خط کے جواب کا
عصیاں کے بعد بھی تری رحمت نہیں یہی ممنوں ہوں ترے کرم بے حساب کا
غالب ہے خوف وقت معاصی کے ساتھ ساتھ دھڑکا لگا ہوا ہے عذاب و ثواب کا

پیری میں سر بمہر رہیں یونہی لے ریاضؔ
ہے بوتلوں میں بند زمانہ شباب کا

یہ کہاں لگی یہ کہاں لگی جو قفس سے شور فغاں اُٹھا جلے آشیانے کچھ اس طرح کہ ہر ایک دل سے دھواں اُٹھا
لگی آگ سے جگر میں یوں نہ لگے کسی کے بھی گھر میں یوں نہ تو لَو اُٹھی نہ چمک ہوئی نہ شرار اُٹھے نہ دھواں اُٹھا
کوئی مست میکدہ آ گیا مے بیخودی وہ پلا گیا نہ صدائے نغمۂ دیر اُٹھی نہ حرم سے شور اذاں اُٹھا
گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم نہ تو خم بڑھا نہ سبو جھکا جو اُٹھا تو پیر مغاں اُٹھا
لب خم سے نکلے صدائے قم سر دوش ایسے ہزار خم خم آسماں بھی ہو جس میں گم وہ سیاہ ابر کہاں اُٹھا
تجھے مَے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا ہے شے یہ رہِ حرم میں دکانِ مے تو یہاں سے اپنی دکاں اُٹھا

یہ سپید ریش ریاضؔ ہے جو بنا ہے بزم میں پند گو
اسے کیوں نہ ابر سیہ کہوں کہ برس پڑا یہ جہاں اُٹھا

در کھُلا صبح کو پَو پھٹتے ہی مے خانے کا عکس سورج ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا
حسن موجوں کا چھلکنا بھرے پیمانے کا رقص پریوں کا ہے عالم ہے پری خانے کا
ہائے زنجیر شکن وہ کشش فصلِ بہار اور زنداں سے نکلنا ترے دیوانے کا
صدقے اس سوز کے جو سوز ہو اس حسن کے ساتھ شعلہ گویا پر پرواز ہے پروانے کا
ہوں وہاں۔ گم ہے جہاں ہستی موہوم مری دوسرا نام عدم ہے مرے ویرانے کا

نہ بیاں ہو جو ملے صبحِ ازل شامِ ابد — حشر ہے بیچ کا ٹکڑا مرے افسانے کا
پردہ بھی بات بھی جلوہ بھی پسِ دامنِ برق — شوخیاں ہیں کہ یہ انداز ہے شرمانے کا
بال کے بدلے نظر آتے ہیں اس میں سو چاک — عکس آئینۂ دل پر بھی پڑا شانے کا
پیٹ میں خم کے ہے جو کچھ وہ بھرا ہی اس میں — مُنہ نہ کھلوا ارے واعظ مرے پیمانے کا
کیا تصور ہی سے اٹھ جاتے ہیں پردے دل کے — دل بھی کیا نام ہے اُن کے کسی کاشانے کا
رکھتی ہے عالمِ نو شورشِ ہنگامۂ عشق — حشر اک حرفِ غلط ہے مرے افسانے کا
آپ کے ہار کی کلیوں سے یہ ملنے کا نہیں — دل ہے مٹی کا نہ کھلنے کا نہ مُرجھانے کا
کھینچنے والی کی جھلک دیکھی ہے جب سے ساقی — دیکھنا منہ مجھے انگور کے ہر دانے کا
پھرتی ہے حشر کے دن آنکھ کے نیچے شبِ وصل — ہائے انداز وہ زلف کے بل کھانے کا
شمعِ کعبہ رہے محفوظ الٰہی تاحشر — نام روشن ہے اک اُجڑے ہوئے بتخانے کا
نہ ہوا اٹھی نہ مری آہ عدو بجھنے وہ بجھے — حال شب کو نہ کھلا شمع کے بجھ جانے کا

لوگ کہتے ہیں کہ ہے زاہدِ مرتاض ریاضؔ
رند کہتے ہیں اُسے چور ہے مے خانے کا

شرارِ برق گو تنکے بنے لیکن فشاں ہوگا — جہاں میرا نشیمن تھا وہاں اب تک دھواں ہوگا
مقاماتِ اثر میں اب اثر کا امتحاں ہوگا — یہ نالے ہونگے ان کا بام ہوگا آسماں ہوگا
ملے گی خدمتِ میخانہ شاید کعبے والوں کو — سُنا شیخِ حرم آکر یہاں پیرِ مغاں ہوگا
مزا اس وقت آئیگا قیامت میں شہادت کا — اتر کر جب دہانِ زخم میں خنجر زباں ہوگا
یہ دوشِ ابر پر جاتے ہیں خم کے خم کہاں ساقی — بتا دے آج شورِ قلقلِ مینا کہاں ہوگا
سحر ہوتے گیا کوئی تو یہ کہتا گیا کوئی — یہی تو ہیں کہ ان کے گھر کوئی پھر مہماں ہوگا

نہیں صبح چمن میں کیف خواب صبح مستانہ — کہ شور خندۂ گل کان میں شورِ اذاں ہوگا
گلی میں کچھ جھجک بھی رات اندھیری تا چوبکی — ہمیں بڑھکر لیا جس نے وہاں کا پاسباں ہوگا
شکن افتادہ دامن میں ہویا ہو زلف پُرخم میں — دل کج راہ کو ہم ڈھونڈ لائینگے جہاں ہوگا
ہر اک پل ہجر کا طول حیاتِ خضر رکھتا ہے — جو تو آئے ترا احسان مرگِ ناگہاں ہوگا
اندھیرا ہوتے واماندہ عجب حسرت سے کہتے تھے — سرِ منزل پہنچتا اب ہمارا کارواں ہوگا
عدو کی قبر ہوگی بال بکھرائے جہاں پہنچے — بچے سایے سے جس کے آپ وہ میرا مکاں ہوگا
تبسم اور شوخی اس پہ اندازِ تبسم کی — ترے لب پر جو یوں آیا کوئی راز نہاں ہوگا
لگی الفت کی بجھ سکتی نہیں ہے خاک ہونے پر — چمک اُٹھے گا میری خاک کا ذرہ جہاں ہوگا

جوانی اے ریاض اب لوٹتا ہے دخترِ زر کی
بڑھاپا کہہ رہا ہے تو نئے سر سے جواں ہوگا

نہ سجدے پے بہ پے ہونگے نہ سجدوں کا نشاں ہوگا — جبیں ہوگی ہماری اور اُن کا آستاں ہوگا
نکلکر تیرے کوچے سے گزر میرا جہاں ہوگا — ہزاروں آسماں ہونگے وہاں ایک آسماں ہوگا
زمیں پر اب نیا پیدا جواب آسماں ہوگا — ترا کوچہ ترے نقشِ قدم سے کہکشاں ہوگا
کہیں منہ چوم لے ان کا نہ کوئی ایسی باتوں پر — مرے آگے سرِ بزم عدو میرا بیاں ہوگا
قفس میں آؤں تو دیگا جگہ صیاد آنکھوں میں — چمن میں جاؤں تو ہر پھول میرا آشیاں ہوگا
بطِ مے کا شکار اچھا رہیگا آج اے رندو — لبِ جو سبزہ ہوگا سامنے آبِ رواں ہوگا
بہت ہی خیر گزری ہوتے ہوتے رہگئی اُس سے — جسے میں غیر سمجھا ہوں وہ ان کا پاسباں ہوگا
رہا میں پھول بنکر نخلِ گل کی ڈالی ڈالی پر — مرا رہنا چمن میں باغباں پر کیوں گراں ہوگا
اکل آہِ گرم سے جس نے گرائیں بجلیاں سب پر — تمہارے بیقراروں میں کوئی آتش بجاں ہوگا

لئے ناقوس کوئی دیر والا آج آیا ہے — اگر سچ ہے تو کعبے میں مزا وقت اذاں ہوگا
بتو ہم کو رُلائیگا یہ نظارہ اسیری میں — قفس میں ہوں گے ہم موج ہوا پر آشیاں ہوگا
شراب ناب تو کیا آگ پانی بن کے برسیگی — اگر ابر بہار اس آتش گل کا دھواں ہوگا
وہاں بھی پھول برسیں گے گنہگاران اُمت پر — جو دو چار آئے ہم سے تو جہنم بھی جناں ہوگا
لہو روئینگے میرے زخم دامن رکھ کے آنکھوں پر — تمہارا داغ دامن حشر میں جب گلفشاں ہوگا
ذریعہ ہے یہی رحمت کا کہدی تو ہی اے زاہد — یہ میرا پھول سا بار گنہ مجھ پر گراں ہوگا

ترا دیوان تو شایع ہو جگہ سب آنکھ پر دینگے
ریاض اشعار کا تیرے زمانہ قدرداں ہوگا

پہلے تیر نگہ ناز کا پیکاں سمجھا — دور سے دل میں اتر آئی تو مژگاں سمجھا
زندگانی کو خیال شب ہجراں سمجھا — موت آئی تو اُسے خواب پریشاں سمجھا
بھولے پن سی یہ اُسے محفل جاناں سمجھا — حشر کی خوب حقیقت دل ناداں سمجھا
نہ ہوا سے کہیں بجھ جائے ذرا سانس نہ لی — داغ دل کو میں چراغ شب ہجراں سمجھا
دل میں کمبخت نے سو زخم تو ڈالے ہونگے — تھا وہ ارماں ترا میں جسے پیکاں سمجھا
دی جگہ تھوڑی سی ہر آرزوِ مردہ کو — میں نے سینے کو کوئی گور غریباں سمجھا
میں گنہگار بڑھا تا دم محشر کیوں ہاتھ — ابر رحمت کو مگر آپ کا داماں سمجھا
تو گئی ساتھ نشان کف پا کیوں لیکر — میں تری چال نہ اے عمر گریزاں سمجھا

داغ تھے کچھ مے گلگوں کے مرے دامن پر
وہ ریاض ایسے کھلے میں گل داماں سمجھا

دنیا سے الگ ہم نے — میخانے کا در دیکھا — اللہ کا گھر دیکھا

گوشے سے نشیمن کے آہوں کا اثر دیکھا صیاد کا گھر جلتے بے برق و شرر دیکھا
دونوں کے مزے لوٹے دونوں کا اثر دیکھا اللہ کا گھر دیکھا میخانے کا در دیکھا
یوں حشر میں سیریں کیں فردوس و جہنم کی کچھ دیر ادھر دیکھا کچھ دیر اُدھر دیکھا
اے شیخ وہ کعبہ ہو یا ہو درِ مے خانہ تو نے مجھے جب دیکھا سجدے ہی میں سر دیکھا
نالہ ہمیں کرنا تھا دم عشق کا بھرنا تھا سو رنگ سے مرنا تھا ہر رنگ سے مر دیکھا
جب موج اُبھرتی ہے کہتی ہے وہ شوخی سے بازو میں بطِ مے کے سرخاب کا پر دیکھا
ٹانکے دیئے جاتے ہیں کیوں لب سے جاتے ہیں ہنسنے کا مزا تو نے اے زخم جگر دیکھا
نسبت نہیں تجکو کچھ بیکس کے بجھے دل سے بجھتے ہوئے تجکو بھی اے شمع سحر دیکھا
سہمے ہوئے بیٹھے ہیں کھوئے ہوئے بیٹھے ہیں جس رات کے ارماں تھے اس رات کو ڈر دیکھا
پھل پھول نہیں لاتے یہ باغ محبت میں ہر نخلِ تمنّا کو بے برگ و ثمر دیکھا
کعبے میں نظر آئے جو صبح اذاں دیتے میخانے میں راتوں کو ان کا بھی گزر دیکھا
کچھ کام نہیں مے سے گو عشق ہے اس شے سے
ہیں رندِ ریاضؔ ایسے دامن بھی نہ تر دیکھا

مکاں ملتے ہیں کیا لامکاں نہیں ملتا نشاں لاکھ ہیں لیکن نشاں نہیں ملتا
کہیں بھی جائیں کہاں آسماں نہیں ملتا لحد ہی ایک جگہ ہے جہاں نہیں ملتا
ہوئی ہے روشن اُسی سے ہماری پیشانی جبینِ عرش کو جو آستاں نہیں ملتا
سُنی ہے میں نے بھی رنگیں نوائیٔ ناقوس گلے سے میرے یہ وقتِ اذاں نہیں ملتا
یہ چاہتا ہوں کہ بے منہ کے آبلوں سے نبھے کہیں بھی خار کوئی بے زباں نہیں ملتا
بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی کہ ڈھونڈتا ہوں مجھے آشیاں نہیں ملتا

یہ کہہ رہا ہے ترنّم ہوا کی موجوں کا — خموش پھولوں کا حسن بیاں نہیں مِلتا
یہ شب گزار حرم ہے ضرور اے ساقی — کسی سے رات کو پیرِ مغاں نہیں مِلتا
چلے نہ کام بھرے خم اگر نہ ساتھ چلیں — حرم کی راہ میں کوسوں کنواں نہیں مِلتا
شفق کھلی نہ سرِ قبر پائے رنگیں سے — زمیں سے جھک کے کبھی آسماں نہیں مِلتا
خدا کے واسطے پہنچا دے کوئی منزل تک — بچھڑ گیا ہوں مجھے کارواں نہیں مِلتا
زبانِ حال میں اُن کی عجب لطافت ہے — کسی سے پھولوں کا حسن بیاں نہیں مِلتا
چلے نہ ہاتھ گلے پر تو خود ہی چل جائے — انہیں گلا ہے کہ خنجر رواں نہیں مِلتا

ریاض چھانٹ لیا اس نے مجھ سے بوڑھے کو
کوئی بھی دخترِ رز کو جواں نہیں ملتا

گئے ہوئے مرے دل کا نشاں نہیں مِلتا — لٹا ہوا کوئی اب کارواں نہیں مِلتا
جو چاہتا ہوں وہ حُسنِ بیاں نہیں ملتا — کہ عندلیب سے رنگِ فغاں نہیں مِلتا
لحد میں اور تو آرام ہے یہ الجھن ہے — کہ دیکھنے کو یہاں آسماں نہیں ملتا
بنی ہوئی ہے یہ ہمسایہ میفروش سے بات — اُدھار بھی ہمیں سوداگراں نہیں مِلتا
نگہ کے ساتھ چلیں تیر اُڑ کے ترکش سے — اب اس ادا سے وہ ابرو کماں نہیں مِلتا
بہار آتے ہی تو نے بھی رنگ کچھ بدلا — ترا مزاج اب اے باغباں نہیں مِلتا
کڑی نگاہوں سے میری سمجھ گیا دل میں — کہ سوتے جاگتے اب پاسباں نہیں مِلتا
نہ آتی نیند غرض یہ تھی وقت کٹ جاتا — ہمیں کوئی شبِ غم قصہ خواں نہیں مِلتا
ستائے جاتے ہیں راتوں کو چاند کے ٹکڑے — انہیں بھی چین تہِ آسماں نہیں مِلتا
بلائیں رونقِ کاشانہ روز رہتی ہیں — کوئی حسین ہمیں میہماں نہیں مِلتا

ہزار حسن سے کہتے ہیں راز قدرت کے
خموش پھولوں کا حُسن بیاں نہیں ملتا

یہ کھینچ کے بڑھ گئی دو ہاتھ اور قاتل سے
مزاج تیغ و دم امتحاں نہیں ملتا

وہ چاہتے ہیں تصور میں کوئی آ نہ سکے
انہیں گلہ ہے کوئی پاسباں نہیں ملتا

شگفتہ پھول ہے گویا مرے حِسامؔ کی قبر
مگر حِسامؔ کا اس میں نشاں نہیں ملتا

لحد کی خاک سے کیا کیا اُگے ہیں لالۂ و گل
نکل کے مجھسے مرا نوجواں نہیں ملتا

ریاضؔ کو حرم و میکدہ برابر ہے
پیئے شراب وہ شب کو کہاں نہیں ملتا

میخانے میں مزار ہمارا اگر بنا
دنیا یہی کہے گی کہ جنت میں گھر بنا

تو بن کے گردباد نہ دیوار و در بنا
اے قیس خاک ہو کے ہوا پر نہ گھر بنا

بے پر قفس میں جان کیے آیے آمدِ بہار
تِنکا جو آشیاں سے اُڑا آ کے پر بنا

میرے گلے لگا کبھی خنجر کمر سے باندھ
زیبِ گلو بنا کبھی زیبِ کمر بنا

وہ بھی۔ اجل بھی۔ نیند بھی غش بھی شبِ فراق
ہر ایک میرے حال سے کیوں بے خبر بنا

بوتل چرا کے لاتے تھے ہم میکدے سے روز
موقع ملا تو رات کو خم بارِ سر بنا

اللہ ہے جو حشر ہو اس گھر کا اے اجل
میری لحد بنی کہ نیا آج گھر بنا

کیا خضرؑ بھی پہنچتے ہیں اس کی گلی میں روز
یہ کون آ کے آج مرا ہمسفر بنا

دنیا کے رات دن سے الگ کچھ یہ وقت تھا
میرے لئے فراق کا ہر پل پہر بنا

پانی کی طرح خون بہے جوئے زخم سے
اب کیا یہ زخم دل بھی مری چشمِ تر بنا

یہ شوق ہے نہ پاؤں زمیں پر پڑیں کبھی
کیوں جادہ کہکشاں کا تری رہگزر بنا

ہو جس کے ٹوٹنے میں صدائے شکستِ دل
ایسا بھی کوئی جام ارے شیشہ گر بنا

آیا جنوں میں دینے وہ نشتر مجھے ریاض
ناصح کو دیکھئے کہ مرا چارہ گر بنا

مجکو نظارہ الگ سب سے میسر ہوتا
ہوتے سب خلد میں ہیں خلد کے باہر ہوتا

محفلِ وعظ میں واعظ نہ مرے سر ہوتا
عوض شیشہ اگر ہاتھ میں پتھر ہوتا

حشر ہے حشر کوئی قتلگہِ ناز نہیں
آج کیوں مہندی لگے ہاتھ میں خنجر ہوتا

اس کے ہر گوشہ میں ہوتا شررِ برق کا رقص
میں تو میں کوئی نشیمن میں اگر پر ہوتا

آئینہ ساتھ ترے دیکھتے ہم بھی شبِ وصل
منہ ہمارا ابھی ترے منہ کے برابر ہوتا

چل سکا زورِ جنوں کچھ نہ ترے دامن سے
دھجیاں اُڑتیں اگر دامنِ محشر ہوتا

سیج پر پھولوں کی سوتے وہ عدو کے ہمراہ
دل جلوں کے لئے انگاروں کا بستر ہوتا

گھر مرا کہتے ہیں جس کو کوئی زنداں ہوگا
در و دیوار نہ ہوتے جو مرا گھر ہوتا

زندگی آٹھ پہر لطف سے کٹتی قاتل
سانس کی طرح رواں سینے میں خنجر ہوتا

مے جوانی کی طرح جس سے اُبلتی ساقی
تیری تصویر ترے ہاتھ میں ساغر ہوتا

محتسب خم شکنی سے تری بڑھتا یہ جوش
ہر طرف آج رواں چشمۂ کوثر ہوتا

طفلِ اشک اُن کی گلی میں جو نہ ہوتا ضایع
قد میں وہ آج قیامت کے برابر ہوتا

ساغرِ دل کی طرح جام کوئی دے ساقی
جو نہ بھرتا کبھی ایسا کوئی ساغر ہوتا

وہیں رہتے وہیں پیتے وہیں سجدے کرتے
ایک گوشے میں بس خم کہیں بستر ہوتا

بیخودی ہم کو نہ ہوتی تو ادھر بھی جاتے
طور پر یار کا نظارہ میسر ہوتا

مجھسے واعظ نہ کمی ہوتی ذرا خدمت میں
پی کے بھی میں نہ کبھی آپ سے باہر ہوتا

عشق کی آگ کے دن رات اُبلتے دریا
ظرف میرا ابھی جہنم کے برابر ہوتا

رنگ تھے جامِ لبِ جام یہ موجیں بنتیں
لبِ معشوق سے نازک لبِ ساغر ہوتا

ہم سے میونش جو لب کھولتے واعظ کی طرح
صحنِ مسجد میں رواں چشمۂ کوثر ہوتا

بار ہوتا نہ شبِ وصل نزاکت کو تری
لب مرا مثلِ تبسم ترے لب پر ہوتا

ایک چلو کے نہیں کوثر و تسنیم ریاضؔ
خاک اُڑتی جو لبِ خشک مرا تر ہوتا

وہ کوسنا مجھے ان کا مرا دعا دینا
بڑھے نہ بات یہ ہے آگ کو ہوا دینا

کہاں اُڑیگی نہ زاہد کو کچھ پتا دینا
چمن میں آئے تو رندو ہوا بتا دینا

تمہارے کوچے میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں
ذرا تم آکے لبِ بام مُسکرا دینا

بلا ہے گور کی شب اس سے بڑھکے حشر کا دن
نہ آؤں ہوش میں اتنی مجھے پلا دینا

رہیگا یاد انہیں بھی مجھے بھی وصل کی شب
وہ ان کے ہار کی کلیوں کا مسکرا دینا

مزا ہو تنگ درِ خانقہ میں شیخ پھنسے
بڑا سا خم کوئی رندو گلے لگا دینا

نہ لالہ زار بنانا مزار کو نہ سہی
چراغ آکے کبھی شام کو جلا دینا

ہزار بار میں اس التفات کے صدقے
ہمیشہ داغ مرے دل کو اک نیا دینا

ہوا سا جائیگا تا شاخِ آشیاں صیاد
قفس سے پر کوئی ٹوٹا ہوا اُڑا دینا

ملیں گے پاؤں سے وہ اور خوں شدہ دل کو
لگی میں جا کے حنا اور تو لگا دینا

سحر ہے بام ہے پچھلے کی نیند ہے شبِ وصل
نسیم آکے ذرا شمع تو بجھا دینا

ہزاروں عیب چھپاتی ہے میری ریش دراز
چرائے کوئی خُمِ مے مجھے بتا دینا

مرے سوا نظر آئے نہ کوئی دوزخ میں
کسی کا جرم ہو مالک مجھے سزا دینا

چمک رہی ہیں نگاہوں میں بجلیاں پیہم
حریمِ ناز سے پردہ ذرا اُٹھا دینا

اِدھر اُدھر بہت آنے لگا ہے مُنہ واعظ ذرا اسے کہیں رندو مزا چکھا دینا
سنا ہے ہم نے بہت کچھ کلیم کے مُنہ سے ہم آئیں تو ہمیں آواز ہی سنا دینا
زباں ہو بند مری تو بھی میں کروں توبہ دمِ اخیر مجھے بادہ جانفزا دینا
حرم ہے جائے ادب کام دیگی جنت میں فرشتو طاق سے بوتل مری اُڑا دینا
نہ روکے طور تو ہم جائیں عرش سے اونچے ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا
گراں ہے توبہ کو مینا کا شور قلقل بھی وہ غل مچائے تو اُس کا گلا دبا دینا

شرابِ ناب سخن کا یہ دورِ آخر ہے
ریاضؔ کی یہ غزل بزم میں سُنا دینا

اُتری ہے آسماں سے جو کل اُٹھا تو لا طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا
لیلےٰ کے دل میں قیس نکل آئیگی جگہ تو سر پہ آج نجد کا جنگل اُٹھا تو لا
دھونا ہی داغ جامۂ احرام صبح صبح حجرے سی شیخ پانی کی چھاگل اُٹھا تو لا
مجکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا تو لا
وہ حسن وضع دیکھیں گے کیونکر جڑی ہیں دل زرگر نئی بنی ہے جو ہیکل اُٹھا تو لا
طاق حرم میں شیخ گلابی ہے پھول سی اس کام کا ملے گا تجھے پھل اُٹھا تو لا
بن جائے دن یہ تیرہ شب ہجر اے ندیم روشن تھا جس سے طور وہ مشعل اُٹھا تو لا
میں کام لونگا ابر کا ملے رندتان کر تو مجھ فقیر مست کا کمل اٹھا تو لا
اے شیخ منبر سے دمِ افطار فرش پر پینے کو پھول کھانے کو کچھ پھل اُٹھا تو لا

ناصح کا منہ ہو بند چکھا دوں شراب خُلد
ساقی ذرا ریاضؔ کی بوتل اُٹھا تو لا

مے نورِ خدا ہوتی دل عرش خدا ہوتا — تھوڑی سی جو پی لیتے کیا جانئے کیا ہوتا

مئے نور کے ساغر میں ڈھلتی تو مزا ہوتا — ایک نور کے سانچے کا ساغر بھی ڈھلا ہوتا

تم دل میں جو آجاتے کیا جانئے کیا ہوتا — دیدار خدا ہوتا وہ حشر بپا ہوتا

بے خار نظر آتا۔ کانٹوں سے بھرا جنگل — چننے کے لئے کانٹے میں آبلہ پا ہوتا

صیاد قفس میں وہ آج آئی بھی لائی بھی — بے نکہت گل کیونکر دامان صبا ہوتا

منہدی لگی ہاتھوں میں رکھنا تھا قیامت تک — آلودۂ خون قاتل دامن نہ ترا ہوتا

ہم جاکے جو بھولے سے مسجد میں اذاں کہتے — بے دست برہمن بھی ناقوس بجا ہوتا

ہر فصل میں لطف آتا ہوتا جو کہیں دامن — پھولوں سے بھرا ہوتا کانٹوں سے بھرا ہوتا

دن ہے یہ قیامت کا ہم ہجر کے مارے ہیں — افسانہ ہمارا بھی تھوڑا سا سُنا ہوتا

خلوت گہِ دل میں تم چپکے سے جو آجاتے — پردے میں سویدا کے کیا جانئے کیا ہوتا

لطف آتے اسیری میں اے کاش قفس اپنا — پھولوں سے لدا ہوتا پھولوں سے بھرا ہوتا

آگے ترے وحشی کے سُنتا نہ کوئی اُس کی — آوازۂ مجنوں بھی صحرا کی صدا ہوتا

ملتا نہ کوئی فتنہ فتنوں سے قیامت کے — کوچہ وہ تمہارا تھا ہر فتنہ نیا ہوتا

اچھا تھا مرے مالک یوں میری گزر جاتی — درگاہ تری ہوتی یہ دستِ دعا ہوتا

رحمت سے ریاضؔ اس کی تھے ساتھ فرشتے دو
اک حور جو بڑھ جاتی تو اور مزا ہوتا

میں سمجھا جب جھلکتا سامنے جام شراب آیا — مرا منہ چومنے شاید مرا مستِ شباب آیا

ترے نازک سے چہرے پر جہاں رنگ عتاب آیا — صباحت رخ کی بول اُٹھی کہ رخ زیر نقاب آیا

قیامت اٹھتی رہتی ہے یہاں یہ ہے گلی اُسکی — کہاں پامال ہونے تو دلِ خانہ خراب آیا

سرِ تربت بھی۔ گھوڑے پہ ہوا کے وہ سوار آئے
قیامت ہم عنان آئی نہ دشمن ہمرکاب آیا

ہوئے ہنگامہائے حشر کتنے گوشۂ دل میں
وہ میرے سامنے کچھ اس ادا سے بے نقاب آیا

وہ آئے سیرِ دریا کے لئے تو بجھ گئیں موجیں
قدم سے اُن کے اپنی آنکھ ملنے ہر حباب آیا

بہت بوسے لئے ہیں میں نے ان کافر حسینوں کے
مزا آئیگا مجکو بھی اگر روزِ حساب آیا

تکلف برطرف اے شیخ صحبت ذریہ آپس کی
مرے آگے شراب آئی ترے آگے کباب آیا

اسی کوشش میں کتنی ہجر کی راتیں ہوئیں آخر
نہ اُن کے گیسوؤں کا میرے دل میں پیچ و تاب آیا

خیالِ یار کے صدقے خیالِ یار ہی ہو گا
تسلّی مجکو دینے کوئی وقتِ اضطراب آیا

تری نوکِ قلم نے دل میں گہرے زخم ڈالے ہیں
ہزاروں دشنہ و نشتر لئے خط کا جواب آیا

وہ تصویر آج تک محفوظ ہی چشمِ تصور میں
ترے بچپن سے جب اٹکھیلیاں کرتا شباب آیا

نہیں موجیں ہیں یہ سیلِ حوادث کے طمانچے ہیں
اُسے کھانا پڑی مُنہ کی ابھر کر جب حباب آیا

برابر میری تربت کے کیا ہے دفن دشمن کو
یہ اچھا میرے حصے میں جہنم کا عذاب آیا

کہیں دعوت میں کل ہم اور واعظ پاس بیٹھے تھے
کوئی لیکر شراب آیا کوئی لیکر کباب آیا

لحد پر میری بھیجا ہی عدو کو فاتحہ پڑھنے
جو پہنچانے ثواب آیا وہی بنکر عذاب آیا

جو آئے بھی تو گھوڑے پر ہوا کے وہ سوار آئے
عدو بھی ساتھ سائے کی طرح تھامے رکاب آیا

ہوا بنتِ عنب سے عقد اس پیرانہ سالی میں
مبارک ہو مجھے ساقی بڑھاپے میں شباب آیا

نرالے ہیں یہی دنیا میں توبہ توڑنے والے
اِدھر ساقی ریاضؔ آئے اُدھر جامِ شراب آیا

مدینے میں گدائی کرکے میں خوددار ہو جاتا
کہاں کا طور گھر بیٹھے مجھے دیدار ہو جاتا

یہ دل داغوں بھرا تیرے گلے کا ہار ہو جاتا
گلے کے ہار کا ہر پھول تجکو بار ہو جاتا

کرم سے تیرے ساقی دشمن بیدار ہو جاتا
بس اتنی مجکو مل جاتی کہ میں ہشیار ہو جاتا

عدو پر آج ہلکا سا مرا بھی وار ہو جاتا
مرا نالہ بھی کھچکر یار کی تلوار ہو جاتا

کہیں عیسیٰ نفس آتے اگر میری عیادت کو
کبھی اچھا نہ ہوتا اِس طرح بیمار ہو جاتا

یہ رہنا چاہتا ہر وقت جھرمٹ میں حسینوں کے
میں سنتا دل کی تو جینا مجھے دشوار ہو جاتا

نکلنا ہی ترے ترکش سے ناوک کا قیامت تھا
کہ آتے آتے چٹکی تک جگر کے پار ہو جاتا

میں پِس جاتا اگر آ بیٹھتا دیوار کے نیچے
گراں اتنا کسی کا سایۂ دیوار ہو جاتا

مرے سینے میں رہ جاتا یہ میرا زخمِ دل بنکر
لہو سے سرخ اتنا تو لبِ سوفار ہو جاتا

قدم اپنا اٹھاتے ہم اگر صحرا نوردی کو
تو گھٹکر نقشِ پا ہر وادیِ پرخار ہو جاتا

ابھی بچپن ہے دل لیتے تو بنتی کس طرح دل سے
یہی ہوتا کبھی دشمن کبھی وہ یار ہو جاتا

اگر اس کو لئے جاتا میں اپنے ساتھ کعبے میں
مرے سجدے میں پنہاں رشتۂ زنار ہو جاتا

ارے واعظ جو تیرے حلق سے دو گھونٹ اتر جاتی
ابھی تو رہنِ مے یہ جبہ و دستار ہو جاتا

نکلتی ساتھ رندوں کے لحد سے کشتیٔ مے بھی
کہ اُن کا حشر کے طوفان سے بیڑا پار ہو جاتا

گلی میں اُن بتوں کی تنکے چنتے دیکھتے تجکو
اگر واعظ تجھے بھی عشق کا آزار ہو جاتا

ریاض اس سے اگر جاکر کبھی ہم نجد میں ملتے
تو وحشی قیس دو دن میں ہمارا یار ہو جاتا

نہ جلوہ طور سوز تیرا نہ جلوہ برق تاب تیرا
ابھر کے بجلی گرا رہا ہے یہ کوئی تار نقاب تیرا

لئے ہیں گن گن کے بوسے میں نے دیئے ہیں گن گن کے داغ تو نے
برابر اُترے گا دیکھ لینا حساب میرا حساب تیرا

مٹا ہوں میں مجھ میں کیا رہا ہے حزیں کو تو کیا ستا رہا ہے
تو اے مغنی جو گا رہا ہے تو رو رہا ہے رباب تیرا

تجھے یہ مے ہے عذاب واعظ مجھے یہ مے ہے ثواب واعظ
عجیب شے ہے شراب واعظ ملے مجھی کو عذاب تیرا

مزاج تیرا ہی آسمان پر نہ پانی پانی ہو تو ابھر کر
نہ دیکھے نیچا ہوا میں بھر کر سر غرور اے حباب تیرا

اڑیگا رنگ نقاب اس سے کھلیگا رنگ عتاب اس سے
چھپا سکیگی نقاب کیونکر یہ چہرہ تیرا عتاب تیرا

نہ تجھسے واعظ مجھے تکلف نہ مجھسے واعظ تجھے تکلف
ہر ایک دعوت میں بے تکلف شراب میری کباب تیرا

دبے گا ہر گلعذار اس سے دبے گا سب کا ابھار اس سے
دبے گا جوش بہار اس سے یہ جوش پر ہے شباب تیرا

ہجوم محشر میں پیش داور یہ میرے لب زخم کے لب تر
زبان تیری زبان خنجر سوال میرا جواب تیرا

میں کہہ رہا ہوں پکارے ساقی کرشمے تیرے ہیں سارے ساقی
یہ چاند سورج ستارے ساقی ہر ایک جام شراب تیرا

کچھ آج مجھسے مٹے ہوئے پر ترس یہ کس کو ریاض آیا
سنا کے مجکو کہا یہ کس نے بھلا ہو خانہ خراب تیرا

بندھا ہر کافر و دیندار کو اک تار میں دیکھا
عجب نازک سا رشتہ سبحہ و زنار میں دیکھا

فرشتے شیخ کے جھک جھک کے دھوتے آب زمزم سے
کبھی وہ دھبّا نہ ہم نے دامن میخوار میں دیکھا

ترے صدقے اسی کو ڈھونڈتا ہوں وہ مراد دل ہے
جسے تو نے ہجوم فتنۂ رفتار میں دیکھا

تصور ہی تو ہے دل ہو کہ میری آنکھ کی پتلی
وہ کہتے ہیں کسی کو روزن دیوار میں دیکھا

چھپی اودی گھٹاؤں میں وہ پریاں تھیں جنھیں ساقی
اتر کر رقص کرتے دامن کہسار میں دیکھا

امید افزا تبسم بھی نہیں کے ساتھ تھا لب پر
عجب اقرار کا پہلو ترے انکار میں دیکھا

گندھی کلیوں میں شاید دل بھی میرا تھا سر محرم
یہ شرما کر کسے تم نے گلے کے ہار میں دیکھا

میں وہ بیتاب ہوں طاقت بھری ہے مجھ میں بجلی کی
ہلے جب پر قفس رکھا ہوا گلزار میں دیکھا

یہی ہیں وہ ریاض اے شیخ جو جیبیں کترتے ہیں
جنہیں تو نے ہمیشہ جبہ و دستار میں دیکھا

نمایاں ہر ہجوم فتنۂ رفتار میں دیکھا
حنا کا رنگ ہم نے نقش پائے یار میں دیکھا

نظر آیا نہ پہلو میں تو ڈھونڈا اس طرح دل کو
خمِ گیسو میں دیکھا پھر گلے کے ہار میں دیکھا

جگہ کیونکر نہ دوں دل میں انہیں مجنوں کچھ گئی کانٹے
مجھے آتے ہوئے جب وادیِ پُرخار میں دیکھا

اُسی کی جان پر ٹوٹا فلک اتنی بلندی سے
جسے بیٹھا تمہارے سایۂ دیوار میں دیکھا

ڈراتا ہے ہمیں محشر سے تو واعظ ارے جا بھی
یہ ہنگامہ تو ہم نے روز کوئے یار میں دیکھا

ریاضؔ اس مرتبہ روزے ہمارے لطف سے گزرے
ہلالِ عید ہم نے دامنِ کہسار میں دیکھا

انگشت نما آپ سے قاتل نہیں ہوتا
بات اتنی ہے پیکاں سے جُدا دل نہیں ہوتا

ہاتھوں سے جُدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا
ہاتھ ایسے ہیں جن سے کوئی بسمل نہیں ہوتا

کمبخت وہی دل ہے کہ تھا ہار گلے کا
اب ہار کے پھولوں میں بھی شامل نہیں ہوتا

تسکین سی کچھ رہتی ہے گو ڈوب ہی جائے
کشتی سے مری دور جو ساحل نہیں ہوتا

کہتے ہیں تجھے آگ لگے اے دلِ پرداغ
ٹھنڈا اتری ان گرمیوں سے دل نہیں ہوتا

ہم تھک کے گرے گر کے اُٹھے اُٹھ کے چلے بھی
تجھ پر اثر اے دوریِ منزل نہیں ہوتا

داغ اتنے حسینوں سے اُٹھائے مرے دل نے
ہو چاندی ہی بھی شکل تو مائل نہیں ہوتا

ہے خوئے ستم ہاتھ نہیں رہتے ہیں خالی
بیچاری حنا پستی ہے جب دل نہیں ہوتا

لے ہر شکنِ زلف کی دن رات بلائیں
دیوانہ اب ایسا کوئی اے دل نہیں ہوتا

مجنوں کی جھلک نجد میں شاید نظر آئی
محمل سے جدا پردۂ محمل نہیں ہوتا

ان شوخ حسینوں سے یہ اب جا کے کہے کون
بت ہوتے ہیں پتھر کا مگر دل نہیں ہوتا

آتے نہیں پروانے سوئے شمعِ فسردہ
جب بزم میں وہ رونقِ محفل نہیں ہوتا

میخانے میں رہتا نہیں ہوں شغل سے خالی
میں کام سے اپنے کبھی غافل نہیں ہوتا

صیاد نے جا جا کے چمن کر دئے خالی　　سنتا ہوں کہ اب شور عنادل نہیں ہوتا

پا جاتے ہیں جب آپ کسی پر کبھی قابو

پہلو میں ریاضؔ آپ کے یہ دل نہیں ہوتا

آنکھ میں شوخ حسینوں کے سمانا دل کا　　ہم نے دیکھا ہے جوانی میں زمانا دل کا

وہ تلے ہیں کہ اُڑائینگے نشانا دل کا　　ہم دکھائینگے اُنہیں چوٹ بچانا دل کا

تیر مژگاں سے ہے دشوار بچانا دل کا　　بال باندھا وہ اُڑاتا ہے نشانا دل کا

اب یہ جانا کہ لے کہتے ہیں آنا دل کا　　ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

ان حسینوں کا تو بازار لگا رہتا تھا　　ہائے وہ وقت کہ گاہک تھا زمانا دل کا

کیوں نہ چُن چُن کے ترے تیر جگر میں کھاؤں　　کس مزے سے یہ اُڑاتے ہیں نشانا دل کا

بیقراری نہ جگہ بیٹھ کے لینے پائے　　اُن کے کوچے میں لگا آئے ٹھکانا دل کا

کیا زمانے کا اثر ہے کہ ہوا خون سپید　　آنکھ کا کام نہ تھا خون بہانا دل کا

عالمِ ہُو میں کچھ آواز سی آجاتی ہے　　چُپکے چُپکے کوئی کہتا ہے فسانا دل کا

طائرِ رنگِ حنا بن کے رہا ہاتھوں میں　　کوئی دیکھے تو ذرا رنگ جمانا دل کا

درد دل آج سنایا جو انہیں رو رو کر　　ہنس کے بولے کہ یہ قصہ ہے پُرانا دل کا

اپنے سائے میں لئے ہے تری مژگاں دراز　　چھاوں میں تیروں کے اب تو ہے ٹھکانا دل کا

ٹوٹے پڑتے ہیں جو سننے کو حسیں ایک پر ایک　　حشر میں چھیڑ دیا کس نے فسانا دل کا

نہ جگہ دل میں ترے ہی نہ ترے کوچے میں　　نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ ٹھکانا دل کا

وقت کے ساتھ گئیں وقت کی باتیں بھی ریاضؔ

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ زمانہ دل کا

قفس سے اُڑوں تو نہ آواز دینا | مدد اتنی اے بال پرواز دینا

مرے ٹوٹے دل سے ہم آواز دینا | مجھے کوئی ٹوٹا ہوا ساز دینا

مجھے بال و پر مایہ ناز دینا | خدایا پرِ عرش پرواز دینا

خدایا ہو آغاز انجام جس کا | جوانی کو میری وہ آغاز دینا

جو پوچھوں کہ پہلو سے دل لیگیا کون | ہوا بھی نہ اے ناوکِ ناز دینا

میں کہتا ہوں مینا سے جب اُٹھے بادل | صدا میرے طاؤس طناز دینا

فریب ادا سے جو لے کام یارب | وہ معشوق دمساز دمباز دینا

وہ جا نامرا روٹھکر میکدے سے | صراحی کا مجکو وہ آواز دینا

نرالی زمانے سے ہو چال جس کی | خدایا وہ معشوق طناز دینا

شریکِ شکارِ لبِ جو تھا ناصح | مجھے قاز اُسے روغنِ قاز دینا

کسی خوش گلو کا ہے اصرار کب سے
ریاضؔ اک غزل مایۂ ناز دینا

ایسا ہو تو وہ اُس بتِ خود بیں سے بھی اچھا | میرا ہو تو ایماں سے مری دین سے بھی اچھا

اے تاک عجب حسن عجب بات ہے اس میں | خوشہ ہے ترا خوشۂ پروین سے بھی اچھا

ہوتا ہی نہیں اب مرے سینے سے جُدا داغ | ہمدرد ملا یہ دلِ غمگین سے بھی اچھا

پیچیدہ دل اس زلف گرہ گیر میں رہ کر | نکلا گرہ گیسوئے مشکیں سے بھی اچھا

اے وسعتِ دل تھوڑی جگہ دے کہ بنا لوں | بتخانہ کوئی بتکدۂ چین سے بھی اچھا

شانہ دلِ صد چاک کا لے اس کی بلائیں | یہ مشغلہ ہے زلف کی تزئیں سے بھی اچھا

خوش رنگ سوا ہے گلِ قالیں سے ہر اک داغ | آ بیٹھو دلِ نرم ہے قالیں سے بھی اچھا

پیوستہ رہا ہو ترے لب سے جو لبِ جام | مل جائے مجھے تو لبِ لعلین سے بھی اچھا

اے شمع اُدھر آ کے جو وہ بیٹھ گئے ہیں | پائینِ لحد ہے مرے بالین سے بھی اچھا

چیدہ گل اشعار ریاض اس میں ہیں کیا کیا
گلچیں تو رہا دامنِ گلچیں سے بھی اچھا

مٹ چکا اب نشان مدفن کا | نام اس پر لکھا ہے دشمن کا

آئے یہ کہتے میرے مدفن پر | منھ جھلسنا ہے شمعِ روشن کا

اُٹھ گیا آج وہ بھی دنیا سے | قیس ساتھی تھا میرے بچپن کا

حشر کے دن اُٹھوں میں قبر سے کیا | بوجھ مجھ پر ہے سیکڑوں من کا

مِسی مالیدہ لب پر آئی ہنسی | بن گیا پھول غنچہ سوسن کا

اشک کے تار کو میں روؤں کیا | آستیں کا نہ میرے دامن کا

میں چلا ہوں عدم کو خالی ہاتھ | چور کا ڈر نہ خوف رہزن کا

ایک شعلہ سا روز اٹھتا ہے | سینہ ٹکڑا ہے دشت ایمن کا

اے ریاض آفتاب حشر نہیں
رنگ لایا ہے داغ دامن کا

حشر میں ایک بھی تو داغ بہ داماں نہ رہا | کوئی عصیاں جو بچا مجھ سے وہ عصیاں نہ رہا

کام اب ضبط سے لینا بھی کچھ آساں نہ رہا | میرے قابو میں مرے اشک کا طوفاں نہ رہا

دامن آلودۂ مے کر نہ سکی مجکو بہار | گل بہ داماں تو رہا داغ بہ داماں نہ رہا

سادۂ ابلہ نے نئے دین میں رخنے ڈالے | جو ہو متنفس اس سے وہ مسلماں نہ رہا

آ گیا یاد مجھے آنکھ بدلنا اُن کا | شکوہ تجھ سے مجھے اے گردشِ دوراں نہ رہا

شوخیاں اتنی بڑھیں نیچی نگاہیں بھی گئیں
حُسن بے پردہ کا اب کوئی نگہباں نہ رہا

اثر انداز نہ ہوگا وہ بھری محفِل میں
شمع عریاں کی طرح حُسن جو عریاں نہ رہا

پردہ داری کی جگہ پردہ دری نے لے لی
سوزِ پنہاں نہ رہا ساز بھی پنہاں نہ رہا

دونوں جاں دادۂ مذہب ہیں مگر وقت کی بات
کوئی ہندو نہ رہا کوئی مُسلماں نہ رہا

سِحر کاری تری اے عالمِ فانی دیکھی
گھر تک آتے اثرِ گورِ غریباں نہ رہا

کھُل کے ہر بزم میں لب تک مرے آجاتا ہے
اب مرا جام چراغِ تہِ داماں نہ رہا

نہ رہے جُبّہ و دستارِ امامت باقی
غم غلط کرنے کو افسوس یہ ساماں نہ رہا

مختصر وقت میں کیا کچھ نہ ہوا وصل کی شب
مجکو حسرت نہ رہی آپ کو ارماں نہ رہا

کیوں بھٹکتی نہ پھرے کوہکن و قیس کی رُوح
کوہ وہ کوہ بیاباں وہ بیاباں نہ رہا

دشنہ و نشتر و پیکاں مری قسمت میں کہاں
چٹکیاں لینے کو دل میں کوئی ارماں نہ رہا

راہیِ خلد ہوئے میکدے میں آج ریاضؔ
خم کدھر سجدہ کریں کعبۂ ایماں نہ رہا

منہ زیرِ تاک کھولا واعظ بہت ہی چوکا
بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

کہتا ہے کیوں انا الحق جو قطرہ ہے لہو کا
منہ کھُل گیا ہے شاید میری رگِ گلو کا

شوخی جو برق کی ہے گرمی شرار کی ہے
کچھ کہہ رہا ہے موسیٰ انداز گفتگو کا

دھونا ہے وقت آخر مُنہ کی مجھے سیاہی
اے اشک شرم اب بھی موقع ہے شست و شو کا

کیوں طفلِ اشک لپٹے لے دل نہ آستیں سے
پروردہ ہے یہ میرے دامانِ آرزو کا

ساقی بہار در کف۔ پھول آئے میکدے سے
طوفاں اُٹھ رہا ہے گلشن میں رنگ و بو کا

واعظ تجھے خبر ہے میخانہ کس کا گھر ہے
خم اُس کی پشت پر ہے کھُلوا نہ منہ سُبو کا

میرے بدن کے رویئیں آوازدیں گے ہُو کی — صحرا میں گھر ہے میرا گھر ہے مقام ہُو کا
یکساں ہے خونچکانی یکساں ہے خونفشانی — ہیں ایک دیدہ و دل یہ جوش ہے لہو کا
سمجھے ہیں خضر جس کو صحرا نوردِ الفت — نقشِ فنا وہ اک ہے وہ پائے جستجو کا
گردوں حباب اس میں غرق آفتاب اس میں — دل کی بساط کیا ہے ایک قطرہ ہے لہُو کا
کیوں اتنے اونچے جائیں کیوں اُلٹی منہ کی کھائیں — آتا ہے اپنے منہ پر جب آسماں کا تھوکا
دونوں بہت ہیں نازک اِن نازنیں بتوں سے — اللہ ہے نگہبان ایمان و آبرو کا
انگور ہی میں اترا قسمت کا آب و دانہ — میں تھا اسی کا پیاسا میں تھا اسی کا بھوکا

میں اے ریاضؔ خوش ہوں اک بوریای میں ہوں
پہلے جو ظرف مے تھا اب ظرف ہے وضو کا

آئینہ دیکھتے ہی وہ دیوانہ ہو گیا — دیکھا کسے کہ شمع سے پروانہ ہو گیا
گل کرکے شمع سوئے تھے ہم نامراد آج — روشن کسی کے آنے سے کاشانہ ہو گیا
دیوانہ قیس پہلے ہیں چھیڑتا رہا — پھر رفتہ رفتہ نجد میں یارانہ ہو گیا
کافی نہ مُہرِ خُم کو ہوے گھٹائے ابر — اب اس قدر وسیع یہ خُم خانہ ہو گیا
حاصل یہ اختصاص ہے اس دل کو یہ شرف — کعبہ بنا کبھی کبھی بتخانہ ہو گیا
لائے چُرا کے بہرِ پرستش بتوں کو گھر — ویران چار روز میں بتخانہ ہو گیا
منھ چوم لوں کسی نے کہا مجکو دیکھکر — دیوانہ تھا ہی اور بھی دیوانہ ہو گیا
توڑی تھی جس سے توبہ کسی نے ہزار بار — افسوس نذرِ توبہ وہ پیمانہ ہو گیا

مے توبہ بن کے آئی تھی لب تک اے ریاضؔ
لبریز اپنی عمر کا پیمانہ ہو گیا

آگیا تقدیر سے میری مدینا آگیا
جس سے بامِ عرش پہ پہنچوں وہ زینا آگیا

ہر قدم پر موت کا مجکو پسینا آگیا
عشق میں مرنا تو کیا مر کے جینا آگیا

رات ہر اک عید کا دن شام ہر اک صبح عید
اب وہ راتیں آگئیں اب وہ مہینا آگیا

مجھسے عاصی کا ہوا جب ان کی اُمت میں شمار
حشر کے دن شرم سے مجکو پسینا آگیا

خُم کے خُم پی جائیں ہم ضایع نہ ہو اک بوند بھی
باندھکر چلو ہمیں اب مے کا پینا آگیا

نام اقدس نقش ہے مُہر نبوت کی طرح
کام میرے اب مرے دل کا نگینا آگیا

جاں تک تقاصہ یہ گاہک بنا ایمان کے
آگیا کافر بتوں سے دل میں کینا آگیا

اے جنوں کچھ دھجیاں میرے گلے میں ڈالدے
پھوٹتی ہے جس میں کونپل وہ مہینا آگیا

اک جنازہ دوش پر بحرِ عدم قعرِ لحد
ہم سمجھے تھے کہ ساحل پر سفینا آگیا

میرے شیشے کی پری ہے گنبد خضرا کا عکس
میکشو جان مدینہ سبز مینا آگیا

حشر زا ہے کس ادب سے آرزوں کا ہجوم
بزم دل میں بزم اقدس کا قرینا آگیا

سیر کرتی ہے مجھے کیونکر مری تشنہ گاہ
مجکو ماہ صوم میں اُس شے کا پینا آگیا

میں جو آیا غیر سے ہنسکر کہا اُس نے ریاضؔ
ختم ہے جس پر شرافت وہ کمینا آگیا

تکلیف سے بچ جائیگی نازک سی کمر اب
آئے بھی تو وہ بیٹھ گئے تھام کے سر اب

سر پھوڑیں کہاں جاکے نہ دیوار نہ در اب
صحرا ہے یہ صحرا ہے کوئی گھر ہے یہ گھر اب

ہے نور کا عالم رُخ روشن کی ضیا سے
وہ خوش ہیں شب وصل کی ہوتی ہے سحر اب

کم بخت نے سیکھی ہیں تمہاری ہی ادائیں
آغوش دعا میں کہیں آتا ہے اثر اب

چھیڑو نہ مجھے۔ دل کو تو میں رو ہی چکا ہوں
کھائے نہ کہیں جوش مرا خون جگر اب

میں وصل کی شب اُٹھ کے گلا گھونٹ ہی دونگا
بولا کبھی بھولے سے جو ائے مرغ سحر اب

نازک تو وہ پہلے ہی تھے ہو گئے کچھ اور بھی نازک
بل کھاتے ہیں گیسو تو لچکتی ہے کمر اب

جس چاند کی صورت کی میں لیتا تھا بلائیں
اُٹھتی ہے تکلف سے اُدھر میری نظر اب

دل حشر کے فتنوں سے سوا جمع ہوئے ہیں
آباد ہوئی جاکے تری راہگزر اب

آفت تھی نشیمن میں یہ مجھ سوختہ جاں تک
جھکتی ہے نہ بجلی نہ لپکتے ہیں شرر اب

کھویا ہمیں ان بیخودیِ عشق نے ایسا
ملتی نہیں برسوں ہمیں اپنی ہی خبر اب

اب پاؤں نہ جمتا ہے نہ اٹھتا ہے کسی کا
کچھ اور سے ہے اور تری راہگزر اب

چھوٹیں بھی تو صیّاد قفس چھٹ نہیں سکتا
ٹوٹے ہیں کچھ ایسے کہ نکلتے نہیں پر اب

یہ بے اثری آنکھ سے دیکھی نہیں جاتی
اچھا ہے یہی پھوٹ بہیں دیدۂ تر اب

کچھ اور ہی باتیں ہیں تو کچھ اور ہی گھاتیں
کھُل کھیلی ہے کچھ آپ کی دزدیدہ نظر اب

ان کے مرے جھگڑے میں دل اب نہیں پڑتا — کچھ ڈر سا گیا ہے نہ اِدھر ہے نہ اُدھر اب
ہوتے ہوئے اُسکے وہ لپٹتے ہیں کمر سے — اُلجھے نہ کہیں گیسوؤں سے تیغ کمر اب
دیوانے ہیں مرغانِ سحر بول رہے ہیں — یہ ہجر کی شب ہے کہیں ہوتی ہے سحر اب

اچھی نہیں غفلت یہ ریاضؔ اب دمِ آخر
ہے وقتِ سفر کیجیے سامانِ سفر اب

فریاد میں کم ہے اثرِ دردِ نہاں اب — ہم آپ بدلنے کو ہیں اندازِ فغاں اب
اے بے خودی تو کس وقت وہ آئے سرِ بالیں — کہتا ہوں کوئی بات تو رکتی ہے زباں اب
کمزور ہوئے اشکوں سے گھر کے در و دیوار — رونے کے لیے لیں گے کرائے کا مکاں اب
دھوکے سے پلا دی تھی اُسے بھی کوئی دو گھونٹ — پہلے سی بہت نرم ہے واعظ کی زباں اب
وہ نخل نہ وہ باغ نہ وہ شاخِ نشیمن — اے اہلِ قفس چھوٹ کے ہم جائیں کہاں اب
صدقے ترے صیاد یہ باتیں تھیں چمن تک — کچھ فکرِ بہار اب ہے نہ کچھ فکرِ خزاں اب
وہ بنتِ عنب تھی جو پری توبہ سے پہلے — توبہ شکنوں میں ہے وہی حورِ جناں اب
اب ہے تری قسمت میں بھٹکتے ہوئے پھرنا — اے یاس نہ تربت ہے نہ تربت کا نشاں اب
آ بیٹھے ہیں رندِ انجمنِ وعظ میں دو چار — اچھا ہے اگر ہو مےِ کوثر کا بیاں اب

ہر روز ہے کیوں ریشِ مبارک کی صفائی
کچھ ہو نہیں ہونے کے ریاضؔ آپ جواں اب

قلقلِ مینا اُسے کیوں دے برابر کا جواب — بات واعظ کی ہے دیوانے کے پتھر کا جواب
کیا نئے گل کھل رہے ہیں واہ رے فیضِ بہار — اندنوں منقارِ بلبل ہے گلِ تر کا جواب
چڑھ تو جانے دے ذرا ساقی دماغِ رند پر — خطِ پیشانی بنے گا خطِ ساغر کا جواب

آئے تو وہ لوں بلائیں لمبی لمبی رات کے
ہو شبِ وعدہ الٰہی روزِ محشر کا جواب

اپنی عرض مدعا پر سُن چکا میں سُن چکا
بندہ پرور کی زباں سے بندہ پرور کا جواب

زخمِ دل نے خون پانی ایک میرا کر دیا
کس طرح اس کو بناؤں دیدۂ تر کا جواب

وہ اشارے کا یہ اُن کے ہاتھ کی محتاج ہے
ہو گی کیا تیغِ کمر ابرو کے خنجر کا جواب

سُن کے میرا حالِ دل وہ بن گیا میرا رقیب
میں بہت کھویا ہوا ہوں سُن کے ہمسر کا جواب

حشر فتنے لاکھ اٹھائے خود اُٹھے سب کچھ سہی
لیکن اُس کے پاس کیا ہے اُنکی ٹھوکر کا جواب

ہے اثر یکساں حوادث کا گل و بلبل کے ساتھ
پنکھڑی ہے پھول کی ٹوٹے ہوئے پر کا جواب

ایسی کیا کچے گھڑے کی ہے چڑھی مجھکو ریاضؔ
شیخ کو پتھر سے دوں میں جامِ کوثر کا جواب

کہاں سے لائے کوئی رو زاب کباب شراب
ہماری جان کا آخر ہوئی عذاب شراب

لگا کے دھوکے سے منہ شیخ پھر نہ چھوڑ سکا
پکارتا ہی رہا میں ارے شراب شراب

وہ چیز اور تھی وہ نشہ اور تھا ساقی
مرے شباب کا بنتی ہے کیوں جواب شراب

خمِ فلک تو ہی خالی وہ اس کے گرد ہے کیوں
ہمارے جام سے لے جام آفتاب شراب

پیوں تو حلق میں یہ میرے ڈالتی ہے لکیر
نہ منہ لگاؤں تو ہوتی ہے آپ آب شراب

مے کہن نے نکالا ہے رنگ ساغر میں
دکھا رہی ہے بڑھاپے میں بھی شباب شراب

اُتار دوں حلق سے دو چار شہد و شیر کے گھونٹ
کہے جو شیخ یہ کیا ہے کہوں جناب شراب

حساب سے دمِ محشر معاف ہی رکھو
فرشتو پی کے ہم آئے ہیں بے حساب شراب

سُنی ہیں رندوں سے کوثر پرستیاں اُس کی
پیے بھی شیخ تو کھاتی ہے پیچ و تاب شراب

کوئی جو بہکے بنے بڑھ کے راہبر ہر موج
بتائے بادہ کشوں کو رہِ ثواب شراب

کشید خاص کا گھر پر ہوا اہتمام ریاضؔ
کہ میفروش تو دیتے ہیں اب خراب شراب

ہے صحنِ چمن - دامنِ کہسار بہت خوب
رہنے کو ملے تو ہے در یار بہت خوب

کہنے کو ہمارے بھی ہیں اشعار بہت خوب
سچ یہ ہے کہ فرماتے ہیں سرکار بہت خوب

آنکھوں سے وہ جا ہی نہیں سکتی دمِ آخر
دیدار سے ہی حسرتِ دیدار بہت خوب

تصویر میں بوسوں کے نشاں حسن فزا ہیں
کھنچنے میں ہے آپ کے رخسار بہت خوب

آئے ہیں جو میخانے میں واعظ بہت اچھا
بن کر وہ یہاں آئے ہیں ہشیار بہت خوب

اب در سے رسائی ہوئی ہے بام تک اُن کے
ہم کو نظر آتے ہیں یہ آثار بہت خوب

کچھ فرق زیادہ نہیں گلزار قفس میں
گلپوش قفس خوب ہے گلزار بہت خوب

جو بات ہو بن جاتی ہے کچھ دیدہ و دل پر
قسمت سے ملے ہیں مجھے غمخوار بہت خوب

سہرا ترے سر خوب رہا صافیِ مے کا
واعظ ہے یہ تیری نئی دستار بہت خوب

جس رنگ میں گزرے اری صیاد وہ گھر ہے
تنکے بھی چنوں تو بھی ہے گلزار بہت خوب

یہ رنگ یہ شوخی یہ نفاست یہ سلاست
کہتے ہیں ریاضؔ آپ تو اشعار بہت خوب

اپنے دیوانوں سے سُن لو تم فغانِ عندلیب
مدتوں بن جا کے سیکھی ہیں زبانِ عندلیب

برق کیسی اور کیسا آشیانِ عندلیب
وہ قفس میں ہے پڑی ہے گل میں جانِ عندلیب

کیا بھلا دیں گے نشیمن کو قفس کے ہار پھول
ہائے وہ اجڑا ہوا سا آشیانِ عندلیب

باغ میں نازک لبِ گل سے یہ آتی ہے صدا
ٹکڑے ہوتا ہے جگر سُنکر بیانِ عندلیب

تھا یقیں سر پر اٹھا لیگی یہ گھر صیاد کا
دو ہی دن میں کیا ہوئی تاب و توانِ عندلیب

باغ میں تنکا نشیمن کا نہ پر ٹوٹا ہوا
ہائے کیسا مٹ گیا نام و نشان عندلیب

کیوں قفس کے گرد پھر جاتی ہیں آ کر رات کو
برق کے شعلے بنے ہیں پاسبان عندلیب

ہیں قفس کے گرد کیسے کیسے مرغان چمن
ہم صفیر آ کر ہوئے ہیں میہمان عندلیب

آشیان برباد کو ہے تنکے تنکے کا خیال
خانۂ صیاد گویا ہے مکان عندلیب

آنکھیں کھل جاتی ہیں اے گل شکل بلبل دیکھ کر
کان کھل جاتے ہیں سن کر داستان عندلیب

کوئی دیوانہ کہے یا کوئی سودائی کہے
اے ریاضؔ اک ہم سمجھتے ہیں زبان عندلیب

رات دن ہے ایک حالت پر فغان عندلیب
اب کہیں تالو سے لگتی ہے زبان عندلیب

عندلیب اب ہے نہ باقی آشیان عندلیب
مٹ گیا گلزار سے نام و نشان عندلیب

ہے بہت حسرت فزا طرز بیان عندلیب
ٹکڑے کرتی ہے جگر کو داستان عندلیب

وسعت گلشن بھی ناکافی پر پرواز کو
یا قفس اب ہے زمین و آسمان عندلیب

کس تکلف سے زمین باغ میں ہے فرش گل
ان کے دیوانے ہوئے ہیں میہمان عندلیب

فصل گل جاتی ہے جھونکے ایسے صرصر کے چلے
اڑ کے آیا ہے قفس تک آشیان عندلیب

کاٹ کر پھولوں میں رکھ دو تو نہ پہچانے کوئی
پنکھڑی ہے پھول کی یا ہے زبان عندلیب

دست ماتم شاخ گل ہے اہل ماتم نخل گل
گل زبان حال سے ہیں نوحہ خوان عندلیب

ایسی نازک ٹھہری ہے موزن گل کانٹے کی تول
ایسی لاغر ہے رگ گل استخوان عندلیب

فصل گل آتے ہی کیسا رنگ بلبل جم گیا
پھول کھل کر بن گئے ہیں آشیان عندلیب

ایک تو صیاد وہ یونہی بنی تھی دھان پان
خشک تیرے خوف سے ہے اور جان عندلیب

خاک اڑ جائیگی تیرے باغ میں اے باغباں
کوچ کر جائے گا کل تک کاروان عندلیب

چپ ہی کیوں قیدِ قفس میں نغمہ سنجی کیا ہوئی　　کاٹ لی صیاد نے شاید زبانِ عندلیب

اور ہی رنگِ اثر ہے آگئی شاید بہار　　چٹکیاں لینے لگی دل میں فغانِ عندلیب

آشیاں اپنا بنایا زاغ نے اونچا تو کیا　　ایسی باتوں سے کہیں گھٹتی ہے شانِ عندلیب

ہاتھ ٹوٹیں ہاتھ سے ناوکِ فگن ٹپکے لہو　　کوئی ناوک تھا کہ مرگِ ناگہانِ عندلیب

پھونک دو منہ سے تو اُڑ جائے یہ تنکے کی طرح　　گھُل گئے کیسے قفس میں جسم و جانِ عندلیب

نالے جاتے ہیں جہاں تک ساتھ جاتی ہے بہار　　رنگ پر آئی ہے جا کر اب فغانِ عندلیب

دیکھ کر گلچیں کو ڈر صیّاد کا جاتا رہا　　غنچہ و گُل میں پڑی ہے اب نو جانِ عندلیب

یہ کبھی جھکتی نہیں شاخِ نشیمن کی طرح　　بڑھ گئی شاخِ قفس پر اور جانِ عندلیب

کاش اب بھی پہلوئے گُل میں جگہ ہوتی نصیب　　سُوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں استخوانِ عندلیب

ہم سے دیوانوں کو یہ سوسو سُناتی ہے ریاضؔ

کون بولے ہاتھ بھر کی ہے زبانِ عندلیب

رکھتے نہیں ہیں درد بھی دل میں دوا طلب　　سینے میں ایک دل ہے مگر وہ جفا طلب

مل جائے کوئی جان مری کیوں نہ اس میں جائے　　سُنتا نہیں ہے کچھ بھی دلِ مدعا طلب

شوخی سے اضطراب کی کچھ چھیڑ چھاڑ ہے　　ان کی نگاہِ ناز سے دل ہے دغا طلب

چاہا تھا میں نے آج کروں نذر۔ نقدِ جاں　　ظالم نے مُسکرا کے مرا دل کیا طلب

جب پی نہ تھے فرشتے یہ کہتے ہی حشر میں

لطف آگیا ریاضؔ مرا خم ہوا طلب

سُن کے یہ قبلے سے ابر اُٹھے تو ہی پینا ثواب　　لُٹ رہا تھا میکدے میں ہم نے بھی لوٹا ثواب

کچھ نہیں اعمالِ دنیا کا پئے عقبےٰ ثواب　　جو نہ کام آئے یہاں کس کام کا ایسا ثواب

نزع تک قلقل سے رکھی یاد اللہ اس لئے
پڑھ کے قل بخشے گی ہم کو قلقل مینا ثواب

پینے سے پہلے ہی کھانا تھا ہمیں ساقی کباب
کر کے افطار آج روزہ مے سے خود کھویا ثواب

کچھ ہو آب آتشیں ہو چاہے آب سرد ہو
ہم ہیں پیاسے جو پلائیگا وہ پائے گا ثواب

پی کے مے ذکر خدا شکر خدا یاد خدا
ہے ہمارے واسطے شغل مے و مینا ثواب

ایک دن تو خواب میں آتا لئے جام طہور
پڑھ کے قرآں عمر بھر ہم نے جسے بخشا ثواب

راہ سے کعبے کے ہم نے ریزۂ مینا چنے
کیا عجب اس کے عوض ہم کو ملے حج کا ثواب

عید کے دن میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاضؔ
ایک چلّو دے کے جو لے تیس روزوں کا ثواب

جام چھلکانے لگے بھر کر مئی کوثر سے آپ
حضرتِ واعظ بہت اونچے گئی منبر سے آپ

بیٹھئے گا دست خوں آلودہ لیکر بعد ذبح
سخت جاں ہوں ہاتھ دھو کھئے ذرا خنجر سے آپ

فتنۂ محشر بھی اُٹھے میں بھی اُٹھوں قبر سے
ساتھ دونوں کو اُٹھائیں ایک ہی ٹھوکر سے آپ

یہ بھی احساں صبح ہوتے آئے تربت پر مری
کچھ گُلِ پژمردہ لیکر غیر کے بستر سے آپ

شیشۂ دل چور ہونے پر پسیجا کچھ نہ دل
بت تو پتھر کے بنے ہیں بڑھ کے ہیں پتھر سے آپ

لیتے رہئے چٹکیاں دل میں نگاہ ناز سے
چھیڑتے رہئے اسی چبھتے ہوئے نشتر سے آپ

بارِ عصیاں کے لئے یارب فرشتہ بھیجدے
ہم لدے آئے ہیں اپنے شیشہ و ساغر سے آپ

خانہ باغ غیر کے آگے کھلا میدان تھا
شائد آئے ہیں ہوا کھاکر ابھی باہر سے آپ

کاتبِ اعمال یہ ہی آپ کے ہاتھوں کا کھیل
بوجھ اتروا لیجئے محشر میں میری سر سے آپ

تیغ و خنجر مرنے والوں سے سوا سہمے ہوے
قتلگہ میں آج آئے ہیں بڑی تیور سے آپ

میرے گھر میں غیر کے ڈر سے کبھی چھپ جائیے
غیر کے گھر میں چھپے تھے آج کسکی ڈر سے آپ

کچھ قیامت سی نکلتے ہی تھے قامت میں حضور
چال میں بھی بڑھ گئے ہیں فتنۂ محشر سے آپ

سچ ہے مرغ نامہ بر سے تیز اُڑتا ہے قلم
اب جوابِ خط بھی تو لکھنے لگے ہیں پر سے آپ

آگے کچھ بڑھکر ملے گی مسجدِ جامع ریاضؔ
اک ذرا مُڑ جائیگا میکدے کے در سے آپ

راہ سیدھی غیر کے گھر کی چلے چکر سے آپ ۔۔۔ اپنے گھر سے آئے ہیں جائینگے میری گھر سے آپ
کشتگان ناز چلے ہیں بُرے کچھ روزِ حشر ۔۔۔ وہ گئے دن جب اُٹھا لیتے تھے اک ٹھوکر سے آپ
جھوٹی قسمیں ہیں عدو کو خواب میں دیکھا نہیں ۔۔۔ آ رہے میرے بغل میں رات کس کے ڈر سے آپ
سایہ مجھسے چھوٹ کر ہمراہ اس کے رہ گیا ۔۔۔ پوچھیئے گا حال میری شوق کا رہبر سے آپ
آنکھ کوثر پر دکھائی شیخ نے کچھ اس طرح ۔۔۔ واسطہ رکھتے ہیں گویا ساقیِ کوثر سے آپ
حضرت واعظ پسینے میں ہیں تر اس رنگ سے ۔۔۔ ڈوب کر نکلے ہیں گویا چشمۂ کوثر سے آپ

خوش تھے پہلے جان کر صبحِ شبِ غفلت ریاضؔ
اور پھر گھبرائے کیا ہنگامۂ محشر سے آپ

نشتر چبھونے آئے ہیں دل میں کہاں سے آپ ۔۔۔ چھیڑیں ذرا نہ کیجیے مجھ بدگماں سے آپ
کیا آج خواب ناز میں تھے بام غیر پر ۔۔۔ اُترے ہیں فتنہ لے کے کوئی آسماں سے آپ
جب یہ سمجھ لئے نہ رہا خاک کے سوا ۔۔۔ سر کو مرے اُٹھاتے ہیں اب آستاں سے آپ
بوئے دہانِ غیر چھپیگی شراب سے ۔۔۔ بس بس نکالیئے نہ کچھ اپنی زباں سے آپ

یہ حال ہے ریاضؔ کا روتے ہیں آج غیر
پھر بھی تو پھر رہے ہیں بہت شادماں سے آپ

تھی ظرفِ وضو میں کوئی شے پی گئے کیا آپ ۔۔۔ اے شیخ یہاں کون ہے میں چپ رہوں یا آپ
دیوانوں کے سر ہو گئی کیا زلفِ دوتا آپ ۔۔۔ وہ جا کے گلے اپنے لگا لائے بلا آپ
ہنس ہنس کے مجھے آپ عبث کوس رہے ہیں ۔۔۔ رو رو کے مرے واسطے مانگیں گے دعا آپ
اُڑتے بھی اگر ہم تو قفس لے کے نہ اُڑتے ۔۔۔ صیاد قفس سوئے چمن اُڑ کے چلا آپ
جو اُٹھ نہیں سکتے تھے گئے اُٹھ کے لحد میں ۔۔۔ بیٹھے رہیں اب گھر میں لئے عذرِ حنا آپ

جاتے نہیں ہم مست کبھی اُٹھ کے حرم سے — آتی ہے یہاں اُڑ کے مَے ہوش ربا آپ

کیوں پھر گئیں کمبخت کی آنکھیں دمِ آخر — رکھتے تھے بہت غیر سے اُمیدِ وفا آپ

آواز مری بیٹھی ہے اے حضرتِ زاہد — کیوں بہرِ اذاں آج دباتے ہیں گلا آپ

ہلکا سا غلاف ایک تھا صیاد قفس پر — تھی اور نہ کچھ روک رُکی مجھ سے صبا آپ

ہم دل میں اُتاریں گے یہ کہتی ہیں نگاہیں — آجائیں کسی طرح لبِ بام ذرا آپ

قابو کا تمہارے بھی نہیں جوشِ جوانی — بے چھیڑے ہوئے ٹوٹتے ہیں بندِ قبا آپ

محتاط ریاضؔ آپ جوانی میں بہت ہیں
پیری میں بھی لوٹیں گے جوانی کا مزا آپ

شاید کوئی عدو ہی مرا خوش بیان بہت — سُنتے ہیں اس کے منہ سے مری داستان بہت
میں تھا کہ اور کوئی لباسِ رقیب میں — کرتی ہے اب خطا نگہِ پاسبان بہت
کیا جانے کیا جنوں میں منہ سے نکل گیا — بگڑا ہے مجھسے آج مرا راز دان بہت
مرنے کے بعد آپ نے میری بھلی کہی — میرے لئے ہیں زیست میں بھی نوحہ خوان بہت
ٹل جائے دو گھڑی کو الٰہی شبِ وصال — لیتا ہے میرے دل میں کوئی چٹکیاں بہت
دیکھا جو مجکو اور بھی اترائے ناز سے — پھرتے تھے ساتھ غیر کے وہ شادماں بہت
لے لیجئے گا دل جو کوئی بیچنے کو لائے — بازار میں یہ چیز ملے گی گراں بہت
پہلو میں دل ہو گوشۂ دامن کی کیا کمی — مجھسے نیاز مند کو نازِ بتاں بہت
عصیاں کے ساتھ دو دو فرشتے لدے ہوے — یارب ہے دوش پر مرے بارِ گراں بہت

کچھ دام رُک گئے ہیں تو یہ حال ہے ریاضؔ
دیتے ہیں میفروش ہمیں اب گراں بہت

خواب میں بھی نظر آجائے جو گھر کی صورت — پھاڑ کھائیں تجھے دربان سگِ در کی صورت
ایسی بگڑے نہ الٰہی کسی گھر کی صورت — وہی دیوار کی صورت ہے جو در کی صورت
پر شکستہ ہوں تہِ شاخ پڑا رہنے دے — باغباں تو مجھے ٹوٹے ہوئے پر کی صورت
چھوٹتا ہی نہیں اب عرشِ خدا بام تباں — دیکھ لی ہے کہیں نالوں نے اثر کی صورت

گھیرے رہتا ہی بگولا مجھے اب ایک ایک — کی ہے پیدا مرے صحرا نے بھی گھر کی صورت
جان جائے کہ رہے آپ کے آتے آتے — اور سے اور ہی اب درد جگر کی صورت
پانی ہو جاتے ہیں آنسو مرے موتی بن کر — ورنہ اچھی تو نہ تھی ان سے گہر کی صورت
کوچۂ زلف میں جاتے ہوے دل ڈرتا ہے — ہر قدم پر ہے نئی خوف و خطر کی صورت
کبھی پھولا نہ پھلا نخل تمنا افسوس — پھول کی شکل نہ دیکھی نہ ثمر کی صورت
غیر کی قبر ہے گلشن ہے نہ دامن ان کا — مجسے دیکھی نہیں جاتی گُل تر کی صورت
چارہ گر آتے ہیں تو آنکھ چُرا جاتے ہیں — ایسی بگڑی ہے مرے زخم جگر کی صورت
آشیانے کو چلے باغ میں مُدت گزری — پھرتی ہے آنکھ میں کیوں برق و شرر کی صورت
گھر سے بے فکر میں صحرا میں پھرا کرتا ہوں — میری آنکھوں میں پھرا کرتی ہی گھر کی صورت

قیس بھٹکا تھا کہ صحرا میں ریاض آئے نظر
رہ نما اس کے بنے آپ خِضر کی صورت

صبح ہی رات کہاں اب وہ کہاں رات کی بات — بات ہی بات تو ہے بیٹھ بھی لو بات کی بات
عرش پر رہتے ہیں کیا کعبے کے رہنے والے — کوئی سنتا ہی نہیں اہل خرابات کی بات
یہ کوئی بات ہی خم ساتھ لئے واعظ آئے — اور پھر میں نہ سنوں قبلۂ حاجات کی بات
پھوٹ کر روتے ہوے دیکھ لیا ہے مجکو — چھیڑنے کو مرے ہر وقت ہی برسات کی بات
وہی اُبھری ہی شکن بن کے جبیں پر تیری — گڑ گئی دل میں ترے کیا کسی ذوات کی بات
نہ کھلا یہ کہ کہاں شب کو بچھائی تھی بساط — غیر کی چال کا کچھ ذکر تھا کچھ بات کی بات
جب کہا میں نے کہو غیر کے گھر کا کچھ حال — بولے جھنجلا کے نکالی وہی لے بات کی بات
کہیں ایسا نہ ہو آجائے ترس آپ کو کچھ — آپ سُنئے نہ کسی مورد آفات کی بات

ظرف بے مے سے پلائی تو حرم میں پھیلی — پھیلتی جلد ہے کچھ اہلِ کرامات کی بات

رات کعبے میں گئی قلقلِ مینا بن کر — نہ تو چھپتی ہے نہ دبتی ہے خرابات کی بات

کوستے ہیں وہ بری طرح جو کہتا ہوں ریاض
رات بھر آج بھی ہوتی رہی کل رات کی بات

کیا وصل کی شب ہائے بگڑتی ہے بنی بات — کہتا ہوں کچھ اُن سے تو وہ کہتے ہیں بُری بات

ہر چند شبِ وصل کوئی اُٹھ نہ رہی بات — اس شرم کے قربان نہ کرنا تھی نہ کی بات

صدقے ترے نازک لبِ لعلیں سے کڑی بات — پتھر کی طرح آج مرے دل میں لگی بات

روٹھے ہوئے لیٹے ہیں نہ مانیں گے مری بات — لطف آئے جو چپ چپ یونہی ہو جائے کوئی بات

بن بیٹھے ہیں لے بیٹھے ہیں وہ سوگ عدو کا — چُہلیں ہیں نہ چھیڑیں ہیں نہ شوخی نہ کوئی بات

بوچھار سے میری عرق آئے انہیں کیا کیا — اللہ ری نزاکت کہ اٹھائے نہ اُٹھی بات

لوٹی ہے بہت ہم نے حسینوں کی جوانی — پیری میں بھی اب تک ہے جوانی کی وہی بات

کیوں رہ گئے چپ حشر میں اللہ کے آگے — بولے نہ بُرا بول یہ بہت آج بڑی بات

دنیا کے بھلے غیر جو کرتے ہیں خوشامد — دُنیا کے بُرے ہم ہیں جو کہتے ہیں کھری بات

ملتی مری جاں ہے کہیں روزِ شبِ وصل — قربان ترے اب وہ مروّت کی گئی بات

تقدیر سے قاصد بھی ملا آج تو ایسا — اُن سے نہ کہی بات نہ کچھ اُن سے سُنی بات

شکوہ ہے کہ الزام لگائے مجھے کیسے — میرے لئے محشر میں کوئی اُٹھ نہ رہی بات

جب بنتِ عنب ہم سے کھنچی کھنچ گئے ہم بھی — اے قلقلِ مینا نہ سُنی بات نہ کی بات

بیتاب ہے قبر میں بھی چرخ سے بالا — صد شکر کسی سے کبھی نیچی نہ پڑی بات

موقع ہے ستانے کا وہ چلائیں کہ چیخیں — سُنتا نہیں محشر میں کوئی کان پڑی بات

وہ بھی تو دم نزع کھڑے تھے سر بالین ۔۔۔ بیمار نے تو آج کسی سے بھی نہ کی بات

پیری میں ریاضؔ اب نہ اُمنگیں ہیں نہ وہ جوش
ہمراہ جوانی کے جوانی کی گئی بات

وہ بولے وصل کی ہاں ہے تو پیاری پیاری رات ۔۔۔ کہاں سے آئی یہ اللہ کی سنواری رات

وہ پیاری پیاری کوئی شکل پیاری پیاری رات ۔۔۔ بڑے مزے سے کٹی آج تو ہماری رات

یہ شام سے سحر عید کی خوشی تھی ہمیں ۔۔۔ کہ چاند دیکھتے ہی کی ہی بادہ خواری رات

یہ کوہکن کے بھی کاٹے تو کٹ نہیں سکتی ۔۔۔ پہاڑ ہوگئی فرقت کی ہم کو بھاری رات

گئے تھے آپ جنازہ اُٹھانے دشمن کا ۔۔۔ کہاں گئی تھی بڑے دھوم سے سواری رات

شبِ وصال جو چھیڑا تو ہنس کے فرمایا ۔۔۔ ستاؤ شوق سے ہم کو یہ ہے تمہاری رات

کئے تھے ایک زمین آسمان اس نے بھی ۔۔۔ بڑھی ہوئی تھی مرے دل کی بیقراری رات

یہ سادگی سے اُن آنکھوں کو سرمہ بھاری ہے ۔۔۔ کہ جس طرح کسی بیمار کو ہو بھاری رات

یہ ٹوٹ ٹوٹ کے تارے نہیں گرے شبِ ہجر ۔۔۔ فلک نے ساتھ مرے کی ہی اشک باری رات

یہ بیکسی وہ اداسی وہ تیرگی وہ ہراس ۔۔۔ خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی ہماری رات

گئے تھے جھونک کے آنکھوں میں خاک غیر کے گھر ۔۔۔ ہماری آنکھوں سے دریا رہے ہیں جاری رات

یہ انتظار میں تیری کھُلی رہیں آنکھیں ۔۔۔ پلک سے میں نے لگائی پلک نہ ساری رات

وصالِ یار میں کس کو ریاضؔ ہے ترجیح
کہ دن ہے رات سے پیارا تو دن سے پیاری رات

رہ گئے تھے کبھی ہم جا کے یونہی رات کی رات ۔۔۔ مدتوں یاد رہی ہم کو خرابات کی رات

رات سے بن گئی دن رخ سے اُلٹ دی جو نقاب ۔۔۔ کھول دی زلف جہاں ہوگئی بے رات کی رات

یہ بدلنے کے نہیں لاکھ زمانہ بدلے — مجھ سے کمبخت کا دن غیر سے بدذات کی رات
شب کو میخانے میں کیوں پہنچے تھے اے حضرتِ شیخ — کہئے اچھی تو کٹی قبلۂ حاجات کی رات
مینہ تھا بام تھا ساقی تھا شب ماہ بھی تھی — رہ گئی آج بھی محتاج اسی بات کی رات
شب بسر کوچۂ جاناں میں نہ کرنا اے دل — ہے خطرناک بہت ایسے مقامات کی رات
ہنس کے تم باندھ لو جوڑا سرِ بالیں اپنا — آج کٹ جائے کسی مورد آفات کی رات
وہ مزے وصل کے وہ مینہ کا برسنا رم جھم — اُف رے برسات کی رُت ہائے ری برسات کی رات

یاد آتا ہے ریاضؔ اُن سے وہ میرا کہنا
آج رہ جا ترے صدقے مرے گھر رات کی رات

ہم بھی پئیں تمہیں بھی پلائیں تمام رات — جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات
اُن کی جفائیں یاد دلائیں تمام رات — وہ دن بھی ہو کہ اُن کو ستائیں تمام رات
زاہد جو اپنے روزے سے تھوڑا ثواب دے — میکش اُسے شراب پلائیں تمام رات
اے قیس بیقرار ہے کچھ کوہکن کی روح — آتی ہیں بے ستوں سے صدائیں تمام رات
تا صبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ — برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات
خلوت ہی بے حجاب ہیں وہ جل رہی ہے شمع — اچھا ہے اس کو اور جلائیں تمام رات
شب بھر رہے کسی سے ہم آغوشیوں کے لطف — ہوتی رہیں قبول دعائیں تمام رات
دابے رہی پروں سے نشیمن کو رات بھر — کیا کیا چلی ہیں تیز ہوائیں تمام رات

کاٹا ہے سانپ نے ہمیں سونے بھی دو ریاضؔ
اُن گیسوؤں کی لی ہیں بلائیں تمام رات

نظر آتی ہے دور کی صورت — آنکھ میں ہے حضور کی صورت

ایک یہ بھی ہے نور کی صورت — دیکھ لی شمع طور کی صورت
کیوں نہ ہو جان کا عذاب یہ جسم — تنگ زندان قبور کی صورت
سر تربت کوئی ہے فتنۂ حشر — ہوئی پیدا فتور کی صورت
خانقہ میں پری تھی شیشے کی — بن کے آئی جو حور کی صورت
آگیا کیا سوئے قفس صیاد — ہو گئی کیا طیور کی صورت
پھرتی ہے آنکھ میں بہ صد حسرت — اب دل ناصبور کی صورت
ایک ہے ایک کبریائی ہیں — اُف وہ اس کی غرور کی صورت
ق
حشر زا اف وہ صور کی آواز — وہ سرافیل و صور کی صورت
باڑھ تلوار کی صراط کا پُل — اور مشکل عبور کی صورت
شعلہ زار ایک لالہ زار ہی ایک — سامنے نار و نور کی صورت
مضطرب اپنے حال پہ ہر ایک — ہائے ہر ناصبور کی صورت
فرو عصیاں نوشتۂ تقدیر — ہائے ہر بے قصور کی صورت
آس اُس کے کرم کی قہر کا ڈر — جو ہو ربّ غفور کی صورت
اے میں قربان شان رحمت کے — نظر آئی حضور کی صورت
کس کو پروائے کوثر و تسنیم — ہوئی پیدا سرور کی صورت
صدقے کیا جلد حشر میں بدلی — مجھ سراپا قصور کی صورت

ہو مبارک سیاہ کار ریاضؔ
نور کی شکل نور کی صورت

ہو کے بیتاب بدل لیتے تھے اکثر کروٹ
اب یہ ہے ضعف کہ قابو سے ہے باہر کروٹ

ہجر سے بڑھ کے شبِ وصل اذیت ہے مجھے
غیر کی یاد دلاتی ہے تری ہر کروٹ

رِند بیمار رہا محتسبِ شرع سے تیز
اس قدر جلد اری پیمانہ کے ساغر کروٹ

چٹکیاں ہجر میں لیتی ہے شکن بستر کی
میرے پہلو میں چبھو دیتی ہے نشتر کروٹ

شوخیاں ہیں کہ بنے ہجر کی شب وصل کی رات
سو رہے پھیر کے مُنہ آپ بدل کر کروٹ

بیٹھنا اُن کا نزاکت سے دبا کر سینہ
پھر یہ کہنا کہ نہ لینا تہِ خنجر کروٹ

تیری ٹھوکر سے نہ اُلٹے کہیں وہ تختۂ قبر
لے نہ خوابیدہ کوئی فتنۂ محشر کروٹ

ہر طرف کانٹے بچھے ہیں شکن بستر کے
ہم کو مشکل ہے بدلنا سرِ بستر کروٹ

انہیں منھ پھیر کے سونے نہیں دیتا ہوں ریاضؔ
وصل کی رات مجھے کیوں نہ ہو دوبھر کروٹ

پھول کے مول خزاں میں اری ساقی تلچھٹ
ان دنوں ہے مے سرجوش سے اونچی تلچھٹ

نہ رہی خم میں جو باقی تو مجھے دی تلچھٹ
حاصلِ خم ہے ترے ہاتھ کی ساقی تلچھٹ

کیا سُبک صاف لطیف آب کی کھینچی ہے ساقی
مے تو مے نکہتِ گُل بن کے اُڑ گئی تلچھٹ

رہ کے پستی میں ہوئی ہے جو بلندی حاصل
حلق سے نیچے نہ اتری خمِ مے کی تلچھٹ

کرکرا ہو غمِ افلاس سے نشہ نہ کبھی
مفت ملتی رہے تو مے سے ہے اچھی تلچھٹ

قحطِ مے سے ہیں بھرے خم کے برابر دو گھونٹ / آج کل ہے مے سرجوش سے اچھی تلچھٹ
دے کے ساغر مجھے اندھا نہ بنا بادہ فروش / پانی آدھا ارے کمبخت تو آدھی تلچھٹ
خاک چھانی درِ ساقی کی سحر سے تا شام / جب ملی ہے کہیں پینے کو ذرا سی تلچھٹ
مجھ بلانوش کے پینے کا نہ پوچھو عالم / مے سرجوش تو کیا خم میں نہ چھوڑی تلچھٹ
تر نہیں ہونے کا اے شیخ ترا حلق کبھی / اونٹ کے منہ کا ہے زیرہ یہ ذرا سی تلچھٹ
فصل گل میں ہی کثرت ہے جو مینوشی کی / پھول کے مول بکے گی ارے ساقی تلچھٹ
پی گئی روح کسی مست کی آکر شب کو / مے تو مے آج سبو میں نہیں باقی تلچھٹ
زیرِ گل بن کے عجب حسن کیا ہے پیدا / جامِ گل میں یونہی ڈالی تھی ذرا سی تلچھٹ

شیخ صاحب کے گلے اس کو لگانا تھا ریاض
ایسی بیٹھی کہ ابھارے سے نہ ابھری تلچھٹ

آنکھیں کھُل جائیں، جو ظاہر ہو مقامِ وارثؒ   کان ہو جائیں جو سُن لے کوئی نامِ وارثؒ
جامِ کوثر کے نہ واعظ سرِ محفل چھلکا   ہم قدح خوار پئے بیٹھے ہیں جامِ وارثؒ
وہ بھی اس طرح اُنہیں یاد نشیمن نہ چمن   طائرِ دل ہیں ہزاروں تہِ دامِ وارثؒ
ہو محبت تو نہیں کافر و دیندار میں فرق   ہے یہی عشق کے بندوں سے پیامِ وارثؒ
یونہی آتی رہے کوثر سے ہمیشہ خم میں   یونہی تا حشر رہے دَور میں جامِ وارثؒ
ہو قیامت نہ کہیں پائے نظر سے پامال   میری آنکھوں میں ہے اندازِ خرامِ وارثؒ
بوئے گل جا بھی یہاں کام نہیں ہے تیرا   کہ بسا اور ہی بُو سے ہے مشامِ وارثؒ
دھوپ پڑنے نہیں دیتا ہی ادب سے خورشید   سایۂ عرشِ بریں ہے سرِ بامِ وارثؒ
جان پڑ جاتی ہے ایمان کا شرف ملتا ہے   کلمہ پڑھتے ہیں بہت سُن کے کلامِ وارثؒ
گُل بنیں دھو کے نسیمِ سحری کے تلوے   یہ مدینے کو جو لیجائے سلامِ وارثؒ
سرو سے اس کی بلندی کو ئی ہو گی سو سرو   دَور طوبےٰ ہے کہ ہے گنبدِ بامِ وارثؒ
صدقے میں ساقیِ کوثر کے دعا ہو یہ قبول   نزع میں پیاس بجھائے مئے جامِ وارثؒ

نگہِ لطف کا طالب ہے ریا کار ریاضؔ
گو ریا کار ہے لیکن ہے غلامِ وارثؒ

کیوں نہ لب پر مرے ہو یا وارثؒ   نام نامِ خدا ہے کیا وارثؒ

تو ہے مقبول کبریا وارثؒ بخشوانا مری خطا وارثؒ

تیرے در سے خدا کے گھر پہنچوں میری سن لے مرا خدا وارث

مجھ سے بیکس کا دستگیر ہے تو مجکو تیرا ہے آسرا وارثؒ

مشکل نزع ہو گئی آسان کام آیا مرے مرا وارثؒ

پھر جو ہو حشر کچھ نہیں پروا کہہ کے اٹھوں لحد سے یا وارثؒ

مجھ سے طوفان زدہ کو بادمراد میری کشتی کا ناخدا وارثؒ

وہی وارثؒ مرادہی والی وہی والی مرادہی وارثؒ

حشر کھو یا گیا اٹھا کے مجھے مجکو سمجھا تھا مال لاوارث

حضرت خضر رہنما سب کے وہ جو گم ہوں تو رہنما وارثؒ

نہیں تجھسے چھپا ریاض کا حال
اِس طرف بھی نظر ذرا وارثؒ

بام پر آئے۔ کتنی شان سے آج — بڑھ گئے آپ آسمان سے آج
جب کہا ہم خفا ہیں جان سے آج — بولے خوش کردیں امتحان سے آج
کس مزے کی ہوا میں مستی ہے — کہیں برسی ہے آسمان سے آج
بے تکلف نہ ہو کوئی اُن سے — بنے بیٹھے ہیں میہمان سے آج
میں نے چھیڑا تو کس ادا سے کہا — کچھ سنوگے مری زبان سے آج
دل کے ٹکڑوں کی طرح ہم نے چُنے — ٹکڑے کچھ دل کی داستان سے آج
نیچی ڈاڑھی نے آبرو رکھ لی — قرض پی آئے اک دکان سے آج
آکے ہم دل جلوں کی تربت پر — کچھ سُنو شمع کی زبان سے آج
اُونچے کوٹھوں کے بیٹھنے والے — باتیں کرتے تھے آسمان سے آج
ناتواں دل کی بے زباں دل کی — آپ نے سُن لی اپنے کان سے آج

کوئی جاکر ریاض کو سمجھائے
کچھ خفا ہیں وہ اپنی جان سے آج

کٹتے ہیں مصیبت کے کوئی چار پہر آج — یہ ہجر کی ہے رات نہ کل ہے نہ سحر آج
آباد کریں بادہ کش اللہ کا گھر آج — دن جمعے کا ہی بند ہے میخانے کے در آج
محشر ہے سمجھ داورِ محشر کو ادھر آج — انصاف کا دن ہے ارے اللہ سے ڈر آج

صیاد بہار آئی ہے گلزار میں شاید — اُڑتے ہیں ہوا میں مرے ٹوٹے ہوئے پر آج
سوتے ہیں وہ پہلو میں مرے بام پر اپنے — آغوش دعا میں ہے سر عرش اثر آج
میخانہ ہمارا کوئی مسجد تو نہیں ہے — تسبیح لئے کون بزرگ آئے ادھر آج
پیش آئی ہو یارب نہ چمن میں کوئی اُفتاد — آئی ہے قفس میں کوئی اُڑتی سی خبر آج
میری یہ شب وصل ہے شرمائیں گے گیسو — بل کھائیگی اتنے تری نازک سی کمر آج
ہے موسم گل ٹوٹتے ہیں زخموں کے ٹانکے — صیاد کئی بار کھلے زخم جگر آج
میں تھا وہ نہ تھا غیر جسے دھوکے میں دیکھا — کھوئی گئی کیا بزم میں دزدیدہ نظر آج
میخانے میں اچھلے گی ضرور آنے سے تیرے — تو آئیگا تو جائیگی واعظ ترے سر آج
جاتے ہیں یہ کہتے نگہ ناز کے مارے — آجاؤ دکھاویں تمہیں حسرت کی نظر آج

کچھ آج سوا پی ہے جو کھلتی نہیں آنکھیں
کیا ہے کہ ریاضؔ آپ اُٹھاتے نہیں سر آج

وحشی زار ہوں زنجیر نہ کھینچ — یا مصوّر مری تصویر نہ کھینچ
تن بیجان میں ابھی جان سی ہے — میرے سینے سے ذرا تیر نہ کھینچ
وصل کی شب نہ بنے گی شب ہجر — بے اثر نالۂ شبگیر نہ کھینچ
آستیں کا ہے چڑھانا کافی — نازنیں ہاتھ سے شمشیر نہ کھینچ
ٹکڑے ہو جائیگی اے دست جنوں — تو مرے پاؤں سے زنجیر نہ کھینچ
کھینچ نخچیر کی صورت مانی — حسرت دیدۂ نخچیر نہ کھینچ
عرش ہل جائے نہ اے دستِ دعا — اس طرح دامنِ تاثیر نہ کھینچ
جان ہی میری نکل جائے گی — دل کو اے زلف گرہ گیر نہ کھینچ
نہ کر اس سوختہ جاں پر غصّہ — تو زبان شمع کی گلگیر نہ کھینچ

جامہ سب میرؔ کا پہنے ہیں ریاضؔ
قبر سے تو کفنِ میرؔ نہ کھینچ

جفا میں نام نکالو نہ آسمان کی طرح ‏ کھلیں گی لاکھ زبانیں مری زبان کی طرح

فریب اثر کو کوئی دے مری فغاں کی طرح ‏ تراشتی ہے یہ فقرے تری زباں کی طرح

یہ کس کی سایۂ دیوار نے مجھے پیسا ‏ یہ کون ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں کی طرح

ضرور ڈھائیں گے آفت کچھ اُن کے ناوک ناز ‏ چڑھے ہیں گوشہ ابرو کڑی کماں کی طرح

رہِ حیات کٹی اس طرح کہ اُٹھ اُٹھ کر ‏ میں بیٹھ بیٹھ گیا گردِ کارواں کی طرح

برنگ طائرِ بو میں ہوں غنچہ و گل میں ‏ مرے قفس کی طرح میرے آشیاں کی طرح

نہ تیرے در سے ہٹے تیری ٹھوکریں کھا کر ‏ وہیں جمے رہے ہم سنگِ آستاں کی طرح

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اس قدر باقی ‏ کبھی جو آئے تو دو دن کو میہماں کی طرح

گیا چمن کو تو جھک کر بہت ملیں شاخیں ‏ لیا گلوں نے مجھے میرے آشیاں کی طرح

بلا ہے یہ کوئی تھوڑا نہ جانے پیکاں کو ‏ لہو پیے گا ہمارا غمِ نہاں کی طرح

ذرا سی جان کو لاکھوں طرح کے کھٹکے ہیں ‏ چمن نہ لائے کہیں رنگِ آسماں کی طرح

میں آؤں آپ کے گھر کیا مجھے ڈراتے ہیں ‏ عدو کے نقش قدم چشم پاسباں کی طرح

شریک درد تو کیا باعث اذیت ہیں ‏ وہ لوگ جن سے تعلق تھا جسم و جاں کی طرح

تمہیں بھی دیگی مزا کچھ مری مصیبت عشق ‏ کہیں کہیں سے سُنو اس کو داستاں کی طرح

رہے کبھی نہ الٰہی مرا قفس خالی ‏ کہ مجھکو چین ملا اس میں آشیاں کی طرح

مجھے شباب نے مارا بلائے جاں ہو کر
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

قفس میں لوٹ لئی کوں سے مزے میں نے
دکھائے آنکھ نہ صیاد باغباں کی طرح

کسی کو چین نہ قاتل کی شوخیوں سے ملا
مرے ہوئے بھی تڑپتے ہیں نیم جاں کی طرح

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی
ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

جو اپنے گھر کوئی آلے تو کون دے تکلیف
ستائے کون وہ بیٹھے ہیں میہماں کی طرح

ریاضؔ موت ہے اس شرط سے ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

روز غم کچھ اور ہی ہے رنگ آتشبار صبح
ہر کرن سورج کی ہے برق سر کہسار صبح

دن کٹے گا کس طرح اتنا ابھی سے بار صبح
غم کے بادل لے کے سر پر آرہا کہسار صبح

رات باقی ہے ابھی کیونکر کروں اقرار صبح
تیرے صدقے دن بھی نکلے تو کروں انکار صبح

وقت سے پہلے نظر آنے لگے آثار صبح
مے چھلک کر جام ساقی سے بنی انوار صبح

صبح ہوتے گھر چلے دیکر مجھے آزار صبح
دوپہر سے پہلے پہلے ختم سے بیمار صبح

وہ گئے تو یہ گئے ایسے بھی کیا ہوش و حواس
آشنائے شب جو تھے اب وہ نہیں ہیں یار صبح

کیا بلا ہے شام غم جب دیکھئے موجود ہے
روز آتی ہے مرے گھر پھاند کر دیوار صبح

دن ہے اُن کے وصل کا آیا جو بن کر روز عید
کہہ رہے ہیں آج تو کچھ اور ہی آثار صبح

وصل کی راتیں تو اچھی لیکن اتنا عیب ہے
ساتھ اپنے کیوں لگا لاتی ہیں وہ آزار صبح

کھوئیں دولت کیوں سحر کی سونے والے ہاتھ سے
زرفشاں یکساں ہے سب پر دامن زرتار صبح

وصل کی شب بھی کسی پہلو نہیں آتا ہے چین
شام سے دل میں کھٹکتا ہی ہمارے خار صبح

جانے والے کہہ گئے ہیں شام کو آئیں گے ہم
یاد رہنے کا نہیں ہے شام تک اقرار صبح

صبح ہونے بھی نہ پائی آگئی ہم کو اجل ہجر کی شب لے چلے ہم حسرت دیدار صبح

وصل کے دن کی سحر بھی کیا کوئی معشوق ہے آفتاب صبح ہے یا شعلہ رخسار صبح

خندہ دندان نما شب کو تمہارا یاد ہے میں یہی سمجھا نمایاں ہو گئے آثار صبح

صبح غم پر میں ترس کھاؤں یہ ہو سکتا نہیں اے شفق تو کیوں بنی ہے زخم دامن دار صبح

قلقل مینا۔ صدا ناقوس کی۔ شور اذاں ٹھنڈے ٹھنڈے دیدنی ہے گرمی بازار صبح

وصل کے دن اُن کے گھر سے اُن کو لائی ہے یہی چوم کر رخسار اُن کے چوم لوں رخسار صبح

وصل کی شب پر ترس آیا نہ گردوں کو ریاضؔ
ایسی اچھی رات کو بھی دے دیا آزار صبح

مجھسے بڑھ کر ہے دل مرا گستاخ　　نظر اس سے بھی کچھ سوا گستاخ
آنکھ میں آنکھ ڈالے منہ چڑھ کر　　ہے یہ آئینہ کس قدر گستاخ
پہلے سے اور رنگ صحبت ہے　　شوخ تھی اب ہی ہر ادا گستاخ
بوسہ سوتے میں لے لیا تھا کبھی　　نام میرا ہے نا سزا گستاخ
آج تو پی دکھا کے واعظ کو　　میں کبھی اس قدر نہ تھا گستاخ
سر چڑھا کوئی منہ چڑھا کوئی　　شانہ گستاخ آئینہ گستاخ
چھیڑیں دونوں کی ہلکے آنچل سے　　شوخ کچھ آپ کچھ صبا گستاخ
اُن کے تلووں سے کیوں لگی ہے آج　　کچھ لگا آئی یہ حنا گستاخ
ہاتھ دستار پر رہے واعظ　　کہ ہے میخانے کی ہوا گستاخ
اک حماقت کے ساتھ اُدھر واعظ
اس طرف اک ریاض یا گستاخ[1]

کی توبہ تو مجھ پر ہوئی یہ کالی بلا سُرخ　　دیکھی ہی نہ تھی بادہ کشو میں نے گھٹا سُرخ
عکس مے گلگوں سے نہ ہو جائے گھٹا سُرخ　　سبزے میں نظر آئیگی مے ہوش رُبا سُرخ
کس درجہ کفِ پا ہی لئے رنگ حنا سُرخ　　بے ذبح کئے ہاتھ میں ہے تیغ جفا سُرخ

[1] گستاخ مرحوم رام پوری۔

تربت کے لئے لائی ہے چُن چُن کے چمن سے — آئی ہے تو پھولوں سے ہی داماں صبا سُرخ
لال آندھی جب اُٹھتی ہے تو اُٹھتی ہے یہیں سے — مقتل کی زمیں سُرخ ہے مقتل کی ہوا سُرخ
پھیکا نہ کہیں حشر میں خونِ شہدا ہو — وہ آئے ہیں پہنے ہوئے محشر میں قبا سُرخ
انگشت نما ظاہر و باطن کا ہوا فرق — کیوں برگِ حنا سبز ہیں کیوں رنگِ حنا سُرخ
کچھ رنگ ترا حشر میں ہے حد سے سوا زرد — کچھ حد سے سوا آج ہے خونِ شہدا سُرخ
کچھ آنسوؤں میں خون مرے دل کا ملا ہے — آنکھوں سے مری آتے ہیں اب اشک ذرا سُرخ
بہنے کی طرح خون شہیدوں کا بہا ہے — آئیگا نظر بعد فنا بحر فنا سُرخ
لاتی ہے بہت رنگ نقاب اُن کی دمِ قہر — ہو جاتی ہے چہرے سے بھی کمبخت سوا سُرخ
برسانے کو پانی کے عوض آگ وہ برسائے — مجھ پر مری توبہ سے نہ اتنی ہو گھٹا سُرخ
مے جان کے پی جائیں گے میخوار دمِ نزاع — کڑوی ہو سوا زہر سے لیکن ہو دوا سُرخ

پیری میں ریاضؔ اب بھی جوانی کے مزے ہیں
یہ ریش سفید اور مے ہوش ربا سُرخ

بھول جائیں گے خدائی کا مزا میرے بعد — یاد آئیگا بتوں کو بھی خدا میرے بعد
کام آئی ہے مرے۔ میری دعا میرے بعد — سب جفا پیشہ بنے اہلِ وفا میرے بعد
نہ رہے شوخ حسینوں کے وہ دل ہی نہ رہے — کہ وفا کیا نہ رہی یاد وفا میرے بعد
مفتیٔ شرع کو پینے میں تکلف نہ رہا — ہوئی پانی یہ مے ہوش ربا میرے بعد
نہ رہا میں تو بہی حشر پر اس کوچے میں — کہ جنازے کی طرح حشر اٹھا میرے بعد
آشیانے ہیں قفس خانہ صیاد چمن — ہوگئی اور زمانے کی ہوا میرے بعد
گزرے کتنے ہی جم و خسرو و پرویز کے دور — کبھی خالی نہ رہا جام مرا میرے بعد
کون پہلو میں جگہ چیر کے پہلو دیگا — قید گیسو سے چھٹا دل تو چھٹا میرے بعد
آئے ہیں مہندی لگائے وہ مری ماتم میں — رنگ لائی ہے قیامت کا حنا میرے بعد
نہ وہ عشوہ نہ کرشمہ نہ وہ غمزہ نہ وہ ناز — نہ وہ قاتل ہے نہ قاتل کی ادا میرے بعد
ارے صیاد نہ تھا میں تو قفس تھا میرا — جھانکنے کو کبھی آئی نہ صبا میرے بعد
خاک برسی اگر آیا جو کبھی ابرِ بہار — کیا سے کیا ہو گئی گلشن کی ہوا میرے بعد
اب کہاں نقش کفِ پائے حنائی کے چراغ — میرے گھر آئے حسینوں کی بلا میرے بعد
موج مے لاکھ بنے موجِ تبسم ساقی — نہ رہا ہائے کسی شئے میں مزا میرے بعد
بنتی جنت نہ مرے واسطے تربت میری — میرے کام آئی حسینوں کی دعا میرے بعد

سوکھے کانٹے مری صحرا کے ہری ہو جاتے　　آنکلتا جو کوئی آبلہ پا میرے بعد

خدمت شمع فروزی مرے دم تک تھی ریاض
کیسی تاریک ہے بزم شعرا میرے بعد

کہہ اٹھے چپ ہو کیوں وصال کے بعد　　خود ہی شرمائے اس سوال کے بعد
آنکھ بھر کر چمن کو دیکھ تو لوں　　کہ قفس دیکھنا ہے جال کے بعد
اے جوانی نہ جا بہار کے ساتھ　　وہ تو آئے گی ایک سال کے بعد
میرے گھر سے نہ جاؤ غیر کے گھر　　وہ خوشی کیا جو ہو ملال کے بعد
اے میں قربان شان رحمت کے　　ہوئی پرسش نہ انفعال کے بعد
مے کا پینا خدا معاف کرے　　عید آئی ہے ایک سال کے بعد
چال مشہور ہے قیامت کی　　نہ چھی وہ بھی تیری چال کے بعد
تیرے صدقے مزے کی چیزوں میں　　خواب بھی ہے ترے خیال کے بعد
جو کبھی ہے خوشی کے بعد ملال　　تو کبھی ہے خوشی ملال کے بعد
داغ کے بعد رہ گئے تھے جلال　　نہ رہا کوئی بھی جلال کے بعد

اب جوانی کو رو رہے ہیں ریاض
قدر نعمت ہوئی　زوال کے بعد

مجکو نہ دل پسند نہ دل کی یہ خو پسند　　پہلو سے میرے جائے دل آرزو پسند
تجکو عدو پسند ہے وضع عدو پسند　　مجکو ادا پسند تری مجکو تو پسند
روز ازل سے تھے ڈھیر ہزاروں لگے ہوئے　　چپکے سے چھانٹ لائے دل آرزو پسند
تم نے تو آستیں کے سوا ہاتھ بھی رنگے　　آیا شہید ناز کو اتنا لہو پسند

اے دل تری جگہ شکن زلف میں نہیں
خوبو تری پسند نہ کافر کو تو پسند

پہنچا جو میں تو دھوم مچی بزم یار میں
آئے ہیں آج ایک بڑے آرزو پسند

مسجد میں ظرف آب نہ تھا کوئی لے چلے
آیا جو میکدے میں اچھوتا سبو پسند

جنت کی حور جیسے کوئی میری قبر پر
اے شمع اس طرح مجھے آئی ہے تو پسند

آتا پسند کاش کچھ ان کا کلام بھی
بزم سخن میں آئے کئی خوش گلو پسند

ہو عکس آئینے میں ترا یا ہو کوئی اور
آیا ہے اک حسین ترے روبرو پسند

دن میں شباب کے وہ بھرے ہیں شباب میں
مسکی ہوئی قبا میں نہیں ہے رفو پسند

میرا مذاق اور ہے مجکو تو اے کلیم
پردے کے ساتھ دور سے ہی گفتگو پسند

مے کا نہ میکدے کا نہیں کچھ رہیگا ہوش
آئے خدا کرے نہ کوئی خوب رو پسند

کس طرح اُس نے رو کے ملایا ہے خاک میں
آیا نہ آنکھ کو بھی ہمارا لہو پسند

کچھ شوق ہے تو اہل خرابات سے ملو
اے صوفیو نہیں یہ ہمیں ہائے ہو پسند

آئیگا میکشو بطِ مے کا شکار یاد
جنت میں آگئی جو کوئی آبجو پسند

سو بار سر سے شیخ کے ٹکرا چکے سبو جسے
ہم کو تو میکدے میں وہی ہے سبو پسند

جب پی لگا کے منہ دم افطار رند نے
بوتل کے منہ کی آئی فرشتوں کو بُو پسند

ہو جاؤں میں بھی گم کہیں تیری تلاش میں
تیری طرح مجھے ہے تری جستجو پسند

یہ کون ہیں ریاضؔ ہیں رسوائے کوئے یار
آئے ہیں آج بن کے بڑے آبرو پسند

ہنس کے پیمانہ دیا ظالم نے ترسانے کے بعد
آج نازک ہے لبِ ساقی مرے ہمانے کے بعد

خمکدوں میں کچھ نہ ہوگا ایک پیمانے کے بعد
رہ نہیں سکتی کبھی مے لب تک آجانے کے بعد

میں ہوں ساقی ہے شب خلوت ہے دورِ جام ہے　　بوسہ پر بوسہ ہے پیمانہ ہے پیمانے کے بعد
وقت ہی ایسا تھا رخصت ہو گئی اُن کی حیا　　بات ہی ایسی تھی کُھل کھیلے وہ شرمانے کے بعد
چھیڑتے ہیں یا کے موقع اُن کے اُترے ہار بھی　　بنتے ہیں کیوں دل ہمارا پھول مُرجھانے کے بعد
حُسن ہو یا عشق ہوتی ہے بری دل کی لگی　　جل بجھی رو رو کے آخر شمع پروانے کے بعد
کہہ کے میں دل کی کہانی کس قدر کھویا گیا　　ہیں فسانوں پر فسانے میرے افسانے کے بعد
بیخودی گم گشتگی سکر و تحیر محویت　　کچھ مقامات اور بھی پڑتے ہیں میخانے کے بعد
دور تک شہرت ہے اس کی طور کہتے ہیں جسے　　بے چراغ اک جلوہ گہ ہے میرے ویرانے کے بعد
کوئی ہیرے کی کنی سے کم نہ تھا ہنگام ضبط　　کچھ ہمیں پینا پڑے آنسو بھی غم کھانے کے بعد
عشق کی تاریخ دہرائی زمانے نے ضرور　　نام پایا قیس نے بھی تیرے دیوانے کے بعد
شور ہے رہنا قیامت سے بہت ہی ہوشیار　　اُن کے کوچے سے اٹھی ہے ٹھوکریں کھانے کے بعد

طبع ہو بھی تو کہیں دیوان میرا لائے ریاضؔ
دیکھنے کی چیز ہوگا یہ صنمخانے کے بعد

ہو بھی کچھ تو ہے بہت بیجا گھمنڈ | چار دن کی زندگی پر کیا گھمنڈ
خاک میں چھپنا ہے تو کیسا غرور | خاک میں ملنا ہے تو کیسا گھمنڈ
بے تکلف روندتے پھرتے ہیں دل | ہائے رے حسن جوانی کا گھمنڈ
عجز سے بڑھکر نہیں ہے کوئی چیز | کیسی نخوت کبر کیسا کیا گھمنڈ
حُسن ہی اللہ نے ایسا دیا | تجکو زیبا سب کو نا زیبا گھمنڈ
ہاتھ بھی ان کو لگا سکتے نہیں | ہے نزاکت پر انہیں کتنا گھمنڈ
ایک فقرے میں وہ میرے ہو رہے | بات کہتے اس طرح ٹوٹا گھمنڈ
پیچ و تاب دل کبھی دیکھا نہیں | پیچ و خم پر زلف یار اتنا گھمنڈ

کوئی گویا آپ کا ثانی نہیں
اے ریاض اتنا غرور اتنا گھمنڈ

لے گیا گھر سے انہیں غیر کے گھر کا تعویذ
ہم نے دیکھا نہ سنا ایسے اثر کا تعویذ

دے کے بو زلف کی رکھ لو نہ محرم دل کو
خواب میں پھر نہ ڈرو گے یہ ہی ڈر کا تعویذ

صدقے تیرے مجھے تسکین سی تسکین ہوئی
خط ترا تھا کہ مرے درد جگر کا تعویذ

ہو مبارک تجھے آنکھوں میں سمانا دن رات
زیب بازو رہے ہر وقت نظر کا تعویذ

رہ گیا غیر کے گھر جائیے بھی لائیے بھی
آپ کے سر کی قسم آپ کے سر کا تعویذ

باندھ لے بہر خدا اپنے بھرے بازو پر
نظر بد سے بچائے گا نظر کا تعویذ

گھر گئے اپنے بنا کر وہ ہمیں راہ عدم
وصل کی شب کی نشانی ہے کمر کا تعویذ

ہاتھ بھی آئیں تو ہے ہاتھ لگانا مشکل
سر بازو ہے بندھا خاص اثر کا تعویذ

ڈر ہے اُن کے بھرے بازو کئی کاغذ اُترے
ہاتھ تھا یا تھا شب وصل کمر کا تعویذ

دل ہے اب یار کے آغوش میں دن رات ریاض
یہ تو مر چڑھ کے بنا یار کے سر کا تعویذ

ڈالے نظر تمہاری بلا لالہ زار پر — تم بجلیاں گراؤ دلِ داغدار پر
صیاد گھات میں ہے تُلا ہے شکار پر — آنکھوں میں کیوں کھٹکتے ہیں بلبل کے چار پر
بنتِ عنب کے عقد میں کچھ دیر ہے ابھی — تقریب اُٹھ رہی ہے یہ فصلِ بہار پر
اُٹھ کر پہنچ تو جائے لحد سے یہ تا فلک — آنکھ آسماں کی ہے ہمارے غبار پر
اتنا قفس سے تیز گیا میں سوئے چمن — جیسے لگا دیئے ہوں کسی نے ہزار پر
عمامہ و عبا و قبا سب ہیں رہن مے — اب دے کوئی اُدھار تو کس اعتبار پر
مشکل ہماری نزع میں آسان ہو گئی — وہ کہہ گئے ہم آئیں گے تیرے مزار پر
اُودی گھٹائیں بادۂ گلرنگ سبزہ زار — پریوں کے ناچ کا ہے مزا کوہسار پر
مہندی لگا کے ہاتھ میں بیٹھوں شبِ وصال — یہ بھی کوئی ادا ہے کہ جھنجھلائے پیار پر
ملنا مقامِ قیس کا مشکل تھا اے جنوں — برسوں چلے ہیں دشت میں ہم نوکِ خار پر
بیکس سی رات دن مرے گھر میں پڑی رہی — آیا نہ تم کو رحم شبِ انتظار پر
دامن میں پھول لیکے چلے تھے عدو کے گھر — حسرت پکار اٹھی کہ ہمارے مزار پر

سہرا جنوں کا باندھنے والے تھے ہم ریاضؔ
یہ رسم اُٹھ رہی مگر اب کی بہار پر

گنبد مدفن ہے یا ہی آسماں بلائے سر — یہ مکیں رکھتے ہیں سب اپنے مکاں بالائے سر

یوں لیئے ہوں حشر میں بارگراں بالائے سر
دوش پر خم ہے گنہ کی گٹھریاں بالائے سر

چھوٹی سی کشتی بنا ہے آسماں بالائے سر
سیل اشک اسطرح چشم خوں فشاں بالائے سر

زیر مسجد میکدہ۔ میں میکدے میں مست خواب
چونک اٹھا جب دی موذن نے اذاں بالائے سر

ہم ہیں سوئے سایۂ گل میں نہیں اتنا خیال
اے عنادل اس طرح شور فغاں بالائے سر

نخل گل کی طرح دیوانوں سے بھی مانوس ہیں
لیتے ہیں بلبل جگہ اے باغباں بالائے سر

یہ نرالی تیری خلقت شمع اس پہ حسن بھی
ہم نے دیکھی ایک تیری ہی زباں بالائے سر

خوش کیا یوں باغ میں لاکر مجھے صیاد نے
شاخ کے نیچے قفس ہے آشیاں بالائے سر

بیچتے پھرتے ہیں مے ہم اس طرح رسنے لگی
جائے خم چھوٹی سی ہی مے کی دکاں بالائے سر

رحم کر مالک کہ ہیں وہ دو فرشتے بھی لدے
اور پھر عصیاں کا بھی بارگراں بالائے سر

پیچھے کارواں کے ہم تھکے ماندے ہیں یوں
پاؤں میں چھالے ہیں گرد کارواں بالائے سر

پاؤں کے نیچے سے نکلی جاتی ہے یارب زمیں
کھائے ہے ہیں چکر اتنے آسماں بالائے سر

میں وہ ہوں محشر کے پیاسوں کو پلاؤں تو سہی
حوض کوثر ہوگا اے پیر مغاں بالائے سر

آتش رنگِ حنا د زلف پیچاں دیکھیئے
آگ تلووں میں لگی نکلا دھواں بالائے سر

لینے جاتا ہی حرم سے کیا کہیں تم کو رضا
طاق پر رکھی ہے بوتل مہرباں بالائے سر

فریاد جنوں اور ہی بلبل کی فغاں اور
صحرا کی زباں اور ہی گلشن کی زباں اور

کٹ جائے زباں تیری تو ہو گرم زباں اور
اللہ نے دی ہے تجھے ای شمع زباں اور

جنت بھی ہے دوزخ بھی ہی سینے میں ہمارے
یہ داغ نہاں اور ہے یہ سوز نہاں اور

ہو جائے سیچ۔ افلاس میں سنتا ہوں رہیگا
دو چار مہینے ابھی ماہ رمضاں اور

آغاز محبت میں یہ دل خون ہوا ہے / روئینگے ابھی دیدۂ خوں نابہ فشاں اور

دنیا میں اب ایسا قدر انداز نہیں ہے / ہوتے ہی ہدف دل کے چڑھی ان کی کماں اور

جو پیتے ہیں پیتے ہیں نہیں وہ بھی رمضان میں / سنتا ہوں کوئی بند ہوئی مے کی دکاں اور

اچھا ہے رہیں جا کے الگ دونوں جہاں سے / عشاق کے رہنے کو بنے ایک جہاں اور

پینے کا مزا جب ہے کہ منہ خم سے لگا ہو / مجھ رند سے ساقی یہ کہے جائے کہاں اور

نکلا ہے مرا نام کہ بے نام و نشاں ہوں / مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بے نام و نشاں اور

سنتا ہوں مسلمانوں میں اب مانگ بہت ہے / ڈرتا ہوں مے ناب نہ ہو جائے گراں اور

پہنچے در و دیوار کو نقصاں تو کیا غم / رونے کے لئے لینگے کرایہ کا مکاں اور

تیز آتش سیال ہے پہلے سے زیادہ / اب آگ لگائے نہ ذرا پیر مغاں اور

دی ہم نے جگہ دل کو بھی آنکھوں کی برابر / آنکھوں میں سمانے نہیں وہ ہو کے جواں اور

مرنے کا ریاض اپنے ذرا نام نہ لینا
جینا ابھی مر مر کے تجھے ہے مری جاں اور

پردے پردے میں یہ کر لیتی ہیں راہیں کیونکر / پار ہو جاتی ہیں سینے کی نگاہیں کیونکر

دل میں آنے کی نکل آتی ہیں راہیں کیونکر / اوپر اٹھ جاتی ہیں وہ نیچی نگاہیں کیونکر

کر لیا کرتے تھے دل کھول کے آہیں کیونکر / اب یہ رونا ہے کراہیں تو کراہیں کیونکر

گدگدانے نہیں آتی ہیں سر بام تمہیں / عرش پر کھیلتی ہیں جا کے یہ آہیں کیونکر

نکلیں گھونگھٹ میں یہ مژگاں کے جو نکلیں بھی کبھی / شوخ ہو جاتی ہیں شرمیلی نگاہیں کیونکر

تو بھی جانے کہ ملا چاہنے والا تجھکو / تو بتا دے ترے صدقے تجھے چاہیں کیونکر

کیا خبر ہے تجھے او چین سے سونے والے / کہ دم سرد بنا کرتی ہے آہیں کیونکر

توڑ و الو وہ لبِ بام ہیں آنے والے | دیکھیں لڑتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں کیونکر
شوق اِدھر شرم اُدھر بات نئی رات نئی | دیکھیں ملتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں کیونکر
یہ اُمنگیں یہ ترنگیں یہ جوانی یہ شباب | توبہ کر کے یہ بتاؤ کہ نباہیں کیونکر
شرم کے پتلے کو آجاتی ہے کیونکر شوخی | بجلیاں بنتی ہیں شرمیلی نگاہیں کیونکر

ہم ریاضؔ اوروں سے خوددار سوا ہیں لیکن
رہ کے معشوقوں میں ہم وضع نباہیں کیونکر

بام سے پوچھتے ہو تم کو بتائیں کیونکر | چاند سے چہرے کی لیتے ہیں بلائیں کیونکر
یونہی ہو جائیگا نشہ ہمیں پینے والے | ہم تو پیتے نہیں ہم تجکو پلائیں کیونکر
وصل کو ہجر نزاکت نے بنا رکھا ہے | ایسے نازک کو شبِ وصل ستائیں کیونکر
آئینہ سامنے آتا ہے تو شرماتے ہیں | شرم کے پتلے ہیں وہ سامنے آئیں کیونکر
داغ کی طرح دکھانے کی تو یہ چیز نہیں | درد کو پوچھتے ہیں ان کو بتائیں کیونکر
سایۂ زلف چلا بن کے پری کا سایہ | دیکھنا یہ تھا کہ آتی ہیں بلائیں کیونکر
غیر کی جان پر اے جان ذرا بن جاتی | دیکھتے ہم بھی کہ ہوتی ہیں جفائیں کیونکر
شرم جاتی بھی نہیں شمع ہٹاتی بھی نہیں | ہم لگی دل کی شبِ وصل بجھائیں کیونکر
بوسے یہ کہہ کے شبِ وصل لیے ہیں میں نے | گنی جاتی ہیں مری آج خطائیں کیونکر
بڑھتی جاتی ہے بہت اہلِ جنوں کی تعداد | کوئی روکے یہ جنوں خیز ہوائیں کیونکر
حشر آشوب وہ ہنگامے زمانے میں نہیں | سوتے فتنے ترے کوچے کے جگائیں کیونکر
چھیڑتی ہے شکنِ زلف شبِ وصل ہمیں | لیں سنوارے ہوئے گیسو کی بلائیں کیونکر
موج بو بھی نہیں گیسو کی سہارے کو ریاضؔ | ضعف سا ضعف ہے ہم آپ میں آئیں کیونکر

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر
گری تھی آج تو بجلی ہمیں پر — یہ کہیے جھک پڑے وہ ہمنشیں پر
لہو بیکس کا مقتل کی زمیں پر — نہ دامن پر نہ اُن کے آستیں پر
بلائیں بن کے وہ آئیں ہمیں پر — دعائیں جو گئیں عرش بریں پر
یہ قسمت داغ جس میں درد جس میں — وہ دل ہو لوٹ دستِ نازنیں پر
رُلا کر مجکو پونچھے اشک دشمن — رہا دھبا یہ اُن کی آستیں پر
اُڑائے پھرتی ہے ان کو جوانی — قدم پڑتا نہیں ان کا زمیں پر
ارے او چرخ دینے کے لئے داغ — بہت ہیں چاند کے ٹکڑے زمیں پر
نزاکت کوستی ہے مجکو کیا کیا — طبیعت آئی اچھی نازنیں پر
تمنائے اثر او چشم حسرت — اُٹھا رکھ اب نگاہِ واپسیں پر
دھری رہجائے گی یونہی شبِ وصل — نہیں لب پر شکن ان کی جبیں پر
خدا جانے دکھائیگی یہ کیا رنگ — دعائیں جمع ہیں عرش بریں پر
نگاہِ شوق گرم اتنی کہ بجلی — نہ آنچ آئے کہیں اس نازنیں پر
مجھے ہی خون کا دعویٰ تجھے ہے — اِنہیں پر داورِ محشر انہیں پر

ریاض اچھے مسلماں آپ بھی ہیں
کہ دل آیا بھی تو کافر حسیں پر

رہے ہم آشیاں میں بھی تو برقِ آشیاں ہو کر — لگا دی آگ اپنے گھر میں گرم فغاں ہو کر
نہ اپنے غمزدوں کو خوش کرو اب مہرباں ہو کر — بنو تم خوش رہو ہم کیا کریں گے شادماں ہو کر
کھلے غنچے نہ بو پھوٹی نہ شاخ گل پھلی پھولی — قفس میں جب سی ہم آئے بہار آئی خزاں ہو کر

چلے ہو گلُ بداماں کچھ تو کہتے جاؤ اُن سے بھی
کہ تم سی کہہ رہے ہیں کچھ عنادل ہم زباں ہو کر

جواں ہونے نہ پائے تھے کہ دل آیا حسینوں پر
اجل یہ کہتی آئی کیا کروگے تم جواں ہو کر

ہوئے پست ایسے اُن کی خاک بھی اُڑتے نہیں دیکھی
رہے رہنے کو کتنے اس زمیں پر آسماں ہو کر

جو کُھلکر وار موسیٰ پر تو ہم پر چوٹ پردے میں
وہی جلوہ عیاں ہو کر وہی جلوہ نہاں ہو کر

قیامت اُن کی چھیڑیں ہیں مرے بیتاب کرنے کو
جو ناوک آرہے چٹکی سے تو اُن کی چٹکیاں ہو کر

ملایا خاک ہو کر حسرتوں کو اپنی مٹی میں
چھپایا کارواں کو ہم نے گردِ کارواں ہو کر

کبھی تقریرِ ساقی میں جو لغزش اس نے پائی ہے
تو موجِ مے نے ہم سے گفتگو کی ہے زباں ہو کر

یہ رنگیں نعرۂ مستانہ کس کے ہیں ارے زاہد
صدا ناقوس کی دے دی کہیں گونجی اذاں ہو کر

ترے کوچے میں پیا ہی اسی نے ہم غریبوں کو
گرا ہے سایۂ دیوار ہم پر آسماں ہو کر

کسی محرم سنبھالیگی نہ ڈھلکے ہوئے آنچل
رہیں گے وہ نہ قابو میں کسی کے بھی جواں ہو کر

دکن میں کیا وزیرِ فوج نے مہماں نوازی کی
جنابِ شادؔ[۱] کے در سے پھرے ہم شادماں ہو کر

ریاضؔ اس وضع سے پہنچے کہ بولے میکدے والے
بزرگِ خضر صورت آئے جنت میں جواں ہو کر

بالائے بامِ غیر ہے میں آستاں پر
چاہیں جسے چڑھائیں حضور آسمان پر

کیوں نامراد آہ گئی آسمان پر
ٹوٹے نہ آسماں کہیں میری جان پر

رسوائیاں ہیں ساتھ وہ چھپکر ہزار جان
سو سو کے سر جُھکے ہیں قدم کی نشان پر

آنا اُسے ضرور گو ہو لاکھ اہتمام
عاشق ہے ان کی نیند مری داستان پر

تھا رازدارِ حسن وہ کافر جو کہہ گیا
معشوقِ دل کی بات نہ لائیں زبان پر

---

[۱] حضور مہاراجہ کشن پرشاد بہادر بالقابہ حال وزیرِ اعظم دکن۔

ان کی گلی میں رات میں اس وضع سی گیا
گھبرا کے پاسبان گری پاسبان پر

نازک سی تیغ یار کی کیا زہر کی بجھی
کھائے ہوئے ہے زہر مرے امتحان پر

بنتے ہیں شوخیوں سے وہ سورج بھی چاند بھی
نقش قدم بھی آپ کے ہیں آسمان پر

خلوت میں بھی چلی ہیں کہیں سینہ زوریاں
اس طرح آپ تن کے اُٹھے کس گمان پر

ذکر مے طہور نے تڑپا دیا ریاض
جانا پڑا ہمیں کسی اونچی دکان پر

ترے پائے حنائی آئے جب سبزے کے دامن پر
کھل اُٹھے پھول سبزہ لہلہایا میرے مدفن پر

نہ تیری آستیں پر چھینٹ آئیگی نہ دامن پر
رہیگا میرے قاتل خون میرا تیری گردن پر

قفس سے ہم بھی جا رہتے ذرا شاخ نشیمن پر
کہ جوش لالہ و گل سے بہار آئی ہے جوبن پر

لہو کا داغ لیگی پارسائی اپنے دامن پر
چھری میری چلیگی اے بط مے تیری گردن پر

چمن سے اُڑ کے برگ گل قفس پر چھائے جاتے ہیں
مرے ٹوٹے ہوئے پر چھائے رہتے ہیں نشیمن پر

بھرے تھے کچھ وہ نرگس سے مگر آتے ہی گلشن میں
جو منہ آئے تو غنچوں پر زباں کھولی تو سوسن پر

جو میری تاک میں تو ہے اُڑیں گے تجھ سے تنکے بھی
ارے صیاد ابھی کیا ہے نکالے گا نشیمن پر

یہ خون بے گنہ ہے ہاتھ کی منہدی نہیں ظالم
رہیگا تیرے دامن پر رہیگا تیری گردن پر

بتو ہو بدگمان حسن سے۔ حرم کے کچھ موذن ہیں
یہ آوازے نہیں کستے ہیں ناقوس برہمن پر

کچھ ایسے سادہ دل ہم ہیں ہمیشہ دھوکا کھاتے ہیں
گماں رہبر کا ہوتا ہے ہمیشہ ہم کو رہزن پر

سیے جاتے ہیں زخم دل کہ ڈورے ڈالے جاتے ہیں
ارے او بخیہ گر میری نظر ہے چشم سوزن پر

لگی ہے آگ سی یارب۔ بھڑکتی ہے نہ بجھتی ہے
چمک تو دل میں ہے لیکن نظر ہے دشت ایمن پر

بہار ایسی کبھی آئی نہ تھی اے باغباں پہلے
مٹے ہیں آجکل صیاد و گلچیں میرے گلشن پر

سبک مجھے وہ کر کے ان کی تیغ کتنی صاف نکلی ہے
وہ ایسے ہیں لہو کی چھینٹ آنے دینگے دامن پر

نگاہیں اس سے ہٹتی ہیں نہ وہ نظروں سے ہٹتی ہے
پڑی ہے آنکھ میری آج کس نازک سی چلمن پر

کہاں کے شمع رو معشوق وبس جائیں تو ہیں آئیں
رہیں جھرمٹ حسینوں کے الٰہی میری مدفن پر

انہیں کا عکس میرے نامۂ اعمال پر ہوگا
نظر آتے ہیں جتنے داغ عصیاں میرے دامن پر

رہا کرتی ہے روشن تیرہ شب میں برق کی مشعل
یہ آ آ کر چمکتی ہے ہمیشہ میرے خرمن پر

بہار آئے نہ آئے اے ریاض اس ضعف پیری میں
نہ زور اپنا گریباں پر نہ اپنا زور دامن پر

خدا کرے رہے جاری پیام یار نثار
کہ تیرے بعد یہ ہے تیری یادگار نثار

کسی کی بھی نہیں سنتے ہیں آج یار نثار
ہزار کوئی پکارا کرے نثار نثار

چھلکتے جام ہیں حوریں ہیں باغ جنت ہے
اڑا رہے ہیں مزے کیا تہِ مزار نثار

دمِ اخیر کچھ اس طرح پھیر لیں آنکھیں
نہ تھے زمانے میں گویا کسی کے یار نثار

روا روی میں اُتارے نہ عکس بھی اُترا
ہوا کے گھوڑے پر آئے تھے کیا سوار نثار

یہ اس کی شان کریمی نثار کو بخشا
ہزار بار فدا ہیں ہزار بار نثار

بچھڑنے والو کبھی تم نہ چھوڑنا دامن
چلے ہیں لوٹنے فردوس کی بہار نثار

ابھی یہ پھوٹ کے روئے نہ لوں جو ضبط سے کام
بھری ہے مجھ سے بہت چشم اشکبار نثار

ریاض فاتحہ پڑھنے نہ تم گئے اب تک
تمہارے واسطے ہیں محوِ انتظار نثار

ہوئی ہے میری جوانی فدائے گورکھپور
لحد سے آئیگی آواز ہائے گورکھپور

یہاں کی موت بھی ہے زندگانیٔ جاوید
ہوائے باغ جناں ہے ہوائے گورکھپور

پرستش ان کی ہمارا تو دین و ایماں ہے
عجیب چیز ہیں اہلِ وفائے گورکھپور

اودھ کی شام بنارس کی صبح صدقے ہو
کہ اک جہاں سے جدا ہے ادائے گورکھپور

اٹھائے دور سے انگلی ہلال بھی سوِ بام
نظر پڑے جو کوئی مہ لقائے گورکھپور

پکارتی ہیں یہی دلفریبیاں اس کی
کہ آکے ہو جسے جانا نہ آئے گورکھپور

ہم اپنے خونِ تمنا سے سینچ آئے ہیں
حسیں لگائیں منگا کر حنائے گورکھپور

نہیں ضرور ہے ستار اسغون نہ سنول
غزل یہ گائے کوئی خوشنوائے گورکھپور

مزار سے شہدا کے یہ آرہی ہے صدا
فضائے باغ ارم ہے فضائے گورکھپور

نہ مٹ سکیں گے کبھی نقش بھولی باتوں کے
ہمارے دل میں بسی ہے ادائے گورکھپور

چمن بھی حور بھی حسن شباب بھی مے بھی
جسے بہشت میں جانا ہو آئے گورکھپور

گیا وصال کا دن آگئی وصال کی شب
مزے کی چیز ہے مہمانسرائے گورکھپور

ریاض تم نے کہی ہے اسی لئے یہ غزل
بُرا کہیں نہ تمہیں دلربائے گورکھپور

صیاد کہاں جائیں گے گلشن سے نکلکر
ہم موت کے منہ میں ہیں نشیمن سے نکلکر

فرہاد نہ جاتا ہو کہیں قیس سے ملنے
یہ کون چلا کوہ کے دامن سے نکلکر

اک عام جگہ طور بھی دل پردے کا گھر تھا
کھل کھیلے کہاں وادیِ ایمن سے نکلکر

کیوں ہاتھ مرے ٹوٹیں میں ان ہاتھوں کے صدقے
ہیں تیری کمر میں تری گردن سے نکلکر

ہونا ہے جو کچھ حشر ہمارا وہ یہیں ہو
جائیں گے نہ اب ہم کہیں مدفن سے نکلکر

اللہ بچائے نگہِ پردہ نشیں سے
گھر کرتی ہے دل میں بھی روزن سے نکلکر

تم زخم سیُو رہنے دو اس کو مرے دل میں
آئی ہے گرہ رشتۂ سوزن سے نکلکر

جاؤں جو حرم کو تو خود آواز کے ہمراہ ناقوس چلے دست برہمن سے نکلکر
کہتی ہے یہ شوخی نگہِ شوق بھی ہٹ جائے آتا ہے کوئی آنکھ میں چلمن سے نکلکر

پہنے کفنی کیا یہ ریاضؔ آئے حرم میں
یا کوئی بزرگ آئے ہیں مدفن سے نکلکر

ہے عرش بریں اور مدینے کی زمیں اور اللہ یہاں کے ہیں مکاں اور مکیں اور
اُٹھ اُٹھ کے چلے ساتھ کئی طور نشیں اور جو کعبے کو جاتے ہیں وہ جائنگے کہیں اور
آخر تجھے کس بات کا دعوے ہے زلیخا تو کوئی دکھادے مری یوسف سا حسیں اور
ہے عرش بریں فرش رہ گنبد خضرا ہے میری جبیں اور فرشتوں کی جبیں اور
دونوں ہیں مقام ایک مکاں ایک مکیں ایک کعبے سے کوئی جا کے مدینے میں نہیں اور
بدلوں دل پُر نقش سے کیا مُہرِ سلیماں وہ نقش و نگیں اور ہے یہ نقش و نگیں اور
سیدھا سا مسلماں ہوں سمجھتے ہیں یہ بت بھی ملت نہ مری اور نہ میرا کوئی دیں اور
فرمائیں گے مجکو شرف اندوز زیارت ٹھہرا ہے سینے میں جو دم باز پسیں اور
دن دن ہوئی جاتی ہے جو نزدیک قیامت وعدے کی وفا کا مجھے ہوتا ہے یقیں اور
منہ پوچھ کے کہنا وہ مرا شیخ حرم سے ہاں نام ہے زمزم کے ذرا قبلۂ دیں اور
تربت ہو قیامت ہو جہنم ہو کہ جنت ہم اٹھ کے نہ جائیں گے تری در سے کہیں اور

لو کھول دیں آنکھیں شرف سجدۂ در نے
ہیں اپنی نگاہوں میں ریاضؔ آج ہمیں اور

گرد دامن بن گیا صحرا کا داماں دیکھکر پاؤں پھیلائے ہیں میں نے بھی بیاباں دیکھکر
تو نہ جا جانے بھی دے اب کوئی لیلیٰ کا خیال قیس دنیا کیا کہے گی تجکو عریاں دیکھکر

دن میں جو چی خلد کے شب میں مے کوثر کے خواب ہم حرم میں آ رہے میخانے ویراں دیکھکر

نکلے میرے جرم میرے علم سے باہر بہت دم بخود ہوں روز محشر فرد عصیاں دیکھکر

نجد سے آکر غبار قیس لیتا ہے قدم ہم وہ ہیں بیٹھے ہیں جو کتنے بیاباں دیکھکر

ہر طرف سے شور اٹھا خون دو عالم ہی معاف حشر کے دن میرے قاتل کو پشیماں دیکھکر

صبح پیری آنکھ اپنی جب کھلی تو یوں کھلی جیسے کوئی چونک اُٹھے خواب پریشاں دیکھکر

ہوش میں ہوں تو بھی آتے جاتے ای فصل جنون دور سے کھنچتا ہی دل دیوار زنداں دیکھکر

مجکو کیا حسن مہ تو لاکھ ہو عالم فریب کون دیکھے ان حسینوں کا گریباں دیکھکر

چشم حسرت دیدۂ عبرت تھے ذرّے خاک کے رو دیے ہم عالم گور غریباں دیکھکر

دل سے بڑھکر پھول ہیں سبزہ رگ جاں سے سوا پاؤں رکھنا میری تربت پر مری جاں دیکھکر

سحر ہیں اعجاز ہیں سب چیدہ اشعار ریاض

معتقد ہم بھی ہوئے حضرت کا دیواں دیکھکر

نظر ہے حضرت واعظ کی خلد و کوثر پر بہت ہی اونچے گئے یہ پہنچ کے منبر پر

جمے تھے پہلے سی ہم رند حوض کوثر پر نگاہیں دور سے ڈالیں ہجوم محشر پر

کہا تھا ہم سے کہ آئیں گے پہنچے غیر کے گھر وہ کل کی بات گئی آج روز محشر پر

نگاہیں مستوں کی ہیں اور آنکھ ساقی کی یہ موجیں وہ ہیں جو چھائی ہیں مے کی ساغر پر

یہ خشک آج ہوئے ہیں نزار لہو رو کر بہت ہنسیں نہ لب زخم دیدۂ تر پر

قفس کی ٹوٹی ہیں کچھ تیلیاں بھی اے صیّاد بہت سے پر ہیں قفس میں بہت سی باہر پر

وہ خود ہی چھوٹے گا فصّاد دل کا پھوڑا ہے یہ اُٹھ رہیگا نہ تجھ پر نہ تیرے نشتر پر

چھلکتے جام کی موجیں ہیں مست کے ہونٹھ نہیں جو اُٹھ کے ہوتی ہیں صدقے ترے لب تر پر

کسی کا ہاتھ یہ بہکا بُرا ہو واعظ
وہ سمجھے آرہی مسجد کی چھت مری سر پر

اِس انتظار میں اس شوق میں وہ آئیں گے
کِھلے جو پھول وہ مرجھا چلے ہیں بستر پر

اُٹھیں گے ہم نہ جنازہ ہمارا اُٹھے گا
ہماری خاک ہمیں لائی ہے ترے در پر

چھپا ہی آج تو کیا۔ کل کھُلے گا قتل کا حال
یہ بات آئے گی اک دن زبان خنجر پر

یہ سمجھے رند کہ ہی اس کو توڑنے کا خیال
کہ بعد توبہ نگاہیں مری تھیں ساغر پر

شکستہ جام گلی واعظو بہت ہی مجھے
نہ تم ہنسو مرے پھوٹے ہوئے مقدر پر

شریک میری صُراحی کے قہقہے بھی ہوئے
بڑھایا شور بھی ہنگامہائے محشر پر

مرا خیال ہے تجھکو لے گراں جانی
بہت ہی ناز ہی قاتل کو اپنے خنجر پر

نصیب سنگِ لحد کو ہوئی تھی نقشِ قدم
اُتر گئے مرے دل میں پڑے جو پتھر پر

وہ تابشِ درِ دندان وہ جنبش لبِ تر
رواں ہے کشتیٔ مے کیسی آبِ گوہر پر

دبا نہ قلقل مینا سے سخت دل واعظ
اثر نہ ڈال سکے میرے شیشے پتھر پر

اُڑا کے لے گئے گلشن میں خانۂ صیّاد
یہ ہم نے رہ کے قفس میں نکالے کیونکر پر

بڑھی ہماری سیہ اختری کی یہ تاثیر
سیاہی شبِ غم چھا گئی ہے اختر پر

میں ہوں وہ بندۂ آزاد ناز مجکو ہے
خدائے برتر و آقائے[1] بندہ پرور پر

ریاض ہائے رے تیرا وہ خواب کا انداز
سبو تو ہے تہِ سر دستِ شوق ساغر پر

---

[1] ۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہٗ

اُن کے ہوتے کون دیکھے دیدہ و دل کا بگاڑ
پڑ گیا دونوں میں فرطِ رشک سے کیسا بگاڑ

اس کی محفل کا مرقع کھینچ لے مانی مگر
اس مرقع میں ذرا تو غیر کا چہرا بگاڑ

تیرے جھکنے سے جھکے ہیں دل کے لینے کو حسیں
کم لگا کر دام اے ظالم نہ تو سودا بگاڑ

دخترِ رز کو شکل تیری دیکھکر نفرت نہ ہو
تلخیٔ مے سے ارے زاہد نہ منہ اپنا بگاڑ

ہاں وہی پھر کعبہ بن جائے گا اے شیخ حرم
بتکدے کا پہلے نقشہ کھینچ پھر نقشا بگاڑ

ہو تعلق گلرخوں سے تو مزا ہر بات میں
کیا بناوٹ کیا کھنچاوٹ کیا لگاوٹ کیا بگاڑ

میرے حالِ زار پر آجائے تجکو آپ رحم
او بنانے والے میرے مجکو تو اتنا بگاڑ

کوئی ہوں - کافر ہوں یا اللہ والے اے ریاضؔ
چار دن کی زندگانی میں کسی سے کیا بگاڑ

میرے بیاں پہ آج ہے طرزِ بیاں کو ناز   میری زباں پہ آج ہے اُردو زباں کو ناز
بیداریوں پہ اپنی ترے پاسباں کو ناز   سوتے نصیب پر مرے خوابِ گراں کو ناز
گرتے ہیں ٹوٹ ٹوٹ کے خود صید تیر پہ   مژگاں پہ اپنی ہے مری ابرو کماں کو ناز
دونوں سے رات دن ہے تعلق کہیں ہوں   مجھ پر قفس کو ناز مرے آشیاں کو ناز
تم نے ملائے خاک میں لاکھوں تو کچھ نہیں   مجھ کو ملا کے خاک میں ہے آسماں کو ناز
اُس سنگِ در کو بارہا سجدہ جبیں   رکھتے جو پاؤں غیر تو اس آستاں کو ناز
بو زلف کی ہے رنگ ہی اس میں شباب کا   ایسی پری کھنچی کہ ہے پیرِ مغاں کو ناز
اٹھا دھواں جگر سے مگر اُف کبھی نہ کی   ہم دل جلوں پہ آج ہے سوزِ نہاں کو ناز

سو بار امتحانِ نگہ ناز لے چکی
مجھ پر ریاضؔ ہے نگہِ امتحاں کو ناز

کوئی ان دونوں سے بچ جائے نشیمن یا قفس
بجلیاں ہی بجلیاں ہیں آشیاں سے تا قفس

دم مرا گھٹتا ہے مل جاتی ذرا تازہ ہوا
کوئی لے جاتا سوئے گلشن سوئے صحرا قفس

چھوٹ کر بھی ٹوٹ کر آتا ہوں بجلی کی طرح
دور سے میں نے کھلا دیکھا جہاں اپنا قفس

سَو بہاریں آچکیں لیکن نہ یہ بد لا گیا
میرے دل سے بھی سوا ٹوٹا ہوا میرا قفس

کونپلیں پھوٹیں بہار آئے کھلیں گل مجکو کیا
میں ہوں بے بال و پری ہے اور ہے میرا قفس

تول کر پر رہ گیا میں آج اے بادِ بہار
سیر ہوتی سوئے گلشن لے کے اُڑ جاتا قفس

مجکو اے صیاد وہ راحت ملی ہے میں تو کیا
جھانکنے کو بھی نہ آئے گا مرا سایا قفس

شاخِ گل شاخِ قفس شاخِ نشیمن ایک ہے
مردہ دل کو کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس

بولتا ہی طوطی مینائے مے قلقل نہیں
موج مے طوطی ہے گویا اور ہے مینا قفس

صدقے ہونیکو ریاض آئی گلستاں کی بہار
اس طرح صیاد نے پھولوں سے کچھ چھایا قفس

ہے بُری شئے کاتبِ اعمال انساں کی ہوس
لے چلا میں بھی تمہارے ساتھ عصیانکی ہوس

دامن الجھائیگی میرا میرے داماں کی ہوس
اے جنوں چھنوائے گی تنکے بیاباں کی ہوس

سر سے بالی ایکدن ہوجائیگا اونچا ضرور
مجکو لے ڈوبے گی اک چاہِ زنخداں کی ہوس

میں فدا او گیسوؤں والے ستائے گی تجھے
مجھ پریشاں کی تمنا مجھ پریشاں کی ہوس

ٹوٹ کر دل میں ہے یا ڈوب کر دل میں ہے
اک ذرا سے دل کو ہے چھوٹے سے پیکاں کی ہوس

پڑتے ہیں اس راہ میں میدانِ محشر سیکڑوں ‏ ‏ لے چلی ہے اب تو ہم کو کوئے جاناں کی ہوس

صدقے دستِ ناز کے ارمان پورا ہو گیا ‏ ‏ ساتھ ہی نکلی گریباں کے گریباں کی ہوس

قبر میں بھی حشر میں بھی، ہو گی میرے دل میں کیا ‏ ‏ ساتھ جاتی ہے نہیں جاتی ہے انساں کی ہوس

آنے والے حشر کا ہنس ہنس کے وہ لیتے ہیں نام ‏ ‏ اچھی نکلی سچے سچے قول و پیماں کی ہوس

شوق ہے دامن سے نکلے دامنِ دل میں ہے ‏ ‏ لائے جنوں اب ہے یہ میرے خارِ داماں کی ہوس

کچھ سیہ کاری کی حد بھی ہے بہ ایں ریش سفید
اے ریاضؔ اس عمر میں ہے تم کو عصیاں کی ہوس

تو بھی صیاد نہیں مرغِ گرفتار کے پاس ‏ ‏ اور رکھا ہے قفس باغ کی دیوار کے پاس

غیر بھی انجمنِ ناز میں ہے یار کے پاس ‏ ‏ باغ میں خار بھی ہے پھول بھی ہے خار کے پاس

بند آنکھیں ہیں مری حال نہیں کھلتا ہے ‏ ‏ دور ہیں آپ کہ ہیں طالبِ دیدار کے پاس

ہے بڑی شوخ قیامت تجھے معلوم نہیں ‏ ‏ آتی جاتی ہے ترے فتنۂ رفتار کے پاس

لے کے تم ان کو کلیجے میں عدو کے رکھنا ‏ ‏ خارِ حسرت ہیں کئی میرے دلِ زار کے پاس

بوسہ لینے کے لئے میری لب شوق کہاں ‏ ‏ بجلیاں کان کی ہیں آپ کے رخسار کے پاس

اٹھ گئے کہہ کے بلا لے کوئی فرہاد کو آج ‏ ‏ بیٹھ کر رات ذرا کاٹ دی بیمار کے پاس

دیکھ لے شیخ کہن سال تو آنکھیں کھل جائیں ‏ ‏ جامِ اک جم کے زمانے کا ہے منخوار کے پاس

قیس نے نجد لیا طور لیا موسیٰ نے ‏ ‏ لی جگہ تھوڑی سی ہم نے تری دیوار کے پاس

دامنِ تر نے دیا کام کچھ لئے گرمیٔ حشر ‏ ‏ زاہدِ خشک بھی بیٹھے ہیں گنہگار کے پاس

ضعفِ پیری سے ریاضؔ اب نہیں اٹھا جاتا ‏ ‏ گاہے ماہے کبھی جا رہتے ہیں سرکار[1] کے پاس

---

1 - سر مہاراجہ محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔

جو پلائے وہ رہے یارب مے و ساغر سے خوش
خوش رہے پیر مغاں جاتے ہیں اس کے در سے خوش

سنگ خوں آلودہ کو سمجھے ہیں یہ گلشن کا پھول
توڑ کر سر تیرے دیوانے ہیں کیا پتھر سے خوش

اس گلی کے رہنے والے بھی مزے کے لوگ ہیں
فتنۂ محشر سے خوش ہنگامۂ محشر سے خوش

یوں گلے سی کیوں لگا تا سخت جانوں کو کوئی
ہم گلے مل کر ہوئے کیا کیا ترے خنجر سے خوش

خم کے خم بھر بھر کے جائیں کم نہ ہو مے بوند بھر
زاہد و ہم ہیں تمہارے چشمۂ کوثر سے خوش

خون ہائی ایک میرا ہو گیا ان کے لئے
اپنے زخم دل سے خوش ہوں اپنی چشم تر سے خوش

دل میں گھر کرتی ہے وہ کافر مژہ کافر نگہ
میں ترے پیکاں سے خوش ہوں میں ترے نشتر سے خوش

خانہ باغ غیر میں تھے یا کھلے میدان میں
وہ کہیں سے آئے ہوں آئی مجھ باہر سے خوش

میکدے میں آکے پیتے ہیں پلاتے ہیں ریاض
کہہ رہی ہے وضع ان کی ہیں یہ اپنے گھر سے خوش

نہیں مینا یہ لے شراب فروش
ہے کوئی شاہد شباب فروش

پہنچے کعبے میں ہم شراب فروش
لیکے مشکیزہ بن کے آب فروش

سمجھے ہیں خود کو کیا شباب فروش
دل جوانی کے ہیں حباب فروش

نقد دل لے کے ہیں سراپا لطف
تھی ادائے غضب عتاب فروش

سن کے یہ ۔ بیچتا ہوں ۔ دل کی بیاض
بولے پیشہ ۔ کہا کتاب فروش

رات دن گردِ مسجدِ جامع　　میکدے سی سوا کباب فروش
کیسی مے۔ مول لونگا حج کا ثواب　　ہے کہاں حاجی ثواب فروش
خوب ہیں شاہدانِ بازاری　　ہم سیہ کار و خضاب فروش
آگ لیں بادہ کش شراب کے مول　　ہو جہنم اگر عذاب فروش
زالِ دنیا ہو یا ہو دخترِ رز　　بنتی ہے نوجوان شباب فروش
صرف دولت عبث ہی بہرِ خطاب　　جب حکومت نہیں خطاب فروش
غیر کے پاس میرے خط کا جواب　　مل گیا قاصد جواب فروش
مول لوں بے قرار دل کے لئے　　برق ہو کاش اضطراب فروش
بیل انگور کی ہے کاہکشاں　　تارے توڑینگے آفتاب فروش
حشر میں دونگا ایک کے دس دس　　دے مجھے قرض اے شراب فروش

کام کی چیز ہے ملے تو ریاضؔ
نوجوان دخترِ رز شباب فروش

میرے دل کو ہے غمِ یار کی حرص — مجھ سے بڑھ کر مرے غمخوار کی حرص

حرص زر سے نہیں خالی کوئی — دو جو مل جائیں تو ہے چار کی حرص

حرص پیری میں سیہ کاری کی — ہائے مجھ پیر سیہ کار کی حرص

جب کبھی پی تو پلا کر ہم نے — اور بدنام ہے میخوار کی حرص

دل میں ہر دم اسے بڑھتے دیکھا — ہائے ری لذت آزار کی حرص

کچھ عجب چیز ہیں دیوانۂ زلف — رکھتے ہیں طول شب تار کی حرص

خون پینے سے نہیں پھیرتی منہ — اُف ری ظالم تری تلوار کی حرص

پھر گیا خنجر خونخوار کا منھ — مٹ گئی خنجر خونخوار کی حرص

ابھی معشوق سے ہے ربط ریاضؔ
ابھی پیری میں ہے کچھ پیار کی حرص

رات فرقت کی بنے زلفِ رسا کو کیا غرض
وصل کی شب تن بنے تل کی بلا کو کیا غرض

غیر کے کوچے میں جانا آپ کا وہ کیوں چھپائے
خاک آنکھوں میں وہ ڈالے نقشِ پا کو کیا غرض

کام تو اس کا ہے گُل کرنا چراغ گور کا
پھول لائے قبر پر بادِ صبا کو کیا غرض

جو ادا پر مر رہے ہیں شوق سے مرتے رہیں
جائے بن بن کر قضا اُن کی ادا کو کیا غرض

میرے لب تک ضعف میں آجائے تو احسان ہے
کیوں اُٹھائے آسماں سر پر دعا کو کیا غرض

شوق سے جائیں عدو کی محفلِ ماتم میں وہ
پاؤں پڑ پڑ کر رہا نہیں وہ کے حنا کو کیا غرض

شکرِ جور ان کی زباں پر ہونٹھ پر شکرِ ستم
شکوۂ بیداد سے اہلِ وفا کو کیا غرض

دخترِ رز شب کو آجاتی ہے چھپ کر میرے گھر
میکدے میں جاؤں مجھ سے پارسا کو کیا غرض

کفر و ایماں سے نہیں کچھ بحث رکھتا ہے ریاضؔ
کیوں پڑے جھگڑے میں اس مردِ خدا کو کیا غرض

وہ ہنس کے کہہ رہے ہیں مقامِ اثر غلط — نالوں کی دھوم اور کہاں عرش پر غلط
واعظ ترا یہ وعظ نہیں سر بسر غلط — حِصّہ ترے بیان کا ہے بیشتر غلط
سر پہ ہمارے سایۂ دیوارِ یار جھوٹ — دربان کے ہوتے سجدۂ در سر بسر غلط
چلتے ہیں ناز سے تو لچکتی ہے کچھ ضرور — بل لاکھ لاکھ کھاتی ہے ان کی کمر غلط
چوری سے تھا قفس کے اُڑانے کا اہتمام — صیّاد نے اڑائی ہماری خبر غلط
چُبھتی ہوئی ہے سب یہ انہیں کی زباں کی — یہ بھی ہے کوئی بات کہے نامہ بر غلط
دیکھی ہے ہم نے عمرِ دو روزہ میں ایک بار — شامِ شبِ فراق تو سچ ہے سحر غلط
دیوانہ آ رہا ہے کوئی کوئے یار میں — ہنگامہائے حشر سرِ رہگزر غلط
جب سُن چکے وہ حال تو یہ کہکے اُٹھ گئے — او جھوٹے ہے بیان ترا کس قدر غلط
تجھ میں پڑی رہے گی مری جان رات دن — تیرا قدم پڑے نہ کہیں نامہ بر غلط
کیوں کہہ گئی صبا کہ کٹے گی تری زباں — سوسن تری زبان کی ٹھہری اگر غلط

بنتے ہیں کچھ ریاضؔ بھی اس فن کے مدعی
اشعار ان کے خوب ہیں دعوے مگر غلط

کافر بتوں کے نام ہوں کیونکر تمام حفظ | اتنے خدا کہ ہو نہ سکیں جن کے نام حفظ
مطلب نہ خبط ہو کوئی فقرہ نہ چھوٹ جائے | قاصد نے حرف حرف کیا سب پیام حفظ
رونا مرا ہو اور بھی باعث ثواب کا | پڑھتا ہوں سوز میں نے کئے ہیں سلام حفظ
دوزخ کا ڈر نہیں ہے تو پتھر کی آگ کیا | کافر بتو ہیں ہے خدا کا کلام حفظ
پیتے ہی یاد آگئے بھولے ہوئے سبق | پوچھو کسی مقام سے ہی ہر مقام حفظ
میخانے میں نماز جو کی تو نے جلد ختم | سورہ بڑا نہ تھا کوئی تجھکو امام حفظ
تجکو قفس میں تیری سناؤں گا گفتگو | صیاد باتیں کی ہیں تری زیر دام حفظ

کس کو نہیں ہے قدر ہمارے کلام کی
لوگوں کو ہے ریاض ہمارا کلام حفظ

وہ لوٹنے کو بیٹھے ہیں تیری بہار شمع — بڑھ کر نہ گل بنے کہیں پھولوں کا ہار شمع
جلوے سے تیرے بزم میں روشن ہزار شمع — قرباں شمع چاند سے رخ پر نثار شمع
میری لحد پر آکے مکدّر ہوئی ہے تو — پروانے پر نکال نہ دل کا غبار شمع
بے بات یونہی کاٹی گئی بزم میں زباں — بے اعتبار شمع ہے بے اعتبار شمع
موج رواں سے پھیلی ہے بجلی کی روشنی — روشن ہے میکدے میں کوئی سو ہزار شمع
اللہ جل رہی ہے یہ کیسی بجھی ہوئی — میرے مزار پر ہے مری سوگوار شمع
اُس انجمن کی آگ ہے دل میں لگی ہوئی — پروانے سے سوا ہو جہاں بیقرار شمع
خلوت میں اُٹھ کے تو بھی گئی بھی عدو کے ساتھ — کب سے مچی ہے بزم میں تیری پکار شمع
کچھ کم نہیں کسی سے ترا حسن دلفروز — پُرپیچ موج دود سے گیسو سنوار شمع
رُخ پر ہوا سے آتی رہی بار بار زلف — گل انجمن میں آج ہوئی بار بار شمع

ہم بھی گئے تھے آج مزارِ ریاضؔ پر
پژمردہ چند پھول تھے اِک اشکبار شمع

نیا دل ہے نئی اُلفت نیا داغ
سزا دل کی دکھائے جو مرا داغ

بہار آئی ہے اے بلبل ملیں گے
چمن کو پھول دل کو خوشنما داغ

بُرے ہم۔ داغ پایا دل کے بدلے
تم اچھے۔ لے لیا دل دیدیا داغ

وہ دل کے مدعی یہ کون دل کا
بُری ہوگی اگر ابھرا ذرا داغ

مُبارک آرسی کو چاند سی شکل
مبارک میرے دل کو چاند سا داغ

ارے ظالم مرا خون گشتہ دل ہے
لگایا تو نے دامن میں بُرا داغ

پھلے پھولے ہوئے سو باغ صدقے
ارے مجکو بہت پھولا پھلا داغ

ہمارے زخم تو ہنستے تھے ہم پر
بنے اب خندۂ دنداں نما داغ

جو چمکا آفتاب حشر بن کر
ابھی تو میرے دامن میں یہ تھا داغ

ملی[۱] مٹی میں اور اک چاند سی شکل
بڑا پہلے سے بھی یہ دوسرا داغ

یہ کس کی موت مجھ سے کہہ رہی ہے
نہ دے ایسا کسی کو بھی خدا داغ

بظاہر کچھ نہیں واقع میں یہ ہے
مٹے ہم مٹ گیا دل مٹ گیا داغ

ہمارے داغ سے ہے قبر روشن
چراغ گور سے اچھا رہا داغ

انہیں غم نے انہیں کھایا اجل نے
ریاض اب ہیں نہ اب ہیں میرزا داغ

۱؎ واقعات۔

سرکارِ حُسن سے یہ ہوئی ہے سزائے زلف
چوٹی نے کس دیے ہیں بُری دست و پائے زلف

مشّاطہ سر چڑھی ہے کوئی کیا بلائیں لے
موتی پرو کے بن گئی وہ تو خدائے زلف

دیکھے تو کوئی گیسوؤں والوں کی شوخیاں
اب میرے دل کا نام ہے نا آشنائے زلف

ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے اُس کے شکن بھی جائے
اس طرح آستیں نہ ہم پر چڑھائے زلف

اس لاگ کا لگاؤ کا باعث نگاہ ہے
دل کی نہ کچھ خطا ہی نہ کچھ ہی خطائے زلف

دل کو ہے پیچ و تاب کہ یہ چاہتی ہی کیا
کچھ زلف ہی کھلے تو کھلے مدعائے زلف

گیسو سنوارنے کی ادا کہہ رہی ہے کچھ
دشمن کے گھر کی بات کہاں تک بنائے زلف

طوقِ گلو کی یاد نہ ہم کو کبھی ستائے
زنداں سے ہم جب آئیں گلے سے لگائے زلف

اِک تم نہیں کہ زلف کو ہو ناز لئے ریاضؔ
دیوانے سو ہزار ہیں تم سے فدائے زلف

روٹھے ہوئے کہ اپنے ذرا اب منائے زلف
پیارا ہے دل تو ناز بھی دل کے اٹھائے زلف

درگزرے دل کی یاد سے ہم جان تو بچی
پیچھے پڑی ہے جان کے اب کیوں بلائے زلف

وہ کیوں بتائے ہم کو دلِ گم شدہ کا حال
پوچھیں جنابِ خضرؑ تو رستہ بتائے زلف

بکھرائے بال دیکھ لیا کس کو بام پر
ہر وقت ہائے زلف ہی ہر لحظہ ہائے زلف

کس طرح ان حسینوں کے بھرتی رہی ہے کان
پہنچے نہ تیرے کان میں اے دل صدائے زلف

بل کھا کے دوش ناز سے گرنا اِدھر اُدھر ۔۔۔ وہ زلف اور ہائے وہ کافر ادائی زلف
لیکر بلائیں خود وہ کشاکش میں پڑ گیا ۔۔۔ دل زلف کو ستائے نہ دل کو ستائی زلف
پھندے میں اس کے طائرِ دل آرہیگا آپ ۔۔۔ مرغ نظر کو دام میں پہلے پھنسائی زلف
پہنگائے اور یہ جو جنوں رہنمائے دل ۔۔۔ صدسالہ زاہدوں کو تو برسوں جھلائی زلف
آشفتگاں زلف کا برہم ہے کیوں مزاج ۔۔۔ کہتا ہے کون کوئی نہ ہو مبتلائی زلف
سائے سے اس کے بھاگتے ہیں لوگ دور دور ۔۔۔ بگڑی ہوئی ہے آج کل ایسی ہوائی زلف

تم نام اُن کی زلف کو رکھتے ہو کیوں ریاضؔ
سُن لے تو یک ایک کی سو سو سنائی زلف

حشر میں بات کیا تھی وہ جس نے کیا عرق عرق — وہ بھی ہوئے عرق عرق میں بھی ہوا عرق عرق
رنگِ شراب سے بھی سرخ رنگِ شباب سے بھی سرخ — دیکھ کے رنگِ خون ما ہو گی حنا عرق عرق
یار کا چہرۂ عتاب آج بنا ہے آفتاب — حشر میں ڈر رہے ہیں جناب خلق خدا عرق عرق
کیسی پھنسی قفس میں آج جان گھٹی قفس میں آج — آ کے ہوئی قفس میں آج بادِ صبا عرق عرق
حال ہے کیا دم وصال شکل ہوئی ہے کیوں نڈھال — قطرہ فشاں ہے بال بال زلفِ رسا عرق عرق
بس تو بہ اے جناب دیکھ کے مَے سے اجتناب — شیشہ ہوا جو آب آب جام ہوا عرق عرق
داورِ حشر عفو کر اُن کی جفا سے در گزر — تیرے کرم سے ہوں نہ آج اہلِ وفا عرق عرق
پی کے ہوئی تھی بے حجاب تو نے پی کہاں شراب — تم تھے سحر کو آب آب غیر بھی تھا عرق عرق
اور ہوا میں تھے یہ کل حشر میں کیا ہوا وہ بل — آج ہیں کاتبِ عمل مجھ سے سوا عرق عرق
اہلِ حرم کو ہو نہ عار آج تو زمزمی ہیں یار — بادہ ناب و خوشگوار کہہ کے بھرا عرق عرق
دیکھ کے شیشۂ شراب آئی نہ محتسب کو تاب — اُس نے کہا شراب ناب میں نے کہا عرق عرق

توبہ نہیں ہے اب عذاب مانگیں نہ آ ضؔ اگر شراب
کہہ دو نہیں ہے اے جناب ہوں تو ذرا عرق عرق

دل لگانے کے ہیں ہزار طریق — جان جانے کے ہیں ہزار طریق
کبھی مہندی تو ہے عتاب کبھی — رنگ لانے کے ہیں ہزار طریق

بات کیا چاہیے بگڑنے کو　　روٹھ جانے کے ہیں ہزار طریق
غیر کے ہونے پر نہیں موقوف　　مُنہ بنانے کے ہیں ہزار طریق
روٹھیں سو بار کچھ نہیں پروا　　کہ منانے کے ہیں ہزار طریق
غیر کے گھر کی سینکڑوں راہیں　　ان کے جانے کے ہیں ہزار طریق
کہتے ہیں وہ مرے جواب میں شعر　　مُنہ چڑھانے کے ہیں ہزار طریق
کُھلے رہتے ہیں زلف کے اے دل　　چلے آنے کے ہیں ہزار طریق
کہہ رہی ہیں ادائیں ساقی کی　　مے پلانے کے ہیں ہزار طریق

کہہ رہا ہے یہ دست شوق ریاض
گدگدانے کے ہیں ہزار طریق

تھکا لے اور دورِ آسماں تک — پھر آخر گردشِ قسمت کہاں تک
بڑی اس دل کی بیتابی یہاں تک — ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک
دم وعدہ اُنہیں ہے بار ہاں تک — زباں تھک جائے جو لائے زباں تک
مجھے پینا پڑے آخر وہ آنسو — جو بھر جاتے زمیں سے آسماں تک
کوئی سو بار اُڑے سو بار بیٹھے — قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک
گلہ بھی تھا کسی کا راز کوئی — کہ آ کر رہ گیا میری زباں تک
سلامت ہیں اگر میرے پر و بال — قفس جائے گا اُڑ کر آشیاں تک
مری بیداریاں بیکار کیوں جائیں — اُنہیں پہنچا دو چشمِ پاسباں تک
کچھ اس نے اس طرح کاٹی مری بات — کہ ٹکڑے ہو گئی میری زباں تک
جنوں سے ہم نہ کوتاہی کریں گے — ہمارا ہاتھ پہنچے گا جہاں تک
خدایا میرے سجدے دور ہی سے — پہنچ جائیں کسی کے آستاں تک
سہارا کچھ تو درماندوں کو ہوتا — پہنچ جاتے جو گردِ کارواں تک
مری فریاد سُن کر چپ رہیں گے — اسے پہنچائیں گے وہ آسماں تک
مجھی پر چھوڑ دو میری مے تلخ — مزا - اس کا ہے کچھ میری زباں تک
کلیسا و حرم دونوں ہیں آباد — مرے ناقوس تک میری اذاں تک

کچھ ایسا ربط ہے صیاد کے ساتھ ‏ ہمیں ہم ہیں قفس سے آشیاں تک
ہمیں ٹھکراتے جائیں جو وہاں جائیں ‏ پہنچ جائیں یونہی ہم آستاں تک
معاصی کے سوا دو دو فرشتے ‏ انہیں لادے پھریں یارب کہاں تک
پہنچ جاؤں جو یارب میکدے میں ‏ مرا پانی بھرے پیرِ مغاں تک
وہ خوگر نالۂ دشمن کا ہو جائے ‏ نہ سنتا ہو جو حرفِ داستاں تک

ریاضؔ آنے میں ہے ان کے ابھی دیر
چلو ہو آئیں مرگِ ناگہاں تک

نہیں چھپتا ترے عتاب کا رنگ　　کہ بدلنے لگا نقاب کا رنگ
بھر گیا آنکھ میں شراب کا رنگ　　ظالم اُف رے ترا شباب کا رنگ
اب تو لائے ہیں جان مضطر کے　　اور ہی کچھ ہے اضطراب کا رنگ
تیرے آتے ہی ہو گئی پانی　　اڑ گیا محتسب شراب کا رنگ
رنگ لائے گا دیدۂ پُر آب　　دیکھنا دیدۂ پُر آب کا رنگ
داغ دامن نے بھی کیا پیدا　　حشر کے روز آفتاب کا رنگ
شیخ جانا ہے تجکو جنت میں　　دیکھتا جا مری شراب کا رنگ
صدقے میں اپنی پارسائی کے　　کہ بڑھاپے میں ہے شباب کا رنگ
خون ہے جیسے واسطہ ہی نہیں　　صاف ہے خنجر پُر آب کا رنگ
ریش واعظ سفید ہے کتنی　　نہیں چڑھتا کبھی خضاب کا رنگ
رنگ کا اس کے پوچھنا کیا ہے　　جس کا سایہ بھی ہے گلاب کا رنگ

سچ ہے اے حضرتِ ریاضؔ یہ بات
کہ جدا سب سے ہے جناب کا رنگ

آتے ہی چھا گیا شراب کا رنگ　　پیتے ہی آ گیا شباب کا رنگ
اور سے اور ہے نقاب کا رنگ　　پھوٹ نکلا ترے شباب کا رنگ

چہرے پر آ گیا عتاب کا رنگ   قہر ہے مہر اس نقاب کا رنگ
ساتھ نقاء مے کے ابر رحمت بھی   ہر گنہہ پر چڑھا ثواب کا رنگ
قدم آئے یہ کس کے محشر میں   ہو گیا زرد آفتاب کا رنگ
برق تاب ایک ایک تار نقاب   ہے نرالا ترے حجاب کا رنگ
وہ مئے سرخ وہ سیہ بوتل   وہ بہار اور وہ سحاب کا رنگ
دور سے بوسہ لیں مرے لب شوق   ٹپکے رخ سے تری شباب کا رنگ
چھا گیا سر پر آ کے ابر بہار   جم گیا آتے ہی شراب کا رنگ
بوسہ لیتے ہی نیند بن کے اُڑا   دیکھنا میرے مست خواب کا رنگ
اُترا اُترا وہ بام پر چہرہ   پھیکا پھیکا وہ ماہتاب کا رنگ
پہلے مے سے بھگو لی ریش سفید   دیکھ اے شیخ پھر خضاب کا رنگ
گل عارض نے یہ اثر ڈالا   بن کے بلبل اُڑا گلاب کا رنگ
آتش تر نے اور سرخ کیا   مے سے ملنے لگا کباب کا رنگ
ہم نے ان سے کیا ہی صاف سوال   دیکھنا ہے ہمیں جواب کا رنگ
چشم پر خوں کا رنگ لانا کیا   کیا حباب اور کیا حباب کا رنگ
حسن انساں کو مے کے دیکھ لیا   آتش و باد و خاک و آب کا رنگ
لیں وہ دامن میں کیا گلاب کے پھول   بار دامن جنھیں گلاب کا رنگ
پائے رنگیں کی خاک بھی تو نہیں   کیا دل خانماں خراب کا رنگ
جان کا ہے عذاب ہجر کی رات   کتنا کالا ہے اس عذاب کا رنگ
خون رُلواتے ہیں جناب ریاضؔ   کیا اُڑا لے کوئی جناب کا رنگ

کوئی پوچھے نہ ہم سے کیا ہوا دل
ہوا کیا لٹ گیا دل مٹ گیا دل

یہ کہہ کر دے دیا مجکو مرا دل
ہمیں کوسے گا دے گا بد دعا دل

مزا دے جائے گی مجکو تری آنکھ
مزا دے جائے گا تجکو مرا دل

چمن میں جو کھلا گل میں یہ سمجھا
کہ ہے میرا یہ مرجھایا ہوا دل

اُٹھے گا لطف صحبت کا ابھی تو
نئے تم ہو نئے ہم ہیں نیا دل

کسی سے یوں دغا کرتے نہیں ہیں
ارے او بے مروت بے وفا دل

قیامت ہے تمہاری چلبلی شکل
قیامت ہے ہمارا چلبلا دل

ہمارا دل ہمارے کام کا ہے
کہاں پائیں تمہارے کام کا دل

بہت ہی جم کو اپنے جام پر ناز
ذرا لانا مرا ٹوٹا ہوا دل

کسی کا زور پھر چلتا نہیں ہے
کسی سے جب کسی کا مل گیا دل

اسے کس منہ سے کہتے ہو برا تم
تمہیں کس دل سے دیتا ہی دعا دل

گیا وہ داغ لے کر داغ دے کر
نشانی دے گیا دل لے گیا دل

حسیں اس کو برا سمجھے بجی جاں
برا بن کر بہت اچھا رہا دل

کہیں کیا کس نے لوٹا کس کو لوٹا
لٹے ہم تم لٹا جوبن لٹا دل

وہی اچھا تھا اس چھاتی کی سل ہے
بدل دیتا کسی بت سے خدا دل

تمہاری راہ میں وہ بھی پڑا ہے
ذرا دیکھے ہوئے ٹوٹا ہوا دل

کوئی اب مفت بھی خواہاں نہیں ہے
ریاضؔ ایسا گیا گزرا ہوا دل

قیامت شوخ آفت چلبلا دل
مرا دل اور پھر کیسا مرا دل

ترے گیسو سے ہی اُلجھا ہوا دل
بہت اب حد سے اپنی بڑھ گیا دل

تمہارے ہاتھ کا تل بن گیا دل
تمہیں دھوکا نہ دے بہروپیا دل

خدا کو جان سونپی دل بتوں کو
ہمارے پاس کیا تھا جان یا دل

مجھے دیکھا تو بولے بزم میں وہ
نئے آئے ہیں لے کر یہ نیا دل

ترے گیسو سے یہ بل کر رہا ہے
کچھ اب او زلفوں والی بڑھ چلا دل

ہماری جان پر بن بن گئی ہے
نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دل

نہ رنگ آئے تو اس کی کیا خطا ہے
حنا کے ساتھ کیوں سانا گیا دل

منائے کون کس کو کون سمجھائے
اِدھر معشوق اُدھر بگڑا ہوا دل

اُبھر کر داغ لایا ہے نیا رنگ
برابر دل کے ہی اک دوسرا دل

مرے حق میں یہ پتھر کا بنا تھا
خداوندا بتوں سے مل گیا دل

حسینوں کو سمجھتا ہی نہیں کچھ
بہت بنتا ہی خود بیں خود نما دل

ملیں گے حشر میں دل لینے والے
ملے گا حشر میں بچھڑا ہوا دل

رہے گا یاد دل کا دل سے ملنا
ملی دنیا، ملے ہم تم، ملا دل

بہار آئی کہ آئی وصل کی شام
کھلے غنچے کھلی کلیاں کھلا دل

وہ ناوک کو نگاہِ ناز سمجھا
اسی دھوکے میں تو مارا پڑا دل

بہت ہی لطف سے اُن سے ملی آنکھ　　بہت ہی لطف سے اُن سے ملا دل

دلِ مرحوم آتا ہے بہت یاد
ریاض ایسا کہاں اب چلبلا دل

چھیڑتے ہیں گدگداتے ہیں پھر ارماں آج کل　　جھوٹے سچے کوئی کر لے عہد و پیماں آجکل

گھونٹ دی میرا گلا کچھ زور اگر اس کا چلے　　ہاتھ سے میرے ہی تنگ اتنا گریباں آجکل

چڑھ گئے دیوارِ زنداں پر کبھی اُترے کبھی　　ہم بنے ہیں سایۂ دیوارِ زنداں آجکل

روز راتوں کو سُنا کرتا ہوں یہ آوازِ قیس　　پھاڑے کھاتا ہی مجھے خالی بیاباں آجکل

اے عروسِ تیغ کچھ تجکو حیا بھی چاہیئے　　کیوں گلے پڑتی ہی تو ہو ہو کے عریاں آجکل

سنگِ دل کافر کا شائد ٹوٹتے دیکھا ہی کفر　　ٹوٹ کر ملتے ہیں مجھسے اس کے درباں آجکل

آگیا ایسا ہی اب کافر زمانہ کیا کریں　　دابے پھرتے ہیں بغل میں لوگ ایماں آجکل

رات دن ہے میری تربت پر حسینوں کا ہجوم　　دیکھنے کی چیز ہے گورِ غریباں آجکل

دن کو روزہ عید شب کو ہی عجب شغل ریاض
رات بھر پیتا ہے یہ مردِ مسلماں آجکل

آفت ہماری جان کو ہے بیقرار دل　　یہ حال ہے کہ سینے میں جیسے ہزار دل

لے اے نگاہِ شوخ یہ ہے بیقرار دل　　سینے سے میرے لے کے چلی تو ہزار دل

داغوں کا باغ کوئی ہے یہ داغدار دل　　پھولوں کی اپنے لوٹ رہا ہے بہار دل

ہٹتا نہیں ہے آنکھ سے میری کسی طرح　　پُتلی بنا ہوا ہے شبِ انتظار دل

یہ جان کر کہ دل ہے کوئی کھیلنے کی چیز　　کس پیار سے وہ مانگتے ہیں بار بار دل

ظالم بتوں کے جور اُٹھانے کے واسطے　　دیتا نہیں ہے کوئی ہمیں مستعار دل

اے حسن یار تیری وہ الفت نہیں رہی — اب آرزوئے یار کو کرتا ہے پیار دل
بیٹھے رہو درازئی مژگان لئے ہوئے — بے ناوک نگاہ نہ ہوگا شکار دل
دونوں ہیں ایک دوسرے کے درد کی شریک — میں دل کا غمگسار مرا غمگسار دل
دل سے بھری بھری ہیں تری چشم سرمگیں — رکھتا نہیں کسی سے ذرا بھی غبار دل
وہ دن گئے گئیں غم الفت کی لذتیں — اب تو ہے مبتلائے غم روزگار دل
اللہ رے داغہائے جنوں کی شگفتگی — بن کر رہا حسینوں میں پھولوں کا ہار دل
اتنا تو ہو۔ کہ آنکھ میں معشوق دیں جگہ — پیدا کرے نگاہ میں کچھ اعتبار دل
بدخو بھی، بدمزاج بھی شیدائے حسن بھی — اچھا مجھے دیا مرے پروردگار دل

اس خوف سے ریاض گئے ہم نہ سوئے طور
بجلی سے لڑ نہ جائے کہیں بے قرار دل

جو تھے ہاتھ مہندی لگانے کے قابل — ہوئے آج خنجر اُٹھانے کے قابل
عنادل بھی کلیاں بھی گل بھی صبا بھی — یہ صحبت ہی ہنسنے ہنسانے کے قابل
حنا بن کے میں چوم لوں دست نازک — ترے ہاتھ ہیں رنگ لانے کے قابل
جوانی کا اب رنگ کچھ آچلا ہے — وہ اب ہو چلے ہیں ستانے کے قابل
مجھے دیکھ کر دخت رز تن رہی ہے — یہ کھنچکر ہوئی ہے اُڑانے کے قابل
قیامت میں دیکھیں گے کیونکر اُنہیں ہم — نہیں شرم سے آنکھ اُٹھانے کے قابل
بنائیں نہ اب اس کو اب شمع محفل — جلا دل نہیں ہے جلانے کے قابل
چمن میں اُڑا اُن کو اے باد صرصر — مرے ٹوٹے پر ہیں اُڑانے کے قابل
بنے شعلے بجلی کے قسمت سے میری — جو تنکے تھے کچھ آشیانے کے قابل

بڑھاپے میں ثابت ہوئی دز دسے ہم — نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل

یہ کہتی ہے حضرت کی ریشِ حنائی
ریاض اب بھی ہیں رنگ لانے کے قابل

ہوئے ہیں وہ مہندی لگانے کے قابل — ہوئے ہیں وہ اب رنگ لانے کے قابل

کن آنکھوں سے دشمن کو تم رو رہے ہو — یہ آنکھیں ہیں آنسو بہانے کے قابل

یہ کلیاں صبا ہیں ترے چھیڑنے کو — حسیں ہیں مرے گدگدانے کے قابل

جو خلوت میں مل جائے میں بھی نہ چھوڑوں — پری شیشے کی ہے اڑانے کے قابل

بُرا ہو ترا تو نے اے شوقِ عصیاں — نہ رکھا ہمیں منہ دکھانے کے قابل

یہ افتادہ دل ہے جنازہ عدو کا — نہ چھونا نہیں یہ اُٹھانے کے قابل

سُنے میں نے حالاتِ فرہاد و مجنوں — یہ ٹکڑے ہیں میرے فسانے کے قابل

زمانہ بنا دے جنہیں اب وہی ہیں — زمانے کے لائق زمانے کے قابل

وہ یونہی جھکی پڑتی ہے بارِ گُل سے — نہیں شاخِ گل آشیانے کے قابل

دیا تیری رحمت نے سجدے کا موقع — نہ تھا سر ترے آستانے کے قابل

بڑی ہی مصیبت سے تنکے چُنے تھے — نہ ٹھہرے ہمیں آشیانے کے قابل

ریاض آسماں کے ستائے ہوئے ہیں
نہیں اے بتو یہ ستانے کے قابل

شگفتہ پھول حسینوں کے ہار کے قابل — جو خشک ہوں تو ہمارے مزار کے قابل

ہزاروں داغ دلِ داغدار کے قابل — ہزاروں چاند سی شکلیں ہیں پیار کے قابل

یہ سُرخ سُرخ سی شے اک سیاہ بوتل کی — بغیر ابر بھی ہے سبزہ زار کے قابل

مآلِ حشر میں کچھ ہو مرے گناہوں کا   مجھے ہے ناز کہ نکلے شمار کے قابل

جو دل میں داغ نہ ہوتی تو پیش ہم کرتے   یہ ایک لاکھ میں تھا نذرِ یار کے قابل

ہزاروں گورِ غریباں کہاں کہاں سے جنوں   ہزاروں قبریں ہیں میرے مزار کے قابل

عبث ہے رشک جوانوں کو میری پیری پہ   ملے خزاں کو جو دن تھے بہار کے قابل

مرے گناہ مرے اعتبار کے دشمن   سفید ریش مری اعتبار کے قابل

خدا ہی جانے، مرا راز مٹ کے میں کیا ہوں   جو کچھ زباں سے نکالوں تو دار کے قابل

وہ بن کے آنکھ کی پتلی رہے، کرم اُن کا   یہ چشمِ کور نہ تھی انتظار کے قابل

مزے کی چیز اُتاری خدا نے دنیا میں   شرابِ تلخ ہے مجھ میگسار کے قابل

فلک کی تاروں بھری کہکشاں بُری کیا ہے   یہ چادر اچھی ہے میرے مزار کے قابل

بڑے مزے سے گزرتی جو کوئی مل جاتا   حسین شوخ دلِ بے قرار کے قابل

دباتی گور نہ کچھ زورِ آسماں چلتا   زمینِ شعر نہ نکلی مزار کے قابل

ریاضؔ کوئی نہ اُن کی بہار دیکھ سکا
یہ داغِ دل تھے کسی لالہ زار کے قابل

پھول شبنم سے بنے مے کی پیالے بلبل   اوس سے اپنی لگی آج بجھا لے بلبل

چمنِ حسن کے ہیں سب سے نرالے بلبل   دیکھ کر بول گئے زلفوں کو کالے بلبل

آشیانے سے نکل کر نہ ہوا باغ کی کھا   کہیں تجھ کو نہ ہوا باغ کی کھا لے بلبل

سب مجھے زہر کے ہیں، ایک سے ہی ایک بڑھا   اُن کے ناوک، مری آہیں، ترے نالے بلبل

نخلِ گل سینچنے کو یوں نہ بہا خوں اپنا   پہلے منقار سے تو کھود دی تھالے بلبل

آشیانوں میں ہے کیوں نہ شراروں کا ہجوم   بجلیوں نے بھی پر و بال نکالے بلبل

ایسے نازک ہیں کہ وہ جب ہوئی سرگرم فغاں
بولے پڑ جائیں زباں میں تری چھالے بلبل

باغباں رعب یہ گلشن میں جما ہے تیرا
پنکھڑی کیا کوئی تنکا تو اُٹھا لے بلبل

مجکو صیاد نے، صرصر نے نشیمن کو لیا
آسماں ٹوٹ پڑا پھٹ پڑے ڈالے بلبل

تیری منقار سی یہ پھول تو اُٹھنے کے نہیں
کیوں گندھا جاتی ہی تو مَی کے پیالے بلبل

باغباں تو نہیں صیاد کہ سُن لے اُس کی
اب قفس میں تو ذرا چونچ سنبھالے بلبل

گل نشیمن کے لئے دامن گلچیں میں کہاں
میری تربت سی کوئی پھول اُٹھالے بلبل

اے صبا چاک بھی ہی پاک بھی ہی دامن گلُ
اب بھی مُنہ سی نہ کوئی بات نکالے بلبل

مُنہ بندھی کلیوں کے جوبن کا یہ کہتا ہی اُبھار
اپنے سینے سے ہمیں کوئی لگا لے بلبل

کہیں یہ بھی نہ نکل جائے سہارا پا کر
نالہ کرنے میں ف[illegible] کو سنبھالے بلبل

ایک کانٹے کی تلی ایک ہی سانچے کی ڈھلے
کچی کلیاں ہیں کہ دل کے ترے چھالے بلبل

ایک میں بلبل گویا ہوں گلستاں میں ریاض
اب کہاں باغ میں ہیں بولنے والے بلبل

اُن کے کوچہ میں اگر جاتے ہیں ہم راہ چلتے دامن اُلجھاتے ہیں ہم
چُوم کر مُنہ گالیاں کھاتے ہیں ہم اس سزا میں بھی مزا پاتے ہیں ہم
کیا ہوا کیوں ہم سے شرماتے ہو تم کیا ہوا کیوں تم سے شرماتے ہیں ہم
جب کوئی تدبیر بن پڑتی نہیں اپنے دل کو آپ سمجھاتے ہیں ہم
تو بتا دے تیری صورت کے نثار تیرے صدقے کیوں ہوئے جاتے ہیں ہم
نشۂ مے سی جھکی پڑتی ہے آنکھ کہہ رہی ہیں نیند کے ماتے ہیں ہم
کوئی جاتا ہو چھڑے پہنے کہیں گود میں اپنی اٹھا لاتے ہیں ہم
اپنی تربت کا یہی ہوگا چراغ داغ جو دل پر لئے جاتے ہیں ہم
اس مزے سے کچھ کلیم آگاہ ہیں بے خودی میں جو مزے پاتے ہیں ہم

بس نہیں چلتا حسینوں سے ریاض
کچھ مزے میں ایسے آجاتے ہیں ہم

کہنے بھی کچھ نہ پائے تھی آہِ رسا سے ہم سُنا پڑا کہ آج لڑیں گے ہوا سے ہم
ضد آپ کو اثر سے، اثر کو دعا سے لاگ فرمائیے تو ہاتھ اُٹھا لیں دعا سے ہم
ہیں کیسے یہ کہتے ہیں فتنے دمِ خرام اتنی بڑے حضور قیامت فزا سے ہم
محشر میں پائی جام بکف حورِ زاہدو اچھے رہے یہاں بھی تمہاری دعا سے ہم

سوتے میں کام آئی نہ کچھ چشمِ نیم باز
کھُل کھیلے آج یار کے بندِ قبا سے ہم

ہم جانتے ہیں خوب اداؤں کی شوخیاں
ہم ہیں اداشناس ڈریں کیا قضا سے ہم

اُٹھ جائے بارِ شرم تو سو فتنے ہم اُٹھائیں
کہتی ہے وہ نگاہ دبے ہیں حیا سے ہم

حوروں کے بدلے ہوں بتِ کافر ہمیں نصیب
تم کو اگر ستائیں تو پائیں خدا سے ہم

کرتے نہ ہم وفا تو نہ بڑھتے جفا و جور
شرمندہ وہ جفا سے تو اپنی وفا سے ہم

ممکن ہے جا کے عرصۂ محشر میں سر اُٹھائیں
تیری گلی میں دب کے رہی نقش پا سے ہم

اُن کے لئے مزے کی سزا ہے یہی ریاضؔ
محشر میں مانگ لیں گے بتوں کو خدا سے ہم

دیکھئے جاتے ہیں کب تک گور کے دامن میں ہم
آنکھ کی پتلی رکھ آئے دیدۂ مدفن میں ہم

سایہ اس کا جنت الفردوس تھا بہرِ نگاہ
رنگ و بو اب وہ نہیں پاتے کسی گلشن میں ہم

یاد دلواتا ہی کس کی جا بجا اے جوشِ بہار
باغ کے بدلے رہیں گے آتشِ گلخن میں ہم

حسنِ صورت حسنِ سیرت کو ملا کر خاک میں
بہرِ تسکیں خاکِ تربت لائے ہیں دامن میں ہم

اپنے کیا تاثیرِ غم سے غیر بچ سکتے نہیں
درد کہتا ہے جگہ لیں گے دلِ دشمن میں ہم

زار اتنا کر دیا ہم کو غم و اندوہ نے
رشتۂ تارِ نظر ہیں دیدۂ سوزن میں ہم

وائے حسرت تربتِ پرنور میں روزن نہیں
پتلی رکھ آتے چھپا کر دیدۂ روزن میں ہم

نرم و نازک خندۂ گل سے تری آواز تھی
ڈھونڈھتے ہیں نغمہائے بلبلِ گلشن میں ہم

سایۂ خاتون جنت میں ہے اُن کی کنیز
جان دے کر جائیں گے اب خلد کے گلشن میں ہم

نور کا پتلا ہوا شاید کوئی واصل بحق
جلوہ کس کا دیکھتے ہیں آج اس مدفن میں ہم

نور بن کر چشمِ تربت میں ہے واہ اے ریاضؔ
داغ بن کر اب رہیں گے لالۂ گلشن میں ہم

مِل جائے تو شراب کے دریا بہائیں ہم — اللہ رے اگر تو پیئیں ہم پلائیں ہم
چھیڑا شبِ وصال یہ کہہ کر ستائیں ہم — بولے وہ ہنس کے بات اگر مان جائیں ہم
سجدے کریں کبھی نہ کبھی سر جھکائیں ہم — پائیں تو اِن بتوں کو گلے سے لگائیں ہم
زورِ جنوں کے جھوٹے فسانے سنائیں ہم — قلّابے آسمان و زمیں کے مِلائیں ہم
لائیں کہاں سے حلقۂ گیسوئے خم بہ خم — اے موجِ گردبار تجھے سر چڑھائیں ہم
یوں بھی تو شغلِ مے کہ پئیں ہم پلاؤ۔ تم — یوں بھی ہو شغلِ مے کہ پیو تم پلائیں ہم
اے طورِ شوخ بت بھی تو پتھر کی آگ ہیں — دیکھے ہوئے ہیں یار کی یہ سب ادائیں ہم
او سونے والے آج اسی کام کی ہے رات — لے لے کے بوسے آنکھ کے جادو جگائیں ہم
جائیں حرم میں توبہ کریں ہو کے پاک صاف — لت پت ہیں، پہلے تو سرِ زمزم نہائیں ہم
پھولوں کا فرش گھر میں بچھائیں گے دل کے داغ — اے شوقِ یار راہ میں آنکھیں بچھائیں ہم
مِل جائے دل اُنہیں تو ابھی آرسی بنائیں — مِل جائے آرسی تو ابھی دل بنائیں ہم
ایک ایک کر کے آج تو چُن لیں ہمارے لب — او سونے والے شوق ہے افشاں چھڑائیں ہم
اے آسماں، وہ درسی اُٹھاتے نہیں ہمیں — ڈر ہے اُنہیں زمیں نہ سر پر اُٹھائیں ہم
اُمڈی ہوئی یہ کالی گھٹائیں یہ رُت یہ رات — او زلفوں والے آج تو لے لیں بلائیں ہم
پھانسیں نکال دے جو ہمارے جگر کے تو — صیّاد تیرے دل میں نشیمن بنائیں ہم
دیوانگانِ زلف کو ہے ایک ہی سا خبط — ہر ایک چاہتا ہے کہ زنداں کو جائیں ہم
زخمِ کہن ہی تازہ کریں ناخنِ جنون — جب تک بہار آئے نئے گُل کھِلائیں ہم
رحمت سے تیری آ نہ سکیں یہ شمار میں — گنوا رہے ہیں حشر میں اپنی خطائیں ہم
اُٹھتا ہے ایک پاؤں تو تھمتا ہے ایک پاؤں — نقشِ قدم کی طرح کہاں گھر بنائیں ہم

محشر میں منفعل جو گئے بھی تو کیا گئے — جی چاہتا ہے شکل نہ اپنی دکھائیں ہم
پیر مغاں بچے نہ کوئی مغبچے بچے — اس طرح حج کے واسطے کعبے کو جائیں ہم
افلاس بھی، مرض بھی، بڑھاپا بھی، ضعف بھی — کیا جا کے اب نصیب کہیں آزمائیں ہم

دیں گے ضرور حضرت ساحر سخن کی داد
سرکار کو ریاض غزل یہ سنائیں ہم

پایا جو تجھے تو کھو گئے ہم — بیدار ہوئے تو سو گئے ہم
دل میں لئے غیر کو گئے ہم — ایک آئے عدم سے دو گئے ہم
محشر میں لگی بجھانے اے شیخ — سیدھے تسنیم کو گئے ہم
سمجھے نہ وہ زخم و داغ دل ہے — لے کر نئے پھول دو گئے ہم
بھر کر دمِ نزع اک دمِ سرد — جنت کی ہوا میں سو گئے ہم
اب دشت نورد عشق جو ہو — اس راہ میں کانٹے بو گئے ہم
کوثر کا تھا ذکر حوضِ مے پر — ہم کہہ کے گرے کہ لو گئے ہم
اللہ بچائے دختِ رز سے — یہ آئی کہ مست ہو گئے ہم
اب کشمکش حساب کیسی — کچھ حشر میں آ کے کھو گئے ہم
سو کعبۂ دیں تھے جلوہ افروز — خمخانے میں آج جو گئے ہم
میخانے میں جب کبھی ہم آئے — ڈاڑھی رو کر بھگو گئے ہم

اس حج میں وہ بت بھی ساتھ ہوگا
یہ سچ ہے ریاض، تو گئے ہم

حشر میں بے خلد و کوثر کہنے والے لوگ ہیں ‏ ‏ میکدے والے تو دنیا سے نرالے لوگ ہیں
رہبران عشق کی کچھ اور ہی ہوتی ہے شان ‏ ‏ خضر کیا الیاس کیا سب دیکھے بھالے لوگ ہیں
حشر میں رندوں کو چھیڑا ہی تو اُچھلے گی بُری ‏ ‏ ہر طرف کیوں پگڑیاں اپنی سنبھالے لوگ ہیں
قدر اُن کی چاہیے اے خوبرویان فرنگ ‏ ‏ معرکے میں سرخرو ہوں یہ وہ کالے لوگ ہیں
جان دیکر ان کے خنجر کو لگائیں گے گلے ‏ ‏ کیسے کیسے من چلے کیسے جیالے لوگ ہیں
اُٹھ تو بیٹھے ڈر سے لیکن حشر میں آتے نہیں ‏ ‏ اپنی اپنی تربتوں سے سر نکالے لوگ ہیں
دے کے دل جو چاہے لے لے حلقۂ آغوش میں ‏ ‏ حُسن کے پُتلے بھی کیسے بھولے بھالے لوگ ہیں
سرگرانی ہو نہ اِن کو اے قیامت یوں اُٹھا ‏ ‏ قبر کے آغوش میں نازوں کے پالے لوگ ہیں

دیکھ کر ہنستے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاضؔ
یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں۔

جو دیکھی بات تہ کی اپنے مرشد کے پیالے میں ‏ ‏ یہ گہرائی کہاں اچھے سے اچھے ظرف والے میں
سویدا میرے دل کا چشم نرگس میں ہے پتلی ‏ ‏ نہ ایسا چاند میں دھبا نہ ایسا داغ لالے میں
عدو نے کیوں کرا اپنی بات تیری کان میں ڈالی ‏ ‏ جو تیتے میں بالی میں نہ بجلی میں نہ بالے میں
ترے ہنسنے سے چمکیں بجلیاں کتنی کھلیں کلیاں ‏ ‏ مرے رونے سے پانی آگیا ندّی میں نالے میں
سنبھل جاتا تو اک دنیا بدل جاتی ترے گھر کی ‏ ‏ اثر کتنا تھا اے بیمار غم تیرے سنبھالے میں

چمک جائی مری قسمت بلائیں لے لوں چہری کی
یہ حلقہ گردِ رخ زلفوں کا ہی یا چاند ہالے میں

یہ چھالے پھوٹ جاتی سب اگر میں پھوٹ کر روتا
یہ کم رونے سے پانی آگیا ہر ایک چھالے میں

وہ کیا سمجھے اِسے جاڑی میں لپٹے جب وہ سوزی کو
دبا کر دل کو پہلے رکھ دیا روئی کی گالے میں

تری محفل کے نغمے رہ گئے منہ دیکھتے میرا
بھری تھیں بجلیاں کتنی مرے ایک ایک نالے میں

کہاں یہ بات حاصل ہی تری مسجد کو اے زاہد
سحر ہوتے جو ہم نی دیکھے ہیں جھرمٹ شوالے میں

بہت دیکھی ہی ہم نے خونچکانی دل کے داغوں کی
کلیجا آگیا منہ کو وہ دیکھا داغ لالے میں

شرابِ ناب کو دیکھا ہی شہد و شیر بن جاتے
نہاں ہیں طاقتیں کیا کیا ہر اک اللہ والے میں

ریاضؔ اس درجہ وہ نوابؔ[1] کی بخشش پہ عاشق تھی
لپٹ کر رہ گئی تقدیر خلعت کے دوشالے میں

وہی ان پھول بن کر جو رہا ہی گلعذاروں میں
ٹلا ہی رنگِ گل جس سے آج کانٹے پر ہزاروں میں

وہیں چل کر ذرا اب جام چھلکیں میگساروں میں
گھٹائیں ہیں کہ پریاں ناچتی ہیں سبزہ زاروں میں

ابھی کم سن ہیں کیا جانیں وہ رسمِ تعزیت کیا ہے
یہ کیا کم ہی جو ہنستے آئے میری سوگواروں میں

فرشتوں کا بھٹکنا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے
مزے کیا کیا دکھاتی ہی یہ تاریکی مزاروں میں

بڑھا دی شوق سے صیاد کچھ طول اسیری کو
مزے لوٹے ہیں ہم نی بھی بہت اگلی بہاروں میں

وہ ڈرتے ہیں ذرا تھم تھم کے یارب بجلیاں چمکیں
تڑپ کر آ رہیں وہ بھی نہ اپنے بے قراروں میں

ہمارا جوشِ مستی میں کوئی کھل کھیلنا دیکھے
دبا لی ایک بوتل اور پہنچے سبزہ زاروں میں

سنور کر جب نکلتے ہیں تو ان کے روک لینے کو
ہماری خاک ہوتی ہی پریشاں رہگزاروں میں

دبا جاتا ہوں محشر میں اٹھاؤں آنکھ اوپر کیا
نگاہیں سب کی مجھ پر ہیں ہزاروں شرمساروں میں

[1] ۔ خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور۔ نواب تخلص دم اپ بجائی یہ کے اس وقت متروک نہ تھا۔

بہت ہی یونہی رہ جائے اگر زندہ قیامت تک
ہمارا نام نکلا ہی تمہارے دلفگاروں میں

ہمارے دیدہ و دل ایک ہیں باہم کوئی غم ہو
یہ اُس کے غمگساروں میں وہ اُس کے غمگساروں میں

یہ میخانہ بچاتا ہی انہیں کتنے گناہوں سے
یہاں بیہوش جتنے ہیں وہ سب ہیں ہوشیاروں میں

مرے گھر آبلے بھر لائے کچھ کانٹے بیاباں کے
مری دامن کی یہ ہیں دھجیاں صحرا کے خاروں میں

نئے گل اُے حسینو موسمِ گل نے کھلائے ہیں
ہمارے داغ دل جا کر بنے ہیں پھول ہاروں میں

ریاضؔ اُٹھ کر وہاں سے یوں نگہ نیچی کئے آئے
کہ جو دیکھے یہ جانے ہیں بڑے پرہیزگاروں میں

ہماری داغ یوں چمکے نہ تھی پچھلی بہاروں میں
لگا دی آگ ہم نے آب کی جا کر لالہ زاروں میں

اثر خود ڈھونڈنے آیا ہی بجلی کے شراروں میں
کہ نالے اونچے ہو کر گم ہوئے ہیں آج تاروں میں

ہمیں سودا یہ تھا ہم ایک نکلیں گے ہزاروں میں
ہزاروں سربکف دیوانے دیکھے لالہ زاروں میں

گئے میخانوں سے کتنے حرم کو خانقاہوں کو
ہمیں اک رہ گئے ہیں اب پرانی بادہ خواروں میں

تڑپ دل میں ہے بجلی کی تڑپ بجلی میں ہی دل کی
مزے کی چیز دونوں ہیں تمہاری بیقراروں میں

رہی زندہ قیامت تک الٰہی نام دونوں کا
یہ قیس و کوہکن بھی تھی مرے بچپن کے یاروں میں

مبارک جلوی دخترِ رز کی ہوں ماہِ مبارک کو
کہ صبح عید بن کر شام آئے روزہ داروں میں

ہماری طرح کتنے جن کی گنتی ہو نہیں سکتی
ہزاروں اچھے اچھے ہیں وہاں امیدواروں میں

ٹھہر اے حشر اتنا نیند اُن کی پوری ہو جائے
پڑی سوتے ہیں جو یوں پاؤں پھیلائے مزاروں میں

تری دیوانے تیری زلف سمجھے شام غربت کو
کہاں سے آئی یہ کالی بلا شامت کی ماروں میں

جو رہ رہ کر تجھے دھوکا سا دیتی ہو مری دل کا
کلی ایسی بھی ہی کوئی تری پھولوں کے ہاروں میں

سرِ بام آئی وہ موقع نہ تھا کچھ کھل کے کہنے کا
ہوئیں کچھ دور سے باتیں اشاروں ہی اشاروں میں

چھلکتے جام کی موجیں نگاہیں جن کی بنتی ہیں
نہیں پیتے کچھ ایسے مست بھی ہیں میگساروں میں

خبر غفلت میں کس کو حشر زا دینا کہاں پہنچی
یہ ہم اپنے گھروں میں ہیں کہ مُردے ہیں مزاروں میں

حسینوں پر ریاضؔ اب ہاتھ اپنا ڈال دیتے ہیں
جنوں ہے ڈھونڈتی پھرتی ہیں ان پھولوں کے ہاروں میں

عبث اُمیدِ محشر پر ہمارے دن گزرتے ہیں
وفا ہوتا ہی دشمن ہے جو وعدہ ہم سے کرتے ہیں

میں چپ ہوں وعدۂ محشر پر اُن کے وہ یہ ڈرتے ہیں
کہ مُنہ سے جو نہیں کہتے ہیں وہ کچھ کر گزرتے ہیں

نہیں ہے آنکھ ڈیوڑھی ہے مرے کاشانۂ دل کی
اِسی پردے میں وہ آکر سواری سے اُترتے ہیں

بلائے دام میں آنے کی صورت ایک ہی سب کی
کن آنکھوں سے اُنہیں دیکھوں جو صدقے میں اُترتے ہیں

شبِ فرقت میں ہم نے ڈوبنا تاروں کا دیکھا ہے
ہمارا دل اُبھرتا ہے نہ دل کے داغ اُبھرتے ہیں

ہماری حسرتِ پرواز پر صیاد کا کہنا
اُڑانے کو ہوا میں ہم تمہارے پر کترتے ہیں

دلِ پر داغ کا اتنا اثر ہے خاک ہونے پر
دُھواں اُٹھتا ہے سینے سے جب اس کو یاد کرتے ہیں

حقیقت سے ہماری تو نہیں واقف ہے اے زاہد
یہ عصیاں ہم نہیں کرتے ہیں' ان پہ ناز کرتے ہیں

سُنا تو یہ سُنا وہ محوِ تزئین ہیں شبِ وعدہ
دیے جاتے ہیں خم زلفوں کو بنتے ہیں سنورتے ہیں

سمجھتا ہے اسے لغزش اگر زاہد سمجھنے دو
بہت ڈر ڈر کے اس کی راہ میں ہم پاؤں دھرتے ہیں

یہ لہراتے ہیں کالے گیسوؤں کے دوش پر کس کی
وہی تو ہیں جو اپنے سایۂ گیسو سے ڈرتے ہیں

قفس میں حسرتِ پرواز دیکھیں کب نکلتی ہے
یہ سُن کر روح کا کہنا کہ ہم پرواز کرتے ہیں

کسی کا ہنس کے کہنا موت کیوں آنے لگی تم کو
یہ جتنے چاہنے والے ہیں سب بے موت مرتے ہیں

بہت مشہور اسی سے ہو درازی تیری مژگاں کی
یہ چھوٹے چھوٹے ناوک دور سے دل میں اترتے ہیں

نہ منہ آنا غضب ہیں واعظو بینہ دہن شیشے
کہ اُن کے مُنہ میں جو آتا ہے یہ بھی کہہ گزرتے ہیں

دباتی ہی ہماری طرح خاک گوران کو بھی — ہماری قبر کے تختے یہ ہم سے کیوں پڑتے ہیں
یہ کیوں مجھ سی تجلّی گاہ کا ہر ذرہ کہتا ہے — جو کُھل کھیلے تھی موسیٰ سے وہ تم سے پردہ کرتی ہیں
وہ جائیں تو چمن میں مسکراتی ہیں بہت کلیاں — جو میں دیوانہ جاؤں تو عنادل شور کرتے ہیں

ریاضؔ اُس شوخ نے گلگیر اب تو نام رکھا ہے
یہ خدمت ہی ہماری شمع کا ہم گُل کترتے ہیں

نشہ سا ہے شراب کا ہر چند پی نہیں — یہ رنگ ہے شباب کا تو زندگی نہیں
صدقے تمہارے ہونٹھوں کے جن پر مِسّی نہیں — اِس ضبط کے نثار کہیں گدگدی نہیں
میرا یہی خیال ہے گو میں نے پی نہیں — کوئی حسین پلائے تو یہ شئے بُری نہیں
بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اُڑا — ہم گُل جلوں کے ہاتھ کی گولی رُکی نہیں
ناصح کے سر پہ ایک لگائی تڑاق سے — پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں
آتا ہی مجھ سے ملنے کو شاید غبارِ قیس — اس زور سے کبھی کوئی آندھی اُٹھی نہیں
رنگت نہیں ہے شوخ شرابِ طہور کی — تیزی بہت سہی مگر اچھی کھنچی نہیں
سو آئیں میکدے سے حرم سے کھلا ہے در — یہ گھر فقیر کا ہے یہاں کچھ کمی نہیں
چھیڑوں سے میری وصل کی شب جو نہ مسکرائے — پھولوں کی ہار میں کوئی ایسی کلی نہیں
ہلکی مئے طہور سے یہ خانہ ساز سے — ہر چند خانہ ساز بھی اچھی کھنچی نہیں
مسجد میں آج ہم بھی گئے تھے پئے نماز — دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں
شام شبِ وصال مری بے قراریاں — اُن کا دبی زبان سے کہنا ابھی نہیں
سمجھیں نہ بزمِ وعظ اسے یارانِ میکدہ — محشر کی باز پُرس ہے کچھ دل لگی نہیں
ہم جانتے تھے پہلے سے دونوں میں کج ادا — وہ دن بھی زلفِ یار سے دل کی بنی نہیں

بیٹھا ہوں میں یہاں سے مجھے کوئی کیوں اُٹھائے دشمن کے گھر کی راہ ہے اُن کی گلی نہیں
میرے سپرد میکدے میں ظرفِ مے رہیں سب جانتے ہیں یہ مری نیّت بُری نہیں
جُبّہ بدن سے سر سے عمامہ اُتر گیا پینے کے بعد وضع پُرانی نبھی نہیں

پوچھیں گے آپ کو نہ ریاضؔ اہل لکھنؤ
شاعر یہاں ہزار ہیں ایک آپ ہی نہیں

یہ بلا میرے سر چڑھی ہی نہیں میں نے کچے گھڑے کی پی ہی نہیں
آگ ایسی کبھی لگی ہی نہیں کہ لگی دل کی پھر بجھی ہی نہیں
پی بھی یوں جیسے میں نے پی ہی نہیں مُنہ سے میرے کبھی لگی ہی نہیں
دل نہ جب تک ہوا شریکِ حنا مہندی اُن کی کبھی پسی ہی نہیں
شکن زلف حلقۂ گیسو بیڑیاں بھی ہیں ہتکڑی ہی نہیں
کون لیتا بلائیں پیکاں کی آرزو کوئی دل میں تھی ہی نہیں
کس قدر ہوں بنا ہوا میں بھی جیسے میں نے شراب پی ہی نہیں
دل میں کیا آئے کیا چلے دل سے تم نے چٹکی تو کوئی لی ہی نہیں
صبح کا جھٹپٹا تھا شام نہ تھی وصل کی رات رات تھی ہی نہیں
کیوں سُنے شیخ قلقلِ مینا اُس نے ایسی کبھی سُنی ہی نہیں
آئے آنے کو فصلِ گُل سو بار میرے دل کی کلی کھلی ہی نہیں
ہائے سبزے میں وہ سیہ بوتل کبھی ایسی گھٹا اُٹھی ہی نہیں
لاگ بھی دل سے ہے لگاؤ کے ساتھ دشمنی بھی ہے دوستی ہی نہیں
مُنہ لگا نام اِک آفت تھا خُم میں وہ چیز جیسے تھی ہی نہیں

بزمِ آرائے حشر کے صدقے ۔۔۔ محفل ایسی کبھی جمی ہی نہیں
کچھ مزے میں ہم آ گئے ایسے ۔۔۔ توبہ پینے سے ہم نے کی ہی نہیں

کوئی ناخوش ریاضؔ سے کیوں ہو
اس روش کا وہ آدمی ہی نہیں

جو اُن سے کہو وہ یقین جانتے ہیں ۔۔۔ وہ ایسے ہیں کچھ بھی نہیں جانتے ہیں
بڑے جنتی ہیں یہ میخوار زاہد ۔۔۔ مئے تلخ کو انگبیں جانتے ہیں
جوانی خود آتی ہے سو حسن لے کر ۔۔۔ جواں کوئی ہو ہم حسین جانتے ہیں
شبِ ماہ بنتی ہے ہر شب مری گھر ۔۔۔ یہ سب بادہ وش مہ جبیں جانتے ہیں
بناوٹ بھی اک فن ہے جو جانتا ہو ۔۔۔ تری سادگی کچھ ہمیں جانتے ہیں
نگاہیں نہ آنکھوں کے گھونگھٹ سے نکلیں ۔۔۔ ادائیں غضب شرمگیں جانتے ہیں
تری کم نگاہی سے ابھری ہیں فتنے ۔۔۔ تجھے غیر چیں بر جبیں جانتے ہیں
مری جان پر رات بن بن گئی ہے ۔۔۔ مرا حال کچھ ہم نشیں جانتے ہیں
جو واقف نہیں لطفِ تجدید سے کچھ ۔۔۔ وہ توبہ کی لذت نہیں جانتے ہیں
وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی باتیں ۔۔۔ وہ ہنسنا بھی کھُل کر نہیں جانتے ہیں
مری بت پرستی بھی ہے حق پرستی ۔۔۔ مرا مرتبہ اہلِ دین جانتے ہیں

بڑے پاک طینت بڑے صاف باطن
ریاضؔ آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ریاضؔ اک چلبلا سا دل ہو ہم ہوں ۔۔۔ حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں
کہا لیلیٰ سے کس نے دل ہو تو ہو ۔۔۔ کبھی تو ہو ترا محمل ہو ہم ہوں

مزا دے جائے ہم کو خواب غفلت — مزا آجائے تم غافل ہو ہم ہوں
ذرا ہم بھی سنیں تم نے کہا کیا — عدو سے جب سر محفل ہو ہم ہوں
لئے حلقے میں ہوں سب اہل محشر — کمر میں ہاتھ ہو قاتل ہو ہم ہوں
بنے تل آنکھ کا گھٹ کر شب وصل — ہماری آنکھ میں یہ تل ہو ہم ہوں
تری اُلٹی چھری دل میں اتر جائے — عدو جب اس طرح بسمل ہو ہم ہوں
یہ تھک کر بیٹھنا ہو وجہ آرام — مزا ہے سختی منزل ہو ہم ہوں

نہ خلوت چاہئے ہم کو نہ معشوق
ریاضؔ اک آرزوئے دل ہو ہم ہوں

مُنہ دکھا کر منھ چھپانا کچھ نہیں — کچھ نہیں یہ منہ دکھانا کچھ نہیں
تھا جو کیا کچھ بات کہتے کچھ نہ تھا — آدمی کا بھی ٹھکانا کچھ نہیں
گل ہیں معشوقوں کے دامن کے لئے — قبرِ عاشق پر چڑھانا کچھ نہیں
ہے ستانے کا بھی لطف اک وقت پر — ہر گھڑی ان کو ستانا کچھ نہیں
بے منائے من گئے ہم آپ سے — ایسے روٹھے کو منانا کچھ نہیں
ہاتھ سے گلچیں کے جھٹکے کون کھائے — شاخ گل پر آشیانا کچھ نہیں
یہ حسیں ہیں پیار کر لینے کی چیز — ان حسینوں کو ستانا کچھ نہیں
اے حباب اپنی ذرا ہستی تو دیکھ — اس پر اتنا سر اُٹھانا کچھ نہیں

تو نے توبہ کی تو ہے لیکن ریاضؔ
بات کا تیری ٹھکانا کچھ نہیں

روز کا حیلہ بہانا کچھ نہیں — روز کا منہدی لگانا کچھ نہیں
میری ہستی کچھ نہیں یونہی سہی — کچھ بن نہیں کچھ میں نے مانا کچھ نہیں

اس کے آگے پھر قفس اک چیز ہے — مال تو ہے آشیانا کچھ نہیں
ایسی ہنس مکھ شکل پر اے شمع بزم — یہ ترا آنسو بہانا کچھ نہیں
کہتی ہے بل کھاتی وہ نازک کمر — نازنینوں کو ستانا کچھ نہیں
شوق سے قاضی کے گھر نالش کرو — میفروشو ہم سے پانا کچھ نہیں
کہہ گیا محفل میں اک خلوت نشیں — کھل کے یوں پینا پلانا کچھ نہیں
آپ ہوں یا آپ سے بڑھکر کوئی — ہم نہیں تو اک زمانا کچھ نہیں
اتنے جھگڑے زندگانی کے لئے — زندگانی کا ٹھکانا کچھ نہیں

سب حسیں تم کو ستائیں گے ریاضؔ
بات کہتے روٹھ جانا کچھ نہیں

وہ کون لوگ ہیں جو مے اُدھار لیتے ہیں — کہ میفروش تو ٹوپی اُتار لیتے ہیں
یہ پاس پردہ نشینوں کا ہے کہ نالے بھی — جو اونچے ہوتے ہیں پردہ پکار لیتے ہیں
وہ کہتے ہیں ابھی اللہ اتنی طاقت ہے — جو کروٹیں کبھی ہم بے قرار لیتے ہیں
بچائیں گے گل و بلبل کو دام گلچیں سے — جو کوئی پہنچے تو فصل بہار لیتے ہیں
یہی ہیں کام نکلتا ہے جن کا بے طاعت — مزے کرم کے ترے شرمسار لیتے ہیں
اُترتے عرش سے ڈرتا ہے تو دعا والے — اثر کو ہاتھ بڑھا کر اُتار لیتے ہیں
شراب کے لئے ہنوز منہ ہیں پھیلائے — جمھائیاں نہیں وقت خمار لیتے ہیں
گناہگار ہیں اتنے ہی ان بتوں کے ہم — کہ پانچ وقت خدا کو پکار لیتے ہیں
جما یہ رنگ کہ اب وقت زمزمہ سنجی — چمن میں مجکو عنادل پکار لیتے ہیں
پیئے ہوں کتنی ہی لیکن یہ ہوش رہتا ہے — کہ سوتے وقت وہ زیور اُتار لیتے ہیں

ریاضؔ باتوں میں اپنی اگر نہیں جادو
پری کو شیشے میں یونہی اُتار لیتے ہیں

خاک آنکھوں میں مری ڈال دیا کرتے ہیں
شوخیاں آپ کی نقشِ کفِ پا کرتے ہیں

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں
اُس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

چھیڑتے ہیں ہمیں معشوق بُرا کرتے ہیں
ہم بھری بزم میں منہ چوم لیا کرتے ہیں

سونپتے جاتے ہیں اللہ کو اُن کی باتیں
ہم نہ شکوہ نہ شکایت نہ گلا کرتے ہیں

دل لہو ہونے کا افسوس ہے کتنا اُن کو
منہدی ملتے نہیں اب ہاتھ ملا کرتے ہیں

وہ بھی کیا وقت ہے ہوتی ہیں شگفتہ جب دل
وہ بھی کیا وقت ہے جب پھول کھلا کرتے ہیں

آپ سوئیں تو سہی آنکھ لگائیں تو سہی
وا ابھی ہم گرہِ بندِ قبا کرتے ہیں

کہتے ہیں کون کفن منہ سے ہٹائے اُن کے
آنکھ حوروں سے لگائی ہے حیا کرتے ہیں

اُن کے جوڑے میں جگہ پائی ہے کیا حضرتِ دل
نہیں کھلتا ہے کہاں آپ رہا کرتے ہیں

آسماں کو وہ مجھے سونپ رہے ہیں پس دفن
ہاتھ اٹھائے جو سوئے چرخ دعا کرتے ہیں

اچھے بل کھائے ہوئے آپ بھی سیدھے مجھ پر
یہ خطا میری ہے یا تیر خطا کرتے ہیں

ہم کفن میں وہ دوپٹے میں چھپائے ہیں مُنہ
کچھ حیا ان کو ہے کچھ ہم بھی حیا کرتے ہیں

مے و معشوق سے لطف آٹھ پہر رہتا ہے
چین دن رات ہے دن رات مزا کرتے ہیں

سجدے کرتے تھے بتوں کو کبھی دن رات ریاضؔ
اب تو ہم خدمتِ خاصانِ خدا کرتے ہیں

کوئی لائے اس کو ذرا ہوش میں
یہ واعظ ہے کس خوابِ خرگوش میں

شبِ وصل اُٹھائے یہ باہم مزے
نہ وہ ہوش میں ہیں نہ ہم ہوش میں

خمِ مے کا ڈر سے لہو خشک ہے — پڑا جام دستِ بلا نوش میں
میں صدقے کسے آج پیار آگیا — یہ کون آگیا میرے آغوش میں
نہ چھیڑو نکل جائے گی جان ابھی — دبی ہے وہ لبہائے خاموش میں
بڑھی ہیں دل آویزیاں حسن کی — زمرد کے آویزے ہیں گوش میں
سرِ بزم واعظ سے دبنا پڑا — وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں
ٹھکانا ہے کیا شیخ بدمست کا — کبھی کہہ دیا ہوگا کچھ جوش میں
فرشتے مرے بانٹ لیں کچھ گناہ — کمی ہو گرانباری دوش میں
نہیں پاؤں میں صرف مہندی لگی — لگے لال ہیں ان کی پاپوش میں
خدا جانے کہتا ہوں مستی میں کیا — خدا جانے بکتا ہوں کیا جوش میں
بنے دیر الٰہی یہ کعبہ مرا — رہیں بت دلِ حق فراموش میں

ریاض اب کہاں وہ جوانی کے دن
کہاں اب حسیں کوئی آغوش میں

ان اچھی شکل والوں سے ہم کچھ خفا بھی ہیں — یہ بات مان جائیں تو ان پر فدا بھی ہیں
بیجا گلے ترے ارے ظالم بجا بھی ہیں — گو یاروا ترے ستم ناروا بھی ہیں
ہاں ہاں یہی دعائیں جو جاتی ہیں چرخ پر — اُلٹی پھریں تو حق میں ہمارے بلا بھی ہیں
آئے نظر نہ کوچۂ دشمن میں یہ کبھی — چلتے ہوئے حضور کے کچھ نقشِ پا بھی ہیں
کہتا ہے یہ فریبِ نمودِ شرارِ سنگ — دو ایک کیا ہزاروں کے یہ بت خدا بھی ہیں
پس کر الگ یہ رنگ جماتی ہیں اس کے ساتھ — ٹکڑے جدا ہیں دل کے شریکِ حنا بھی ہیں
یوں تو ادا بھی شوخ ہے اُن کی نگہ بھی شوخ — موقع حیا کا ہو تو سراپا حیا بھی ہیں

مژگاں ہوں یا وہ شوخ نگاہیں کسی کی ہوں — جو دور سے چبھیں وہی تیر قضا بھی ہیں

افسردہ ہوں کبھی نہ مری داغہائے عشق — روشن رہیں تو مشعل راہِ فنا بھی ہیں

آنا سنور کے روز لبِ بام دن رہے — خود بینیوں کے ساتھ حسین خود نما بھی ہیں

جب دیکھئے تو ہے مے و معشوق پر نگاہ

ہاں ہم ریاضؔ بڑے پارسا بھی ہیں

ہم سے وفا کریں کہ وہ ہم پر جفا کریں — بائیں خدا سے ہم جو بتوں سے دعا کریں

صیاد اُڑا دیا مجھے سر سے اُتار کر — صدقے ترے ہمارے سر پر اُڑا کریں

وہ دن خدا دکھائے کہ ہم بھی انہیں ستائیں — یہ نازنیں حسین ہمارا گلا کریں

آنکھوں میں اشک آئی تو ہنسنے کا لطف کیا — اتنا نہ گدگداؤ کہ ہم رو دیا کریں

سمجھا دی جا کے تو ہی انہیں ای نگاہِ یاس — اب کوسنے کا وقت نہیں ہے دعا کریں

رکھ لیں ہم آپ لاؤ دلِ بے قرار میں — ایسا نہ ہو کہ تیر تمہارے خطا کریں

ہم لاکھ پارساؤں کے ایک پارسا سہی — موقع ہے تم کو پائیں تو بتلاؤ کیا کریں

پژمردہ پھول بن کے رہے نامراد دل — کھل کر تمہارے ہار کی کلیاں ہنسا کریں

وہ دن کہاں ریاضؔ وہ راتیں کہاں ریاضؔ

بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کریں

عیش و عشرت سب سہی ہمدم نہیں تو کچھ نہیں — ایک دنیا ہو تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

سرگمیں آنکھوں میں اشکِ غم نہیں تو کچھ نہیں — دستِ رنگیں سے مرا ماتم نہیں تو کچھ نہیں

صبح کو شب کے ستانے کا گلا شکوہ عبث — جب پریشاں گیسوِ برہم نہیں تو کچھ نہیں

عشق سے تھوڑا بہت تو ہو ہر انساں کو لگاؤ — دل میں کچھ کچھ درد کچھ کچھ غم نہیں تو کچھ نہیں

اس کمر پر اس نزاکت پر رسیدھی چال کیوں — بل نہیں تو کچھ نہیں کچھ خم نہیں تو کچھ نہیں

اس کی شوخی نے اسے اے دل چھپا رکھا کہاں — حشر میں وہ فتنۂ عالم نہیں تو کچھ نہیں

ملنے والوں کا بہم مل بیٹھنا بھی لطف ہے — جمگھٹے شب کو سر زمزم نہیں تو کچھ نہیں

اس کی رونق اور ہے اس کا اثر کچھ اور ہے — ان کی محفل میں مرا ماتم نہیں تو کچھ نہیں

پیارے پیارے اچھے اچھے منہ سے ہاں کہہ دی کبھی — تیری صدقے یہ تری ہر دم نہیں تو کچھ نہیں

بال کھولے تم نے تو کیا چوڑیاں توڑیں تو کیا — میرے مرنے کا جو دل سے غم نہیں تو کچھ نہیں

بات جس کی بھی گئی ساقی وہ اس کے دم کے ساتھ — جام جم ہو بھی تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

پھوٹ کر رونا نہیں تو پھوٹ ہی جائیں ریاض
کام کے جب دیدۂ پرنم نہیں تو کچھ نہیں

کچھ ایسی کم تو بارش ابر کرم نہیں — شرمندہ ہوں جو سبزۂ تربت بھی نم نہیں

جھوٹی قسم بھی میری تسلی کو کم نہیں — لیکن حضور غیر کے سر کی قسم نہیں

آنکھیں تمہیں فرش راہ اڑا لیگیا کوئی — پھر کر جو دیکھتے ہیں تو نقش قدم نہیں

وعدہ غلط کیا ہے کسی نے وصال کا — کیوں ہونٹھ پر نہ آئے ہنسی کچھ قسم نہیں

دیکھے چھدی ہوئے جگر و دل نہ ایک ساتھ — چلتے ہوئے کچھ آپ کے تیر ستم نہیں

کس شوق سے وہ پھول چڑھانے کو آئے ہیں — آتا ہی رشک قبر میں دشمن کے ہم نہیں

رسوا وہ آپ ہوتے ہیں پھر پھر کے رات کو — روشن چراغ راہ میں نقش قدم نہیں

لکھتا ہوں خط شوق کسی گلعذار کو — منقار عندلیب ہے میرا قلم نہیں

لائے گی کیوں اڑا کے صبا میری قبر پر — پھولوں کی پنکھڑی ترے نقش قدم نہیں

سب دوڑ دھوپ تھی مری تربت کیواسطے — اب بے قرار سایۂ ابر کرم نہیں

ہم دل میں خوش کہ سبزۂ تربت ہرا ہوا وہ اس ادا سے روئی کہ پلکیں بھی نم نہیں

ہم کو تو لوٹنا ہیں مزے عفو کے ریاض
یہ کیوں کہیں کہ اس کے گنہگار ہم نہیں

جو کرنا ہیں جفائیں وہ کئے جائیں دعائیں ان کو لینا ہیں لئے جائیں
کسی سے ہائے ساقی کا یہ کہنا لہو میرا پئیں جو بے پئے جائیں
گلا کیا ہے دعائیں دے رہا ہوں یہ آخر ہونٹھ میری کیوں سئے جائیں
گھٹا اٹھتے ہی بوچھاریں یہ ہم پر ارے واعظ کہاں تک ہم پیئے جائیں
نہ پہچانیں تو لیں ہم بوسہ انعام مزا ہے بن کے ہم بہروپئے جائیں
بچے گی جان تو دل مل رہے گا بچالیں جان، دل تم کو دیئے جائیں
ہم اے رندو خدا سے چاہتے ہیں پلائے جائے کوئی ہم پئے جائیں
کہاں تک ہم لکھے جائیں خط شوق کہاں تک ڈاکیوں پر ڈاکئے جائیں
نہ سمجھایا کریں رندوں کو ناصح ملیں موقع سے تو سمجھا دیئے جائیں
پلاتے ہیں مے گلگوں عدو کو لہو کے گھونٹ ہم کب تک پئے جائیں
ترے دیوانے رخصت ہو رہے ہیں ذرا کہہ دے بلائیں تو لئے جائیں
جفا سے شرم انہیں آتی نہیں ہے جفا پر بھی ہم اپنی سی کئے جائیں

ریاض الٹی سمجھتے ہیں نہ سیدھی
جو ان کے دل میں آئے وہ کئے جائیں

یہ کیوں ہم مفت اپنی جان سے جائیں جو تم کہہ دو تو دشمن کو بھی لے جائیں
سلامت ہم رہیں یا جان سے جائیں انہیں لینا ہی دل وہ آکے لے جائیں

وہ کہتے ہیں مجھے سب کچھ ہے منظور | کہیں یہ روز کے شکوے گلے جائیں
تڑپنے کا مزا جانے نہ پائے | وہ بیٹھے دل کو چٹکی سے ملے جائیں
مزا آئے ہمیں بھی گالیوں میں | ذرا ہم بھی ترا مُنہ چومتے جائیں
دم وصل آئینہ پیش نظر ہو | وہ اپنا رنگ بھی تو دیکھتے جائیں
ستانے ہم کو وہ آئے یہاں بھی | ہم اُٹھ کر قبر سے ہی کیا چلے جائیں
لگی دل کی سُنی تو بولے ہنس کر | یونہی قسمت میں جلنا ہی جلے جائیں
ہمارے آڑے آئے رحمت اس کی | جب اس کے آگے سب اچھے بُرے جائیں
ہمارا دل گراں اُن کو نہ ہم کو | اسے سو بار دے جائیں لے جائیں
ہمارے گھر وہ ہنستے کھیلتے آئیں | عدو کے گھر وہ روتے پیٹتے جائیں
ڈبوئی آبرو کیا آنسوؤں نے | یہ عالم ہے جہاں جائیں ہنسے جائیں
بلائیں اس لئے ہم لے رہے ہیں | یہ زلفوں والے ہم کو کوستے جائیں

ریاضؔ اب وہ طبیعت میں نہیں لطف
مزے کے شعر ہم سے کیا کہے جائیں

نہ رہنے پائے بلبل جی کی جی میں | کہ اب رس آچلا ہے ہر کلی میں
جو پوچھا جان لوگے دل لگی میں | تو بولے ہنس کے ہی کیا آدمی میں
جگہ دو دل کو آئینے میں اپنے | ہماری آنکھ رکھ لو آرسی میں
نہ چھیڑ اب اے خیال یار جا بھی | کوئی ہوتا ہے کس کا بیکسی میں
رہیں اب میکدے میں رند و زاہد | بسر مِل جُل کے کرلیں ایک ہی میں
عنادل میں صبا میں چل گئی تھی | اُڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں

فلک سے بڑھ کے دشمن تھا مرا کون — رہے تم اُس سے بڑھکر دشمنی میں
جو یہ کھل جائے تو سب راز کھل جائے — کوئی شئے بند ہے دل کی کلی میں
مری توبہ یہ کیسا دور آیا — مزا باقی نہیں اب میکشی میں
کرن سورج کی نکلی جام مے سے — یہ کیسی دھوپ پھیلی چاندنی میں
ہر ایک ساعت ہو جس کی حاصل عمر — کہاں وہ دن ہماری زندگی میں
یہ بت کیسے بتوں کا ہوش کس کو — نہ تھا کوئی خدا انتھا بیخودی میں
رہا تقدیر کا رونا ہمیشہ — ہماری عمر تو گزری اسی میں
نگاہِ محتسب کی قید ہے سخت — پڑی ہے جان شیشے کی پری میں
محبت اور اُن کافر بتوں کی
ریاض اس عمر میں اس مفلسی میں

جو بے حجاب کہیں سینہ تانے جاتے ہیں — کھلے خزانے وہ جوبن لٹانے جاتے ہیں
ہماری قبر پر اب خاک اُڑانے جاتے ہیں — مٹے ہوؤں کا وہ شکوہ مٹانے جاتے ہیں
کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے — وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں
ستم ستم ہے نہ کچھ لطف نزع کے وقت — ہماری یاد سے اب یہ فسانے جاتے ہیں
سکون و صبر چلے اب ہی اضطراب و تپش — نئے رفیق ملے ہیں پرانے جاتے ہیں
ہمارے نالے تو ہم سے بڑھے چڑھے نکلے — وہ بام پر ہیں یہ اُن کو ستانے جاتے ہیں
نکال لائیں گے دشمن کی لاش قبر سے کیا — وہ اپنے روٹھے ہوئے کو منانے جاتے ہیں
کہاں چلے ہیں جبیں پر چھٹے ہوئے افشاں — کہاں وہ حسن کی دولت لٹانے جاتے ہیں
کشیدہ رہتے ہیں ہم سے جو تیغ کی صورت — ہم اُن کو آج گلے سے لگانے جاتے ہیں

طریقِ عشق کے رہرو کبھی کبھی اب بھی
جناب خضر کو رستہ بتانے جاتے ہیں

حنا لگا کے جو آئے ہیں غیر کے گھر سے
وہی اب آگ مری گھر لگانے جاتے ہیں

چلے یہ کہہ کے بجھانے وہ شمع تربت کو
کسی کے دل کی لگی ہم بجھانے جاتے ہیں

ڈریں گے حشر سے کیا نازنین بت کافر
وہی تو حشر جسے یہ اٹھانے جاتے ہیں

ہوا چلی ہے یہ کیسی کہ آج سوئے قفس
چمن سے اڑتے ہوئے آشیانے جاتے ہیں

نظر بچائے بغل میں دبائے شیشۂ مے
کہیں ریاضؔ بھی پینے پلانے جاتے ہیں

اپنے خرامِ ناز پر اترائے جاتے ہیں
چلنے میں لاکھ لاکھ وہ بل کھائے جاتے ہیں

بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں
ہم اُن میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں

صیاد کو بہار میں موج آگئی یہ کیا
پھولوں سے آج سب کے قفس چھائے جاتے ہیں

چل دور بھی ہو پاس سے اے شمع بے حجاب
وہ اور تجکو دیکھ کے شرمائے جاتے ہیں

سوفار ان کے تیروں کے کھولے ہوئے ہیں منہ
دل کے لئے یہ جان مری کھائے جاتے ہیں

رات آپ کی ہے چین سے پہلو میں سوئیے
کیوں آپ سہمے جاتے ہیں گھبرائے جاتے ہیں

تر دامنوں کی قید تھی او آفتاب حشر
سب لوگ کیوں یہ دھوپ میں جھلائے جاتے ہیں

کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہار میں
سر پر یہ ٹکڑے ابر کے کیوں چھائے جاتے ہیں

درباں اُن کے ہیں سگ در سے بڑھے ہوئے
اس طرح دیکھتے ہیں مجھے کھائے جاتے ہیں

منہدی چھڑا کے آئیں بھی وہ دیر اب نہیں
ہم خاک میں ملانے کو نہلائے جاتے ہیں

شامت کہ بے بلائے گئے بزم ناز میں
ہم بھی انہیں میں ہیں جو نکلوائے جاتے ہیں

واعدے پر اپنے آج بھی شاید نہ آئیں گے
بستر کے پھول شام سے مرجھائے جاتے ہیں

پروانوں سے حجاب نہ گلگیر سے حیا — عریانیوں سے شمع کی شرمائی جاتے ہیں
آیا ہے اب پیام کہ فرصت نہیں ہے آج — ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ آئی جاتے ہیں
دنیا کی اور بات نہیں کوئی بھی یہاں — افسانے پچھلے حشر میں دُہرائی جاتے ہیں

آنے کو ہے ریاض سا اک پارسا بزرگ
مینا و جام بزم سے اُٹھوائے جاتے ہیں

رہ گئے تیر نظر ہو کے ترازو دل میں — رُک گئے چلتی ہوئی آنکھ کے جادو دل میں
فرق باہم نہیں رکھتے ہیں سر مو دل میں — دل ہے گیسو میں سے رہتے ہیں گیسو دل میں
دل تجھے کیوں نہ کرے پیار مری جان ہے تو — دل کو میں کیوں نہ کروں پیار کہ ہے تو دل میں
کیا ہوئی ہائے لگی دل کی بجھانے والے — نہیں آنکھوں میں لگانے کو بھی آنسو دل میں
دل میں کیا بیٹھے ہو آغوش میں میرے آجاؤ — تنگی دل سے نہیں چین کا پہلو دل میں
اب حسینوں سے بھی رکھتا ہے بڑھ چڑھ کے دماغ — آگئی چار ہی دن میں تری خو بو دل میں
گوشے گوشے میں ہے ارمانوں کا ماتم دن رات — ایک ٹپس سی پڑی رہتی ہے ہر سو دل میں
نہ وہ چبھتی ہوئی پھانسیں نہ کھٹکتے ہوئے خار — پھرتے ہی ان کی نظر پھر گئی جھاڑو دل میں
مُنہ سے نکلی تھی دم حشر خدا لگتی کچھ — لے رہا بات مری وہ بت بد خو دل میں
ہو کلیجا تو کرے غیر ہماری تقلید — لخت دل آنکھ میں کچھ آنکھ کا آنسو دل میں
کتنی ہلکی ہے گلگوں مجھے دی ہے ساقی — دل میں جو بوند گئی بن کے رہی بو دل میں
خلش ناخن غم ہو نہ سوا ڈرتا ہوں — چٹکیاں لیتی ہے کیوں جنبش ابرو دل میں
مے پئے، توبہ کئے، گزری ہے اک عمر مگر — ہے وہی لطف وہی رنگ وہی بو دل میں
یہ بہانہ تھا نکالیں گے وہ پھانسیں دل کی — آکے وہ پھیر گئے اور بھی جھاڑو دل میں

چٹکیاں لیتی جو امید ہماری ہوتی — بیٹھے ہیں کچھ وہ چھپائے تہ زانو دل میں
رہنے سہنے سے چمن میں یہ ہوئی ہے تاثیر — گل و بلبل کی بہت آگئی خو بو دل میں
کوئی دامن سے نہیں پونچھنے والا ان کا — آنکھ تک آکے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

کیا بنایا ہے دمِ حشر حسینوں نے ریاض
سوچ کر آئے تھے ہم وصل کے پہلو دل میں

گنہ بھی کئے ہیں تو پنہاں کئے ہیں — فرشتوں سے چھپ چھپ کے عصیاں کئے ہیں
ٹپکتا ہے یہ خونچکاں آبلوں سے — ہزاروں بیاباں گلستاں کئے ہیں
بہت دولتِ حسن لوٹی ہے ہم نے — حسینوں کے گھر ہم نے ویراں کئے ہیں
کہاں تم نے دشمن کا ماتم کیا ہے — بری طرح گیسو پریشاں کئے ہیں
سرِ حشر بھی میری گردن جھکی ہے — بہت میرے قاتل نے احساں کئے ہیں
ترے صدقے باقی نہیں کوئی حسرت — وہ پورے ہوئے ہیں جو ارماں کئے ہیں
جو تو نے سنوارے تھے مشاطہ پہروں — وہ گیسو ہمیں نے پریشاں کئے ہیں
ذرا ناز کرنا نہ تم خالِ رخ پر — بہت ہم نے ہندو مسلماں کئے ہیں
مزا وہ بھی دے جائیں گے حشر کے دن — کبھی جھوٹے سچے جو پیماں کئے ہیں

ریاض ان میں بھی کوئی بات اچھی ہوگی
برے شعر جو درج دیوان کئے ہیں

اثر اتنا ہے بلبل کی زباں میں — گلوں کا رنگ کھنچ آیا فغاں میں
مرے نالے کہاں پہنچے شبِ غم — ستارے ہیں کہ روزن آسماں میں
ہمیں کو وہ سمجھتا ہے کوئی ہو — ہمیں ہم ہیں نگاہِ پاسباں میں

مزے کا درد جو دل میں اُٹھا تھا — وہی اُٹھ کر چلا آیا فغاں میں
ادائے ناز سے ابرو کھنچے ہیں — کھڑے ہیں تیر جوڑے وہ کماں میں
عدو کے کام آئی تو شبِ ہجر — ترا کالا ہو منھ دونوں جہاں میں
جب اُترے حلق سے دو گھونٹ مے کے — پھلے پھولے چمن دیکھے خزاں میں
سمجھ بیٹھے ہیں مجکو پارسا وہ — مری گنتی ہے اب اہلِ جناں میں
یہ کیا پائے حنائی رکھ دیے تھے — جڑے ہیں لعل سنگِ آستاں میں
یہاں بھی لو خزاں میں اُڑ گئی خاک — نہیں کچھ میفروشوں کی دکاں میں
قفس میں توڑ ا میں پھینکتا ہوں — لگانے آگ جاؤں آشیاں میں
میں صدقے اُن بلاؤں کے جو آئیں — وہ پریاں ہیں مرے اُجڑے مکاں میں
پکڑتی ہے گلا کچھ یاد ناقوس — یہ کیوں آواز میٹھی ہے اذاں میں
جو آدھی بات دشمن کو کہی ہو — الٰہی چھالے پڑ جائیں زباں میں

سُنیں تو بُت بھی تیرا چوم لیں منھ
ریاضؔ اتنا اثر تیری زباں میں

کھٹکتے ہیں نگاہِ باغباں میں — جو ہیں دو چار تنکے آشیاں میں
ہر اک سختی میں عالم نزع کا تھا — ہماری عمر گزری امتحاں میں
چھڑالے سجدہ کرنے میں نہ کوئی — لگے ہیں لال سنگِ آستاں میں
شرارے ہیں مرے نالوں کے قائم — کہ تارے جڑ دیے ہیں آسماں میں
قریب اب فصلِ گل شاید ہے صیاد — مزا آنے لگا میری فغاں میں
ترس آتا نہیں مجھ پر کسی کو — میں فریادِ جرس ہوں کارواں میں

اثر مے کا ہے یا توبہ کا ناصح
کہ تلخی سی ہے کچھ اب تک زبان میں

تڑپنے والوں میں بھی تفرقہ ہے
قفس میں ہم ہیں، بجلی آشیاں میں

کسی سے چھوٹ کر عالم ہی کچھ اور
پڑا ہے تفرقہ سا جسم و جاں میں

ریاض اُستاد نے رتبہ یہ بخشا
ہماری دھوم ہے ہندوستان میں

وہ دل کو مَل کے جگر کو مَسَل کے جاتے ہیں
وہ رنگ بزم کا میری بدل کے جاتے ہیں

اُنہیں گلا ہی تجھے آ کے ہم نہیں پاتے
لحد سے روز کہاں ہم نکل کے جاتے ہیں

جو رکھ کے ہار کے پھولوں میں دل اُڑا سوئے
وہ چٹکیوں سے دمِ صبح مل کے جاتے ہیں

سبوئے مَے ہیں گراں وزن ہوں تو لے واعظ
اُچھالنے سی بہت دور اُچھل کے جاتے ہیں

اب اتنے نامِ خدا ہو گئے ہیں طفلِ سرشک
کہ پاؤں پاؤں گلی تک یہ چل کے جاتے ہیں

بتوں سے ہو کہ فرشتوں سے ہو کہ واعظ سے
خدا کے سامنے ہم بھی سنبھل کے جاتے ہیں

یہ اُن کے آنے سے پہلو نکل گیا ہے کہیں
وہ آج دل کے لئے ہاتھ مل کے جاتے ہیں

وہ اپنے ہار کے پھولوں میں ان کو رکھیں گے
کہیں یہ داغ بھی دل سے نکل کے جاتے ہیں

وہ گا کے نور کے سانچے میں ان کو ڈھالیں گے
جو شعر چُن کے ہمارے غزل کے جاتے ہیں

بہار آئی ہے لینے کو اے ریاض ہمیں
جو گھر سے ہم سوئے صحرا نکل کے جاتے ہیں

وہ آج ہم سے نئی چال چل کے جاتی ہیں
لگانے آگ کہیں مہندی مل کے جاتی ہیں

خبر فرشتوں کے لیتے ہیں کاگ بوتل کے
یہ آسمان سے اونچے اچھل کے جاتی ہیں

تمہارے کوچے میں آئیں یہی قیامت ہے
کہاں یہ لوگ لحد سے نکل کے جاتی ہیں

یہ مجکو دیکھ کے ہیں بیقراریاں ساقی — کہ اُبلے پڑتے ہیں خم جام چھلکے جاتے ہیں
کھٹکتے سائے سی اپنے ہیں ان کے کوچے میں — بہت ہی بچ کے بہت ہی سنبھل کے جاتے ہیں
اٹھا جنازہ تو دیوانگی مری بولی — یہ ملنے خاک میں کپڑے بدل کے جاتے ہیں
نہیں عمامہ تو سر پر سبوئے مے رکھ لیں — جناب شیخ بہت آج ہلکے جاتے ہیں
وہ ٹھنڈی ہو کے جو اُٹھتی ہے شمع محفل ہے — تمہارے بزم سی ہم روز جل کے جاتے ہیں

ریاضؔ بار گراں تھے ہمیں گناہوں سے
ہمیں ہیں چار کے کاندھے جو چل کے جاتے ہیں۔

اسی عروس کا جلوہ ہے چشم بلبل میں — بہار ہے کہ دلھن ہے لحافۂ گل میں
مزا بھرا ہے جو مینائے مے کی قلقل میں — کہاں وہ خندۂ گل میں نوائے بلبل میں
کسی کے گیسوئے شبگوں سے اس کو نسبت کیا — وہ رنگ و بو ہے نہ وہ پیچ و تاب سنبل میں
چمن میں جا کے سحر ہوتے دیکھ آتے ہیں — چھپی ہوئی ہے ہنسی تیری خندۂ گل میں

یہ خاص رنگ ہمیشہ سے تیرا حصّہ ہے
ریاضؔ مانتے ہیں سب تجھے تغزّل میں

یہ مے تلخ ترے منہ سے لگی ہی کہ نہیں — سچ بتا دے ارے زاہد کبھی پی ہی کہ نہیں
اُٹھ کے بوتل طرف جام جھکی ہے کہ نہیں — یہ گھٹا شیخ کے حجرے میں اُٹھی ہے کہ نہیں
بزم ماتم میں جو آئے ہیں بتا دیں اتنا — مہندی ہاتھوں میں کبھی ایسی رچی ہی کہ نہیں
جی میں آتا ہے ابھی جا کے خود اس سی پوچھوں — بات قاصد کی ترے منہ کی کہی ہی کہ نہیں
دیکھکر شوخ حسینوں کو بتا اے ناصح — گدگدی دل میں کبھی تیرے اٹھی ہی کہ نہیں
آتش گل کی لپٹ کیوں نہ قفس تک آئے — ہر طرف آگ گلستاں میں لگی ہے کہ نہیں

شرر اس کے ہیں بنے موج تبسم بھی کبھی　　روتے روتے کبھی یہ شمع ہنسی ہے کہ نہیں
قبر پہ آنے میں ان کو نہ تکلف ہو کہیں　　بیکسی تیرے سوا اور کوئی ہے کہ نہیں
لگی تلووں سے ہی تھا برگِ حنا میں دل بھی　　بے لگائے ہوئے یہ آگ لگی ہے کہ نہیں

شعر تر میرے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ریاضؔ
پھر بھی سب پوچھتے ہیں آپ نے مے پی کہ نہیں

پانی میں آگ مرے نالے لگا دیتے ہیں　　نفسِ سرد انہیں اور ہوا دیتے ہیں
ہم کسی کو ترے کوچے کی ہوا دیتے ہیں　　خضر بھی ہوں تو انہیں راہ بتا دیتے ہیں
تو قفس سے لئے جا سوئے نشیمن اُن کو　　اپنے ٹوٹے ہوئے پر تجکو صبا دیتے ہیں
میکدے والو ادھر بھی نگہِ لطف رہے　　دور سے کعبہ نشیں تم کو دعا دیتے ہیں
رنگ دے دے نکلیں گے ہم پس کے رہ الفت میں　　رنگ کیا پسنے پہ برگِ حنا دیتے ہیں
وہ سمجھتے ہیں کہ انگارے بھرے ہیں اس میں　　دل پہ داغ کو دامن کی ہوا دیتے ہیں
آپ سنتے کبھی نالے کسی دیوانے کے　　بھیگتی رات میں کانوں کو مزا دیتے ہیں
میکدہ چھوڑ کے ہیں گوشے میں گھر کے لیکن　　کوئی آجائے تو دو گھونٹ پلا دیتے ہیں
ابھی آجاتی ہے کعبے میں ہمیں دیر کی یاد　　بیٹھے بیٹھے کبھی ناقوس بجا دیتے ہیں
ہم نشیں اب بھی وہاں غیر میں ہم میں یہ فرق　　ہم پہنچتے ہیں تو پردہ وہ اٹھا دیتے ہیں
گالیاں بھی نہیں تقدیر میں ان کے منہ کی　　ان کے دربان کبھی دو چار سنا دیتے ہیں
کہیں آنے کو وہی آج نہ ہوں بات ہے کیا　　آنے والے مجھے پیغامِ قضا دیتے ہیں
وصل کی رات بھی رہنا ہے حیا کا پہلو　　شرم سے شمع وہ خلوت میں بجھا دیتے ہیں
تو نے دیکھی ہی نہیں چیز وہ کو تر والی　　شیخ انگور جھلک اس کی ذرا دیتے ہیں

یاد آتی نہیں افلاس کے غم کی لذت — رمضان میں ہمیں روزے وہ مزا دیتے ہیں
شیخ فانی کبھی رندوں میں جو آجاتا ہے — مے کے بدلے اُسے ہم آبِ بقا دیتے ہیں
ارے او بام کو بھی عرش سمجھنے والے — نالے کس کے ہیں کلیجا جو ہلا دیتے ہیں
دل ہدف اور وہاں تیر بھی چٹکی میں نہیں — بس کے ناوک ہیں وہ بے پر بھی اُڑا دیتے ہیں
آپ سے میں بھی چلا آئی ہے کیا فصلِ بہار — کیوں مجھے نالے عنادل کے مزا دیتے ہیں
پسِ پردہ یہ تماشا ہے کہ چلمن بن کر — بجلیاں گرتی ہیں پردہ جو اُٹھا دیتے ہیں

اللہ اللہ یہ کئے وجم کا شرف ہے کہ ریاضؔ
جام میں اپنے مے ہوش رُبا دیتے ہیں

ہم کو پروا نہیں وہ ہم کو بلاتے بھی نہیں — جان جاتی نہیں ہم جان سے جاتے بھی نہیں
نزع حیلہ ہے کہ وہ دیکھنے آتے بھی نہیں — وہ جو آتے نہیں ہم جان سے جاتے بھی نہیں
رکھ کے احسان شبِ وصل وہ فرماتے ہیں — لو الگ بیٹھے ہیں ہم تم کو ستاتے بھی نہیں
پھک گیا طور وہ جلوے نے گرائی بجلی — اس طرح جا کے کہیں آگ لگاتے بھی نہیں
مجمعِ حشر میں ان پر ہیں نگاہیں سب کی — شکل چھپتی بھی نہیں شکل چھپاتے بھی نہیں
آپ کی آنکھ سے کیوں نیند اڑی جاتی ہے — آج تو مرغِ سحر شور مچاتے بھی نہیں
خوف یہ ہے نہ کلائی کی نزاکت کھل جائے — آستینیں کبھی مجھ پر وہ چڑھاتے بھی نہیں
ایک ہم ہیں کہ جلاتی ہے ہمیں غیر کی آگ — ایک وہ ہیں کہ لگی دل کی بجھاتے بھی نہیں
جلوہ گر ہیں نگہِ شوق سے پنہاں دل میں — ہم سے پردہ بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
چشمِ بد دور بڑھا حسن یہ دن دن اُن کا — اب تو یہ حال ہے آنکھوں میں سماتے بھی نہیں
جس کا سودا نہ بنے اس کے خریدار نہیں — تم جو یوسف نہیں ہم دام لگاتے بھی نہیں

نام روشن نہ محبت میں کہیں ہو میرا
اب مرے نام کو وہ آگ لگاتی بھی نہیں

دل کے دینے سے پڑی جان کے لالے ہم کو
دل جو دیتے نہیں وہ جان سے جاتی بھی نہیں

وہ ستائیں تو ستانے کا ہے شکوہ دن رات
نہ ستائیں تو گلہ ہے کہ ستاتی بھی نہیں

چپ کھڑے ہیں وہ سر حشر خدا کے آگے
بات بنتی بھی نہیں بات بناتی بھی نہیں

مرگیا غیر مرے سر کی قسم سچ کہیئے
ہاں مرے سر کی قسم آپ تو کھاتی بھی نہیں

کون گھل گھل کے مرے ان کی محبت کر کے
جان کو مفت کا ہم روگ لگاتی بھی نہیں

بیٹھے ہیں وصل کی شب شرم کے پتلی بن کر
آنکھ کھلتی بھی نہیں نیند کے ماتی بھی نہیں

ہم نے بھی اب دل بدخو کا منانا چھوڑا
ہر گھڑی روٹھنے والے کو مناتی بھی نہیں

جاکے وہ پھول چڑھائیں گے مری تربت پر
آکے پھولوں میں مرے پھول اٹھاتی بھی نہیں

لے کے سو رہتی ہیں پہلو میں نہیں چپکے سے
ہم حسینوں کو شب وصل ستاتی بھی نہیں

منہ لپیٹے ہوئے کیوں قبر میں لیٹے ہو ریاضؔ
روز آکر وہ تمہیں اب تو ستاتے بھی نہیں

بہار نام کی ہے کام کی بہار نہیں
کہ دست شوق کسی کے گلے کا ہار نہیں

جو آج وصل میں اس طرح چوسی جاتی ہیں
انہیں لبوں سے سُنی ہم نے لاکھ بار نہیں

بتان ماہ جبیں سیر گاہ سمجھے ہیں
یہ داغ داغ جگر کوئی لالہ زار نہیں

حرم کی طرح نہیں میکدے میں بیداری
سوا ہمارے یہاں ایک ہوشیار نہیں

یہ کس نے ناقۂ لیلیٰ کو نجد میں گھیرا
بگولے دشت کے ہیں قیس کا غبار نہیں

رہیگی یاد انہیں بھی مجھے بھی وصل کی رات
کہ ان سا شوخ نہیں مجھ سا بیقرار نہیں

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

سحر بھی ہوتی ہے چلتے ہیں اے اجل ہم بھی
اب اُن کے آنے کا ہم کو بھی انتظار نہیں

اذیّت اس دلِ مردہ کو کیوں ہے پہلو میں
عذابِ گور نہیں گور کا فشار نہیں

یہی چراغِ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول
اب اُن کے نقشِ قدم بھی سرِ مزار نہیں

حنا لگا کے پہنچتے ہیں گل رخوں میں ریاض
کچھ ان کے ریشِ مبارک کا اعتبار نہیں

گریباں چاک کچھ ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں
جو ہوش آیا تو اب محتاج پیراہن کے بیٹھے ہیں

ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں
گلی میں رہنے والے وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں

وہی ہم ہیں نہ چھوڑا تار تک ہم نے گریباں کا
وہی ہم ہیں کہ اب ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں

جو آجائے گی دل میں اُٹھ کے سیرِ طور کر لیں گے
ابھی تو سنگِ در پر اس بتِ پرفن کے بیٹھے ہیں

ہوئی مٹی حنا اُن کی لگی ہے آگ تلووں سے
مٹانے والے وہ دیکھو مرے مدفن کے بیٹھے ہیں

مسی مالیدہ لب کیوں میں نے چوسی آج گلشن میں
وہ مجھ سے مُنہ چھپائے سایۂ سوسن کے بیٹھے ہیں

بڑھیں گے پینگ نشہ کے جھلائیں گے حسینوں کو
ابھی ہم پاؤں توڑے منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

لگا لاتے ہیں اپنے ساتھ یہ گم کردہ راہوں کو
ہمارے رہنما ہیں پاس جو رہزن کے بیٹھے ہیں

یہ ظالم کیا ابھر کر تیرے جوبن کو دبائے گا
دلِ پُرداغ پر سکّے تری جوبن کے بیٹھے ہیں

بھرے خم کی طرح ہم میکدے سے اُٹھ نہیں سکتے
یہاں بھی ہم جو بیٹھے ہیں تو لاکھوں من کے بیٹھے ہیں

وفا میری جفا اپنی انہیں کچھ یاد آئی ہے
نظر نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

ارے وہ حشر میں اترانے والے یوں نہ چل تن کر
یہاں بھی لوٹنے والے تری جوبن کے بیٹھے ہیں

بیاں کیا ہو نیاز و نازِ حسن و عشق کا عالم
اِدھر چلمن کے ہم ہیں وہ اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں

غضب ہے بے چھوئے چھیڑے جھجکنا چونکنا ڈرنا
یہ عالم ہے کہ گویا گھر میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

عدد آیا تو فرمایا چلو محفل سے خلوت میں
یہاں پہچاننے والے مری جتنوں کے بیٹھے ہیں
ذرا اے آرزوئے وصل موقع ہاتھ آنے دے
کہ وہ روٹھی ہوئی پہروں کے اب کچھ من کے بیٹھے ہیں

اُٹھانے سے ریاض اُٹھتے نہیں یہ ماجرا کیا ہے
در دولت پران کے آج سائل بن کے بیٹھے ہیں

پھوٹ سی پھوٹ پڑی رات کو میخواروں میں
محتسب خوب چلی خوب چھنی یاروں میں
پھول بلبل جو لئے پھرتے ہیں منقاروں میں
مانگ ہے غنچۂ پیکاں کی دل افگاروں میں
دل کی ہے قدر تو کچھ حسن کے سرکاروں میں
یہ وہ سودا نہیں بک جائے جو بازاروں میں
ہم نشیں نالے مری جا کے فلک پر چکرائے
کچھ تو گم ہو گئے کچھ رہ گئے سیاروں میں
تیشہ بر دوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل
روح فرہاد پھرا کرتی ہے کہساروں میں
تیرے دامن سے بندھی ہے مری امید اے چرخ
میری قسمت کا ستارا ہے تری تاروں میں
نہ قفس ہے نہ کچھ افتاد قفس سے واقف
میں ہوں صیاد ترے تازہ گرفتاروں میں
اہل عصیاں کی کمی حشر میں دیکھی نہ گئی
ایک ہم اور ملے آکے گنہگاروں میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں بایں ریش سفید
ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

نہ رہی پرسش دل حسن کی سرکاروں میں
گر گیا نرخ اب اس جنس کا بازاروں میں
دل سے جاتا ہی نہیں ابرو و مژگاں کا خیال
پڑ گئے تیروں میں ہم گھر گئے تلواروں میں
تیرے صدقے کہیں کھل جائیں نہ یہ بھی شب وصل
ناشگفتہ کئی کلیاں ہیں تری ہاروں میں
دل کے داغوں میں دھرا کیا ہے جو تم ڈرتے ہو
اب وہ انگارے کہاں خاک ہے انگاروں میں
ہو رہی ہے نئے انداز سے زنداں تعمیر
چن کے دیوانے چنے جاتے ہیں دیواروں میں

نشّہ کے پینگ نہیں جانا تھا کہیں لینے کو ‏ موج مے تیغ بنی چل گئی میخواروں میں
اس لئے میں نے تری جرم کئے دانستہ ‏ میری گنتی بھی رہی تیرے گنہگاروں میں

غیر کے گھر بھی مری جان کا رونا ہے ریاضؔ
غیر کے گھر بھی وہ ہیں میرے عزاداروں میں

وہ ہوں مٹھی میں ان کی دل ہو ہم ہوں ‏ یونہی پردہ سا کچھ حائل ہو ہم ہوں
ستائیں ہم اسی طرح جس طرح چاہیں ‏ کوئی نشّہ میں یوں غافل ہو ہم ہوں
تمہارا بام رشکِ آسمان ہو ‏ اگر تم ہو مہِ کامل ہو ہم ہوں
مزا خلوت کا آئے قتلگہ میں ‏ وہاں کوئی نہ ہو قاتل ہو ہم ہوں
ہر اک گوشے میں جیسے حشر برپا ‏ نئے فتنے ہوں وہ محفل ہو ہم ہوں
نہیں پروا نہ سبزہ ہو لبِ جو ‏ یہ مینا ہو لبِ ساحل ہو ہم ہوں
ہمارے ہاتھ میں ہو تیغ قاتل ‏ نہ ہو کوئی عدو بسمل ہو ہم ہوں
گرہ ہو زلف کی دل میں ہمارے ‏ ہمارا عقدہ مشکل ہو ہم ہوں
پرانے نجد میں اب ہوں نئے آج ‏ نئی لیلیٰ نیا محمل ہو ہم ہوں
یونہی ہم اپنی ہستی سے گزر جائیں ‏ ہماری سعی لاحاصل ہو ہم ہوں
یہ کم بخت اک جہان آرزو ہے ‏ نہ ہو کوئی ہمارا دل ہو ہم ہوں
نہ ہم اٹھیں نہ کوئی ہاتھ اٹھائے ‏ گلے پر خنجرِ قاتل ہو ہم ہوں
یہ سہو و محو ہوں ہم سیرِ گل میں ‏ ہر اک غنچہ ہمارا دل ہو ہم ہوں

ریاضؔ اس شوخ کو بھی تم سنا دو
وہ کیا ہے چلبلا سا دل ہو ہم ہوں

خیال شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں
وہ کچھ غیر سے وعدہ فرما رہے ہیں مرے سر کی جھوٹی قسم کھا رہے ہیں
یہ ہیں شوخیاں اپنی تصویر دے کر شبِ وعدہ وہ ہم کو بہلا رہے ہیں
نہ افتاد کچھ پیش آئے الٰہی ذرا ہم چمن کی ہوا کھا رہے ہیں
اٹھائیں نہ فتنہ یہ محشر میں کوئی حسیں بے چھوئی چھیڑی جھنجلا رہے ہیں
دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں واعظ بھرے جام کوثر کے چھلکا رہے ہیں
یہ انسان بن جائیں کچھ ساتھ رہ کر فرشتوں کو ہم راہ پر لا رہے ہیں
نہ لوں راہ میخانہ کس طرح واعظ یہ بادل جو سر پر مرے چھا رہے ہیں
چنیں گے وہ افشاں سرِ بام کب تک شبِ وعدہ کیوں تارے گنوا رہے ہیں
گلے کل ملیں گے وہ مینائے مے سے جو پیتے ہوئے آج شرما رہے ہیں
لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں
یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیا شیخ صاحب بڑھاپے میں کیوں ڈاڑھی نُچوا رہے ہیں
قیامت بچھی جاتی ہے ہر قدم پر یہ کون آ رہا ہے؟ وہی آ رہے ہیں
دعا دے رہا ہوں یہ دیوانگی میں چنیں پھول تنکے جو چنوا رہے ہیں

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاضؔ آ رہے ہیں

شیخ صاحب کیا چرا کر لے چلے رومال میں کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں
دن خوشی کا ایک بھی دیکھا نہیں نے سال میں میں ہوں خوش اس میں بھی اس کا شکوہ ہر حال میں
کچھ نہ ہو پھر بھی قفس اک گوشۂ آرام ہے آشیاں بر باد خود پھنستے ہیں آ کر جال میں

دم اُلجھتا ہی مرا کیوں کر ملے مجکو نجات — رات دن دنیا کے جھگڑے جان ہی جنجال میں
کاتبِ اعمال کو مشق خطِ ساغر نہ تھی — حسن خط آیا کہاں سے نامہ اعمال میں
کہتی ہے محرم نگاہِ شوق ہو یا دست شوق — اب نہیں حصہ کسی کا اس اچھوتے مال میں
بوسہ لینے میں یہ سمجھے ہم گلوری ہے دبی — گالیاں لاکھوں بھری تھیں بھولی بھولی گال میں
غیر کے گھر سے پھری تو اب نہیں اُٹھتا قدم — ایسے نازک فرق آئی جلد آیا چال میں
کیوں مُصر ہیں رند چل کر کیجیے کچھ زہر مار — شیخ صاحب کچھ نہ کچھ کالا ہی ہے[1] اس دال میں
مرغ جاں کو لیں نہ پھندے میں لکیریں ہاتھ کی — طائرِ رنگ حنا تو آ چکا ہے جال میں

ساتھ ہی سرکار[1] کے جانا تھا ہم کو بھی ریاضؔ
ماہیِ بے آب کو رہنا تھا نینی تال میں

رنگ دل کا داغ کب لاتا نہیں — اس چمن کا پھول مرجھاتا نہیں
چلتے پھرتے رہتے ہیں نقشِ قدم — تو کہیں آتا نہیں جاتا نہیں
یہ حسیں اچھا ہی پردے میں رہیں — دیکھکر ان کو رہا جاتا نہیں
چہچہے کرتے ہیں مرغانِ قفس — قید میں کیا دم بھی گھبراتا نہیں
ورنہ ہے میخانے کا در ہے عید کا — اور کوئی مجکو بلواتا نہیں
حشر بھی واعظ کا اچھا حشر ہے — ملک سے آتا ہے مگر آتا نہیں
پی بھی لو ہلکی سہی کچھ کم سہی — وصل میں بے مے مزا آتا نہیں
دردِ دشمن سُن کے یہ مجسے کہا — تم سُنو مجسے سُنا جاتا نہیں
ہاتھ میں اُن کے ہی جامِ مے ریاضؔ — اپنی ڈاڑھی تو بھی رنگواتا نہیں

[1] سر مہاراجہ محمود آباد علی اللہ مقامہ

ان آنکھوں میں ہیں رنگ محفل ہزاروں
ابھی رنگ دکھلائے گا دل ہزاروں

ہزاروں ہیں رخسار ارے تل ہزاروں
فدا تیرے تل پہ ہیں کیوں دل ہزاروں

اگر بزم آرائی دل یہی ہے
بنیں گے حسین شمع محفل ہزاروں

نہ گرہیں کھلیں ان کے بندِ قبا کی
کھلے عقدۂ سربستہ مشکل ہزاروں

کیا تیرہ تاروں کو بھی اے شبِ غم
یہ روئے فلک پر ہیں کیوں تل ہزاروں

وہ شئے آج واعظ کو ہم نے پلا کر
مٹائے خیالات باطل ہزاروں

بہت پل رہیں گے چھری پھیرنے کو
سلامت یہ دل ہے تو قاتل ہزاروں

کوئی دیکھے زورِ جنوں فصلِ گل میں
بنے تارِ دامن سلاسل ہزاروں

یہ گلچیں نے کیوں پھول گلشن میں توڑا
کہ اس پر ہیں ٹوٹے عنادل ہزاروں

گلی میں ترے حشر کے دن بھی قاتل
پڑے لوٹتے ہوں گے بسمل ہزاروں

کہیں قیس ہے اب نہ لیلیٰ کہیں ہے
بگولے ہزاروں ہیں محمل ہزاروں

یہ ہے میکدہ کوئی چونکائے کس کو
پڑے ہیں یہاں مست و غافل ہزاروں

نہ ترسا انہیں آب خنجر کو قاتل
دعائیں تجھے دیں گے بسمل ہزاروں

لپٹ کر نہ پھر میرے دامن سے چھوٹے
گئے خار رہ سوئے منزل ہزاروں

یہ کیا شور ہے حشر میں ہو رہے ہیں
یہ کیوں جمع ہیں آج قاتل ہزاروں

رہیں تا قیامت جوانی کی راتیں
یہ راتیں ہیں تو ماہ کامل ہزاروں

ابھارے سے ابھرے نہ گل تیرے آگے
چہکنے کو چہکے عنادل ہزاروں

فن شعر بھی کیا ہی آسان فن ہے
جہاں دیکھو اس فن کے کامل ہزاروں

ریاض اُن سے کہہ دو ستائیں سنبھل کر
بھرے میرے سینے میں ہیں دل ہزاروں

سیر کو جلوہ گاہِ طور کہاں | دیر ہے پاس جائیں دور کہاں
جام کوثر ہیں دانۂ انگور | کھنچ کے آئی مئے طہور کہاں
بہت ہیں پتھر شرر ہیں پتھر میں | جلوہ گر ہیں خدا کا نور کہاں
تاک میں دختِ رز ہی حجلہ نشیں | باغِ جنت سے آئی حور کہاں
سمجھے بُت دل کے آبلے توڑے | شیشۂ دل ہوا ہے چور کہاں
شیخ لے کر چلا ہے ریش سفید | اس کے منہ پر خدا کا نور کہاں
یہ بہت ہے ملے جو شاخِ قفس | نخلِ طوبیٰ و نخلِ طور کہاں
گھر مرا ہے یہ بزمِ غیر نہیں | آپ نشے میں آئے چور کہاں
یاد ایّام و جام باقی ہے | مئے کہاں مے کا وہ سرور کہاں
رنج و آلام کی ترقی ہے | طرب و عیش کا وفور کہاں
مجھ سا دنیا میں ناشکیبا کون | مجھ سا دنیا میں ناصبور کہاں
اے شبِ غم نہ توڑ یوں تارے | آسماں ہے زمیں سے دور کہاں
بے اثر ہیں یہ نالہائے جنوں | اثرِ نغمۂ طیور کہاں
حشر اُٹھانے میں ساتھ دے میرا | گُم ہوئی ہے صدائے صور کہاں
ہوتے سرکار کے کہوں کس سے | پئے فریاد جاؤں دور کہاں
میری قسمت مجھے کہاں لائی | میں کہاں اور رام پور کہاں
سنگِ در سے لڑی مری قسمت | جاؤں اس در سے اے حضور کہاں
آستاں وہ جو آسمان پایا | مجکو لایا مرا غرور کہاں
چار چاند اور اب جبیں کو لگے | تھا جبیں میں مری یہ نور کہاں

حضرت رشک اب ہیں اور ریاض
چھوٹتا ہے درِ حضور کہاں

ہمارے ساتھ جو اپنے پرائے جاتے ہیں
ہم اُن سے سوئے لحد مُنہ چھپائے جاتے ہیں

وہ دیکھ دیکھ کے منہ مسکرائے جاتے ہیں
یہ وقت نزع کے شکوے مٹائے جاتے ہیں

نگہ کی طرح وہ خود شرم سے نہیں اُٹھتے
مرے اُٹھانے کو فتنے اٹھائے جاتے ہیں

ہمارے بوسوں کے لینے کا عذر نہیں اُن کو
کہ ایک مُنہ میں وہ سو سو سُنائے جاتے ہیں

دعائیں ہیں کہ نہ ٹھنڈی ہو یہ قیامت تک
وہ آگ دل میں ہمارے لگائے جاتے ہیں

تجلیوں کے لئے تابِ دید پیدا ہو
ہماری آنکھ سے پردے اُٹھائے جاتے ہیں

کسی کا ہائے یہ کہنا مرے جنازے پر
کہاں یہ جاتے ہیں، کیوں منہ چھپائے جاتے ہیں

عجیب رنگ ہے اس کارگاہِ عالم کا
بگاڑے جاتے ہیں نقشے بنائے جاتے ہیں

ستم کی راتیں ہیں یا رب یہ وصل کی راتیں
ستانے والے بھی کیا کیا ستائے جاتے ہیں

کمر میں اپنی ہی نازک سی تیغ رہنے دیں
کسے ہمارے گلے وہ لگائے جاتے ہیں

کوئی بھی اہلِ جنوں کی یہاں نہیں سُنتا
چمن کے نغمہ سرا اپنی گائے جاتے ہیں

پہنچ نہ جائیں کہیں بزمِ عیش میں ہم بھی
ہمارے واسطے پہرے بٹھائے جاتے ہیں

عدو سے ہوتی ہیں باتیں سُنا سُنا کے ہمیں
نہیں ہیں باتیں یہ ناوک لگائے جاتے ہیں

بنے گی زخمِ گلو کیوں یہ تیغ نازک سی
گلے کا ہار کسے وہ بنائے جاتے ہیں

وہ میری قبر پہ آئیں کہ جائیں غیر کے گھر
سنوارے جاتے ہیں گیسو بنائے جاتے ہیں

خدا کے گھر سے سوئے میکدہ یہ کون چلا
ریاض ہوں گے جو آنکھیں چرائے جاتے ہیں

داورِ حشر سے کیا شکوۂ بیداد کریں | ہاں سنیں آپ تو کچھ آپ سے فریاد کریں

بھول بیٹھے ہیں ہمیں بھولنے والے ایسے | یاد آئیں نہ کبھی ہم جو ہمیں یاد کریں

ہیں وہ مانوسِ قفس ہوں جو قفس سے جاؤں | انتظار آپ سی آجانے کا صیاد کریں

ہم یہ کہتے ہوں۔ کیا خوش نہ کسی نے ہم کو | بول اُٹھے کوئی۔ آؤ تمہیں ہم شاد کریں

کام چل جائیگا زنجیر ہو جس طرح کی ہو | کچھ تکلف نہ مری واسطے حدّاد کریں

ہم سوکوہ گئے قیس کو دیتے آواز | بار آجاؤ ذرا ماتمِ فرہاد کریں

ہم سے دیوانے ریاضؔ اور کہاں نازک طبع
کہ جو وہ پھول سے بھی ماریں تو فریاد کریں

بُت اپنے آپ کو کیا جانے کیا سمجھتے ہیں | مرا خدا انہیں سمجھے خدا سمجھتے ہیں

ادا شناس کی اپنے ادا سمجھتے ہیں | کہ بے کہے وہ مرا مدعا سمجھتے ہیں

سمجھنے والے تمہاری ادا سمجھتے ہیں | وہ اور کچھ ہی جسے سب قضا سمجھتے ہیں

فلک کا نام نہ لے کوئی سامنے اُن کے | وہ اُس کے ذکر کو اپنا گلا سمجھتے ہیں

مجھے یہ آپ کے سر کی قسم نہ تھا معلوم | کہ آپ بھی رہ و رسمِ وفا سمجھتے ہیں

یہ شوخیاں بھی حسینوں کی کیا قیامت ہیں | شبِ وصال کو روزِ جزا سمجھتے ہیں

یہ دن شباب کے ہیں کوئی کیا کہے اُن کو | ابھی وہ کچھ نہیں اچھا بُرا سمجھتے ہیں

تمہارے کھوئے ہوؤں کا عجیب مسلک ہے | جو راہ زن بھی ملے رہنما سمجھتے ہیں

شبِ وصال مرے ہمنشیں سے فرمایا | یہی تو ہیں جو ہمیں بے وفا سمجھتے ہیں

خدا کرے کہیں موقع سی مجکو مل جائیں | یہی حسیں جو مجھے پارسا سمجھتے ہیں

ہمیں یہ حق ہے زمانہ بھی جو سنے جائیں | کہ تیرے شکوۂ بیجا بجا سمجھتے ہیں

نہ منع کرنے ومعشوق سے ہمیں واعظ — کہ ہم شباب میں سب کچھ روا سمجھتے ہیں
خدا کی شان یہ کوٹھوں کے بیٹھنے والے — ہماری آہ کو اب نارسا سمجھتے ہیں
ریاضؔ عشق میں کافر بتوں کے ہے بے خود
مزا یہ ہے وہ اسے پارسا سمجھتے ہیں

تمہارے تیر نظر کو قرار بھی تو نہیں — نہ دل میں ہو نہ سہی دل کے پار بھی تو نہیں
نہ کوسیں آپ، کیا میں نے پیار بھی تو نہیں — جو ٹوٹیں ہاتھ، گلے کا وہ ہار بھی تو نہیں
جمائیں رنگ کہاں لالہ زار بھی تو نہیں — چمن میں جا کے پئیں کیا، بہار بھی تو نہیں
گئے وہ دن کہ گریباں گلے کی پھانسی تھا — کفن کے نام کوئی آج تار بھی تو نہیں
یہ کیسی گھر مرے دن دوپہر ہے تاریکی — یہ کیا بلا ہے شب انتظار بھی تو نہیں
جناب شیخ اُلجھتے ہیں کس تعلق سے — یہ دختِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں
یہ انتہا ہے نزاکت ہی تیری اے قاتل — کہ تیرے بس کی مری جان زار بھی تو نہیں
ہمارے کام یہ انگڑائیاں نہیں آتیں — کہ وہ اُتارتے ہم پر خمار بھی تو نہیں
ملے جو پینے کو دن میں تو عید ہو ساقی — ہم ایسے کوئی بڑے روزہ دار بھی تو نہیں
قیامت اور رہوا میں ہمیں اُٹھاتی تھی — ہماری خاک سے اُٹھتا غبار بھی تو نہیں
کریں گے کیا نہ کریں گے جوئے سے ہم توبہ — کہ اب دکان سے ملتی اُدھار بھی تو نہیں
گرا یہ تھک کے تراقیس نجد میں لیلےٰ — کہ اس کی خاک سے اُٹھتا غبار بھی تو نہیں
وہ کیا کریں گے مرا داغ داغ دل لے کر — گندھا ہوا کوئی پھولوں کا ہار بھی تو نہیں
قفس میں قید نہ کر ہم کو بے خطا صیاد — کہ ہم نے باغ کی لوٹی بہار بھی تو نہیں
یہ کیا ادا ہے کسے وہ مٹانے آتے ہیں — مرا غبار ہے کوئی مزار بھی تو نہیں

عمامہ لے کے نہ دی میفروش کم ہم کو — ارے یہ نقد ہی سودا اُدھار بھی تو نہیں
حنا نے ہاتھ یہ بندھوائے ان حسینوں کے — کہ اپنے حُسن کی لوٹی بہار بھی تو نہیں
عدو ہی ساتھ لحد پر نہ ڈالو آنکھ میں خاک — بجھی ہوئی مری شمع مزار بھی تو نہیں
یہ کون توبہ شکن تھا، جو کہہ گیا واعظ — شکست توبہ سے دل شرمسار بھی تو نہیں
وہ ڈھونڈیں دل کے نہ اجزا ہوا کی موج نہیں — اُڑی کچھ آج کی خاک مزار بھی تو نہیں
نہ کو سو وصل کی شب تم مری جوانی کو — ابھی شباب کی لوٹی بہار بھی تو نہیں
تمام عمر جلاتے رہے جو دل میرا — جلاتے آج چراغ مزار بھی تو نہیں
وہ آکے سیر کریں کیا ہماری داغوں کی — ذرا سا دل ہے کوئی لالہ زار بھی تو نہیں
حساب زلف کے بوسوں کا، تل برابر رات — شبِ وصال ہے روز شمار بھی تو نہیں

ریاض اُداس ہے توبہ سے رنگ صحبت کا
بہت دنوں سے اب آئی اُدھار بھی تو نہیں

چھینٹے دیتی ہوئی رندوں کو گھٹائیں آئیں — پانی برساتی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں آئیں
بے ستوں سے طرفِ نجد گیا ہے کوئی — دردناک آج کئی بار صدائیں آئیں
تم کسی بات میں افسوس نہ پوری اُترے — نہ جفائیں تمہیں آئیں نہ وفائیں آئیں
اس ادا سے کہ فرستادہ گردوں سمجھوں — گھر مرا پوچھتی اوپر سے بلائیں آئیں
ارے او ایک زمانے کے ستانے والے — حشر میں کام ترے میری دعائیں آئیں
کیا ادھر ہو کے بہا ہے کوئی دریائے شراب — جھومتی قبلے سے کیا مست گھٹائیں آئیں
اُن کے دیوانۂ گیسو یہ گلا کرتے ہیں — نہ بلائیں کبھی لینے کو بلائیں آئیں
چاہتے ہیں تجھے معشوق طرحدار ریاض — تجھ میں کم بخت کہاں سے یہ ادائیں آئیں

شبِ وصل اپنے نگہباں ہوئے ہیں — پریشاں کیا ہے پریشاں ہوئے ہیں
مرے آگے غیروں سے پیماں ہوئے ہیں — یہ کم آپ کے مجھ پر احساں ہوئے ہیں
سمائے ہیں اپنے نگاہوں میں ایسے — جب آئینہ دیکھا ہے حیراں ہوئے ہیں
فرشتوں میں بھی شیخ صاحب کی گنتی — یہ رندوں کی صحبت میں انساں ہوئے ہیں
شبِ وصل کیا جانے کتنی بڑی تھی — بہت ان کے گیسو پریشاں ہوئے ہیں
کہاں میں نے لوٹی معاصی کی لذت — وہ کچھ بھی نہیں ہیں جو عصیاں ہوئے ہیں
کیا یوں جدا گوشت ناخن سے اُس نے — کہ دل سے جدا دل کے ارماں ہوئے ہیں
مرا دم اُلجھتا ہے اے دستِ وحشت — مجھے پھانسی تارِ گریباں ہوئے ہیں
کچھ آوازیں آتی تھیں سنسان شب میں — اب ان سے بھی خالی بیاباں ہوئے ہیں
بڑی گہری چھنتی تھی نادان دل سے — بڑے یارِ غار اُن کے پیکاں ہوئے ہیں

مچی ہے بڑی دھوم اہلِ حرم میں
ریاضؔ آج شاید مسلماں ہوئے ہیں

اے ہجرِ یار جان بچے یہ یقیں کہاں — اب وصل کی اُمید نشاط آفریں کہاں
آئینے میں بناتے ہیں کیا کیا وہ عکس کو — اُن کو یہ ہے غرور کہ مجھ سا حسیں کہاں
دل کے لئے تو روز نیا داغ چاہیے — رکھے ہوئے ہیں روز نئے مہ جبیں کہاں
پھینکا ہی اضطراب نے داماں چرخ میں — ملتی ہے دیکھئے ہمیں دو گز زمیں کہاں
مُنہ چوم کر چکھائیں گے انکار کا مزا — مُنہ سے ابھی نکالی ہے اُس نے نہیں کہاں
مدت ہوئی رسائی قسمت کو رو چکے — وہ سنگِ در کہاں یہ ہماری جبیں کہاں
ساغر پہ آنکھ پڑ رہی ہے بزمِ غیر میں — کھُل کھیلنے کو ہے نگہِ شرمگیں کہاں

موج شراب ناب ہو یا خطِ جام ہو — اُن گول بازوؤں کی پھنسی آستین کہاں

دن رات محو شغل ہے اک خم کے آڑ میں
دنیا میں اب ریاضؔ سا گوشہ گزیں کہاں

تربت پر آئے ہیں قدم مہ جبیں کہاں — اے چرخ ابھی دکھائی ہے تجکو زمیں کہاں
یہ کہکشاں دکھاتی ہے کیوں مجکو اوج موج — چمکائیں میرے بام کو وہ مہ جبین کہاں
جائے کہاں نکل کے کوئی اس جہان سے — نیچے جو آسمان کے نہ ہو وہ زمین کہاں
ماتم مرا ہوا ہے کہاں کچھ کہیں تو آپ — محرم کے ساتھ مسکی ہے آج آستین کہاں
دل سے یہ کہہ رہی ہے تری زہر کی نگاہ — اے تلخ کام تیرے لئے انگبین کہاں
سیر چمن کو جائیے بھی دشمنوں کے ساتھ — بالیں پر آئے آپ دم واپسین کہاں
اے دل لئے پھریں تجھے داماں نازنیں — رکھے ہیں ایسے تیرے لئے نازنین کہاں
دل بھی جگر بھی دونوں لہو ہو کے بہہ چکے — نشتر چبھوئے یار کی چین جبین کہاں
پردے میں رہنے والے کو کچھ شرم چاہیے — جاتی ہے دل کے ساتھ یہ جان حزین کہاں
اب ہم ہیں اور محویتِ عشق اے جنوں — ہمدم کہاں، ندیم کہاں، ہم نشین کہاں
کوئی خدا کے پاس تو کوئی بتوں کے پاس — جان حزیں کہاں، دل اندوہگیں کہاں
ٹوٹی ہے آکے کوچۂ جاناں میں آج یاس — اب دیکھیں ٹوٹتا ہے دم واپسیں کہاں
کم بخت دل کے جانے کا مجکو قلق نہیں — جاتی ہے مجکو چھوڑ کے جان حزین کہاں

دشمن بھی کہہ رہے ہیں خداداد بات ہے
شاہ[1] سا اے ریاضؔ سخن آفریں کہاں

---

[1] حضور مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

ہم کسی کو جو پیار کرتے ہیں — شکوہ پھولوں کے ہار کرتے ہیں
او خود آرائے بزمِ یکتائی — اہلِ حشر انتظار کرتے ہیں
یہ جو ہم کھل کے مے نہیں پیتے — خوفِ آمرزگار کرتے ہیں
جرعہ جرعہ کبھی جو مے پی ہے — توبہ ہم بار بار کرتے ہیں
حشر کے دن بھی چاہنے والے — جان تم پر نثار کرتے ہیں
زد میں رہتے ہیں رو نظارِ حسن — ہم اُنہیں کا شکار کرتے ہیں
اہلِ مسجد کو رزق کی ہے حرص — دانہ دانہ شمار کرتے ہیں

کیا ملے ہم سے میکشوں کو ریاضؔ
دے کے دو، دس اُدھار کرتے ہیں

شوخی سی تو شوخی بھی نہیں رنگِ حنا میں — کن ہاتھوں سے ماتم ہو مری بزمِ عزا میں
ٹھکراؤ قیامت کو نہ تم پاؤں سے ایسا — گھبرا کے چلی آئے مزارِ شہدا میں
وہ خوش کہ فریب اس کو دیا ہم کو تسلی — دونوں کو مزے آتے ہیں پیمانِ وفا میں
تم پھینک ہی دوگے، وہ کہیں پیچ ہی لے گا — ہاں دے بھی دو چپکے یہ دلِ دستِ گدا میں
اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے کو ہو آئے — پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں
سوکھے ہوئے مرجھائے ہوئے پھول لحد پر — آجاتے ہیں دو چار کبھی اُڑ کے ہوا میں
اب روئے گی وحشت مری دامن سے لپٹ کر — دو ہاتھ، وہ مصروف ہیں دن رات دعا میں
دامانِ کفن ڈال کے ہم جاتے ہیں مُنہ پر — اُڑتی ہے بہت خاک سنا راہِ فنا میں
آنکھوں میں شرارت ہے کہ لینے کے نہیں کتی — شوخی ہے کہ بے چین ہے آغوشِ حیا میں
لینے کو بڑی ٹھاٹھ سے آتی ہے قیامت — دھومیں ہیں مچی آج مزارِ شہدا میں

ہم کو نہیں چین آگ لگے سوزِ دروں کو ٹھنڈے ہیں چراغِ سرِ تربت بھی ہوا میں

ہاتھوں سے یہ ٹپکے گا بھرو ہاتھ نہ اپنے ملنے کا نہیں خون مرا رنگِ حنا میں

اے بیکسیِ گورِ خدا تجھ میں اثر دے ہیں پھول بھرے آج تو دامان ہوا میں

وہ بیٹھے ریاضؔ آج تو کچھ جھوم رہے ہیں

اب یہ بھی گِنے جاتے ہیں مردانِ خدا میں

جام ہے دستِ یار میں یا رہی لالہ زار میں پھول اُڑے بہار میں پھول کھلے بہار میں

خاک ہیں کوئے یار میں رنگ ہیں ہم بہار میں داغ ہیں لالہ زار میں لالہ ہیں کوہسار میں

ساقیِ شوخ ادا بتا۔ کیوں نہ وہ مجھ تک آسکا لعل لگے ہیں ایسے کیا ساغرِ زرنگار میں

ہم کو ہوا سکون کب جو ہیں وہاں وہ ان میں سب جھول رہے روز و شب گردشِ روزگار میں

ہم ہیں تعین کی گھات میں دن ہیں ملیں کہ رات آ میں لطف ہے اُن کی بات میں لطف ہے اُن کے پیار میں

جیب ہے چاک آتے ہیں بن کے وہ پاک آتے ہیں چھان کے خاک آتے ہیں دیدۂ انتظار میں

چرخ کا دور مٹ گیا چرخ کا جَور مٹ گیا چرخ تو اور مٹ گیا پڑ کے مرے غبار میں

پوچھئے کچھ نہ حالِ زار کوئی نہ یوں ہو بیقرار آتی ہے موت بار بار آپ کے انتظار میں

مفت ہے گو ملے گراں پی کے کیا ہے امتحاں نقد میں وہ مزا کہاں لطف ہے جو اُدھار میں

لائی اسے مری تلاش میں نہ کہوں گا دور باش بن کے فرشتہ آئی کاش شیخ مری مزار میں

آئی کسے اجل ریاضؔ حشر بپا تھا کل ریاضؔ

کیا کہوں میں غزل ریاضؔ طرح پیامِ یار میں

ہے پئے شیخ و برہمن ایک سی بو پھول میں پاتے ہیں سب دوست دشمن ایک سی بو پھول میں

ہے کہاں اے اہلِ گلشن ایک سی بو پھول میں پھول سے تم رنگ لو دامن ایک سی بو پھول میں

مدتیں گزری ہیں دست ناز سے پھینکے ہوئے
پھول ہے بالائے مدفن ایک سی بو پھول میں

شاہد گل سے ہی کتنی ملتی جلتی دختِ رز
ایک خوبو دونوں پہ فن ایک سی بو پھول میں

بوئے گل پر تنتی ہے کیا اس قدر رائی شاخ گل
کیوں جھکے مینا کی گردن ایک سی بو پھول میں

آ کے تم میرے دل پر داغ کی دیکھو بہار
ایک سا ہی رنگِ گلشن ایک سی بو پھول میں

بادۂ رنگیں میں موج بو کی حالت پائدار
شیشے میں دیوار آہن ایک سی بو پھول میں

غنچۂ دل میں ہمیشہ ایک سی بوئے وفا
کب رہی او گل یہ دامن ایک سی بو پھول میں

ایک سا دیکھا ہمیشہ دختِ رز کا رنگ و بو
وہ جوانی ہو کہ بچپن ایک سی بو پھول میں

یار کی لب کی مستی میں رنگ و بو یکساں مدام
تو دکھا دے ہم کو سوسن ایک سی بو پھول میں

شاہد گل کی طرح رنگیں لباس و عطر بیز
ایک سا ہی رنگِ دامن ایک سی بو پھول میں

بے خزاں ہے معصیت کاروں کا گلشن اے ریاض
پھول ہے ہر داغ دامن ایک سی بو پھول میں

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں
رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

منہ بناتا ہے برا کیوں وقت وعظ
آج واعظ تو نے پی اچھی نہیں

زلفِ یار اتنا نہ رکھ دل سے لگاؤ
دوستی نادان کی اچھی نہیں

بتکدے سے میکدہ اچھا مرا
بیخودی اچھی خودی اچھی نہیں

مفلسوں کی زندگی کا ذکر کیا
مفلسی کی موت بھی اچھی نہیں

اس قدر کھنچتی ہے کیوں اے زلفِ یار
لے کے دل اتنی کجی اچھی نہیں

آئیں میری بزم ماتم میں وہ کیا
ہاتھ میں مہندی رچی اچھی نہیں

شیخ کو دے دو مئے بے رنگ و بو
اس کی قسمت سے کھنچی اچھی نہیں

اک حسین ہو دل کے بہلانے کو روز — روز کی یہ دل لگی اچھی نہیں

ذرہ ذرہ آفتاب حشر ہے — حشر اچھا وہ لگی اچھی نہیں

اہل محشر سے نہ اُلجھو تم ریاضؔ
حشر میں دیوانگی اچھی نہیں

دم آخر کسی کا شکوۂ بیداد کرتے ہیں — نہیں ہیں ہچکیاں رہ رہ کے ہم فریاد کرتے ہیں

رہا ہو کر ہم اتنی خاطر صیاد کرتے ہیں — نشیمن رات کو دن کو قفس آباد کرتے ہیں

فغاں سن کر مری وہ ناز سے ارشاد کرتے ہیں — کہاں تو مر رہی اے موت تجھ کو یاد کرتے ہیں

بڑھاپے میں تجھے ہم اے جوانی یاد کرتے ہیں — اب اپنی عمر آخر اس طرح برباد کرتے ہیں

عجب انداز سے کہتی ہیں دل کی حسرتیں مجھ سے — ہمیں گھر سے نکالیں گھر وہ کیوں برباد کرتے ہیں

نہ آنکھوں میں کبھی آنسو نہ ہونٹھوں پر کبھی نالے — نہ ہم قسمت کو روتے ہیں نہ ہم فریاد کرتے ہیں

گلے میں کیوں رگِ جاں بن کے خنجر رہ گیا تیرا — کہیں بسمل سے ایسی شوخیاں جلاد کرتے ہیں

یہ کیوں ہے دشمنوں کو دوستوں کو جستجو اس کی — وہ مجھ پر رحم فرماتے ہیں یا بیداد کرتے ہیں

گرانا ہی ہمیں کچھ بجلیاں صیاد کے گھر پر — اثر خیز اک نئی طرز فغاں ایجاد کرتے ہیں

دل مضطر کی تصویریں بھری ہیں کیا مرقع میں — کچھ اُستادی بھی اس میں مانی و بہزاد کرتے ہیں

ہمارے ساتھ ہی صیاد بھی یارب مصیبت میں — کلیجا منہ کو آتا ہے جو ہم فریاد کرتے ہیں

لکھا کس حسن سے خط میں کہ ہم تجھ سے کشیدہ ہیں — کشش حرفوں کی ایسی ہے کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

اُٹھوں گا یونہی محشر میں لیے میں اُن کے خنجر کو — گلے میری لگاتے ہیں یہ کیا جلاد کرتے ہیں

کہاں وہ ہیں کہاں ہم ہیں پڑا ہی تفرقہ یارب — وہ ہم کو یاد کرتے ہیں ہم اُن کو یاد کرتے ہیں

مری صورت جو دیکھی ہمنشیں سے ہنس کے فرمایا — یہی کہسار پر اب ماتمِ فرہاد کرتے ہیں

کبھی تھوڑی سی پی لی اب نہیں اسکی بھی کچھ پروا
الگ گوشے میں بیٹھے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں

مجھے دیکھا تو بولے میرے کوچے سے نکل جائیں
یہ دل میں چٹکیاں لیتے ہیں یا فریاد کرتے ہیں

بزرگی ہے کہ مرتے ہیں بتان شوخ پر اب بھی
ریاضؔ اس عمر میں کیوں عاقبت برباد کرتے ہیں

سیوں کیا ہی نگاہ یاس رشتہ چشم سوزن میں
گریباں میں گریباں ہے نہ اب دامن ہے دامن میں

کہاں قسمت کہ یہ چمکے کسی مہوش کے دامن میں
دل پر داغ کو پھینک آئیں جا کر کوئے دشمن میں

جنوں میں پھول ای دست جنوں کیا جا کے گلشن میں
رہی ہیں دھجیاں کچھ جو گریباں میں نہ دامن میں

تجلی گاہ میں اپنی الٰہی کون آیا تھا
جڑے ہیں آئینے نقش قدم ہی دشت ایمن میں

عنادل کی طرح میری سلاسل شور کرتی ہیں
چلو زندانیو شاید بہار آئی ہے گلشن میں

لحد کی تیرگی نے گم کیا مجکو بھی ان کو بھی
بہت کھوئے گئے میری فرشتے آکے مدفن میں

سمجھتا تھا سوا میں بال و پر سے تنکے تنکے کو
پڑی ہے جان میری ای قفس والو نشیمن میں

نہ پھینکیں آپ دامن سے نہ ٹھہریں گے یہ تربت پر
تڑپ کر جا رہیں گے قبر سے یہ پھول دامن میں

مبارک چین سے سونا یہ کاروں کو محشر تک
فرشتوں کا گزر مشکل ہے ان کے تیرہ مدفن میں

پس دفن آئے پرسش کے لئے بس ہو چکی پرسش
فرشتے جائیں حوریں اے ریاضؔ آئیں گے مدفن میں

سر پر زمین حشر اُٹھائیں گے ڈر نہیں
جس کا جنوں میں پاس تھا وہ رہگزر نہیں

میں بھی مرا رقیب بھی دونوں ہیں خلد میں
جنت اگر یہی ہے تو اپنا گزر نہیں

مشعل جلا کے غول بیابان چلیں گے ساتھ
کیا خضر گم ہوئے تو کوئی راہبر نہیں

کھو کر یہ آسماں سے خدا جانے کیا ہوا
دشنام تلخ یار میں بھی اب اثر نہیں

وہ چپ ہوئے تو چپ سے مرے کام بن گئے　　جھنجلا گئے تو ضد سے رہی رات بھر نہیں

دوزخ میں جا کے نہر بہائیں شراب کی
اتنا ریاضؔ آپ کا داماں تر نہیں

کیا قیامت ہے لحد پر مری وہ آتے ہیں　　اپنے سائے کو جو چلتے ہوئے ٹھکراتے ہیں
چٹکیاں موجِ تبسم کی نہ آفت ڈھائیں　　لب نزاکت سے ترے سرخ ہوئے جاتے ہیں
کس قدر گورِ غریباں کے ہیں افسردہ چراغ　　جس قدر تیز کرو اور بجھے جاتے ہیں
لطف جی بھر کے اٹھا لیتے ہیں ہیبا کی کا　　ہم تصوّر میں ترے اور مزا پاتے ہیں
شرم سے کچھ سحرِ وصل وہ کہتے تو نہیں　　کروٹیں لیتے ہیں بے چین ہیں جھنجلاتے ہیں
جانتے ہیں اُسے بیگانۂ وشوخ و گستاخ　　آئینہ سامنے آتا ہے تو شرماتے ہیں
خاک پا کس کی ہے نقشِ کفِ پا کس کے ہیں　　ناتواں ہم سے جو گرتے ہیں تو سو جاتے ہیں
دل میں بھولی سی ادا کرتی ہے صورت کس کی　　دیکھیے آئینہ ہم آپ کو دکھلاتے ہیں
چھیڑنا چاہتے ہیں اپنے پریشانوں کو　　کھول کر زلف وہ کچھ اور بھی اتراتے ہیں

بنتے ہیں انجمنِ ناز میں بھولے کتنے
وہ بناتے ہیں ریاضؔ اور بنے جاتے ہیں

اک تار پیرہن نہ خفا میں زار پیرہن میں　　رکھیں کسے لحد میں رکھا ہی کیا کفن میں
چھٹ کر قفس سے یارب جائیں گے کس جگہ ہم　　برباد آشیاں تھے پہلے ہی ہم چمن میں
لائے گا دورِ بادہ کھویا ہوا زمانہ　　میرا شباب ہوگا جامِ مئے کہن میں
کرتے ہیں وجد اب تو سن سن کے کعبے والے　　میں نے وہ روح پھونکی ناقوسِ برہمن میں
آئیں گے جب فرشتے تو منہ کھلے گا اس کا　　بوتل کوئی چھپا کر رکھ دی مرے کفن میں

کیا ہو گئیں وہ شمعیں روشن جہاں تھا جن سے — اُٹھکر اس انجمن سے پہنچیں کس انجمن میں
دزدِ کفن نہ سمجھوں آئیں اگر فرشتے — میرا کفن لگا دیں سب مزدِ گورکن میں
اُن سے دمِ تکلم نکلیں گے بات بن کر — نالے رُکے ہوئے ہیں کب سے مری دہن میں
ہے رنگ و بو اسی کا ہے روشنی اسی کی — وہ پھول ہے چمن میں وہ شمع انجمن میں
اے گور میرے بدلے تو آنکھ میں جگہ دے — حسرت چلی ہے میری چھپکر مرے کفن میں
ابرو کا خم اُڑا کر چتون کے بل اُڑا کر — اب تیغ بڑھ گئی ہے قاتل سے بانکپن میں
آتی ہیں وہ نگاہیں مشکل سے اب مژہ تک — کتنے بھرے ہیں فتنے اس چشم سحر فن میں
ابھی نبھے گی اس سے ہمسائیگی بھی اپنی — گھر بیکسی بنائے آکر مرے وطن میں

پڑھنا مشاعرے میں زیبا ریاض پر ہے
بلبل چہک رہا ہے گویا کسی چمن میں

بن بن کے وہ آئینہ ذرا دیکھ رہی ہیں — آغاز جوانی کی ادا دیکھ رہے ہیں
چھوٹا ہے کہاں رنگِ حنا دیکھ رہے ہیں — رنگیں ترے نقش کفِ پا دیکھ رہے ہیں
سوتے میں جوانی کی ادا دیکھ رہے ہیں — ٹوٹے ہوئے ہم بند قبا دیکھ رہے ہیں
اب پردہ نشیں پائیں کے تعلیم حیا سوز — کچھ آپ زمانے کی ہوا دیکھ رہے ہیں
نوخاستہ سبزے کو ہوئی جاتی ہے لغزش — مستی تری ہم بادِ صبا دیکھ رہے ہیں
بن بن کے فتنا کھیل رہی ہے مرے سر پہ — وہ آئینے میں اپنی ادا دیکھ رہے ہیں
بنتے نہ سنا تھا شبِ فرقت کو شبِ وصل — اللہ یہ ہم خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں
آئے تو ہیں پینے نہیں ناصح ابھی ساقی — منھ کا ترے رنگ ذرا دیکھ رہے ہیں
دے جائے ذرا رنگ مرا داغِ محبت — دل میں وہ مری نقش وفا دیکھ رہے ہیں

دیکھا نہیں ہم نے ابھی دنیا کا بدلنا بدلی ہوئی دنیا کی ہوا دیکھ رہے ہیں
اُٹھ جائیں دمِ نزع کہ دم توڑ رہا ہوں بیٹھے سرِ بالیں مجھے کیا دیکھ رہے ہیں

اب خارؔ ریاضؔ آنکھ میں ہے عالمِ ہستی
ہم دوسرے عالم کی فضا دیکھ رہے ہیں

ہم غریبوں پر جفا اچھی نہیں بیکسوں کی بد دعا اچھی نہیں
موت آئے یہ دعا اچھی نہیں ہجر میں بھی موت کیا اچھی نہیں
دل لگی میں تو بگڑتی ہے بہت بات یہ زلفِ رسا اچھی نہیں
ہاتھ رنگنے کا لہو سے ہو گمان شوخ اتنی بھی حنا اچھی نہیں
کیوں اُڑاتی خاک آتی ہے بہار چھیڑ اسیروں سے صبا اچھی نہیں
کام میخانے کا ہو جائے گا بند چشمِ ساقی کی حیا اچھی نہیں
بوسۂ لب سے نہیں چلتا ہے کام گالیوں کی یہ سزا اچھی نہیں
شیخ یہ کہتا گیا پیتا گیا ہے بہت ہی بد مزا اچھی نہیں
دل وہ سب کے لیں یہ ہے اچھی ادا جان لینے کی ادا اچھی نہیں
غم غلط کرنے کو میں کتنی پیوں رات دن غم کی گھٹا اچھی نہیں
بعد جس کے ہجر ہو وہ وصل کیا درد دل اچھا دوا اچھی نہیں
ایک کافر مجھ سے یہ کہتا گیا رات دن یادِ خدا اچھی نہیں

میکدے کو چھوڑ کے کعبے جا ریاضؔ
غفلت اے مردِ خدا اچھی نہیں

شررِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

ایک خوشے کے برابر نہیں میخانے میں — خم میں جو ہی وہ ہی انگور کے ہر دانے میں
شعلۂ شمع سے مل کر لگے سرخاب کے پر — اور تو بات نہیں کوئی بھی پروانے میں
چھیڑ دے یوں دلِ وابستہ شگفتہ ہو جائے — لطف کھلنے میں ہے یا پھول کے مرجھانے میں
بزمِ ساقی میں جو بنتی ہے پری شیشے میں — ہے اسی کی جھلک انگور کے ہر دانے میں
رہتے ہیں جو لبِ لعلینِ بتاں پر اکثر — ایسے ٹکڑے تو کئی ہیں مرے افسانے میں
آپ کا وصل نہ ہو جان کا جنجال کہیں — بڑھ گئے زلف سی بھی آپ تو بل کھانے میں
اور بھی چاند سی شکلیں ہیں نہیں آپ نہ ہوں — نور کی شمعیں ہیں روشن مرے کاشانے میں
دے دے تو میری جوانی ترے صدقے ساقی — ہے وہی تیری چھلکتے ہوئے پیمانے میں
اودی اودی یہ گھٹائیں سوئے گلشن جائیں — نہ کریں رقص یہ پریاں مرے ویرانے میں
پھر یہ زنجیریں کہاں آئی جہاں فصلِ بہار — قوت آجاتی ہے کتنی ترے دیوانے میں
لطف ہی دیر و حرم دونوں سے مجکو اے شیخ — دل ہے کعبے میں مرا جان ہے بتخانے میں
جیسے ہر وقت کلیجے میں ہوں شمعیں روشن — سوز ہی سوز ہی جان سوختہ پروانے میں
نہیں پڑتے ہیں زمیں پر کبھی وہ نقشِ قدم — کیوں اڑا رنگِ حنا غیر کے گھر جانے میں

رزق ملتا ہے درِ حضرتِ ساحرؔ سے ریاضؔ
جام چھلکاتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

توبہ شکنی کے لئے زاہد وتھی جنگ چمن میں — کاگ اڑتے نظر آئی کئی فرنگ چمن میں
بے موسمِ گل خوب جما رنگ چمن میں — کل خوب گھٹی خوب چھنی بھنگ چمن میں
ہر گل کا گراں وزن رہا رنگ چمن میں — ٹھہرا نہ کوئی لعل بھی پاسنگ چمن میں
غنچے کے چٹکنے کی صدا ہم نے اڑائی — سیکھے پئے فریاد نئے ڈھنگ چمن میں

ہر آنکھ الگ جوئے سرِشک آج بنے گی
دیکھیں گے رواں وہ چمن و گنگ چمن میں

سروِ چمن و سروِ چماں کیا ترے آگے
جو سروِ رواں ہو وہ کرے لنگ چمن میں

وحشت نہ گئی سیر سے بہلی نہ طبیعت
پتّوں نے بجائی بھی دف و چنگ چمن میں

ہم نے گل و بلبل سے بھی سوسن سے بھی پوچھا
گلشن کی زباں کی نہیں فرہنگ چمن میں

ملنے کی نہیں ساز سے آوازِ عنادل
شاخیں لئے بیٹھی ہیں مردنگ چمن میں

دامن ہی جنوں میں نہیں کس طرح چنوں پھول
جاتا ہوں تو آتا ہے مجھے ننگ چمن میں

اللہ یہ رنگِ اثر موسمِ گل کا
لعل اُگلے جو آجائے کوئی سنگ چمن میں

آئی ہیں گھٹائیں تو بتاتے ہیں ہوا آج
چھائے ہوئے ہیں گیسوئے شبرنگ چمن میں

شرمائیں ریاضؔ آج سیہ گیسوؤں والے
وہ ر[illegible]ں حنائی کا جمے رنگ چمن میں

یہ سیدھے جو اب زلفوں والے ہوئے ہیں
ہمارے ہی سب بل نکالے ہوئے ہیں

تبسّم فزا میرے نالے ہوئے ہیں
ذرا شوخ اب شرم والے ہوئے ہیں

مرے ہاتھ پر کھیلے ہیں افعیِ زلف
یہ سانپ آستینوں کے پالے ہوئے ہیں

نہیں ہم کو لغزش کا ڈر میکدے میں
کہ دو دو فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں

الجھتے ہیں سوتے میں زلفوں سے کیا کیا
وبال اُن کو کانوں کے بالے ہوئے ہیں

چھپا کر بہت پی ہے مسجد میں واعظ
یہ ظرفِ وضو سب کھنگالے ہوئے ہیں

شبِ وصل بولے نہ اب دل میں آئیں
جو ارمان میرے نکالے ہوئے ہیں

الگ ہی خدائی سے کچھ ساخت اُن کی
یہ بت اور سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں

جو یاد اب تک آتے ہیں اہلِ چمن کو
قفس میں وہی نغمے نالے ہوئے ہیں

کسی پر دمِ حشر کیا آنکھ ڈالوں حسیں سب مری دیکھے بھالے ہوئے ہیں
جنوں رنگ لایا ہے پھر فصلِ گل میں نہیں لالہ سب زخم آلے ہوئے ہیں
چراغ اب شبِ وصل جلنے نہ دیں گے وہ گیسو جو بل کھا کے کالے ہوئے ہیں
نزاکت نے تیری گرایا نظر سے سُبک کتنے بھاری دوشالے ہوئے ہیں
یہ اے شیخ گنبد نہیں مسجدوں میں خُمِ مے ہمارے اُچھالے ہوئے ہیں
بھری بزم میں لطفِ خلوت نہیں ہے وہ نشے میں ہیں ہم سنبھالے ہوئے ہیں
یہ کہتی ہے مست آنکھ ان کی شبِ وصل کئی آج خالی پیالے ہوئے ہیں
بہے ہیں جو فرقت میں آنکھوں سے میری وہ دریا تو آنکھیں نکالے ہوئے ہیں
ارے کانٹو جو اشکِ مژگاں سے ٹپکے وہی پاؤں پڑ پڑ کے چھالے ہوئے ہیں
سبو آبِ زمزم سے دھو کر بھری مے اچھوتے ہیں جتنے کھنگالے ہوئے ہیں
جوانی میں کیوں سر اٹھائیں نہ گیسو کہ اب ڈسنے والے یہ کالے ہوئے ہیں
وہ محشر میں کیا عیب کھولیں گے میرے جو رحمت سے اب پردہ ڈالے ہوئے ہیں

سُنا ہے ریاضؔ اپنی ڈاڑھی بڑھا کر
بڑھاپے میں اللہ والے ہوئے ہیں

بہرِ لیلیٰ دیدۂ مجنوں نہیں محمل نہیں جس میں آ جائے تمنا وہ ہمارا دل نہیں
دل تو ہے کیونکر کہوں پہلو میں میرے دل نہیں ہے وہی محفل مگر اب گرمیِ محفل نہیں
پیار سے کہتے ہیں کیا پہلو میں تیرے دل نہیں وہ تڑپ پہلی سی اب کیوں اے مرے بسمل نہیں
ہو گیا کل نزع کی سختی کا مر کر امتحان جو نہ آساں ہو کوئی ایسی کڑی منزل نہیں
وہ چرائیں آنکھ اپنی جان لے کر شوق سے پھیر لیں ہم بھی نظر ایسا ہمارا دل نہیں

ہو سرِ دامن تو کچھ ہو چھیڑنے کو حشر میں
خون میرا تیری گردن پر مرے قاتل نہیں

کچھ جوابِ تلخ میں لطف شرابِ تلخ ہے
تیرے صدقے میری ساقی میں کوئی سائل نہیں

دور سے دوڑا دیا اُڑ کر غبارِ نجد نے
قیس ہے ناقہ نہیں لیلےٰ نہیں محمل نہیں

جان لے کر ہر ادا ظالم کی ہے جان آفرین
ہو کے قاتل وہ مرا دشمن نہیں قاتل نہیں

دست بے رنگِ حنا محشر میں دامن پاک صاف
رنگ ذرا قاتل کو دے ایسا کوئی بسمل نہیں

میری بحرِ غم کا مل سکتا نہیں ہے اور چھور
موج ہے گرداب ہے طوفان ہے ساحل نہیں

کہتے ہیں اُس دن تو وقت ذبح ہاتھوں میں نہ تھی
خونِ ناحق میں ترے میری حنا شامل نہیں

اے خیالِ یار کیوں آیا پسِ نزع میں
منزلِ اوّل تو کچھ ایسی کڑی منزل نہیں

کانگریس کی بزم میں ہیں کام کی باتیں ریاض
جس میں دورِ جامِ بادہ ہو یہ وہ محفل نہیں

جس میں پروانہ تھی خود یہ شمع وہ محفل نہیں
ہائے اب وہ سِن نہیں وہ دن نہیں وہ دل نہیں

سب حسیں کہتے ہیں دل کو دیکھ کر وہ دل نہیں
دل لگاؤں کیا کسی سے اب اِس قابل نہیں

خون دامن شوخ ہے جو چاہے محشر میں کہے
جو مجھے لے زیرِ دامن وہ مرا قاتل نہیں

ساتھ دیوانے کے لیلیٰ تو بھی دیوانی ہوئی
تو ہے جس میں قیس کا دل ہے ترا محمل نہیں

دشتِ الفت میں کہیں ٹھہرے یہ ننگ عشق ہے
بیقراری جادہ ہے لیکن سکوں منزل نہیں

عکسِ صورت کی طرح آئے گئے کیوں اس میں آپ
دیکھیے تو آپ کا یہ آئینہ ہے دل نہیں

مضطرب سی اک سُبک رو موجِ خوں گرم ہوں
قتل گاہ ناز میں مجھ سا کوئی بسمل نہیں

لہلہائے لاکھ یا رب کشتِ زارِ آرزو
کچھ بھی خبر نشو و نما کم بخت کا حاصل نہیں

مسکراتے آئے ہیں دینے نجات اس بوجھ سے
دل مرا ہے یہ کوئی سینے کی میرے سِل نہیں

گالیاں دے کر کیا تو آج وعدہ حشر کا
چوم لوں منہ آپ کا میں تو کسی قابل نہیں

ٹوٹی کیا اُمید تنکے کا سہارا بھی گیا
جس کو ہم سمجھے تھے ساحل موج ہی ساحل نہیں

آپ کے کہنے سے نکلے آپ سے سمجھے ہیں کیا
ایسی ویسی کوئی میری آرزوئے دل نہیں

اب ہماری واسطے محشر میں جو ہو اہتمام
جائیں گے جنت میں کیا دوزخ کے بھی قابل نہیں

جرعۂ مے، دانۂ تسبیح ہیں، بہرِ شمار
کعبہ ہو مے خانہ ہو ہم کام سے غافل نہیں

حشر میں بو بادۂ کوثر کی آتی ہے ریاضؔ
مے نہ ہو ہم ہوں، کوئی ایسی کہیں محفل نہیں

ہو اثر جو کچھ خدا کے نام میں
اور کیا رکھا ہے اب اِسلام میں

پائے خُم دستِ سبو ہیں کام میں
آ رہی ہے آج میرے جام میں

جتنے خُم تھے آ گئے سب کام میں
کھچ گئی توبہ شکن کے جام میں

کیا بھرا تھا زہر میرے نام میں
آ گئی تلخی لبِ دشنام میں

نجد میں کیا قیس کا ہے عرس آج
ننگے ننگے جمع ہیں حمام میں

یوں چھپی ہے چور جیسے زخم کا
کوئی حسرت ہے دلِ ناکام میں

وصل کی شب اتنی چوسی اُن کے لب
لذت اب باقی نہیں دشنام میں

صدقے صدہا انقلابِ روزگار
آنکھ پھیری کس نے دورِ جام میں

گالیاں دیں نامہ بر کو تلخ تلخ
حرفِ بوسہ زہر تھا پیغام میں

موجِ مے شاید پرِ پرواز ہے
اُڑ کے آ جاتی ہے میرے جام میں

یہ سمجھ کر کس قدر ہے عیب پوش
ہم چھپے ہیں جامۂ احرام میں

جا کے در پر جب سُنا تو یہ سُنا
شب کے جاگے ہیں ابھی آرام میں

وصل کی شب تو نہیں یارب کہیں — صبح کی کچھ کچھ جھلک ہے شام میں
پائی ہے بادِ مخالف سے نجات — دم تو لے لیں آ گئے ہیں دام میں
تم ذرا کہہ دو تو آ کر برق طور — ڈال دے بتی چراغِ شام میں
مُنہ بنا لیتے ہیں جب لیتے ہیں نام — کتنی تلخی ہے ہمارے نام میں
اب جوانی تو کہاں لیکن ابھی — ہے جھلک اس کی مے گلفام میں

میرے گھر مجرے کو وہ آئے ریاضؔ
لے گئے دل عید کے انعام میں

یہی بن جاتی ہے ظالم غلط انداز کہیں — چوکتی ہی نہیں تیری نگہ ناز کہیں
حشر میں سب سے الگ اپنی بنا لوں جنت — آج موقع سے ملے تو بتِ طناز کہیں
اتنی اُبلے کہ درِ دیر و حرم تک پہنچے — خُم میں منہ ڈال کے کہہ دوں جو کوئی راز کہیں
جاؤں کیا گرمیِ گفتار سے جی ڈرتا ہے — طور کو پھونک نہ دے شعلۂ آواز کہیں
وہی بلبل وہی پروانہ وہی گل وہی شمع — بو کہیں رنگ کہیں سوز کہیں ساز کہیں
ہم اُسے سجدہ کریں تم کو تو جھک کے سلام — کام بن جائے ہمارا جو خدا ساز کہیں
میرے قابو کے قفس میں نہیں اے فصل بہار — لے اُڑیں مجکو نہ میرے پرِ پرواز کہیں
طور سے قبل بھی باتیں ہوئی ہیں روزِ الست — اس سے پہلے بھی سُنی ہے تری آواز کہیں
جان کی خیر جنوں بن کے شباب آتا ہے — رنگ لائے نہ جوانی کا یہ آغاز کہیں
تیرے صدقے تری قربان وہ دنیا ہو کہ حشر — چھپنے والے ترے چھپتے نہیں انداز کہیں
جام چھلکائے کوئی موج اٹھے جان پڑے — دخترِ رز کے ہلیں تو لبِ اعجاز کہیں
نظر آتے ہیں ریاضؔ آپ سے باہر ساقی — مجھے ڈر ہے کہ یہ افشا نہ کریں راز کہیں

جمع سو دشنے کریں وہ جمع سو پیکاں کریں
میرے دل میں رہ کے جو چاہیں مرے ارماں کریں

کیوں مجھے رخصت کریں کیوں حشر کا پیماں کریں
نزع میں کیوں آئیں مجھ پر آپ کیوں احساں کریں

اس طرح چھیڑیں مرے دل سے مری ارماں کریں
گدگدی اُٹھے تبسم غنچۂ پیکاں کریں

لوٹتے ہیں لطف آنکھوں میں فرشتے ساتھ کے
ان فرشتوں سے بھی اب چھپ چھپ کے ہم عصیاں کریں

عشق ہے وہ نام جس کا رکھ لیا ہے سب نے درد
درد ہو تو چارہ گر کچھ درد کا درماں کریں

ہیں مزے کی اے دل بیتاب تیری شوخیاں
چل حسینوں پر تجھے صدقے کریں قرباں کریں

جان پر دشمن کی ٹوٹیں مجکو ان سے کیا غرض
جا کے اپنا کام ان کے ناوک و پیکاں کریں

اُجڑے دل میں گشت کرتا ہے حسینوں کا خیال
وہ پری خانہ ہے جس گھر کو حسیں ویراں کریں

سینے پر آنچل ہے خلوت میں تہِ فانوس شمع
شمع عریاں ہے یونہی کیا شمع کو عُریاں کریں

بند آنکھیں ہوں مری آنکھوں میں صورت آپکی
نزع میں آپ اس طرح مشکل مری آساں کریں

اپنے پہلو میں اُنہیں رکھیں گے ہم دل کی طرح
گھر تو گہرے زخم میں ڈوبے ہوئے پیکاں کریں

جان ڈالے آئینے میں چاند سی صورت کا عکس
آئینہ بن جائے دل اتنا اُسے حیراں کریں

ہم مسلماں بھی ذرا شانِ خدائی دیکھ لیں
کعبۂ دل میں کسی کافر کو اب مہماں کریں

کچھ چنے صحرا کے کانٹے کچھ چُنے گلشن کے پھول
سر میں اب سودا ہے یہ آباد پھر زنداں کریں

اب تو ہر قطرہ نظر آتا ہے طوفاں در بغل
کم ہے جو کچھ یہ ہمارے دیدۂ گریاں کریں

یہ نہ سمجھیں جانے والے دو قدم کی راہ ہے
قبر میں جانا ہے جن کو حشر کا ساماں کریں

کیوں اُڑی پھرتی ہیں مجھ سی دل ہدف کیونکر بنے
رخ ذرا میری طرف بھی ناوکِ مژگاں کریں

لطف ہے مقتل میں چمکیں آج دو دو بجلیاں
آستیں تو چڑھ چکی ہے تیغ بھی عریاں کریں

موت کا خوابیدہ سایہ ہے ہماری زندگی
خونِ ارماں ہو چکے اب خاک ہم ارماں کریں

نشۂ مے ہی جوان بنتے ہیں پیری میں ریاضؔ
وقت ہے توبہ کریں اب قبر کا سامان کریں

کون دل ہے مری اللہ جو ناشاد نہیں / کون گھر ہے مرے اللہ جو برباد نہیں
نازنین جان بھی لیں تو کوئی بیداد نہیں / چوڑیاں ہاتھ میں ہیں خنجر فولاد نہیں
اے نسیم سحری ساتھ لئے جا سوئے بام / نفس سرو ہے نالہ نہیں فریاد نہیں
سبز باغ آپ دکھائیں نہ آزادی کے / آپ کے باغ میں تو سرو بھی آزاد نہیں
چپ سے ہیں کچھ مری آغوش میں وہ حشر کے دن / یہ وہی ہیں جنھیں پیمان وفا یاد نہیں
دیکھتے رنگ حنا جاتے ہیں مقتل کی طرف / ہاتھ میں تیغ نہیں خنجر فولاد نہیں
ہے تری جیب پر آج آنکھ نشیمن کے عوض / باغباں یہ تو کوئی چور ہے صیاد نہیں
شور قلقل میں گم آوازِ اذاں ہے اے شیخ / یہ بہت خوب کہی میکدہ آباد نہیں
ایک اک پھول کو ایک ایک کلی کو دیکھا / ہار میں ان کے ہمارا دل ناشاد نہیں
نکلی ہیں حشر میں دنیا کی پرانی باتیں / میں تو کیا میرے فرشتوں کو بھی اب یاد نہیں
نہ گری برق مگر آپ گرے غش کھا کر / یہ تو اے حضرت موسیٰ کوئی افتاد نہیں
جس سے آتا تھا نشیمن کا قفس میں کچھ لطف / تیری قربان تری آنکھ وہ صیاد نہیں
دل سے نکلی ہے یہ دل ہی میں رہے گی ظالم / جا کے دیوار سے ٹکرائے وہ فریاد نہیں
کام کرتا تھا جو اے چرخ ترے پردے میں / وہ نہیں کام میں تو لذت بیداد نہیں
یہ بہت ہی رہے دل پر جو حکومت قائم / آج قبضے میں اگر بصرہ و بغداد نہیں
بوئے خوں دیتے ہیں شیریں ترے مہندی لگے ہاتھ / ہاتھ میں لالے کے خون سر فرہاد نہیں
حد سے آگے نہ بڑھیں دیکھئے مژگان دراز / چھیڑنے کے لئے کم نشتر فصاد نہیں

شعرا آپ کو بھی خوب بناتے ہیں ریاضؔ
سب یہ کہتے ہیں کوئی آپ سا اُستاد نہیں

اُن سے کہنے کی کوئی راہ نکالوں تو کہوں — بات مطلب کی ہی کچھ بات بنالوں تو کہوں
حال دل اُن کا دلِ بدخو کو سنبھالوں تو کہوں — روٹھنے والے کو ہر دم کے منالوں تو کہوں
آتے ہی بزم میں غیروں نے کہا کیا مجکو — میں بھی دو ایک کو دو چار سنالوں تو کہوں
اپنی رسوائیوں کا حال سناؤں کیوں کر — اُن کے کوچے کی زمیں سر پہ اُٹھالوں تو کہوں
وصل کی رات بھی ہے لطف کی کچھ بات بھی ہے — گدگدالوں تو کہوں اُن کو ہنسالوں تو کہوں
دل میں لے لیتی ہیں چٹکی تری ارماں کیوں کر — تیرے پیکاں کو کلیجے سے لگالوں تو کہوں
لے لوں بدلا تو کہوں جورِ بتاں داورِ حشر — آج ہی دن ہے ستانے کا ستالوں تو کہوں
باغباں دل میں بھری ہیں تری کیا کیا باتیں — آشیاں جا کے کہیں اور بنالوں تو کہوں
کھل کے کہنے نہیں دیتا مجھے آنکھوں کا حجاب — شرم کی بات ہے میں شمع بجھالوں تو کہوں
ایسی تلوں سے لگی آج کہ چوٹی میں بجھے — اے حنا دل کی لگی اُن کے لگالوں تو کہوں
وصل میں پوچھنے بیٹھے ہو تم افسانۂ ہجر — میں ذرا تم کو گلے آج لگالوں تو کہوں
وادیٔ عشق کے جس طرح چُبھتے ہیں کانٹے — راستہ خضر کو میں پہلے بتالوں تو کہوں
کہیں ایسا نہ ہو آجائے کلیجا مُنہ کو — دل کا افسانۂ غم دل کو سنبھالوں تو کہوں
میں کہوں حشر میں اپنے دلِ مجروح کا حال — ندیاں خون کی آنکھوں سے بہالوں تو کہوں
آتش شوق بھڑک اُٹھتی ہے موقع پاکر — ہجر کی بات لگی دل کی بجھالوں تو کہوں
شب کا افسانہ مری مُنہ سے سُنیں گے یہ حسیں — مُنہ چھپالوں تو کہوں آنکھ جھکالوں تو کہوں
بجلیاں مجکو گرانا ہیں سرِ بزم ریاضؔ — قصۂ طور ذرا آپ میں آلوں تو کہوں

حنا ہاتھوں میں ہونٹھوں پہ تبسم گدگدی دل میں
وہ آئی پھول برسانے مرے پھولوں کی محفل میں

بیان وصفِ مئے کوثر کیئے واعظ نے محفل میں
یہ بات ایسی تھی ہم کچھ پی گئے کچھ رہی دل میں

دکھا دوں میں تو وہ داغ روشن ہے مرے دل میں
جو رکھ دوں چاند میں ہالہ ہو پیدا ماہ کامل میں

اُترتی ہی نہیں کچھ طور کی باتیں مرے دل میں
پہاڑ ایسے چھپے کتنے مری آنکھ کے تل میں

وہ گل سمجھیں گے مستی میں یہ بھڑکی آتش گل ہے
جو انگارہ بھی رکھ دے کوئی منقارِ عنادل میں

حنا ان کو لہو سے ہاتھ رنگنا کب سکھائے گی
ابھی تک چٹکیاں لینا نہیں آتا انہیں دل میں

وہیں ٹھہری ہمارے حشر کی آخر وہیں ٹھہری
بڑا میدان مارا آج ہم نے کوئے قاتل میں

گمان نشے میں ہوتا تھا ہمیں بھی شور واعظ کا
گراں تھی قلقلِ مینا مگر ہم لے رہے دل میں

بہار آئے تری گھر آگ برسے پھول بن بن کر
خدا تاثیر دے صیاد فریاد عنادل میں

فسانے میں نظر آتے ہیں کچھ بگڑی ہوئی خاکے
نہ اب مجنوں ہے جنگل میں نہ اب لیلیٰ ہے محمل میں

ابھی تو خون بسمل کچھ یونہی سا رنگ لایا ہے
شفق پھولی نظر آتی ہے یارب کوئے قاتل میں

بہار آئے نہ آئے ہم نہیں جانے کے زنداں سے
ہماری عمر گزرے گی یونہی طوق و سلاسل میں

چمن کے پتے پتے سے صدائے درد آتی ہے
کہاں سے پھٹ پڑی تاثیر فریاد عنادل میں

بڑی مشکل سے گوشہ عافیت کا ہاتھ آیا ہے
قفس میں رہتے رہتے لی جگہ صیاد کے دل میں

کہیں کیا بیٹھ کر کاٹی ہے کیونکر رات آنکھوں میں
یہ سن لینا اک آفت تھا کہ کچھ خطرہ ہے منزل میں

ہمارے دوش کو اپنا نشیمن وہ سمجھتے ہیں
رہی وحشت نہ ہم میں مل گئے ہم یوں عنادل میں

گئے وہ دن کہ دیتے تھے جگہ تم تیر و پیکاں کو
نگاہِ ناز جا بھی اب نہیں تیری جگہ دل میں

مزے دل کے سناتے ہیں تجھے بہکی ہوئی باتیں
میاں مجنوں کو اے لیلیٰ بٹھا لینا تھا محمل میں

کشودِ کار کا باعث خدا کا یاد آنا ہے
نظر آتی ہیں آسانیاں مشکل سی مشکل میں

ریاض اس کو نہ پوچھو وقت سے اس کا تعلق ہے
کبھی خلوت میں پی چھپ کر کبھی پی کھُل کے محفل میں

عرش سے دل میں جو اترتے ہیں — طور پر کس سے بات کرتے ہیں
عشق میں خوب دن گزرتے ہیں — روز جیتے ہیں روز مرتے ہیں
ریش زاہد سے کب وہ ڈرتے ہیں — جو فرشتوں کے پر کترتے ہیں
واعظو ہم گنہ نہیں کرتے — ہم گنہگار ناز کرتے ہیں
کبھی لے چل مجھے بھی اے صیّاد — سر سے صدقے جہاں اترتے ہیں
عرش کو تھام لیں فرشتۂ عرش — ناتواں آج آہ کرتے ہیں
نہ کنارہ نہ بحرِ حُسن کی تھاہ — ڈوبتے ہیں کبھی اُبھرتے ہیں
روگ ہے جان کا یہ ہجر کی رات — بیٹھ کر روز صبح کرتے ہیں
بتکدوں میں نہ چھوڑتے تم کو — اے بتو ہم خدا سے ڈرتے ہیں
چوم لیتے ہیں منہ کبھی ہم بھی — جب حسیں کہہ کے کچھ مکرتے ہیں
صبح ہو جائیگی یونہی شبِ وصل — بگڑے گیسو کہیں سنورتے ہیں
نام نِکلا بُرا نہ شکل بُری — مجھ سے کیوں یہ حسین ڈرتے ہیں
حشر بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے — میرے کوچے سے جب گزرتے ہیں
شبِ وعدہ یہی سُنا سو بار — آئینہ آگے ہے سنورتے ہیں
جب وہ آتے ہیں کوچۂ دل میں — کس نزاکت سے پاؤں دھرتے ہیں
شیخ کھُل کر جو مے نہیں پیتے — اپنی ڈاڑھی کی شرم کرتے ہیں
قدرداں گوہرِ سخن کے ریاض — مُنہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

یہ کہاں سے ہم گئے ہیں کہاں کہیں کیا تری نگہ ناز میں
کہ یہ آسمان و زمیں جہاں نہ نشیب میں نہ فراز میں

تو درون خانہ برون در تو ہزار پردوں میں جلوہ گر
ارے او حقیقت پردہ در تری شوخیاں ہیں مجاز میں

وہی آئی عرش سے فرش تک وہی چھائی فرش سے عرش تک
ملے ایسے ذرّے ہزار ہا ہیں خاک راہ حجاز میں

کہیں تیز ہے کہیں نرم ہے یہی آنچ مطرب خوش نوا
مرے نالے میں ترے نغمے میں مرے سوز میں ترے ساز میں

ترے سجدے میں وہ مزا ملا کہ تڑپ کے سینے سے آ رہا
کوئی داغ ہے کہ ہے دل مرا مری جبیں نیاز میں

یہ اُڑائیں گے کبھی رنگ بھی یہ دکھائیں گے کبھی رنگ بھی
یہی لائیں گے کبھی رنگ بھی جو رنگیں ہیں رنگ مجاز میں

گھڑی جس کی حشر کا ایک دن شب گور جس کا ہر ایک پل
وہ مزے ہیں حسرت مرگ میں جو خضر کی عمر دراز میں

اسے لاگ عشق کی کہتے ہیں اسے آگ عشق کی کہتے ہیں
نہ جنون ہے یہ جنون میں نہ کوئی یہ راز ہے راز میں

جنھیں لوگ کہتے ہیں رند ہی وہ خدا پرست ریاضؔ ہیں
یہ سنا ہے کل کہ جناب ہی پس خم تھے محو نماز میں

وعدے کی شب ہے وقت ہے ہاں کہیے یا نہیں
بولے ہٹو بھی ہوش ہمارے بجا نہیں

جلوے ہوں لاکھ دیر میں سجدہ روا نہیں
جتنے ہیں یہ بنے ہوئے بت ہیں خدا نہیں

کہنا کسی کا ناز سے ٹھکرا کے سر مرا
ہم سب بتوں میں ایک بھی ان کا خدا نہیں

طاعت کا پاس شوخ بتوں کو ذرا نہیں
ہم کیوں جھکیں جو کوئی کسی کا خدا نہیں

ان کی نگاہ میں جو کھٹکتا تھا بار بار
پہلو میں آج وہ دل درد آشنا نہیں

شاہد پرستیاں ہوں کہ بادہ پرستیاں
پردے میں ہو جو کام کبھی وہ برا نہیں

لے کر ادائے ناز سے پھینکا شگفتہ دل
بولے تمہارے پھول میں بوئے وفا نہیں

سوتے میں چومتے رہے ہم چشم نیم باز
کاجل کا چور کوئی ہمارے سوا نہیں

آئی ہے کھنچ کے زیر قدم منزل عدم
ہم پا فتادۂ راہ نہیں رہ نما نہیں

رہتا ہے اُن کے سایۂ گیسو سے دور دور　　دل ساتھ دے کسی کا ہمیں آسرا نہیں
سب ہم نے مُسکرا کے کھنگالی اچھوتے جام　　یہ مُن کے میکدے میں کوئی پارسا نہیں
آنکھیں کھُلیں نہ کان کھُلے اپنے اے کلیم　　کچھ جلوہ گاہ طور میں دیکھا سُنا نہیں

جو مے میں ہے ریاضؔ وہی مے کے نام میں
جائے کبھی زبان سے یہ وہ مزا نہیں

بے چین مر کے تہِ زمین بھی نہیں　　اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں
آہ کے ہوتے اشک کے چلتے　　آسماں بھی نہیں زمیں بھی نہیں
کل تو روتے تھے اپنے دامن کو　　اے جنوں آج آستیں بھی نہیں
ذکرِ مے کیا کہ وہ تو خلد کی ہے　　جام میں شیر وانگبیں بھی نہیں
صدقے نازک سی تیغ کے صدقے　　اس نزاکت کے نازنیں بھی نہیں
چپ ہیں وہ سُن کے آرزوئے وصال　　منہ سے ہاں بھی نہیں نہیں بھی نہیں
حسرت آباد دل نہ حسرتِ دل　　وہ مکاں بھی نہیں مکیں بھی نہیں
کتنی نازک ہیں چوڑیاں اُن کی　　ایسی تو چین آستیں بھی نہیں
دل میں چبھنے کو خارِ حسرت ہے　　نگہِ چشمِ سُرمگیں بھی نہیں
کون گرمائے تجکو اے دلِ سرد　　جرعۂ آبِ آتشیں بھی نہیں
بن کے رہتا لکیر پتھر کی　　سنگِ در پر خطِ جبیں بھی نہیں
آپ جب تک تھے جان تھی اس میں　　جائے اب دلِ حزیں بھی نہیں
جن سے پھیلی تھی چاندنی گھر میں　　اے فلک اب وہ مہ جبیں بھی نہیں
ایسی بھی اے ریاضؔ توبہ کیا　　کوئی آغوش میں حسیں بھی نہیں

کہا جو میں نے چھپی ہے کسی کی ہاں میں نہیں
وہ بولے جھوٹ مرے وہم میں گماں میں نہیں

ذرا بھی جان ترے زار و ناتواں میں نہیں
وہ یوں جہان میں یوں جیسے اس جہاں میں نہیں

سُنے ہیں نغمۂ ناقوس دیر میں ہم نے
اثر فریب یہ رنگینیاں اذاں میں نہیں

قفس کو چھوڑ کے سوئے چمن نہ جائے برق
کہ چار تنکے ہیں کچھ اور آشیاں میں نہیں

سنیں نہ آپ کبھی خونچکاں شکایتِ دل
کہ سادہ حرف کوئی میری داستاں میں نہیں

سمائے کیوں نہ تری آنکھ میری آنکھوں میں
جو اس میں ہے مری ساقی کسی کماں میں نہیں

خدا ہی ہے جو ملیں مجکو قافلے والے
میں گم شدہ ہوں جس میری کارواں میں نہیں

فسردہ دل ہوں مجھے کیا ہے کوئی موسم ہو
بھری بہار میں کیا تھا جو اب خزاں میں نہیں

ہماری چپ کا اثر اے فلک معاذاللہ
یہ بات آہ میں فریاد میں فغاں میں نہیں

زبان آئی ہے یار و ہمارے حصے میں
وہ کوئی بھی ہو یہ پاکیزگی زباں میں نہیں

وہ آئے ہیں سرِ بالیں یہ ہونٹھ تک آئے
سکت اب اتنی بھی اس جانِ ناتواں میں نہیں

مجھے ملی تو گنا ہوں سے کون روکے گا
اجل کا خوف اگر عمرِ جاوداں میں نہیں

زبانِ حال سے کہتے ہیں پھول کیا کیا کچھ
یہ حسن اور یہ وسعت مری زباں میں نہیں

بہت ہی تن کے ہم آئے تھے تیر کھانے کو
جو دیکھتے ہیں وہاں تیری کماں میں نہیں

ہوئے تھے نالۂ سوزاں مرے بری پیوست
جو تارے ہیں نے جڑے تھے وہ آسماں میں نہیں

تمہارے غم نے بنایا ہمیں کچھ اور سے اور
گھلا یہ جسم کہ اب فرق جسم و جاں میں نہیں

ریاضؔ میں بھی خوش آواز و خوش گلو ہوں مگر
یہ لطفِ قلقلِ مینا مری اذاں میں نہیں

آج اُس کی وفا کو روتے ہیں
جس کی ایک ایک ادا کو روتے ہیں

ستم نارو ا کو روتے ہیں / چرخ تیری جفا کو روتے ہیں
خون رُلوا رہی ہے یادِ وفا / اک سراپا وفا کو روتے ہیں
اس طرح آئی وقت سے پہلے / آنے والی قضا کو روتے ہیں
اب یہ اس تک پہنچ نہیں سکتا / نالۂ نارسا کو روتے ہیں
بہہ گیا آنکھ سے لہو ہو کر / دلِ درد آشنا کو روتے ہیں
جان لے کر گیا وہ آخر کار / مرض لادوا کو روتے ہیں
جانے والے کی یہ نشانی ہے / دیکھ کر نقش پا کو روتے ہیں
درد سا ور وہ ہے بھرا اس میں / ٹوٹے دل کی صدا کو روتے ہیں
روتے جو آئے تھے رُلا کے گئے / ابتدا انتہا کو روتے ہیں
رنگ و بو اب کہاں وہ گل ہی نہیں / اس چمن کی ہوا کو روتے ہیں
ہے فضائے چمن غبار آلود / ہم مکدّر فضا کو روتے ہیں
خاک میں ملنے کو ہی سب کا حُسن / گلِ رنگیں قبا کو روتے ہیں
مہندی پس کر لہو رلاتی ہے / پسنے والی حنا کو روتے ہیں
نفسِ سرد یہ بنی بھی تو کیا / موجِ بادِ صبا کو روتے ہیں
باغِ عالم میں اس طرح بے دید / نرگسِ نیم وا کو روتے ہیں
چھا گئی کیسی تیرگی اُن پر / مہر و مہ کی ضیا کو روتے ہیں
کام آیا نہ یہ کسی کے بھی / خضر آبِ بقا کو روتے ہیں
چپ ہیں یوں جیسے ان میں جان نہیں / لب معجز نما کو روتے ہیں
اب سوئے آسماں نہیں اُٹھتا / اپنے دستِ دعا کو روتے ہیں

جان کو لے کے ساتھ جانا تھا   اس دلِ مبتلا کو روتے ہیں

دے گیا داغِ غم یہ کون ریاضؔ
ہم غمِ دیر پا کو روتے ہیں

بتانِ حشر تازہ رنگ بھر دیں داغِ عصیاں میں   مزا دے جائے میرا داغِ عصیاں میرے داماں میں
بھری ہیں حشر زا فتنے نگاہِ فتنہ ساماں میں   جگہ دی کیا دلِ ہنگامہ جو کو اپنے داماں میں
لگا ناوک میں ایسا کون سا سرخاب کا پر تھا   کہ میرے دل کے ٹکڑوں نے جڑے لعل اُنکے پیکاں میں
مرے لب تک نہ آئیں حشر کے دن جام بن بن کر   جو داغِ مے کھلے ہیں پھول بن کر میرے داماں میں
تُلی بیٹھی ہے کیسی اشک آلودہ مژہ میری   پروئے جائیں گے موتی تری زلفِ پریشاں میں
جو اے دیوانو میں ہوتا تو کیا ہوتا خدا جانے   نہ ہونے سے مرے اب خاک اُڑتی ہے بیاباں میں
گریباں پر مرے کیوں حشر کے دن ہاتھ ڈالا تھا   اُلجھ کر دستِ نازک رہ گئے اب تو گریباں میں
چڑھائے خُم کے خُم لیکن نہ نشہ ہو نہ غافل ہو   فرشتہ ہے وہ اے زاہد جو یہ باتیں ہوں انساں میں
ذرا میں بھی وہاں اپنی شبِ فرقت کو لیجاؤں   ہمیشہ دن بنا کرتی ہیں راتیں جس شبستاں میں
ارے ساقی نہ تھا کچھ ہم میں جب تک شیشہ خالی تھا   جو مے شیشے میں آئی جان آئی جسمِ بے جاں میں
ملیں تو اُن کو دکھلاؤں مسکنا اُن کے دامن کا   یہی کافر جو رخنے ڈالتے ہیں میرے ایماں میں
ہمیں تو لطف آتا ہے وہ جھوٹے ہوں کہ سچے ہوں   عجب لذت ہے اُن کافر بتوں کے عہد و پیماں میں
نظر آتی ہے اکثر روح مجھسے پر شکستہ کی   کسی ٹوٹے قفس میں یا کسی اجڑے گلستاں میں
ہمارے دل کے داغوں کی وہاں شمعیں ہوئیں روشن   ہماری آنکھ کے پردے پڑے ان کے شبستاں میں
رہا کرتی ہے سوتے جاگتے اس کی نظر مجھ پر   یہ بیداری کہاں سے آ گئی چشمِ نگہباں میں
ذرا سی وصل کی شب یا بڑی سی ہجر کی شب ہو   یہ چھپی رہتی ہیں دونوں ان حسینوں کی نہیں ہاں میں

ہماری جان چھوٹی گی اسیری سے نہ جیتے جی — لحد کی طرح رکھا ہے جسد کی تنگ زنداں میں
اُتاری ہے کہیں تم نے پریشاں ہو نہ گھبراؤ — تمہاری آرسی رکھی ہے میری چشم حیراں میں

ریاضؔ ایسا ہے ان کا ہم نوا ہوں مرغ گلشن میں
ہوئی ہے منعقد بزم سخن صحن گلستاں میں

مجکو دیکھا تو ہنس کے کہتے ہیں — اشک اب بے سبب بھی بہتے ہیں
اُن کے کوچے میں خوش وہ رہتے ہیں — ہر طرح کے جو رنج سہتے ہیں
جن کے دل میں ہے درد دنیا کا — وہی دنیا میں زندہ رہتے ہیں
میکدہ کیوں ہے قبلۂ حاجات — مے کے دریا یہیں سے بہتے ہیں
صدقے اپنے درازی قد کے — وہ مجھے بیوقوف کہتے ہیں
جو مٹاتے ہیں خود کو جیتے جی — وہی مر کر بھی زندہ رہتے ہیں

دیجیے کیوں ریاضؔ کو تکلیف
شعر سُنتے ہیں وہ نہ کہتے ہیں

کیا جانے کیا ہے میری گلابی میں مے نہیں — یہ دیکھنے کی چیز ہے پینے کی شے نہیں
برباد جو جگر کو وہ آواز نے نہیں — وہ نور کا گلا نہیں وہ اُن کی لے نہیں
جنت فروش صحبتِ جامِ سفال ہے — یہ بزمِ جم نہیں یہ کوئی بزم کے نہیں
بعد صیام میکدہ ہے، صبح عید ہے — جامِ شراب آج بھی کیا پے بہ پے نہیں
بیتھر بھی حُسن کے شق ہو جگر کا تو ذکر کیا — آواز ہے جہاؤ کی گاندھی کی جے نہیں
فردا کی فکر رکھتے نہیں میکدے کے لوگ — جو کچھ ہو حشر کل کے لئے کچھ بھی طے نہیں
خلوت میں پی کے زہر اگلتے ہیں بزم میں — کیا ہے اگر یہ حضرتِ واعظ کی قے نہیں

گو تجربہ بہت ہی مگر کیا کہوں ریاض

لب پر رہے گی ان کے یونہی تا بکے نہیں

اب مزا ہے تو خشک جینے میں ۔۔۔ لطف کھانے میں ہے نہ پینے میں

میری آنکھوں میں ہے تجلیِ طور ۔۔۔ داغ روشن ہی میرے سینے میں

دسترس ہو مجھے تو میں جانوں ۔۔۔ کیا ہے قارون کے خزینے میں

موجِ مے لے چلی مجھے سوئے عرش ۔۔۔ یہ بھی زینہ ہے کوئی زینے میں

میرے دل کو مری نظر نہ لگے ۔۔۔ بال آئے نہ آبگینے میں

خلق مجکو سمجھ رہی ہے شریف ۔۔۔ بات کیا ہے یہ مجھ کمینے میں

نانپارے میں شب کا لطف ڈِنر ۔۔۔ ہم نہ کھانے میں تھے نہ پینے میں

بزمِ جم سے بڑھی تھی رات کی بزم ۔۔۔ ہر سلیقے میں ہر قرینے میں

بدر بھی ہو شریک سال گرہ ۔۔۔ ہو یہ تقریب ہر مہینے میں

ایں سعادت[1] بزورِ بازو نیست ۔۔۔ ہے یہ اللہ کے خزینے میں

جس کے سر تاج ہو سعادت کا ۔۔۔ جا کے سجدے کرے مدینے میں

مِلے انگشتری سلیماں کی ۔۔۔ نام آصف[2] رہے نگینے میں

چھپیں الحق[3] میں بھی خلیل[4] و نیاز[5] ۔۔۔ ناخدا کا غذی سفینے میں

طبع ہو کر مری غزل بھی بنے ۔۔۔ اسی ہفتے اسی مہینے میں

نانپارے کے راجہ صاحب کا ۔۔۔ نام مکے میں ہو مدینے میں

---

[1] راجہ سعادت علی خاں والیِ نانپارہ دام اقبالہٗ۔ [2] خان بہادر آصف زماں خاں صاحب نانپارہ۔ [3] اخبار ہفتہ وار لکھنو۔ [4] سکرٹری آنہ فنڈ لکھنو۔ [5] سید نیاز احمد نیاز برادر ریاض پرنسپل اسپیکر ریس

پا کے ایسا کلب نے دعوت دی   آئی اس طرح میرے پینے میں
وقت رخصت عطائے آصف سے   کچھ کمی آ گئی خزینے میں
نہ بنی یہ غزل سپئے دیوان   ناخدا کا غذی سفینے میں
تھا ودیعت وہ بہرِ گورکھپور   چھپ کے نکلے گا دس مہینے میں
نامِ دیوان ریاضِ رضواں ہے   آئے گی کھل کے اب تو پینے میں
اس کی تاریخ آتشِ گلِ تر[1]   آتش تر پلانے پینے میں

بنے نورِ لحد وہ کاش ریاض
ہے چمک درد کی جو سینے میں

---

[1] ۔ حصّہ اول آتش تر (غزلیات)

وہ نازنیں ہو تم کہ ذرا بھی اثر نہ ہو — آنکھوں میں تم پھرو بھی تو ہم کو خبر نہ ہو
ممکن نہیں نگاہ سے ٹکڑے جگر نہ ہو — قربان تیرے تجکو کسی کی نظر نہ ہو
کچھ تشنگی مٹے تو مٹے سلسبیل پر — یہ میکدے وہ ہیں کہ لبِ خشک تر نہ ہو
ہم ہیں قفس میں اور قفس ہے تہِ غلاف — جل جائے آشیاں بھی تو ہم کو خبر نہ ہو
بیٹھے تمام رات پرستش کیا کریں — ایسا بھی نازنین بتِ نازک کمر نہ ہو
جو پھر رہا ہے خضر کا سایا بنا ہوا — بھٹکا ہوا یہ کوئی مرا نامہ بر نہ ہو
لے تو چلے ہو کھینچ کے سینے سے تیر کو — پیکاں کے ساتھ ساتھ کسی کا جگر نہ ہو
باہم شبِ وصال اٹھائے ہیں کیا مزے — وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں الٰہی سحر نہ ہو
ہم ہیں بتِ حسین بھی ہیں دن بھی حشر کا — کیا جانے آج کیا ہو خدا کا جو ڈر نہ ہو
ہے بزم وعظ مجکو یہ واعظ سے خوف ہے — منبر پہ آج جا کے کہیں میرے سر نہ ہو
ہم کو تو صرف ان کے تصور سے کام ہے — ایسے بھی ہیں حسین کہ جن کے کمر نہ ہو
دن جیسے ایک حشر کا جس کی نہیں ہے شام — ایک ایسی شب ہو وصل کی جس کی سحر نہ ہو
میں جا سکوں نہ بام قفس تک بہار میں — مجھ سا کوئی جہان میں بے بال و پر نہ ہو
ناوک فگن یہ تیر و پیکاں ہے کس لئے — ایسا بھی کیا کہ دل تو ہدف ہو جگر نہ ہو
نشتر لگا کے جان کے لالے پڑے کسے — ہاتھوں سے تھامے دل کو مرا چارہ گر نہ ہو

جھنجلا رہے ہیں سوتے میں کیوں دست شوق پر
چھیڑا ہے جس نے موج نسیم سحر نہ ہو

چوری چھپے کی باتوں کی سب میں ہی بازپرس
میرا حساب حشر میں دن دوپہر نہ ہو

یہ ایک محال امر ہے اے جوش اشک خوں
دل تو لہو ہو خون ہمارا جگر نہ ہو

اے محتسب ریاض تو ان میکشوں میں ہیں
سو غوطے کھائے حوض میں دامن بھی تر نہ ہو

خاکِ میخانہ ملی بہرِ تیمم مجکو
ذرّے ذرّے نے دیئے لاکھ بھرے خم مجکو

جب مقدر سے ملے بن کے ملے خم مجکو
نسل آدم میں پھلے دانۂ گندم مجکو

لے جو گہوارے میں لہروں کا تلاطم مجکو
موت کی نیند سلائے ابھی قلزم مجکو

وہ ستاتا ہے ستاتے جو نہیں تم مجکو
دھوکے دیتا ہے بری طرح توہم مجکو

پارسائی کا یقین غیر کو دلواتے ہوں
اور بھولے سے جو آجائے تبسم مجکو

خانقاہیں تو ہزاروں ہیں مگر جی بھی لگے
کوئی تھوڑی سی جگہ دیدے پیرِ خم مجکو

وصل کی رات یونہی آج گزر جانے دو
میں تمہیں پیار کروں پیار کرو تم مجکو

جس کے ہر ذرّے میں تھا وادی ایمن پنہاں
بے خودی نے اسی صحرا میں کیا گم مجکو

تم کو دیتا ہوں دعائیں مجھے کوسے کوئی
کوئی دیتا ہو دعا کوستے ہو تم مجکو

دادخواہوں میں دمِ حشر جو دیکھا ہے مجھے
کہتے ہیں پیار سے کیا بھول گئے تم مجکو

جا نکلتا ہوں جنوں میں تو مزا دیتا ہے
نغمہ سنجانِ گلستاں کا ترنم مجکو

مسکراتی ہیں تری ہار کی کلیاں دم وصل
کاش آجائے یہ انداز تبسم مجکو

سامنے میرے کوئی غیر کو زندہ نہ کرے
جیتے جی کوئی سنائے نہ کبھی قم مجکو

کچھ بھی رکھا نہ مرے ضعف نے مجھ میں باقی
ساتھ اپنے لئے پھرتا ہے توہم مجکو

آگے واعظ کے سرِ بزم بناؤں دریا
جو ملے بحرِ تکلّم وہن خُم مجکو

میرے آگے وہ جبیں زلف میں افشاں تا صبح
تارے گننے کو ملی ہے شبِ انجم مجکو

محفلِ وعظ میں بیٹھا سرِ منبر واعظ
لا کے خم کوئی بٹھا دے نہ سرِ خم مجکو

میکدہ ہی میں دفن بھی ہوں حشر بھی ہو
مغبچو تھوڑی جگہ دے دو پسِ خم مجکو

عکس کی طرح کبھی بار نہ ہوں ضعف میں
رکھیں پتلی میں اگر دیدۂ مردم مجکو

ہوں وہ میکش جو کروں قصد ذرا کعبے کا
کاندھے پر لاد کے لے جائے مراخم مجکو

رزق بن کر مری قسمت کا یہ اُترے ہیں ریاضؔ
دانے انگور کے ہیں دانۂ گندم مجکو

یہ بھی ملنا ہے کوئی مل کے کیا گم مجکو
ایک اس ساری خدائی میں ملے تم مجکو

نسلِ آدم میں پھلے دانۂ گندم مجکو
جب مقدّر سے ملے بن کے ملے خم مجکو

مُسکراتے ہو جہاں دیکھتے ہو تم مجکو
گدگدائے نہ کہیں موجِ تبسم مجکو

تہ نشیں کر نہ سکا عشق کا قلزم مجکو
دیکھتا ہے ابھی موجوں کا تلاطم مجکو

کہتے ہیں حشر نہیں اللہ کرے گُم مجکو
آج بھی آئے ستانے کے لئے تم مجکو

ساتھ موسیٰ کے سوئے طور گیا تھا میں بھی
یاد ہے برق کا اندازِ تبسم مجکو

سُن چکے ہیں بہت افسانۂ حسرت مجھ سے
اب نہ دیں نزع میں تکلیفِ تکلّم مجکو

منتقل کعبے کو میخانے ہوئے ہیں شاید
ملے رستے میں کئی ٹوٹے ہوئے خم مجکو

نظر آتے تو ہیں اس بزم کے کچھ شمع و چراغ
کم نہیں دور سے بھی یہ مہ و انجم مجکو

حشر میں کام مرے آئے ترے بوسۂ لب
کہ ملا آج ترا حسنِ تکلم مجکو

ان کی تصویر کا چہرہ ہے کچھ اُترا اُترا
اتنی سی بات کے ہیں لاکھ توہّم مجکو

دھڑکے محشر کے مٹانے کو مرے ساقی نے
مرتے مرتے بھی پلائی ہے کئی خم مجکو

نا خلف تھا نہ ہوا لغزش آدم کا شریک
کہ ملی نان جویں شیخ کو گندم مجکو

توڑنا ہے مجھے توبہ سرِ محفل ساقی
دیکھنا ہے لبِ ساغر کا تبسم مجکو

میں اُٹھا قبر سے وہ خاک سے میخانے کی
دوش پر لے کے چلا حشر کے دن خم مجکو

میری حسرت کا مرقع ہی ہنسی بھی میری
آئے آنسو کبھی آیا جو تبسم مجکو

باتیں کرتی ہے جس انداز سے تیری تصویر
کاش آجائے یہ انداز تکلم مجکو

تیرے نظارے نے مجکو نہ کہیں کا رکھا
جلوہ یار کہاں تو نے کیا گم مجکو

یہ مجھے چھیڑنی ہے دور سے جب روتا ہوں
گدگداتی ہے تری موجِ تبسم مجکو

دہنِ گور میں جاتے ہوئے کہتے تھے ریاض
اے لبِ گور سمجھ موجِ تبسم مجکو

مے میں ڈوبا نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو
رنگ وہ آئے کہ صدقے سرخی شنجرف ہو

پاک طینت رند پی کر مجکو پہنچائیں ثواب
میری پونجی نیک کاموں میں الٰہی صرف ہو

حلق سے جو گھونٹ اترے حلق میں ڈالا کیے
ہم ہوں تم ہوں باغ ہو سوڈا ہو حقے ہو برف ہو

میری فردِ جرم کا ہو نقش سطر بھی سیاہ
خط کشیدہ نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو

کچھ عجب واقع ہوئی بچپن ہی میں ترکیبِ عشق
خود فراموشی میں کیوں کر یاد نحو و صرف ہو

کیوں اُبل پڑتے ہو میخانوں میں اکثر بے پیے
واعظو تم بھی بڑی اوچھے بڑے کم ظرف ہو

بہرِ عقبیٰ جمع کرتے ہیں یہ آخر میں بخیل
وہ مدین رکھتے ہیں جن میں نہ کچھ بھی صرف ہو

ہو محیطِ نامۂ اعمالِ رنداں موجِ مے
موجیں کرتی لہریں لیتی جدولِ شنجرف ہو

پی کے تم کو وعظ کہتے ہم نے دیکھا ہے ریاض
ہم بلانوشوں میں تم بھی کتنے عالی ظرف ہو

رکھا ترے دامن میں ہی کیسے گلِ تر کو — رکھ آنکھ میں اے قبر مرے نورِ نظر کو
ہے آگ لگی آگ لگے اس کے اثر کو — جاتا ہے کہاں، نالۂ دل پھونک کے گھر کو
پہلو میں ہماری غضب اک پھانس چبھی ہے — رہ رہ کے بڑھاتی ہے وہی درد جگر کو
ہے آٹھ پہر فکر ڈبونے کی ہمارے — کچھ ہم سے ہی بے وجہ ضد اس دیدۂ تر کو
جس گھر میں بلی تھیں کبھی زلفوں کی بلائیں — آباد بلاؤں نے کیا ہے اُسی گھر کو
ہم پر یہ چمن میں ہے اثر قید قفس کا — بیٹھے ہیں الگ سب سے سمیٹے ہوئے پر کو
تنتے تھے جوانی میں جو کرتے تھے معاصی — اب بڑھ کے وہی بوجھ جُھکاتا ہے کمر کو
کافور ہو رنگ آکے سیہ خانے میں میرے — ڈر جائے شبِ تار جو دیکھے مرے گھر کو
شب گورِ غریباں میں بسر ہوتی ہے اے موت — ہم شام سے جا رہتے ہیں آتے ہیں سحر کو
اُڑ کر نہ پہنچ جائے نشیمن میں یہ صیاد — جنبش ہے ہوا سے مری ٹوٹے ہوئے پر کو
مقبول دعائیں نہیں ہوتیں نہیں ہوتیں — قسمت میں ترسنا ہے ترستے ہیں اثر کو
پتوں میں، نشیمن میں، کبھی چھپتے تھے ڈر سے — خوش ہوتے ہیں اب دیکھ کے ہم برق و شرر کو
جب خاک سے بچتے نہیں پروردۂ دامن — کیا لے کے کریں لالہ و گل لعل و گہر کو

گریاں ہیں ریاضؔ آپ غمِ مرگ میں کس کے
درپیش یہی راہ ہے ہر فرد و بشر کو

لئے آغوش میں محرم ہی اُن کے اُٹھتے جوبن کو — جوانی گود میں اپنی کھلاتی ہے لڑکپن کو
گھنے جنگل کھلے صحرا بہت میری نشیمن کو — جہاں ہو باغباں دشمن، لگی آگ ایسی گلشن کو
بہت ہی منزلِ مقصود کا پرپیچ رستہ ہے — ملے اس راہ میں تو رہنما سمجھوں میں رہزن کو
نکل آئے گی اس کی بھی جگہ صیاد کے گھر میں — ذرا صرصر اُڑا لانا اِدھر میرے نشیمن کو

جو تم جانا تو لے موسیٰ اُدھر ہوتی ہوئے جانا
مرے وادی سے بھی رستہ گیا ہے دشت ایمن کو

فرشتے بھی نہ آئے حال پر میرے مجھے چھوڑا
کہاں کی تیرگی گھیرے ہوئے ہے میرے مدفن کو

یہ گر جاتی ہے جلوے سے چھلک جاتی ہے ساغر سے
کوئی کیوں کر بچائے داغ مے سے اپنے دامن کو

یہ سیدھی سادھی نرگس باغ کی کیا ایسی ویسی ہے
نظر بازی سکھاتی ہے کسی کی چشم پرفن کو

نگہباں ایسے اچھے اور تم کو مل نہیں سکتے
پڑا رہنے دو میری طرح در پر اپنے چلمن کو

گلا بیٹھا ہوا خدمت اذاں کی اور کعبے میں
بھلے کو ہم وہاں لائے تھے ناقوس برہمن کو

پھریں تو حج کی ٹھہری ہوں مے و معشوق سی باتیں
ریاضؔ اچھی کہی پہلے چلو ہو آئیں لندن کو

کہیں تو پاؤں دھرنے کا ٹھکانا جوش وحشت ہو
کہاں جاؤں جو مجھ پر تنگ داماں قیامت ہو

خداوندا یہی مے اس کو شہد و شیر جنت ہو
جو رند صاف باطن ہو جو رند پاک طینت ہو

شب غربت میں نکلے چاند یہ قسمت کہاں اپنی
نہیں ممکن کہ تارا بھی چراغ شام غربت ہو

قیامت کو کہیں کیا دل کے چلتے لینے جانا ہے
تم اس فتنے کو ٹھکرا دو یہی فتنہ قیامت ہو

نہ وقت نزع پھر آنکھیں چھلکتے جام سے زاہد
ترے ماتم میں شاید آبدیدہ حور جنت ہو

اب ایسا دل کہاں سے لاؤں ان کی نذر کرنے کو
نہ جس میں کوئی ارماں ہو نہ جس میں کوئی حسرت ہو

نزاکت پر تصدق ہونے والوں کی ہے کیا ہستی
جب اٹھتے بیٹھتے ان پر فدا ان کی نزاکت ہو

ہمیں ارمان ہے کافر حسینوں کے ستانے کا
ہمیں ہو یا نہ ہو ہم سے حسینوں کو محبت ہو

خدا جانے یہ واعظ میکدے کو کیا سمجھتے ہیں
جو چھو جائے ہوا اس کی تو دنیا ان کو جنت ہو

کوئی بات اٹھ رہی تھی کوہکن کا کام بننے میں
کرے کیا کوہکن تیشہ لئے سر پر جو قسمت ہو

مزے کی چیز ہے یارب یہ بیہوشی جوانی کی
نہ آئے ہوش پیری میں بھی ایسی مجھکو غفلت ہو

وہ شب آئے کہیں تم چھپ کے ہوتی شرم کی بن کر ستاتی ہو تمہیں ہم کو ستی ہم کو نزاکت ہو
ہیں کیا بھر دیے یوں کوٹ کر موتی جو قدرت نے ہمارے کام کی وہ آنکھ ہے جس میں مروت ہو
نہ دن کی دھوپ رکتی ہے نہ شب کی اوس رکتی ہے مرے گھر کا وہ عالم بیکسوں کی جیسے تربت ہو

گل افشاں ہو ریاض اگر ساحر[۱] کے محفل میں
زر افشاں کیا دُر افشاں جنبش دامان دولت ہو

جرم پھر کیوں قابل تعزیر ہو تم ہمارے کاتب تقدیر ہو
ساتھ ہی دل کے جگر بھی ہو ہدف تیری چٹکی میں وہ پیکاں تیر ہو
سخت جاں میں اور وہ نازک بہت میری گردن ہو تری شمشیر ہو
رات دن دونوں ہیں میری کام کے چاند ہو اک چاند سی تصویر ہو
غیر کے آگے اگر بیٹھے ہوں آپ آپ کے آگے مری تصویر ہو
صبح کرنا ہے مجھے فرقت کی رات میرے لب پر نالۂ شبگیر ہو
وہ چلیں جب گھر سے تو آئیں ادھر ایسی اب چلتی ہوئی تدبیر ہو
چاندنی پھیلی تمہارے دم سے ہے رات میں تم چاند کی تنویر ہو
وعدۂ فردا نہ باقی کچھ نہیں پاس میرے آپ کی تحریر ہو
گرتے ہیں بن بن کے بجلی منہ سے پھول اور ہی کچھ تم دم تقریر ہو
شام سے اک چاند ہو آغوش میں اتنی تو چمکی ہوئی تقدیر ہو
دختِ رز کا اس کو مل جائے شباب زال دنیا ہو یہ چرخ پیر ہو
زیر بام یار یہ اچھا ہے شغل میں ہوں میری آہ بے تاثیر ہو

۱۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ۔

اس کے بوسے کوئی لے کوئی جلے — شمع ہو، پروانہ ہو، گلگیر ہو

کہتے ہیں خسرو تمہیں ساحر[1] ریاضؔ

تم کہیں خسرو کہیں تم میر ہو

منہ پر مرے بھی روزِ قیامت نقاب ہو — میں بھی انہیں میں ہوں جنہیں مجھ سے حجاب ہو

مستِ شباب ہو کوئی مستِ شراب ہو — تم ہو ہوائے بام و شبِ ماہتاب ہو

بلبل قفس میں ہو مگر اس کے قفس کے پاس — کلیوں سے اک لدی ہوئی شاخِ گلاب ہو

میرے فرشتے پیش کریں حشر میں جسے — آلودۂ شراب وہ فردِ حساب ہو

وہ جرم ڈھونڈ ڈھونڈھ کے کرتا ہوں رات دن — لکھیں تو کاتبانِ عمل پر عتاب ہو

اک شے ہی بہرِ فاتحہ از قسم شہد و شیر — اس فاتحہ کا بادہ کشوں کو ثواب ہو

یوں ہی بلا سے رات گزر جائے وصل کی — شوخی اُدھر ہو اور اِدھر اضطراب ہو

دنیائے حسن و عشق میں اتنی تو ہو نمود — میرا جواب ہو نہ تمہارا جواب ہو

میں روسیاہ خوگرِ دوزخ تو ہو رہوں — وہ دل ملے کہ جان کا میری عذاب ہو

فردِ حساب دیکھ کے رہ جائے منہ مرا — میرے لئے ترا کرم بے حساب ہو

رسوائے عام ہونے کو ہے حسنِ بے نقاب — وہ وقت ہی قریب ہر اک بے نقاب ہو

واعظ جو آ گیا ہے تو کوثر کا جام آئے — میخانے میں طلوع نیا آفتاب ہو

چلتے ہیں جب ریاضؔ تو کچھ جھومتے ہوئے

جیسے پئے ہوئے کوئی مستِ شراب ہو

ہائے رے دیوانگی کوسا کیا تاثیر کو — میں فغاں اپنی ہی سمجھا نالۂ زنجیر کو

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ ۔

دل کو ہونے دی ہدف ممکن نہیں دل کی تڑپ — یہ اڑاتی ہے ہمیشہ چٹکیوں میں تیر کو
کیوں مٹی اُن کی اُداسی کیوں اُنہیں آئی ہنسی — میرے گھر آتے ہیں نے دونے غیر کی تقدیر کو
عرش سے آئی کبھی تو آکے اُلٹی پھر گئی — دور سے میرا سلام اس آہ بے تاثیر کو
ہم نے کاٹی کس مزے سے آپ کی فرقت کی رات — پیار کرتے رہ گئے اک چاند سی تصویر کو
ناز سے چلنا سکھایا اس کو دستِ ناز نے — اپنے غمزے تم سکھا دو اب ذرا شمشیر کو
ناوک افگن دیکھ لی تو آکے مرے دل کی پھانس — یہ ذرا سی پھانس تو شرما رہی ہے تیر کو
منہ کھلے خم کا نہ واعظ قلقل مینا کے بعد — میکدے میں طول اتنا تو نہ دے تقریر کو
کیوں ہوا ناوک خطا نیچی نظر ہے شرم سے — لاؤ ہم رکھ لیں کلیجے میں تمہارے تیر کو
آپ فرماتے تھے کل دیکھو بزرگی شیخ کی — ہم نے دیکھا ہی جوان اس آسمانِ پیر کو

یادگار اس وقت ہم بھی ہیں زمانے میں ریاضؔ
مانتے ہیں سب ہمیں ہم مانتے ہیں میر کو

وعدہ تھا جس کا حشر میں وہ بات بھی تو ہو — یہ سن کے کس ادا سے کہا رات بھی تو ہو
ہم لیں بلائیں زلف کی وہ رات بھی تو ہو — آئے مزے کی رُت کہیں برسات بھی تو ہو
گزری یونہی توبہ کے دن اب سوا یہی — ساقی ذرا تلافیِ مافات بھی تو ہو
اظہارِ آرزو کوئی ایسی خطا نہ تھی — کیوں تیوریاں چڑھی ہیں کوئی بات بھی تو ہو
پابوس ان حسینوں کی آتی ہے میرے گھر — اُن کی نظر میں کچھ مری اوقات بھی تو ہو
مینا کی طرح جا کے ابھی سر جھکائیں ہم — پیرِ مغاں سا قبلۂ حاجات بھی تو ہو
ہم میکدے کو چھوڑ کے کعبے کے ہو رہیں — کعبے میں اس طرح کی مدارات بھی تو ہو
بیعت کو سوئے شیخ بڑھیں گے ہزار ہاتھ — حضرت سے کچھ ظہورِ کرامات بھی تو ہو

کھنے کو اُٹھ رہی گی ستمگر سہی کوئی بات — محشر کے روز مجھ سے ملاقات بھی تو ہو
بنتِ عنب بچھائے گی دامن پئے نماز — زاہد مرید، پیرِ خرابات بھی تو ہو

تم کو ریاض جانتے ہیں خوب یہ حسیں
جتنے ہو نیک اتنی ہی بد ذات بھی تو ہو

ڈر ہے کہ تم نے خون کسی کا کیا نہ ہو — اتنا بھی شوخ ہاتھ کا رنگِ حنا نہ ہو
کیوں مردہ آرزوؤں میں کچھ جان سی پڑے — اب ہے دعا قبول ہماری دعا نہ ہو
جائے گی دن کو بھی نہ شبِ غم کی تیرگی — آئی ہوئی فلک سے یہ کوئی بلا نہ ہو
بھی باغباں کو لاگ نشیمن کی شاخ سے — صیاد کوئی اور نیا گل کھلا نہ ہو
رہنے کو تیرہ گھر مجھے غربت میں وہ ملا — اک عمر سے چراغ بھی جس میں جلا نہ ہو
وہ بھی یہ چاہتے ہیں ٹھہر جائے دل ذرا — ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ناوک خطا نہ ہو
جانے کو بزمِ غیر میں مہندی لگائی ہے — میرا چراغ راہ ترا نقشِ پا نہ ہو
کہنا کسی کا ہائے وہ جھنجلا کے ناز سے — کم بخت ہاتھ چھوڑ کوئی دیکھتا نہ ہو
ہم نے بھی ان حسینوں کو چھیڑا ہے کس قدر — ایسے بھی کوئی ہے جو ہمیں کو ستا نہ ہو
چلتی ہوئی ہے تیغِ ادا ان کی کس قدر — اس کی بھی جان جاتی ہے جس کی قضا نہ ہو
تم کو جو نیند آئے تو دشمن کو موت آئے — افسانہ وہ سناؤں جو تم نے سنا نہ ہو
دامن سے طور کے نہ سہی دور سے سہی — دیکھو کلیم اور کوئی دیکھتا نہ ہو
ان سے ملا یہ ذکرِ وفا پر مجھے جواب — اس کو سکھاؤ تم جو تمہیں جانتا نہ ہو
اللہ حسن دی تو حیا بھی ضرور دے — کس کام کی وہ آنکھ ہے جس میں حیا نہ ہو
کافر حسین بلا سے خفا ہیں ہوا کریں — ہم سے خفا ریاض ہمارا خدا نہ ہو

سَو بوتلیں چڑھاؤں تو نشہ ذرا نہ ہو
پانی ہے یہ شراب جو کالی گھٹا نہ ہو

خلوت میں تیرے شمع نہ ہو آشنا نہ ہو
اللہ رے شرم کوئی انہیں دیکھتا نہ ہو

جس نے دلوں میں آگ لگائی ہو دور سے
بھڑکا ہوا وہ شعلۂ رنگِ حنا نہ ہو

آتی نہیں ہے نیند حسینوں کو بے سُنے
میں ہوں نہ ہوں جہان میں مرا فسانہ ہو

تیرے خرامِ ناز سے اُٹھ جائے ایک بار
وہ فتنۂ حشر بن کے جو اب تک اُٹھا نہ ہو

بے رنگ و بو فشردۂ انگور کچھ نہیں
پانی ہے وہ شراب کا جس میں مزا نہ ہو

حشر آئے جائے لذتِ پیماں یونہی رہے
دل چاہتا ہے وعدۂ فردا وفا نہ ہو

توبہ کے توڑنے میں بھی آتا نہیں ہے لطف
جب تک شریکِ بادہ کوئی پارسا نہ ہو

بولے شبِ وصال ہٹا دو تم آئینہ
ہم کو ہماری آنکھ سے یہ دیکھتا نہ ہو

نازک سی بات وقت بھی نازک ذرا سی رات
نازک ہیں وہ بھی وصل کی شب کیا ہو کیا نہ ہو

رنگتے ہیں میری خون سی مہندی لگا کے ہاتھ
کیوں پانی پانی آتشِ رنگِ حنا نہ ہو

بوتل ہماری آنکھ کی پُتلی بنی رہے
بے لطف سبزہ ہے جو یہ کالی گھٹا نہ ہو

رندو مزا ہے پینے کا شبہائے صوم میں
آئے قضا مگر کوئی روزہ قضا نہ ہو

کیوں بیقرار تا قفس آئے شرارِ برق
کوئی چمن میں آج نیا گل کھلا نہ ہو

ہم دیکھتے ہیں جام کو للچائی آنکھ سے
پینے کی ہے یہ چیز جو خوفِ خدا نہ ہو

کچھ بھی چلے نہ کام بڑھاپے میں اے ریاضؔ
اُٹھ کر یہ موجِ مے جو ہمارا عصا نہ ہو

شکرِ بیداد تو ہو شکوۂ بیداد نہ ہو
میرے لب پر ہو تبسم کبھی فریاد نہ ہو

چھائے پھولوں سے بھی صیاد تو آباد نہ ہو
وہ قفس کیا جو تہِ دامنِ صیاد نہ ہو

حشر پر لطف کی اک بات اٹھا رکھی تھی ہم تمھیں یاد دلاویں جو تمھیں یاد نہ ہو

شام ہی سے وہ شبِ وصل یہ کہہ کر سوئے جو ستائے ہمیں سوتے میں کبھی شاد نہ ہو

قدر مجھ رند کی تجکو نہیں اے پیرِ مغاں توبہ کر لوں تو کبھی میکدہ آباد نہ ہو

بن کے تصویر دمِ ذبح رہے سینے پر دستِ نازک سے رواں خنجرِ جلاد نہ ہو

بام پر شوق سے جو چاہے ستائے اُن کو میری آہیں نہ ہوں نالے نہ ہوں فریاد نہ ہو

ہو وفا جس میں وہ معشوق کہاں سے لاؤں ہے یہ مشکل کہ حسیں ہو و ستم ایجاد نہ ہو

جا بھی کیوں چھیڑتی ہے اب نہ وہ دل ہے نہ دماغ تو قفس میں مرے سر نکہت برباد نہ ہو

کیوں ہے ضد حشر کے دن کان بھرے ہیں کس نے شورِ محشر تو ہو لیکن مری فریاد نہ ہو

کون یہ کہہ کے نشیمن سے اُڑا اے صیاد میں تو برباد ہوں مٹی مری برباد نہ ہو

ہم بھی مشتاق جمال آئے ہیں اے جلوۂ طور پیش موسیٰ کو جو آئی ہے وہ اُفتاد نہ ہو

جو تجھے دیکھ لے ہو جائے وہ بندہ تیرا اے بت ایسا بھی مگر حسنِ خداداد نہ ہو

لبِ جاں بخش سہی اب نزع میں کیوں وعدۂ حشر جائیے جائیے بس منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

سر کہسار میں سایے سے جھجکتی کیوں ہے ساتھ شیریں کے کہیں حسرت فرہاد نہ ہو

لطف دے جائے فرشتوں کی گواہی دمِ حشر ان بزرگوں کو بُری بات کوئی یاد نہ ہو

ملتی ہے طاقِ حرم سے بس توبہ ہم کو کعبہ آباد رہے میکدہ آباد نہ ہو

تم سلامت رہو دشمن کے ستانے والے میری قسمت میں نہیں لذتِ بیداد نہ ہو

کل گئی تھی وہ بہت بامِ بتاں سے اونچی اے اثر عرش سے لپٹی مری فریاد نہ ہو

سخت کافر ہیں یہ معشوق کلیسا والے کعبۂ دل بھی کہیں بصرہ و بغداد نہ ہو

پھونک چکا صور مگر وہ نہیں اٹھتا اب بھی حشر بھی کوئی ترا کشتۂ بیداد نہ ہو

نہ زباں پر نہ پر و بال پر اپنے قابو
میں وہ بلبل ہوں جو گلشن میں بھی آزاد نہ ہو

اے فلک دے دے کوئی چاند کا ٹکڑا مجکو
شرط یہ ہے کہ حسیں ہو ستم ایجاد نہ ہو

وہ خمِ زلف ہو یا گوشۂ دامن ان کا
جا کے پہلو سے کہیں کا دل ناشاد نہ ہو

ان حسینوں کے ہوں جھرمٹ بھی تو کیا لطف ریاضؔ
چھیڑ کی چیز جو میرا دل ناشاد نہ ہو

نظر کے سامنے ممکن ہے لالہ زار نہ ہو
اُڑائیں پھول نہیں ہے اگر بہار نہ ہو

شب وصال یہ شوخی بھی ناگوار نہ ہو
دعائیں ہیں کہ کوئی آج بیقرار نہ ہو

کڑی کمان کا تیر اور دل کے پار نہ ہو
نگاہِ یار نہ ہو وہ نگاہِ یار نہ ہو

شب وصال بھی ان پر کوئی نثار نہ ہو
بہت کہی کہ ذرا آج بیقرار نہ ہو

نکل کے اپنے نشیمن سے کوئی کیا دیکھے
چمن ہے خانۂ صیاد اگر بہار نہ ہو

وہ جائیں شوق سے ٹھکرا کے قبر غیر کے گھر
یہ دیکھ لیں سرِ دامن مرا غبار نہ ہو

کھٹک سی ہوتی ہے آنکھیں ملیں نہ آہوئے دشت
یہ چبھا ہوا مرے تلووں میں کوئی خار نہ ہو

مزے کی چیز ہے کم بخت کی اذیت بھی
کٹے نہ رات اگر لطفِ انتظار نہ ہو

نگہ کے ساتھ ہی آیا کسی کا ناوک بھی
وہ دل کے پار نہ ہو یہ جگر کے پار نہ ہو

کرم سے تیری یہ اتنے تو ہوں شمار کے دن
مرے گناہوں کا مالک مرے شمار نہ ہو

تری گلی میں لحد میں بھی جا کے دیکھ لیا
نہیں کہیں کا جسے دل پر اختیار نہ ہو

وہ ٹوٹے ہار کی صورت وہ ٹوٹے دل کی طرح
جو دستِ شوق کسی کے گلے کا ہار نہ ہو

دکھائے جوش تو دریا بہائے اے ساقی
یہ خم تو ہے جو نہیں ابرِ کوہسار نہ ہو

ادھر بھی تیر فگن کوئی نیم کش ناوک
رہے خلش کی طرح دل میں دل کے پار نہ ہو

پئے نماز بھی ہم بیٹھ کر وضو نہ کریں — کنارِ جو بطِ مے کا اگر شکار نہ ہو
خدا کے بندے کچھ ایسے نڈر ہیں اے ساقی — ہزار بار پئیں تو یہ ایک بار نہ ہو
یہ آدھی رات کو ان کا پیام آیا ہے — ہم آج آ نہیں سکتے اب انتظار نہ ہو
یہ سوکھی گھاس ہری ہو گئی تو کیا حاصل — ہماری قبر پہ اے ابر اشکبار نہ ہو
گل آئیں میری لحد پر تو رنگ اڑ جائے — چراغ آئے تو روشن سر مزار نہ ہو
کچھ انحصار نہیں مے فروش پر ساقی — چلے نہ کام جو سودا کبھی اُدھار نہ ہو
نزاکت ان کی ہی معلوم دل کو بھی شبِ وصل — خدا کرے کہ یہ کم بخت بیقرار نہ ہو
ہزار تلخ سہی مے ملے تو موقع ہے — یہ چیز وہ ہے جو زاہد کو ناگوار نہ ہو
اٹھا ہوں خوف زدہ میں لحد سے قبل از وقت — کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو

ہیں ایسے قول کے سچے سپید ریش ریاضؔ
قسم بھی کھائیں یہ حضرت تو اعتبار نہ ہو

جواں کر دی الٰہی صحبتِ پیرِ مغاں مجکو — پرانی میکدے والی بھی جانے نوجواں مجکو
دکھاتا ہی نئے رنگ اپنے کیا کیا آسماں مجکو — نظر آتا ہی یہ ظالم بڑھاپے میں جواں مجکو
کہیں بیٹھوں کھٹکتی ہی نگاہِ باغباں مجکو — چمن سے دور لے جانا پڑا اب آشیاں مجکو
وہ آئیں تو نزاکت کو نہ اپنے ساتھ آنے دیں — یہی ہے وصل کی شب جو گزرتی ہی گراں مجکو
شراب اُڑتی رہی تو بھی گھٹا چھائی رہی یونہی — نہ دیکھے آسماں تجکو نہ دیکھے آسماں مجکو
چمن میں جس جگہ پہنچا لیا پھولوں کی جھرمٹ نے — بِلا ہر شاخ پر جا کر نیا اک آشیاں مجکو
ذرا سی وصل کی شب ہو گی ان کو سال سے بڑھکر — عوض لوں گا حسینوں سے ستائی آسماں مجکو
بڑی موقع سے تھی ہر چند وہ جنّت کے باہر تھی — حرم سے ہٹ کے رستے میں ملی مَے کی دکاں مجکو

کیا ہے یاد مجکو یہ سمجھ کر جان پڑ جاتی ۔۔۔ جو مرتے مرتے آجاتیں کہیں دو ہچکیاں مجکو
گزرتی سال دن کی طرح معشوقوں کی صحبت میں ۔۔۔ جنابِ خضر دے دیتے جو عمرِ جاوداں مجکو
رہی گی ہونٹھ پر فریاد جب تک دل ہے پہلو میں ۔۔۔ نہ تالو سے لگانے دے گا یہ ظالم زباں مجکو
نزاکت سے یہ لچکے ہیں جو رکھوں لا کے تنکا بھی ۔۔۔ یہ شاخِ گل جھلائے اب نہ بہرِ آشیاں مجکو
چھپائی منہ میں لغزش پاؤں میں ہے ہاتھ میں خنجر ۔۔۔ وہی تو ہیں جو چھوڑے جا رہی ہیں نیم جاں مجکو
لبوں پر آئیں وہ باتیں جو دونوں دل میں رکھی ہیں ۔۔۔ نہیں وہ رازداں میری بنائیں رازداں مجکو
یہ ہے نوکِ مژہ کوئی میں رکھ لوں گا جسے دل میں ۔۔۔ دیے جاتے ہیں کیوں ٹوٹی ہوئی اپنی سناں مجکو
کڑی چتون کے ناوک مجکو اچھے ہیں نگاہوں سے ۔۔۔ چڑھا کر تیوریاں دیکھے نہ وہ ابرو کماں مجکو
ترے کوچے میں جب جاتا ہوں تو خوابگراں بن کے ۔۔۔ کہ آنکھوں میں جگہ دیتا ہے تیرا پاسباں مجکو
تمہاری طرح میں بھی چٹکیاں لیتا رہوں دل میں ۔۔۔ جو آئے ہو سکھاتے جاؤ اپنی شوخیاں مجکو

مری افسوں طرازی کی ریاضؔ اتنی جو شہرت ہے
سبب یہ ہے کہ ساحر[1] سا ملا ہے قدرداں مجکو

مکانِ یار کو ڈھونڈنے دے اے لامکاں مجکو ۔۔۔ نظر آئے زمیں مجکو نہ سوجھے آسماں مجکو
مٹاتا ہے جو انگاروں پہ اب لے آسماں مجکو ۔۔۔ قفس کی شاخ لے لے دیدے شاخِ کہکشاں مجکو
سلائیں گی اجل کی نیند اب یہ سولیاں مجکو ۔۔۔ نگاہوں پہ چڑھا رکھا ہے تو نے باغباں مجکو
کبھی صحرا میں کچھ چپ چپ زبانِ خار کبھی تھی ۔۔۔ نہیں آتی نوا سنجانِ گلشن کی زباں مجکو
کلیجا تھام لینے میں کلیجا تھام لیتا ہوں ۔۔۔ سناتی ہے کبھی ان کو کبھی میری فغاں مجکو
وہی ہیں اس طرف روشن ہیں روزن اُن کے جلوے سے ۔۔۔ ذرا دھوکا نہ دیں تاروں بھرا یہ آسماں مجکو

[1] ـ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ

جگہ آنکھوں میں دینے کو کھلے سو غنچۂ نرگس
قفس سے آتے آتے مل گئے سو آشیاں مجھکو

رہ غربت میں چھالے بھی تھکن بھی دھوپ بھی لو بھی
وہیں کا ہو رہا میں مل گیا سایہ جہاں مجھکو

مرا پانی بھریں آ بجلیاں کالی گھٹا والی
جو دیں کانوں کی اپنی زلفوں والی بجلیاں مجھکو

بڑی جھگھٹ وہاں رہتی ہیں انساں بھی فرشتے بھی
حرم میں جا کے اب رکھنا پڑی مے کی دکاں مجھکو

کبھی تو آئیں گے قابو میں مہوش مہ جبیں ظالم
ستا لے آسماں مجھکو ستا لے آسماں مجھکو

نہ وہ گل ہیں نہ کلیاں ہیں نہ غنچوں کا چٹکنا ہے
اُڑائے چٹکیوں میں اب نہ شاخ آشیاں مجھکو

ملے موقع سی میں بوسے تو لے لوں آج گن گن کر
یہ ایک اک منہ میں دیں گے اب تو سو سو گالیاں مجھکو

شب فرقت کی افسانے کا ٹکڑا کوئی لے بیٹھیں
سنائیں وصل کی شب آپ میری داستاں مجھکو

کہاں ملتی ہے رات ایسی جو دم بھر چین لینے دیں
مری بجبنیاں تم کو تمہاری شوخیاں مجھکو

یہ کیوں اعمال سب کے حشر میں دھرائے جاتے ہیں
نہ یاد آئے کہیں بھولی ہوئی کچھ داستاں مجھکو

ریاض اشعار سُن کر فرشتے وجد کرتے ہیں
ملی کوثر سے دھوئی ایسی پاکیزہ زباں مجھکو

ائے جنوں ہاتھ وہ اُترا ہوا ہار آئے تو
لطف آجائے گا مٹھی میں بہار آئے تو

سرِ دامن ترے کوچے کا غبار آئے تو
پھول برسائے نہ برسائے بہار آئے تو

حشر کو ساتھ لگا لانے کا شکوہ کیا ہے
شکر ہے وہ سرِ بالینِ مزار آئے تو

میں بلا لوں گا تجھے شیخ ترے سر کی قسم
میرے گھر آج کسی طرح ادھر آئے تو

اپنی پلکوں سے کلیجے میں اُٹھا کر رکھوں
اے جنوں آنکھ کے نیچے کوئی خار آئے تو

توبہ لب پر نہ سہی ہاتھ میں بوتل ہی سہی
محفل وعظ میں کچھ بادہ گسار آئے تو

لیں گے آنکھوں سے قدم دوڑ کے سب اہل حرم
در ساقی سے کوئی سجدہ گزار آئے تو

صحبت شب تو کہاں اس کا اثر ہی رہ جائے — نیند ہی کا سہی آنکھوں میں خمار آئے تو

گنتی بوسوں کی نہ اعداد معانی معلوم — لب پہ آتا ہی کہیں روز شمار آئے تو

ہو سکوں مضطرب شوق کو کچھ تو شب وصل — شوخیوں سے تجھے پہلو میں قرار آئے تو

رنگ دی جائے گی یہ ریش سفید آپ سے آپ — حضرت شیخ ذرا ابر بہار آئے تو

اچھے کاندھی کہ فرشتوں سے رہی دور کے لوگ — وقت پر آج اٹھانے مجھے یار آئے تو

ہم بھی آجائیں گے بوتل لئے گلشن میں ریاض
مے گلرنگ لئے ابر بہار آئے تو

شمع کے ساتھ عجب لطف ہی پروانے کو — آگ سے کھیلتے دیکھا ہی دیوانے کو

لئے بیٹھے رہیں آپ آئینے کو شانے کو — ہم بھی آجائیں ذرا زلف کے سلجھانے کو

شب وعدہ ارے او شام سے سونے والے — کھل کے کلیاں مرے بستر کی ہیں مرجھانے کو

اے مرے چشم تصور ترے صدقے سو بار — تو پری خانہ بنا دیتی ہے ویرانے کو

دل بھی نازک یہ کڑی چوٹ بھی پتھر سے سوا — پھول سے کوئی نہ مارے کسی دیوانے کو

اب ٹھہرتا ہی نہیں سینے پہ آنچل ان کا — وہ جوانی ہے بھری اور ستم ڈھانے کو

ارے دیوانے سمجھنے کا نہیں ایک کی میں — تجھ سے سو آئیں جو ناصح مرے سمجھانے کو

خانقاہوں سے ہی پوشیدہ تعلق جن کا — راستے ایسے گئے ہیں کئی مے خانے کو

اے صبا پھولوں کی ہو شاخ کہ موج مے ناب — کچھ بنی ہے کمر یار ہی بل کھانے کو

سنئے محشر میں نہ دنیا کی کہانی مجھ سے — کیجئے یاد نہ بھولے ہوئے افسانے کو

پھل میں پا جاؤں عبادت کا بنا دی یا رب — دانہ انگور کا تسبیح کے ہر دانے کو

بعد توبہ بھی یہ پھینکا نہیں جاتا ہم سے — ہم لئے بیٹھے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کو

حشر میں فردِ عمل کھینچ کے ماروں منھ پر ساتھ آئے ہیں فرشتے مجھے شرمانے کو

حسن کے رعب نے محفل میں بٹھائے پہرے شمع تک آئے اجازت نہیں پروانے کو

لاؤں افشردۂ انگور کہاں سے اے شیخ ایک دانہ بھی نہیں گھر میں قسم کھانے کو

جیسے ساقی تری ہنستی ہوئی تصویرِ شباب ہم نے دیکھا ہی چھلکتے ہوئے پیمانے کو

آکے بے موسمِ گل توڑیں گے توبہ شاید

غل ہے رندوں میں ریاضؔ آتے ہیں میخانے کو

جھومتی قبلے سے آئی تھی ستم ڈھانے کو لو گھٹا جھک کے اڑا لے گئی میخانے کو

کتنے پیدا ہوئے ساقی خطِ ساغر سے ہلال چار چاند اور لگے بزم میں پیمانے کو

جب کیا قصدِ وطن وادیٔ غربت سے کبھی نجد سے آئے بگولے مجھے سمجھانے کو

یہ نزاکت میں سوا ہے مری نازک دل سے جامِ جم سے نہ لڑائیں مرے پیمانے کو

آکے زنجیریں ذرا ڈال دیں زلفوں والے فصلِ گل گھر سے لئے جاتی ہے دیوانے کو

دی عجب مجکو مری رزق رساں نے قسمت خم سمجھتا ہوں میں انگور کے ہر دانے کو

ہاں وہ گلگیر سہی، شمع کا شعلہ نہ سہی چٹکیوں میں نہ اڑائے کوئی پروانے کو

نگہِ مست سی کچھ موج کو نسبت ہی نہ تھی نرگسی آنکھ سے دیکھا کئے پیمانے کو

چشمِ ساقی نے ہمیں آپ میں رہنے نہ دیا ہم کدھر آج چلے چھوڑ کے میخانے کو

تو سہی حشر کا دن، رات بنے، نیند آئے وہ سنیں تو سرِ محفل مرے افسانے کو

نہ سہی برقِ سرِ طور یہ کیا کم ہے کلیم بجلیاں کرتی ہیں روشن مرے ویرانے کو

ٹوٹے توبہ کی طرح ہم پسِ توبہ بھی ریاضؔ

آپ میں رہ نہ سکے دیکھ کے پیمانے کو

یاسمن زار نہ ہو لطف چمن زار نہ ہو — پھول اُٹھتی ہی جہاں کوئی وہاں خار نہ ہو

حشر کی دھوم سرِ راہ گزر یار نہ ہو — دو قدم آگے اگر فتنۂ رفتار نہ ہو

دامنِ برق حجاب اب دمِ دیدار نہ ہو — جس سے بجلی گرے وہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے جنوں رہے انگشت نما وزدِ حنا — دل میں جو چور ہے اس کا کبھی اظہار نہ ہو

نہ اُٹھے پردہ جو آپس میں نگاہیں نہ لڑیں — دل کی دل ہی میں رہی آنکھ اگر چار نہ ہو

اُن کی جنبش ہی کہیں تیغ سی بڑھ کر قاتل — چوڑیاں دستِ حنائی میں ہوں تلوار نہ ہو

بارِ عصیاں کے سوا دو دو فرشتے سر دوش — لطف یہ بندۂ عاجز کو ذرا بار نہ ہو

کب سے کشتی ہے بھنور میں مری اے بیمِ بلا — ڈوب ہی جائے یہ کم بخت اگر پار نہ ہو

مانگتا ہوں یہ دعا حشر کا دن رات بنے — اے بتو میری طرح کوئی سیہ کار نہ ہو

دل کی بات آئے زباں پر نہ کسی کے آگے — آنکھ جو چاہے کہے لب سے کچھ اظہار نہ ہو

سرِ خم دیکھ کے ساغر یہ کہا مستوں نے — خطِ ساغر کوئی برق سرِ کہسار نہ ہو

ایسے باوضع بہت ہیں ہیں مروا ایک نہیں — توبہ کے بعد بھی پینے میں جنھیں عار نہ ہو

رہن مے جبہ و دستارِ امامت بھی ہوئے — اس طرح بھی کوئی بے جبہ و دستار نہ ہو

ساتھ رہنا ہے تو مِل جُل کے رہیں دوش بدوش — یہ تو کچھ بھی نہیں تسبیح ہو زنار نہ ہو

اے جنوں اب کی بہار آئے تو اس لطف سے آئے — فرشِ گل پاؤں کے نیچے ہو کوئی خار نہ ہو

پینے آیا ہی ہے میکدہ جو آبِ حیات — خضر صورت یہ بُرا تا کوئی میخوار نہ ہو

سب کے لب پر ہی مجھے دیکھ کے توبہ توبہ — کوئی اتنا بھی زمانے میں گنہگار نہ ہو

میں نے تم سے جو بتو آنکھ چرائی ہو کبھی — حشر کے روز خدا کا مجھے دیدار نہ ہو

خلق کو دھوکے میں ڈالا ہی مقدس بن کر — اے ریاضؔ آپ سا بھی کوئی ریاکار نہ ہو

کفن سرکا کے حسنِ نوجوانی دیکھتے جاؤ — ذرا افتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ
لپک شعلے کی ہے یا گلفشانی دیکھتے جاؤ — کلیم ان کی ادائے لن‌ترانی دیکھتے جاؤ
نئے خم میں کئے وجم کی نشانی دیکھتے جاؤ — ہمارے میکدے کی بھی پرانی دیکھتے جاؤ
ابھی تھوڑی سی اس کو اپنی بوتل کی پلائی ہے — ذرا رندوں شبابِ شیخ فانی دیکھتے جاؤ
کسے تم ڈھونڈتی ہو دل کہاں ہے میرے پہلو میں — اب اس کا داغ ہے اس کی نشانی دیکھتے جاؤ
بھری آنکھوں میں آنسو موت کے ہیں سانس چلتی ہے — بندھے پانی میں موجوں کی روانی دیکھتے جاؤ
خضر یہ آبِ حیواں سے بھی کچھ پہلے کی ہے شاید — ذرا کہنہ خمِ مے کی پرانی دیکھتے جاؤ
الگ سب سے پڑا رہتا ہوں میں اک قبرِ کہنہ میں — گزرتی کس طرح ہے زندگانی دیکھتے جاؤ
ہماری زمزمی میں آبِ زمزم بھی ہے وہ شے بھی — ہوئے ہیں جمع کیوں کر آگ پانی دیکھتے جاؤ
سحر ہوتی ہے ٹھہرو رات آخر وقت آخر ہے — نہ جاؤ ختم ہوتی ہے کہانی دیکھتے جاؤ
الٹ دی ایک دنیا سر مہاراجہ[1] کی رحلت نے — کہے کون انقلابِ دارِ فانی دیکھتے جاؤ
پیام آیا تھا عشرے میں کہ پہنچیں وقت سے پہلے — یہ کہتا کون بچوں کی جوانی دیکھتے جاؤ

پکارے کہتی تھی عبرت ریاضؔ آقا کی بالیں پر
ذرا افتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

انگاروں پر لٹائیں دلِ داغدار کو — اتنا نہ سر چڑھائیں وہ پھولوں کے ہار کو
ہم رند کیوں نہ جانیں غنیمت ادھار کو — اس مفلسی میں پیتے ہیں پلوا کے چار کو
جھنجلا کے بولے آگ لگے ایسے پیار کو — مل دل کے رکھ دیا مری پھولوں کے ہار کو
لائے ہیں اپنے ساتھ نسیمِ بہار کو — گل کرنے آئے ہیں مری شمعِ مزار کو

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آبادی اعلی اللہ مقامہ

وا ہو رہی ہیں پہلے سے خود ہی درِ قفس   لے بڑھ کے کوئی قافلۂ نوبہار کو
وہ آئیں پہنچے خاکِ لحد آسمان پر   ٹھکرا کے چار چاند لگائیں غبار کو
میں لاکھ ضد کروں وہ اتروا دیں حلق سے   پلوائے کوئی تھوڑی سی مجھ روزہ دار کو
وہ میکدے میں پنبۂ مینا بنی رہے   اللہ دن دکھائے یہ صبحِ بہار کو
سو آسمان گم ہوں یہ نو آسمان کیا   وہ دیکھ لیں اڑا کے ہمارے غبار کو
جس شغل میں گزرتی ہے شب مے پرست کی   نسبت نہیں ہے زاہدِ شب زندہ دار کو
قبلے سے آ رہی ہے گھٹا جھومتی ہوئی   شاید یہ لینے آتی ہے مجھ بادہ خوار کو
گھٹی میں میری شیرۂ انگور ہی پڑا   منظور تھا یہی مرے پروردگار کو
ملتا رہے تو بڑھ کے نہیں اس سے اور شئے   ہم جانتے ہیں نقد سے اچھا ادھار کو
پی کر بفیض پڑھتے ہیں ہم فجر کی نماز   چھوڑیں گے ہم نہ اس عرق خوشگوار کو
اے میفروش ایک کے دس جائیں جیب سے   جانے نہ دیں گے ہاتھ سے ہم اعتبار کو
ہے خوف بازپرس سے ہر روز صبحِ حشر   رکھوں میں کس حساب میں روز شمار کو
اے خضر خم نے پاؤں نکالے ہیں پیٹ سے   روندے گا اب یہ جا کے کسی سبزہ زار کو

دیوان مرا ہو طبع تو دنیا پکار اٹھے
گلچینی ریاضؔ مبارک بہار کو

آگے آیا چاند سی صورت لئے ہر آئینہ
چوٹ پڑتی چوٹ ٹوٹا آئینہ پر آئینہ

خوب ہی پہچانتا ہے ان کے تیور آئینہ
کچھ بھی گزری دل نہیں بنتا تڑپ کر آئینہ

ان کو تزئیں کی نہیں پر غرورِ حسن سے
دیکھنا دو بھر ہوا ہے آنکھ اٹھا کر آئینہ

شوخیاں دیکھے کوئی چھپنے چھپانے کے لئے
رکھ دیا نقشِ قدم نے ہر قدم پر آئینہ

آپ کو اس نے بنایا بن چلے کچھ آپ بھی
بندگی کرنے کو ہے ای بندہ پرور آئینہ

دیکھتا ہی آئینہ میں کوئی جوبن کی بہار
دیکھنا ہو جائے گا جامے سے باہر آئینہ

جام زیرِ جام ہے یا عکسِ ساغر میکشو
زیرِ آئینہ ہے ساغر زیرِ ساغر آئینہ

گھر میں مہماں چاند سی اک شکل ہو جب دیکھئے
ٹوٹتا ہی کیا مزے اندر ہی اندر آئینہ

ساتھ میری عکس تیرا دوڑ کر منہ چوم لے
اس ادا سے دیکھ تو اے ماہ پیکر آئینہ

پیاری پیاری شکل تیری جلوہ گر دونوں میں ہے
آئینے سے بڑھ کے دل ہو دل سے بڑھ کر آئینہ

ننھی منی آرسی سے تم نے دی اچھی مثال
دل میں وہ وسعت ہے نے قد کی برابر آئینہ

زلفِ برہم میں ہمارا دل ہو شانے کے عوض
کانٹا ہے کوچۂ گیسو میں چکر آئینہ

یاد آئی بزم میں تقدیر چمکی دن پھرے
جام اٹھا کر جم چلا لے کر سکندر آئینہ

ابھرے ابھرے سخت جوبن عکس افگن ہیں ریاضؔ
کیوں وہ بیٹھے چور کرنے لے کے پتھر آئینہ

ہو نہیں سکتا ہمارے دل سے بہتر آئینہ
گھٹ کر اُن کی آرسی بنتا ہی بڑھ کر آئینہ

جس طرف گزری اُدھر آنکھیں بچھی ہیں راہ میں
ہے جہاں نقشِ قدم ہے آئینے پر آئینہ

چوٹ سی لگتی ہے دل پر شکل اپنی دیکھ کر
ہاتھ میں آتے ہی ہو جاتا ہے پتھر آئینہ

تاب کیا اس کی مقابل ہو رخِ پُرنور کے
سامنے آئے تو بدگوہر بد اختر آئینہ

اِن بتوں کی دید کا لپکا بہت اچھا نہیں
ٹھوکریں کھائے گا دَر دَر ہو کے ڈگر آئینہ

یاد آجاتی ہے کوئی بات ان کو وصل کی
دیکھنا آفت ہوا ہے مسکرا کر آئینہ

چوٹ ہی در پردہ دل پر یہ کیسی کم بخت کے
آج کل پیشِ نظر رہتا ہے اکثر آئینہ

وہ سمائے آپ میں اس طرح اپنی آنکھ میں
دیکھنا مشکل اُنہیں ہے آنکھ بھر کر آئینہ

دیکھتے ہیں آرسی وہ بل جبیں پر ڈال کر
دیکھتے ہیں باندھ کر وہ تیغ و خنجر آئینہ

رکھ دیا ہے راہ میں کس نے دمِ رفتارِ ناز
کیا عجب ہے دل کے بدلے کھائے ٹھوکر آئینہ

حسنِ صورت سے سوا حسنِ ادا وقتِ بیاں
بہرِ واعظ چاہیے ہی پیشِ منبر آئینہ

اپنی صورت کے وہ بن بیٹھے ہیں عاشق آپ ہی
اب تو آگے سے نہیں ہٹتا ہی دم بھر آئینہ

کیوں بلائیں لے کے منہ چوما دمِ تزئیں ریاضؔ
اُٹھ گئے وہ پھینک کر شانہ پٹک کر آئینہ

کام کی آہ وہی ہے جو ہو تاثیر کے ساتھ
شرط ہے خوبیِ تقدیر بھی تدبیر کے ساتھ

کاوش اُس کو بھی ہے ظالم ترے نخچیر کے ساتھ
تیر کی طرح پہنچتی ہے قضا تیر کے ساتھ

دیکھے بل ان کے جبیں پر تو کہا مژگاں نے
چلتے ناوک بھی رہیں خنجر و شمشیر کے ساتھ

چرخ کی راہ ترے بام سے ہی او ظالم
کیا مرا دل بھی گیا نالۂ شبگیر کے ساتھ

لاکھ ہشیار سہی سِن کا تقاضا یہ ہے
فلکِ پیر رہے اُن بتِ بے پیر کے ساتھ

نگراں کوئی نہیں غیر کا گھر ہے ڈر ہے
میری تصویر رہے آپ کی تصویر کے ساتھ

زالِ دنیا نہ چلی راہ کبھی اس کے خلاف
سچ یہ ہے خوب نباہی فلکِ پیر کے ساتھ

رکھ دیں پروانے جو منہ شمع کے منہ پر تو کیا
بات بوسوں کی گئی وہ لبِ گلگیر کے ساتھ

بامِ ظالم سے کوئی عرش سے ٹکرائے کوئی
نالے قیدی کے رہیں نالۂ زنجیر کے ساتھ

وصل کی رات ہے ضد وصل میں ہر بات سے ہے
بن کے تدبیر بگڑتی رہی تقدیر کے ساتھ

سوئے ہیں تاروں بھری رات میں کھولے ہوئے زلف
چمک افشاں کی بھی ہے تاروں کی تنویر کے ساتھ

دور منزل سرِ شام آگے نہ پیچھے کوئی
ہائے سایہ بھی نہیں راہ میں رہگیر کے ساتھ

یونہی اے کاش بڑھے بزمِ سخن کی رونق
خوشنوا نغمہ سرا ہوں جو مضامیر کے ساتھ

اب کہاں شستہ زبانِ میر کی افسوس ریاضؔ
میر کا رنگِ تغزل بھی گیا میر کے ساتھ

میں نے لیا جو حشر میں دامن بڑھا کے ہاتھ
بولے وہ آبرو ہے مری اب خدا کے ہاتھ

سانچے میں نور کے جو ڈھلی ہیں وہ بوتلیں
کعبے کو بھیجنا ہیں کسی پارسا کے ہاتھ

یہ چور وہ نہیں جو سزا پائے چور کی
کاٹے نہ جائیں گے کبھی دزدِ حنا کے ہاتھ

اللہ ری شوخیاں کہ جب آتا ہے ان کو رحم
ہم کو پیام بھیجتے ہیں وہ قضا کے ہاتھ

کانٹے بھی آج راہ کے چننا پڑے اسے
یہ وہ مقام تھا کہ تھکے رہنما کے ہاتھ

بڑھنے لگے تھے دستِ ادب بن کے دستِ شوق
ظالم نے آج تھام لیے مسکرا کے ہاتھ

رہتا ہے دور دور بہت ہم سے آسماں
بچپن میں تارے توڑے تھے ہم نے بڑھا کے ہاتھ

کھنچ جائے شکل آنکھ میں ہو جائے دل میں نقش
قربان تیری کوس مجھے یوں اٹھا کے ہاتھ

اترائے پھر رہے ہیں وہ محشر میں ناز سے
آغوش میں نہ کھینچ لے کوئی بڑھا کے ہاتھ

آفت ہیں کم سنی کی ادائیں شب وصال — کیسے وہ خوش ہیں ہاتھ سے میرے چھڑا کے ہاتھ

قسمت میں وقت مرگ بھی گردش تھی ای ریاض
گرداب نے لیا جو تھکے ہم لگا کے ہاتھ

اے عندلیب ٹوٹ نہ جاتے صبا کے ہاتھ — دو پھول ڈال دیتی قفس میں اُٹھا کے ہاتھ

قربان لاکھ بار مئے نوشید کے — ساقی نے ہاتھ کھینچ لیا پھر بڑھا کے ہاتھ

دل لے کے وہ خدا کی خدائی تو دیکھ لے — یہ آئینہ ہے اور ہیں اُس خود نما کے ہاتھ

ہنستے ہیں زخم موج تبسم ہے تیغ ناز — قربان تیری تو نہ لگا مُسکرا کے ہاتھ

دل میں گرہ بتوں کی طرف سے بُری پڑی — پایا نہ فیض برہمنوں کو دکھا کے ہاتھ

یونہی خدا کرے وہ مجھے کوستے رہیں — تصویر بن گئے ہیں دعا کو اُٹھا کے ہاتھ

ہاروں کے پھول چھوتے ہی کُمھلا کے رہ گئے — کھوئے گئے بدن میں ترے ہم لگا کے ہاتھ

آیا تھا روز حشر مرے ہونٹھ پر گلا — گردن میں اس نے ڈال دی مُسکرا کے ہاتھ

درباں نہ تھا وہ غیر تھا آئی جسے ہنسی — اُن کی گلی میں کھوئے گئے ہم ملا کے ہاتھ

یوں چھلکے بزم وعظ میں جام مئے طہور — حسرت سے رہ گئی کئی میکش بڑھا کے ہاتھ

کہتے تھے کیوں ریاض دغاباز دل سے آج
چل تجکو بیچ آئیں کسی بے وفا کے ہاتھ

سلامت میکدہ یارب سلامت پیر میخانہ — حرم میں ہوں مری آنکھوں میں ہے تصویر میخانہ

تجھے جانا بھی ہے جنت میں ای واعظ جواں ہو کر — جو آیا ہے تو دیکھے جا ذرا تاثیر میخانہ

خم مے پر برس پڑنا ترا ابر سیہ بن کر — رہے گی یاد اے واعظ تری تقریر میخانہ

حرم میں دیر میں دی شمع ساقی روشنی رہتی — چمک جاتے جو پڑ جاتی ذرا تنویر میخانہ

رہِ دیر و حرم جو کوئی بھولا وہ یہاں پہنچا — نہ بھولا راستہ کوئی کبھی رہگیرِ میخانہ
یہ موجِ مے ابھی تو جسم میں پیوست ہو جائے — دکھا دوں محتسب کو دُرّۂ تعزیرِ میخانہ
فرشتے اس کی چشمِ فیض سے انساں بنتے ہیں — پلاتا دور ہی سے ہے کچھ ایسی پیرِ میخانہ
یہ وسعت ہے کہ دورِ آسماں اک دورِ ساغر ہے — بڑھی ہے عرش سے بھی رفعتِ تعمیرِ میخانہ
نہیں ساغر سرِ خمِ طور پر ہیں برق کے جلوے — بہت چمکی ہوئی ہے آج کل تقدیرِ میخانہ
کہیں ہم کیا ہمارا میکدہ وابستہ ہے کس سے — ملی ہے عرش کی زنجیر سے زنجیرِ میخانہ

ریاضؔ اس میکدے میں بھی شرف ہے کچھ سیادت کو
نہیں ہم پیرِ میخانہ مگر ہیں میرِ میخانہ

بنی آتے ہی اُس کے موجِ بادہ تیرِ میخانہ — کہو شیخِ حرم کو میکشو نخچیرِ میخانہ
چڑھائی کر کے توبہ خمکدہ پر بچ نہیں سکتی — اُٹھی وہ موجِ بادہ وہ کھنچی شمشیرِ میخانہ
بڑھے اس کے مدارج ہیں یہ میخانہ ہے اُلفت کا — کوئی پہنچے ہوؤں سے پوچھ لے توقیرِ میخانہ
کلیسا سے حرم سے دیر سے یکساں تعلق ہے — بہت ہی با اثر ہے پیر خوش تدبیرِ میخانہ
وہ آبِ زر ہے جس کو بادۂ تسنیم کہتے ہیں — وہ مے ہے جس کو ہم کہتے ہیں شہد و شیرِ میخانہ
نظر آئے حرم میں جام و ساغر سب اسی خط کے — خطِ ساغر سے پھیلی ہر جگہ تحریرِ میخانہ
لگا لاتے ہیں پیشانی میں سجدے کے بہانے سے — یہی خاکِ درِ میخانہ ہے اکسیرِ میخانہ
جہنم جنّت و واعظ کو سب میکش سمجھتے ہیں — کہوں جنّت کو میخانہ یہ ہے تحقیرِ میخانہ
خزاں میں بھی بہارِ جام و ساغر جا نہیں سکتی — کہ دورِ جام ہے اک حلقۂ زنجیرِ میخانہ
پیے جو چاہے کوئی ہو وہ زاہد ہو کہ میکش ہو — رواں آٹھوں پہر ہے جوئے شہد و شیرِ میخانہ
ریاضؔ آئی جو شامت ذبح میں نے زباں کھولی — رہے گی یاد مجکو لغزشِ تقریرِ میخانہ

ٹکڑے مری زباں کے چلے ہیں فغاں کے ساتھ
کتنی فغاں کو لاگ ہے اس آسماں کے ساتھ

آندھی میں بال و پر سے دبائے تھے ہم اُسے
جب آشیاں اُڑا تو اُڑے آشیاں کے ساتھ

تا بام پیش آئے جو اُفتادِ با نصیب
ہم ناتواں بھی جائیں گے اپنی فغاں کے ساتھ

رکھ دوں حرم میں دیر سے لاکر اگر اُسے
ناقوس بھی خدا کو پکارے اذاں کے ساتھ

تاثیر بھی مٹی ہے مری داستان پر
رہتی ہے ہر جگہ وہ مری داستاں کے ساتھ

ٹھکرائے آتے جاتے اُسے کوئی لاکھ بار
سر کو مرے ہے لطف ترے آستاں کے ساتھ

آئے نہ آئے رحم، ترس آئے یا نہ آئے
فریاد بے جرس ہوں لُٹے کارواں کے ساتھ

میں تیرے صدقے آرزوِ مرگِ ناگہاں
عمرِ ابد ملی ہے غمِ جاوداں کے ساتھ

کیسا ہی ابر و باد ہو، آ بیٹھنا ہمیں
اے میفروش اُنس ہے تیری دکاں کے ساتھ

آئی تھی فصلِ گُل ابھی صیاد کو لئے
لے عندلیب موت اب آئی خزاں کے ساتھ

حصے میں آگئی ہے جناب ریاض کے
پاکیزگی زباں کی ادائے بیاں کے ساتھ

گھونگھٹ میں غنچے کے نہ رہی یہ حیا کے ساتھ
چل نکلی اب تو نکہتِ گل بھی ہوا کے ساتھ

کیسی برس رہی ہے خوشی آسماں سے
اٹکھیلیاں ہوا کی ہیں کیا کیا گھٹا کے ساتھ

بادل کی ہے گرج کہ صراحی کے قہقہے
بوتل میں موجِ مے ہے کہ بجلی گھٹا کے ساتھ

ہیں اور ہی ہوا میں بھرے تنکے باغ کے
دعوے برابری کا ہے بالِ ہما کے ساتھ

بے منہ کے غنچے کیسے چٹکتے ہیں دیکھنا
لائے ہیں رنگ بلبلِ نغمہ سرا کے ساتھ

شبنم کو یہ پڑی ہے نہ سبزہ رہے اُداس
پائے نمود خندۂ دنداں نما کے ساتھ

آفت ہیں اے ریاض عنادل کی شوخیاں
چہلیں گلوں کے ساتھ ہیں چھیڑیں ہوا کے ساتھ

اس حُسن کا شیدا ہوں اس حُسن کا دیوانہ	ہر گل ہی جہاں بلبل، ہر شمع ہے پروانہ
پتھر پڑیں دونوں پر کعبہ ہو کہ بُت خانہ	دونوں سے کہیں اچھا دیوانے کا پروانہ
کہتا ہے انا لیلیٰ، کیسا ہے یہ دیوانہ	نبھنے کا نہیں دو دن، اب قیس سے یارانہ
کعبہ ہو، کلیسا ہو، دل ہو کہ صنم خانہ	جلوہ ہو جہاں تیرا، آباد وہ کاشانہ
چھوٹا سا مرا دل ہے ٹوٹا سا مرا دل ہے	صورت میں تو پیمانہ، وسعت میں ہے میخانہ
دل سے ہی لگی یہ لو، اک ذرہ برابر ضو	پڑ جائے ترا پرتو، اے جلوۂ جانانہ
بیگانہ یگانہ ہے، دل آئینہ خانہ ہے	کعبے کا یہ کعبہ ہے، بت خانے کا بتخانہ
ہے جوش جنوں پر وہ، اے عشق خرد آگہ	فرزانہ ہے دیوانہ، دیوانہ ہے فرزانہ
فرہاد بھی مجنوں بھی، لیتے ہیں قدم میرے	ایسا بھی نہ ہو کوئی، اس عشق میں دیوانہ
یاد آئی بہت ہم کو، ٹوٹی ہوئی توبہ بھی	دیکھا جو کہیں ہم نے ٹوٹا ہوا پیمانہ
شیشے کی پری تجھ میں، کیا حُسن کا عالم ہے	ساقی نہ ہو پھر بھی تو یہ گھر ہے پریخانہ
دے کوئی سخی داتا، میخانہ بڑا گھر ہے	آتا ہے صدا دیتا، شب کو کوئی مستانہ

بہکے ہوئے لوگوں میں، سب سے ہیں ریاضؔ اچھے
رفتار ہے مستانہ، گفتار ہے رندانہ

مجکو لینا ہے ترے رنگِ حنا کا بوسہ	دستِ رنگیں کا ملے یا کفِ پا کا بوسہ
رنگ اُڑ جائے جو منقارِ عنادل چھولے	ہے گراں گل کو لبِ موجِ صبا کا بوسہ
چومتا ہاتھ میں ساقی کے ادب مانع تھا	لے لیا جامِ مئے ہوش رُبا کا بوسہ
بجلی ہر لہر سی پیدا ہو ترے کوچے میں	لے مرا ہر نفسِ گرم ہوا کا بوسہ
میں وہ ساغر نہیں آئی کبھی لب تک جو ریاضؔ	کس کو ملتا ہے ترے رنگِ حنا کا بوسہ

درد ہو تو دوا کرے کوئی موت ہی ہو تو کیا کرے کوئی
نہ ستائے کوئی انہیں شبِ وصل اُن کی باتیں سُنا کرے کوئی
بند ہوتا ہے اب درِ توبہ درِ مے خانہ وا کرے کوئی
قبر میں آکے نیند آئی ہے نہ اُٹھائے خدا کرے کوئی
تھیں یہ دنیا کی باتیں دنیا تک حشر میں کیا گلا کرے کوئی
نہ اٹھی جب جھکی جبینِ نیاز کس طرح التجا کرے کوئی
بوسہ لیں غیر دیں سزا ہم کو ہم ہیں مجرم خطا کرے کوئی
بگڑے گیسو تو بولے جھنجلا کر نہ بلائیں لیا کرے کوئی
نزع میں کیا ستم کا موقع ہے وقت ہے اب دعا کرے کوئی
حشر کے دن کی رات ہو کہ نہ ہو اپنا وعدہ وفا کرے کوئی
نہ ستائے کوئی کسی کو ریاضؔ
نہ ستم کا گلا کرے کوئی

بوسے لے کر دُعا کرے کوئی اس ادا سے گلا کرے کوئی
خم نہیں چاہیئے کہ جی بھر جائے جرعہ جرعہ دیا کرے کوئی
ہنس کے پوچھا کہ کیا مصیبت ہے سُن کے بولے کہ کیا کرے کوئی
صورت ایسی کہ دیکھتا ہی رہے باتیں ایسی سُنا کرے کوئی

سختیٔ نزع جب تجھے جانوں — اپنے منہ سے دعا کرے کوئی
یہ بھی ہیں خوبیاں مقدّر کی — جان ہم دیں مزا کرے کوئی
نگہِ یاس کچھ نہیں نہ سہی — دیکھ لے ہاں خدا کرے کوئی
ہم کو اس میں شریک ہو جانا — روے کوئی گلا کرے کوئی
لوگ کیوں توبہ توبہ کرتے ہیں — سب ہیں شامل خطا کرے کوئی
مان لینے کی خو نہیں نہ سہی — جو کہوں سن لیا کرے کوئی
وقت وہ ہے کہ غیر کہتا ہے — ان کے حق میں دعا کرے کوئی

تم ریاض ایسے وہ کہاں کے آئے
کیوں تمہارا کہا کرے کوئی

جی اُٹھے حشر میں پھر جی سے گزرنے والے — ہائے پیدا ہوئے لو آج بھی مرنے والے
چوس کر کس نے چھڑائی ہے مسی ہونٹھوں کی — سامنے منھ تو کریں بات نہ کرنے والے
شبِ ماتم کی اُداسی ہے سہانی کتنی — چھاؤں میں تاروں کی نکلے ہیں سنورنے والے
ہم تو سمجھے تھے کہ دشمن پر اُٹھایا خنجر — تم نے جانا کہ ہمیں ایک ہیں مرنے والے
پی کے آئے ہیں کہیں ہاتھ نہ بہکے واعظ — ڈاڑھی کتریں نہ کہیں جیب کترنے والے
سن ہی کیا ہے ابھی بچپن ہے جوانی ہر شب یک — سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے
ہاتھ گستاخ ہیں اُٹھ جائیں نہ یہ دامن پر — بیچ کے نکلیں مری مرقد سے گزرنے والے
نزع میں حشر کے وعدے نے یہ تسکین بخشی — سو رہے چین سے منہ ڈھانک کے مرنے والے
اپنے دامن کو سنبھالے ہوئے بھولے پن سے — وہ چلے آتے ہیں دل لے کے مکرنے والے
صبر کی میرے مجھے داد ذرا دے دینا — او مرے حشر کے دن فیصلہ کرنے والے

آتی ہے حورِ جناں خلوتِ واعظ کے لئے — قبر میں اتریں گے منبر سے اُترنے والے
تیرے عاشق جو گئے حشر میں، یہ شور اُٹھا — جائیں دوزخ میں دمِ سرد کے بھرنے والے
زیرِ پا دل ہی بچھے ہوں کہ ہیں خوگر اس کے — فرشِ گل پر بھی نہیں پاؤں وہ دھرنے والے
اشکِ غم ایسے نہیں ہیں جو اُمنڈ کر رہ جائیں — ہیں یہ طوفان مرے سر سے گزرنے والے

کیا مزا دیتی ہے بجلی کی چمک مجھکو ریاضؔ
مجھ سے لپٹے ہیں مرے نام سے ڈرنے والے

ہم سے کہتے ہیں کہ ہیں اور بھی مرنے والے — پاؤں پھیلائیں نہ تربت میں اُترنے والے
آج محفل سے انہیں شرم نے اُٹھنے نہ دیا — اپنے جوبن کی طرح، تھے جو اُبھرنے والے
وصل کی رات مرے منہ میں ذرا رہنے دیں — وہ زباں جس سے مُکرتی ہیں مُکرنے والے
چشمِ پُرنم سے وہ بھی چھیڑ کسی کے غم کی — اب وہ طوفان کہاں سر سے گزرنے والے
کتنی حسرت سے ہوئے ہیں وہی گرداب نشیں — پہلے کھیوے میں جو تھے پار اُترنے والے
درد بھی اُن کی طرح آج چمک کر اُٹھا — آفریں او مرے پہلو میں اُبھرنے والے
میری صحرا کی کڑی دھوپ بھی دیکھیں آکر — شجرِ طور کے سایہ میں ٹھہرنے والے
کیا کریں کوسیں کسی حشر میں کس پر جھنجلائیں — جس طرف آنکھ اُٹھی جمع ہیں مرنے والے
دور پہنچے ہیں وہ جنت کی ہوائیں بھر کر — آج واعظ نہیں منبر سے اُترنے والے
ان بتوں کو بھی ستاتے نہیں موقع پا کر — اپنے اللہ سے جو لوگ ہیں ڈرنے والے
اُڑ کے صیّاد تک آنا وہ قفس سے میرا — اس کا کہنا کہ ترے پر ہیں کترنے والے
حیلہ جو اُف شبِ وعدہ وہ ادائیں تیری — اُف وہ بگڑے ہوئے گیسو نہ سنورنے والے
یہ اُبھرنے کا نہیں دیکھ کر اُبھرے جوبن — دل بڑھائیں تو مرا داغ اُبھرنے والے

منتظر جان رہی آنکھوں میں آ کر کچھ دیر — آپ آتے ہی رہے مر گئے مرنے والے
آتش دل کو جو ہر وقت ہوا دیتے تھے — اب کہاں وہ نفس سرد کے بھرنے والے
اُمڈی ہے اودی گھٹا لال پری بھی آئے — تخت پریوں کے ہیں سبزی میں اترنے والے

رکھیں خم آتش سیال کے مسجد میں ریاض
ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے بھڑنے والے

حنا کے رنگ کا بار اس قدر ہے — کسی کے ہاتھ ہیں جانے کا ڈر ہے
نہ منزل ہے نہ جادہ ہے نہ ڈر ہے — خدا کا گھر ہے میخانے کا ڈر ہے
کب آئے گا کسی کی وصل کا دن — قیامت اس سے شاید پیشتر ہے
بنے ہیں شرم کے پُتلے شب وصل — حیا آنکھوں میں ہے نیچی نظر ہے
الٰہی دیکھنے کو روز مل جائیں — وہ آنکھیں جن میں کچھ خواب سحر ہے
یہاں بھی ہے وہی اترا کے چلنا — قیامت ہے کہ ان کی رہ گزر ہے
ہدف اس کو بنائیں شوق سے وہ — یہ دل اک طائر بے بال و پر ہے
نفس کی آمد و شُد سینے میں کیا — وہ آئیں جائیں اُن کی رہ گزر ہے
مری طفلی و پیری ایک سی ہیں — یہ خواب شام وہ خواب سحر ہے
در توبہ نہیں جو بند بھی ہو — کھُلا ہر وقت مے خانے کا در ہے
یہ کہتی ہے ادا قوس قزح کی — فلک نے ظلم پر باندھی کمر ہے
سپیدی کہہ رہی ہے موئے سر کی — شب آخر ہے اٹھو وقت سحر ہے
نزاکت جان لے گی ناتواں کی — کمر کا بل نہیں تیغ کمر ہے
بُرے اعمال ہیں آنکھوں کے آگے — ریاض انجام پر اپنی نظر ہے

موت کے آنسو کچھ اپنے دیدۂ پُرنم میں تھے نزع میں جب آئے تم ہم اور ہی عالم میں تھے
گورے گورے ہاتھ مہندی سے کئے ہیں لال لال اور کہتے ہیں کسی کم بخت کے ماتم میں تھے
گیسوؤں میں دل کا پھنسنا جان کو آفت ہوا ابروں کے بل بھی اُن کے گیسوئے پُرخم میں تھے
غیر سینے سے لگا لیتا تھا ہو کے بیقرار اے میں صدقے کس ادا سے تم مرے ماتم میں تھے
بعد توبہ منہ دکھائیں کیا اب اس قابل نہیں معتکف ہیں مسجدوں میں وہ جو کل تک خم میں تھے
اُن کے بھولے پن کا اُس دم کوئی عالم دیکھتا جب وہ گھبرائے ہوئے ہنگامۂ ماتم میں تھے
آگئی ہے دھوپ منہ پر اور وہ اُٹھتے نہیں ضد سے میری رات جو لیٹے ہوئے شبنم میں تھے
وقتِ رخصت جھلملے تھی سب چراغِ آرزو صبحِ پیری کیا کہیں کس صحبتِ برہم میں تھے
شوق کی بیتابیاں کا ہے کو دیکھی تھیں کبھی وصل کی شب کیا کہوں وہ کس نئے عالم میں تھے
چوڑیاں ٹوٹی ہوئی مَسکی قبا صورت نڈھال غیر کے گھر کیا مجھی کم بخت کے ماتم میں تھے

انفعالِ میکشی کعبے میں اتنا تھا ریاضؔ
شرم سے ہم ڈوبنے کو چشمۂ زمزم میں تھے

پیمانے میں وہ زہر نہیں گھول رہے تھے میرے لئے میخانے کا در کھول رہے تھے
میں دیر میں چپ دور سے منہ دیکھ رہا تھا کس طرح بڑے بول یہ بت بول رہے تھے
کرتے تھے وہ بیٹھے ہوئے ناخن سے جدا گوشت کہنے کو مرے دل کی گرہ کھول رہے تھے
صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا ہم اُڑنے کو جب شاخ سے پر تول رہے تھے
اے آنکھ وہ دُرِ اشک وہی نزع میں کام آئے بن کر ترے دامن میں جو انمول رہے تھے
ہم بیٹھے تھے کس طرح تہِ شاخ فسردہ گل ہنستے تھے مرغانِ چمن بول رہے تھے
شوخی سے قیامت کو وہ پاسنگ بنا کر ہم کتنے ہیں باتوں میں ہمیں تول رہے تھے

تھے صبح کو وہ ساغرِ جم دستِ گدا میں آلودہ مے شب کو جو کشکول رہی تھے

کچھ چپ سے ہیں اب حشر میں آنے سے کسی کے
بڑھ بڑھ کے ریاضؔ آج بہت بول رہے تھے

وہ گل ہیں نہ ان کی وہ ہنسی ہے دیکھو جدھر اوس سی پڑی ہے
کیوں سوگ کی رسم جیتے جی ہے مرنے کی ہمارے کیا کہی ہے
آڑی ہیکل کو چوم لے گی وہ چیز جو کچھ اُٹھی اُٹھی ہے
دعوت تھی رقیب کی مرے گھر جوتی میں دال کیا بٹی ہے
آیا دبے پاؤں قبر پہ کون کوئی نہیں میری بیکسی ہے
ایک وضع پر اب خدا نبا ہے توبہ کر کے شراب پی ہے
واعظ ہے خراب خواہش خلد بالکل یہ شخص جنتی ہے
کچھ پھوٹ پڑی ہے گھنگروؤں میں چھاگل کچھ اُن کی کہہ رہی ہے
مجبور فرشتہ ہے بدی کا پہلے ہی سے کچھ کہی بدی ہے
پیوستہ نہیں مرا لبِ شوق تیرے لب پر تری ہنسی ہے
اب کون کلیم بن کے آیا پھر طور پہ آگ سی لگی ہے
ہے آنکھ میں آنکھ کون ڈالے کوئی نہیں تیری آرسی ہے
کیسا پینا کہاں کی توبہ اب میں ہوں خدا ہی بیخودی ہے

خوش ہو گئے ریاضؔ سے بھی ملنا
کیا باغ و بہار آدمی ہے

قفس سے چھوٹ کر ہم نے اڑائی کچھ جو بے پر کی وہ یوں پھیلی کہ جیسے آگ ہو صیاد کے گھر کی

نگاہِ شوق لڑتی ہے نگاہِ ناز جاناں سے
الٰہی خیر دونوں کی ہو چوٹیں ہیں برابر کی

ہمیں فتنہ سمجھ کر اپنی محفل سے اُٹھاتے ہیں
جو ہم اُٹھے تو لائیں گے خبر ہم روزِ محشر کی

خدا وہ دن تو لائے دیکھ لیں گے ہونڈ کتنے
ہنسی ہے کھیل ہے ہر بات ابھی تو روزِ محشر کی

کہیں گے تو ڈرو گے نیند اڑ جائے گی آنکھوں سے
نہ پوچھو کچھ شبِ ہجراں کی ہم نے صبح کیونکر کی

یہی اک بچ رہی تھی خیر وقتِ ذبح کام آئی
مری تقدیر نے چھوڑی نہ گردش ان کے خنجر کی

چھپا کر دل کو تم نے رکھ لیا نازک سے محرم میں
بہت نازک ہے شیشہ جس نے کھائی چوٹ پتھر کی

جو تم ہو تو مرا بارِ معاصی رہ نہیں سکتا
فرشتو فکر ہے مجکو خم و مینا و ساغر کی

بھری میخانے میں پیرِ مغاں کا آج یہ کہنا
ریاضؔ آؤ ذرا تم کو چکھا دیں اپنے ساغر کی

میخانے پر نگاہ جو پیرِ مغاں کی ہے
چلّا رہے ہیں خم بڑی اونچی دکاں کی ہے

اب کی بہار آئے تو اس میں بھی پھول آئیں
شاخِ قفس تو شاخ مری آشیاں کی ہے

ہم بیکسوں کی لاش کو ملتی نہیں جگہ
حسرت پکارتی ہے کہ مٹی کہاں کی ہے

کس کر گرہ لگاؤ نہ بندِ نقاب کی
اُلجھی ہوئی نگاہ کسی نیم جاں کی ہے

بچپن یہ ہے تو کون بچے گا شباب تک
صدقے تری ابھی سے امنگ امتحاں کی ہے

ہم کو ریاضؔ جانتے ہیں مانتے ہیں سب
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

توبہ لب پر وعظ سے بے اختیار آنے کو تھی
وہ تو کہئے بچ گئے فصلِ بہار آنے کو تھی

کوئی تربت پر بٹھا یہ زیرِ مزار آنے کو تھی
مجھ میں یارب آج میری جان ذرا آنے کو تھی

صبر آتا نیند آتی کوئی دنیا میں نہ تھا
موت ہی کمبخت وقتِ انتظار آنے کو تھی

آشیاں میں چھاؤنی چھانا تھا کیا مدِ نظر
کچھ شرارے لے کے برقِ کوہسار آنے کو تھی

موجِ مے سے پہلے آج ابرِ بہار اُٹھنے کو تھا
ہم سے پہلے باغ میں بادِ بہار آنے کو تھی

ایک واعظ ہے کہ جس کی دعوتوں کی دھوم ہے
ایک ہم ہیں جس کے گھر کل مے ادھار آنے کو تھی

آئی تھی تو میرے سینے سے لگا دیتی تجھے
کیا جوانی تیرے جوبن کے اُبھار آنے کو تھی

دام میں پھنس کر اسیری کا نہیں اتنا خیال
حسرت اتنی ہے کہ اب فصلِ بہار آنے کو تھی

حشر میں شرما کے اُس نے ہاتھ منہ پر رکھ دیا
بات دل کی ہونٹھ پر بے اختیار آنے کو تھی

آپ کیوں تیوری چڑھائے آئے میری قبر پر
پھول دامن میں لئے بادِ بہار آنے کو تھی

یہ بھی شوخی ہے کوئی شرما گیا وہ شوخ کب
جب مروّت آنکھ میں بے اختیار آنے کو تھی

موت کی تلخی مٹی تو حشر نے مہلت نہ دی
میٹھی میٹھی نیند اب زیرِ مزار آنے کو تھی

صدقے اے صیّاد کیا تو نے بچایا بال بال
کچھ لگانے آگ گلشن میں بہار آنے کو تھی

اے ریاضِ دل شگفتہ کیا ہوا باغِ شباب
جس میں اب پہلے پہل فصلِ بہار آنے کو تھی

احباب کے ہاتھوں سے لحد میں اُتر آئے
ہم چین سے پھیلائے ہوئے پاؤں گھر آئے

بجلی سے چمکتے اِدھر آئے اُدھر آئے
محشر میں بھی دیکھا تو تم ہی تم نظر آئے

وہ بام سے آئے نہ فلک سے اُتر آئے
دم بھی دمِ فریاد اگر ہونٹھ پر آئے

اتنی تو پتے کی ہے کہ بہکے ہوئے ہم تھے
مجرم ہیں جو واعظ کی کہیں سے خبر آئے

آئے جو شبِ وصل تو مانگوں یہ دعائیں
ہو شام مرے گھر انہیں ایسی سحر آئے

میخانے میں وہ ساغر و سبو ساتھ نہ اُچھلیں
واعظ ترے سر کی نہ کہیں میرے سر آئے

بل اس کی دکھائیں گے تجھے اے خمِ گیسو
کُھل کر کبھی گیسو جو ذرا تا کمر آئے

دن گنتے ہیں آئے تو کہیں ان کی جوانی — شاید کسی کم بخت کی امید بر آئے
یہ عرش سی آ جائے تو وہ بام سے اتریں — اے آہ کوئی آئے نہ آئے اثر آئے

اس بنتِ عنب سی بھی لگا نا تھی ریاضؔ آنکھ
دیکھے جو تہی جام ابھی آنکھ بھر آئے

دیکھے جو مری آنکھ کوئی آنکھ بھر آئے — اس طرح مری آنکھ میں لختِ جگر آئے
تارے لئے شمعیں مرے گھر میں اتر آئے — جب میری سیہ خانے میں تارے نظر آئے
ماتم میں مرے آئے تھے کھولے ہوئے گیسو — کچھ سوچ کے پھر غیر کے گھر سے سنور آئے
دل میں لئے بیٹھے تھے گلا تنگیٔ دل کا — آتے ہی تری سب تری پیکاں ابھر آئے
آیا نہ کوئی مرغ قفس اڑ کے چمن میں — آئے بھی تو اڑتے ہوئے کچھ ٹوٹے پر آئے
ساتھ اپنے لئے آئیں گے میخانے کی رونق — لطف آئے گا اے اہلِ حرم ہم اگر آئے
بجلی نے جلایا نہ ہو گلشن میں نشیمن — کیوں سوئے قفس آج لپکتے شرر آئے

ایسی گئی دنیا سے ملی پھر نہ جوانی
جنت میں ریاضؔ آج جھکائے کمر آئے

ہو کر بیتاب جب نظر کی — رخ سے ترے خود نقاب سرکی
کچھ فکر ہو زخنہائے در کی — باہر نکلے نہ بات گھر کی
اے گور رہوں کشتۂ شبِ وصل — چادر چڑھی دامنِ سحر کی
دیکھا کوئی جام اور بہکے — لغزش ہے پاؤں میں نظر کی
مل جائے تو وصل کو بہت ہے — چھوٹی سی رات دوپہر کی
دن رات کی کوفت وصل میں ہے — چھاتی لوہے کی ہے گجر کی

کب قدِ مقابل آئینہ تھا — تم نے اپنی طرف نظر کی
جوبن کی بہار کے دن آئے — نازک ہیں خبر ہو کمر کی
توبہ کرنے سے شرم آئی — اعمال پر جب اپنے نظر کی
ترچھی نظریں ہیں نیچی نیچی — تیغیں نازک سی ہیں کمر کی
جاگے ہوئے ہیں تمام شب کے — آنکھوں میں ہے نیند رات بھر کی
وہ بامِ بلند وہ نکہتِ گل — ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سحر کی
چیخے چلّائے روئے پیٹے — سنتا ہے کون اب گجر کی
توبہ کرتا ہوں میں دمِ نزع — لُٹتی ہے کمائی عمر بھر کی
وہ چاند سی شکل وہ لبِ بام — وہ زلف جو لے خبر کمر کی
جوبن یونہی گدگدا رہا تھا — اس پر انگڑائیاں سحر کی

شرماؤ ریاضؔ میکشی سے
لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

دل کسی طرح چین آجائے — غیر کی آئی مجکو آجائے
دوڑ کر گود میں اٹھا لاؤں — گھر میں چھم سی جو کوئی آجائے
مَے کو شرجناب شیخ پئیں — ایسی شئے اور ناروا جائے
جب بلایا تو ناز سے بولے — آپ کے گھر مری بلا جائے
آج یارب ہو اُن کی وصل کی رات — شام سے جن کو نیند آجائے
جان لو کچھ گزر گئی اس پر — منہ چھپائے جو کوستا جائے
پھر نشانِ لحد رہے نہ رہے — آکے دشمن بھی خاک اُڑا جائے

وہ گلے مل رہے ہیں خلوت میں | مجکو ڈر ہے حیا نہ آجائے
گالیاں کھائے تو مزی کے ساتھ | گورے گال ان کے چومتا جائے
کیوں کر آغوش میں اُسے کھینچوں | لاکھ بل جو ہو اسے کھا جائے
دیدہ و دل ہیں کام کے دونوں | وقت پر جو مزا دکھا جائے
لاش اُٹھے گی جبھی کہ ناز کے ساتھ | پھیر کر منہ وہ مسکرا جائے

ہے ریاضؔ اک جوانِ مست خرام
نہ پیئے اور جھومتا جائے

نشیمن ہی جو بجلیاں بن کے نکلے | وہ تنکے ہمارے نشیمن کے نکلے
گلی سے ہماری وہ یوں بن کے نکلے | ضرور آج ارمان دشمن کے نکلے
لئے پھرتے ہیں بوجھ سینے پر اپنے | بڑے قدرداں بھری جوبن کے نکلے
جو گلچیں نے دامن میں اپنے چنے تھے | وہ گل میرے شاخِ نشیمن کے نکلے
مہ و مہر تیرہ ہیں جس کی نظر میں | وہ عاشق ترے روی روشن کے نکلے
وہ فتنے جو اک حشر اٹھائے ہیں پر | اٹھائے ہوئے چشم پرفن کے نکلے
رفو کا لیا کام دامن میں جن سے | وہ تارِ نگہ چشمِ سوزن کے نکلے
یہ صدقے تری روئے روشن کے صدقے | نقاب ایسی ہو نور چھن چھن کے نکلے
مسی مل کے منہ آرہی ہیں وہ اس پر | زباں سے نہ کچھ آج سوسن کے نکلے
ملے جا کے ہم قیس سے کوہکن سے | یہ سب یار اپنے لڑکپن کے نکلے
جو تھے محترز اپنے خودداریوں سے | وہ خواہان مے مرد افگن کے نکلے
کبھی چاک ہو کر رفو یہ ہوا تھا | گریباں میں کچھ تار دامن کے نکلے

بتوں کو میں کچھ اور سمجھے ہوئے تھا
یہ انگارے سب وشت ایمن کے نکلے

جمی آنکھ تھی سب کی ان پر دمِ حشر
لئے جامِ مے داغ دامن کے نکلے

ریاضؔ اب بھی ہیں کوہ اپنی جگہ پر
سُبک ہو کے بھی یہ کئی من کے نکلے

لے اُڑے گیسو پریشانی مری
آئینہ لے بھاگے حیرانی مری

کہہ اُٹھا جوبن کہ بس بس ہو چکی
نیچی نظروں سے نگہبانی مری

بام پر کہہ آئے جاکر آہِ گرم
بڑھ کے بجلی سی ہے جولانی مری

گیسوؤں سے ان کے اچھی غم کی رات
میں فدا اس پر وہ دیوانی مری

پیارے پیاری مُنہ سی پھر کہہ دے زرا
ہو مبارک تجکو مہمانی مری

ساتھ میرے دل بھی مٹی ہو چکا
تیری صدقے خاک کیوں چھانی مری

اتنی مدت میں بچھڑ کر دل ملا
دیر تک صورت نہ پہچانی مری

تھک گئے وہ رُک گیا خنجر ریاضؔ
اب بڑی مشکل ہے آسانی مری

غریب ہم غریبوں کی بھی خوشی ہو جائے
نظر حضور ادھر بھی کبھی کبھی ہو جائے

غرور بھی جو کروں میں تو عاجزی ہو جائے
خودی میں لطف وہ آئے کہ بیخودی ہو جائے

غمِ فراق کی سختی وصال سے بدلے
جو موت آئے مجھے میری زندگی ہو جائے

مری شراب کی کیا قدر تجکو لے واعظ
جسے میں پی کے دعا دوں وہ جنتی ہو جائے

میں اس نگاہ کے صدقے یہ ہو اثر جس میں
کہ دل میں درد بھی اُٹھے تو گدگدی ہو جائے

ستم بھی ہو تو ستم میں وہ لطف پنہاں ہو
کہ نالہ آ کے مرے ہونٹھ پر ہنسی ہو جائے

نہ پوچھو بادہ گساران بزمِ وارث کی
یہ دیکھ لیں سوئے واعظ تو وہ ولی ہوجائے

مٹا رہا ہوں شب و روز اس لئے خود کو
فنا کے راز سے مجکو بھی آگہی ہوجائے

تری نگاہِ کرم سے عجب نہیں وارث
ریاض سا سگِ دنیا بھی آدمی ہوجائے

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

ریشِ سفید کو ہے ضرورت خضاب کی
اے شیخ ڈال دوں کوئی کلی شراب کی

خاکِ لحد غبار بنی دشتِ حشر کا
اچھی رہی سہی مری مٹی خراب کی

لاشہ مرا ہے یا مئے رنگیں کی موج ہے
تربت مری ہے یا کوئی بوتل شراب کی

رحمت سے تیری ابر کرم حرف بن گئے
دامان عفو ہو گئیں فردیں حساب کی

چھانٹا وہ دل جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

قطرے سے کم ہے اور یہ چھایا ہے بحر پر
جو موج ہے نگاہ ہے چشم حباب کی

نیزے سے کچھ بلند ہے آج آفتابِ حشر
اللہ ری تیرگی مرے فردِ حساب کی

محشر میں ان کو وعدۂ فردا جو یاد آئے
تصویر بن گئے ہیں وہ شرم و حجاب کی

نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں
شاخوں میں جیسے منہ بندھی کلیاں گلاب کی

اللہ رے پاس میرے گناہوں کا روز حشر
پلّے پران کے جھکتی ہے میزان حساب کی

ہم سے سیاہ کاروں کو اے حشر خوف کیا
امت میں ہیں جناب رسالت مآب کی

لکھ لکھ کے پہلے ہاتھ تھکے اب سزا یہ ہے
رب کے فرشتے دھوتے ہیں فردیں حساب کی

موجِ شرر نے خیرہ کیا ہے نگاہ کو
پھوٹی ہے داغ دل سے کرن آفتاب کی

بنتِ عنب کو چھیڑتے ہیں حضرتِ ریاض
کتنی ہے بامذاق طبیعت جناب کی

آتی تھی پہلے دل سے کبھی بو کباب کی | روشن ہے اب تو سینے میں بھٹی شراب کی
اتنا عتاب سرخ ہے رنگت نقاب کی | تارِ نقاب ہیں کہ نگاہیں عتاب کی
دیکھے کوئی جھلک نہ رخ لاجواب کی | ستر ہزار پردوں میں ٹھہری حجاب کی
کیوں حشر میں ہو فکر عذاب و ثواب کی | صحبت ہے یہ بھی ایک شراب و کباب کی
کہتے ہیں وعدہ رات کو ہوگا وفا ضرور | اللہ جلد شام ہو روزِ حساب کی
بجلی وہ چیز ہے نہیں جس سے حسیں ڈریں | کچھ درد کی چمک ہے جھلک اضطراب کی
وہ شام و صبح صدقے تھے جن پر بہار گل | جن جن کے ساتھ لائی ہیں راتیں شباب کی
جنت کی خواب دیکھ کے آتی ہیں ہم کو یاد | رندانہ صحبتیں وہ کباب و شراب کی
آئینہ دیکھتے ہیں مجھے دیکھ دیکھ کر | یہ داد مل رہی ہے مرے انتخاب کی
لے اپنے سر وبال نہ اوروں کا حشر میں | بار گنہ اٹھائے نہ میزاں حساب کی
اے طور سوز برق سمجھتے ہیں ہم تجھے | تجھ میں تو شوخیاں ہیں کسی کے حجاب کی
دعوے ہے ہمسری کا سرِ کج کلاہ سے | اے دستِ موج اُتار لے ٹوپی حباب کی
بجلی گرائیں طور پر آواز ہی سے وہ | ٹھہرے کبھی تو ہم سے سوال و جواب کی
پھر بھی تو کچھ ثبات کو اس کی ضرر نہیں | اُلٹی رواں ہے بحر میں کشتی حباب کی
مے سے کہیں سوا ہے پسِ توبہ میکشو | آجائے دور ہی سے کہیں بو شراب کی
سو حشر نذر گوشۂ داماں ہیں ہر نفس | اے شوقِ دید حد ہے نہیں اضطراب کی
تلخی کا نزع کی کچھ احساس ہو سکے | اتنی تو میرے منھ میں ہو تلخی شراب کی
تم کیا ہو ہم نے قلقلِ مینا سے واعظو | باتیں بہت سنی ہیں عذاب و ثواب کی
دورِ مئے کہن کا اثر ہے یہ اے ریاضؔ | ہے آج بھی جوان طبیعت جناب کی

یہ سربمہر بوتلیں ہیں جو شراب کی — راتیں ہیں ان میں بند ہماری شباب کی

پوچھو نہ ہم سے عالم غفلت کے خواب کی — دنیا کچھ اور ہی تھی ہمارے شباب کی

پرنشہ آنکھ دیکھ کے اس مست خواب کی — جیسے ابھی چڑھائی ہو بوتل شراب کی

سرخی شفق کی شکل مہ و آفتاب کی — چھلکی ہوئی شراب ہے جام و شراب کی

کیوں ٹوٹتی ہیں بجلیوں پر آج بجلیاں — شاید گرہ کھلی ترے بند نقاب کی

ایسی دو آتشہ مے گلگوں کہاں نصیب — عادت بری پڑی تری جھوٹی شراب کی

مینا و جام دیکھ کے خوش ہوگا محتسب — سمجھے گا وہ کھلی ہوئی کلیاں گلاب کی

تھی سربمہر پھوٹ گئی اپنے زور میں — توبہ سے پہلے ٹوٹی ہے بوتل شراب کی

شرما گئیں جو بوسہ لب باغ میں لیا — سمٹی ہیں کیا کھلی ہوئی کلیاں گلاب کی

ہم نے تمام عمر میں کتنی شراب پی — شاید بتا سکے ہمیں میزاں حساب کی

چہرے کا رنگ دیکھ لو تم رکھ کے آئینہ — بوسے سے دوڑ جائے گی سرخی شہاب کی

محفل میں پی جو پھول تو اس احتیاط سے — مینائے مے نے بو نہ کبھی دی شراب کی

اے کثرت گناہ تری ڈر سے دب گئی — دیکھا مجھے کہ جھک گئی میزاں حساب کی

ذرہ ہوا میں بھر کے بنا آدمی کی شکل — قطرہ ہوا میں بھر کے ہی صورت حباب کی

چکر ہوا نے اتنے دیئے ہیں کہ گردباد — تصویر بن گیا ہے مرے پیچ و تاب کی

سایے سے اس کی زلف کے بنت عنب کو کیا — بن کر پری اڑی گی یہ بوتل شراب کی

یہ کہہ کے گل دکھائے انہیں پارۂ جگر — بکھری ہوئی یہ پنکھڑیاں ہیں گلاب کی

ہر شام ساتھ لاتی ہے اک چودھویں کا چاند — کیا جانیں کیا کریں گی یہ راتیں شباب کی

کم بخت نے شراب کا ذکر اس قدر کیا — واعظ کے منہ سے آنے لگی بو شراب کی

دو گھونٹ پر شراب کے ہے حصرِ زندگی
راتیں شباب کی ہیں نہ باتیں شباب کی

کام آئے گی ریاضؔ کے مشقِ طوافِ خُم
کعبے کے گرد ہوں گے جو سوجھی ثواب کی

لے کے دل پوچھتے ہو پیار سے حال اچھا ہے
لاؤ منہ چوم لیں واقع میں سوال اچھا ہے

خواب ہے بڑھ کے تصور میں وصال اچھا ہے
چیز قابو کی ہے ہر طرح خیال اچھا ہے

آسماں پر اسے کیا جانے چڑھایا کس نے
ناخن پا سے ترے خاک ہلال اچھا ہے

انہیں معصوم فرشتوں کے لئے حوریں ہیں
زاہدوں کے لئے جنت کا خیال اچھا ہے

جا کے پی بھٹیوں میں، پی کے چلے پھینک دیا
ہم غریبوں کے لئے جامِ سفال اچھا ہے

آج سنتے ہیں کہ ہے جنس وفا کا نیلام
چھوٹ جائے جو مرے نام تو مال اچھا ہے

جتنی پیتے ہیں نکل جاتی ہے آنسو بن کر
ایسے مے نوشوں کا ہر طرح مآل اچھا ہے

بارہا زلف کو دیکھا ہے بلائیں لیتے
آپ کے چاند سے رخسار کا خال اچھا ہے

بو یہ کہتی ہے بہت تیز ہی اُڑ جائے گی
رنگ کہتا ہے ٹھہر جائے تو مال اچھا ہے

آ گیا اس میں کہاں سے خمِ آبِ رواں کا
بانکپن میں مہِ کامل سے ہلال اچھا ہے

کس کو دیکھا کہ رہا کچھ نہ نقاہت کا خیال
کہہ اُٹھے دیکھ کے بیساختہ مال اچھا ہے

وصل ہو پہلے پہل جس میں وہ دن ہی اچھا
جس میں آغاز جوانی ہو وہ سال اچھا ہے

مجھے معلوم نہیں جلوہ گہہ طور کا حال
میری آنکھوں میں ہر اک برق جمال اچھا ہے

دھوپ میں سایۂ طوبےٰ سے نہیں لطف میں کم
راہ رو کے لئے ہر سبز نہال اچھا ہے

پا کے موقع سے کوئی چھوڑ دے اس کو کیوں کر
دو گھڑی کے لئے ظالم کا ملال اچھا ہے

سوم آخر نگہہ یاس یہ کہتی نکلی
جائیے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

ٹوٹے توبہ کی طرح روز تو کچھ بار نہیں　　جامِ جمشید سے یہ جامِ سفال اچھا ہے

ایک افسانۂ حسرت تھا دمِ نزع ریاضؔ
ان سے کہنا وہ مرا شکر ہے حال اچھا ہے

چاند سی شکل کا دن رات خیال اچھا ہے　　طائرِ حسن پھنسے جس میں وہ جال اچھا ہے
یوں تو ہر دم تری صورت کا خیال اچھا ہے　　نظر آئے تو ہمیں خواب وصال اچھا ہے
بزم میں پوچھتے ہو آپ کا حال اچھا ہے　　پوچھ لینا کبھی خلوت میں سوال اچھا ہے
میں نے اے ابر کرم پی ہی ترے سایے میں　　جانتا ہوں کہ گناہوں کا مآل اچھا ہے
کم نہیں ان سے کسی بات میں ان کی تصویر　　پھر بھی کہتے ہیں ترا حسن و جمال اچھا ہے
تل ترا وصل کی شب، زلف تری ہجر کی رات　　خال سے زلف تری زلف سے خال اچھا ہے
نہ تو اچھا ترے دامن سے شفق کا دامن　　نہ گریباں سے گریبانِ ہلال اچھا ہے
وہ جہاں جائے ہوا کھائے پھرے سیر کرے　　گھر میں صیاد کے ہر بے پر و بال اچھا ہے
کیا عجب ہے وہی بن جائے کبھی خواب کی شکل　　رات دن وصل حسیناں کا خیال اچھا ہے
دستِ گلچیں بھی وہاں ہے کفِ صیاد کے ساتھ　　شجرِ گل سے ہمیں خشک نہال اچھا ہے

ہونٹھ پر تھا جو تبسم سا پسِ مرگ ریاضؔ
کہہ گئے مر کے بھی کم بخت کا حال اچھا ہے

میری پہلو میں ہمیشہ رہی صورت اچھی　　میں بھی اچھا مری قسمت بھی نہایت اچھی
آپ کی شکل بھلی آپ کی صورت اچھی　　آپ کے طور بُرے آپ سے نفرت اچھی
حشر کے دن ہمیں سوجھی یہ شرارت اچھی　　لے چلے خلد میں ہم دیکھ کے صورت اچھی
تجھ سے کہتا تھا کوئی یا تری تصویر سے آج　　آنکھیں اچھی تری آنکھوں کی مروت اچھی

ہم نے سو بار شب وصل ملا کر دیکھا | اے فلک چاند سہی وہ چاند سی صورت اچھی
نہ بنے کام تو کس کام کی نازک شکلیں | نازک اچھے نہ حسینوں کی نزاکت اچھی
اس سے کوئی نہیں اچھا جو تجھے پیار کرے | میں بھی اچھا ترے صدقے مری قسمت اچھی
تیری مدفن سے جو اٹھے وہ بری اے واعظ | ان کے ٹھوکر سے جو اٹھے وہ قیامت اچھی
جور تیرے بہت اچھے ستم گردوں سے | اور ان سے تری آنکھوں کی ندامت اچھی
منہ میں جب بات رکی چوم لیا پیار سے منہ | دم تقریر کسی شوخ کی لکنت اچھی
دیکھتے ہی کسی کافر کو بگڑ جاتی ہے | میں جو چاہوں بھی تو رہتی نہیں نیت اچھی
حسن صورت کی طرح حسن سخن ہے کم یاب | ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی
تجھے جلتا ہے جو وہ اور جلاتے ہیں اسے | میری حق میں مرے دشمن کی عداوت اچھی
آتے جاتے نظر آتی ہے جھلک چلمن سے | پردے پردے میں نکل آئی یہ صورت اچھی
خوگر غم کے لئے کچھ نہیں عیش کا خواب | ایسی راحت سے ہمیشہ کی مصیبت اچھی
دے کے وہ بوسۂ لب شوق سے لیں دل میرا | عذر کیا ہے جو ملے مال کی قیمت اچھی

سن کے اشعار مرے سب یہی کہتے ہیں ریاض
اس کی قسمت ہے بری اور طبیعت اچھی

ضرور پاؤں میں اپنے حنا وہ مل کے چلے | نہ پہنچے آج بھی گھر تک مرے وہ کل کے چلے
یہ دوستی ہے کہ ہے ساتھ آگ پانی کا | جو نکلی آہ تو ساتھ اشک بھی نکل کے چلے
لحد سے لائی قیامت ہے پاؤں پڑ پڑ کر | ٹھہر ٹھہر کے چلے ہم مچل مچل کے چلے
ہزاروں ٹھوکریں ہر اک قدم پر اس میں ہیں | یہ راہ عشق ہے کیوں کر کوئی سنبھل کے چلے
یہ مجکو وصل کی شب ہائے موت کیوں آئی | حنا لگا کے جو آئے تھے ہاتھ مل کے چلے

تمہاری راہ میں چلنے کی ہے خوشی ایسی　　کہ ساتھ نقش قدم بھی اُچھل اُچھل کے چلے
مزا تو آئے جو لیں رند بڑھ کے ہاتھوں ہاتھ　　مزا تو آئے کہیں سبو جو مئے اُبل کے چلے
ادا سے ناز سے چلنا قیامت اُن کا تھا　　جو مل کے دل کو کلیجے مَسَل مَسَل کے چلے
چلے وہ شمع جلانے مزار پر کس کے　　کہ ساتھ ساتھ عدو آگ ہو کے جل کے چلے
تمہارے گیسوئے پر پیچ نے لیا ہم کو　　کہ منہ میں سانپ کے یا منہ میں ہم اجل کے چلے
اُٹھا جنازہ تو بولی یہ خانہ برباد ی　　نیا مکان ہے کپڑے نئے بدل کے چلے

ہزاروں داغ ہیں دل میں جگر میں لاکھوں زخم
ریاضؔ محفلِ خوباں سے پھول پھل کے چلے

نہ راس آئی ہم کو جوانی ہماری　　کٹی کیا بُری زندگانی ہماری
عدو کی شبِ وصل سو بار صدقے　　شبِ غم ہے کتنی سہانی ہماری
دغا دے رہی ہیں دمِ نزع تم کو　　یہ ہے وقتِ رخصت نشانی ہماری
کئے میں نے شکوے تو وہ ہنس کے بولے　　عدو پر بھی ہے مہربانی ہماری
اُنہیں نے تو دیوانہ ہم کو بنایا　　وہی اب کریں پاسبانی ہماری
یہ ساقی نے ساغر میں کیا چیز دیدی　　کہ توبہ ہوئی پانی پانی ہماری
ستاتے ہیں ہم بھی حسینوں کو کیا کیا　　ستاتی ہے ہم کو جوانی ہماری
لگی تھی جو منہ سے پھر توبہ کیوں کی　　ہوئی تلخ کیا زندگانی ہماری
کیا جھوٹ وعدہ کریں ہم جو تجھ سے　　تری کام آئے جوانی ہماری
بہت بے اثر تم اُسے جانتے تھے　　زبانوں پر اب ہے کہانی ہماری
قفس دستِ صیاد میں ہم قفس میں　　یہ کام آئی ہے خوش بیانی ہماری

ریاض آپ ہم قدرداں اپنے نکلے
کسی نے نہ کی قدردانی ہماری

چلے آتے ہیں خوش خوش کس کے گھر سے
وہ ہنستے کھیلتے بادِ سحر سے

وہیں آ بیٹھتا اُٹھ کر اِدھر سے
بھلا ہے گھر مرا دشمن کے گھر سے

مزے کی چیز ہے یہ مجمع حشر
حسیں کیا کیا گزرتے ہیں نظر سے

لچک کر تیغ دُہری ہو نہ جائے
اسے نسبت ہے کچھ ان کی کمر سے

ذرا چل کر تمہیں اس کو چھُڑا دُو
کسی کی آہیں اُلجھی ہیں اثر سے

ہمارے پاس دل سی چیز رہتی
بچائے رکھتے ہیں ان کی نظر سے

کہاں دل پا گئے کیا پوچھتے ہو
اٹھا لائے تمہاری رہگزر سے

ہوا پر ہے مزاج ابرِ کرم کا
بیو رند وہ برسے یا نہ برسے

وہ پھر تو دیکھنے کی چیز ہوگی
قیامت جب اُٹھے اس رہگزر سے

ہمارے پاس جب دیکھو نیا دل
اٹھا لاتے ہیں ان کی رہگزر سے

کہاں رکھی تھی محشر میں کہ پیتے
نچوڑی ہم نے کچھ دامان تر سے

ہمیں تو جیتے جی کوثر کی پلوا
خدایا چھوڑ دی ہے تیرے ڈر سے

ریاض اس دل کے چلتے یہ ہوا حال
گرے ہم سب حسینوں کی نظر سے

نہ سمجھنا چراغ محفل کے
ارے ناداں یہ داغ ہیں دل کے

بیٹھنے والے ہیں وہ محفل کے
پڑے اٹھ جائیں دیدہ و دل کے

پاؤں وحشت میں بڑھ کے جاتے ہیں
جھٹکے کھاتے نہیں سلاسل کے

یہ بھی اک چیز تھا زمانے میں ہم خریدار خود بنے دل کے

رخِ پرنور میں جگہ تھی کہاں رکھنے والے کو دیکھئے تل کے

ہم سے وہ روٹھتا مچلتا ہے کوسنے والے کون تم دل کے

آئی بے وقت موت کچھ ایسی رہ گئے دل میں حوصلے دل کے

لختِ دل پتیاں حنا کی ہیں تم جو پیسو تو ٹکڑے ہیں دل کے

اب حسینوں کا مشغلہ ہیں ریاضؔ
آپ چڑھتے ہیں نام سے دل کے

یوں کوئی بھی نکالے نہ ارماں پیار کے گل دل کے پھول رکھ دیئے سب ان کے ہار کے

شاخِ قفس تک آئے وہ کیا چل کے باغ سے منہدی لگے ہیں پاؤں عروس بہار کے

سمجھے وہ دانت تھا مری نازک سی ہونٹھ پر ایک ایک کر کے توڑے ہیں دانے انار کے

کافر بتان ناز نہ بگڑیں تو ہم کہیں یہ ہیں کرشمے قدرت پروردگار کے

اے زلف یار پوچھ نہ لکھا نصیب کا قسمت نے کتنے کام بگاڑے سنوار کے

کیا چیز میکشو ہے زمانہ بہار کا کہتے ہیں مے فروش گئے دن ادھار کے

سیرِ دل و جگر ہو کہ دونوں میں داغ داغ تختے کھلے ہوئے ہیں کئی لالہ زار کے

وعدہ کرے بھی تو کوئی اپنی زبان سے ہم کاٹ دیں ہزار برس انتظار کے

تو شوخیاں دکھا نہ ہمیں لے حنائے یار دیکھے ہیں ہم نے رنگ دلِ بیقرار کے

کیوں کر رہے نہ بادہ فروشوں میں اپنی ساکھ ہم بھی تو آدمی ہیں بڑے اعتبار کے

مانی بہت ہی خوب کھنچی صورت ریاضؔ
پہنا دیا ہے قیس کا جامہ اُتار کے

کیوں بال کھلے ہیں تجھے کچھ غم تو نہیں ہے
گھر غیر کا ہے غیر کا ماتم تو نہیں ہے

ہے نقش قدم عرصۂ محشر دمِ رفتار
فتنہ تری رفتار کا کچھ کم تو نہیں ہے

ہر اشک عنادل ہے گہر دامن گل میں
اُڑ جائے سحر ہوتے یہ شبنم تو نہیں ہے

نازک ہی بہت جان مری اس میں پڑی ہے
خنجر میں ترے دیکھ مرا دم تو نہیں ہے

یہ حشر بھی اک جلوہ گہہ ناز ہے اس کی
پردے میں وہی فتنۂ عالم تو نہیں ہے

نازک کمر یار ہی کچھ بال سے بڑھ کر
کوئی شکن گیسوِ پُر خم تو نہیں ہے

ہم کوچہ نشیں عرصۂ محشر کو بھی دیکھ آئے
نقش قدمِ یار کا عالم تو نہیں ہے

پیتے تھے ریاضؔ آج کھڑے خم کے برابر
ہم نے انھیں دیکھا ہے کمر خم تو نہیں ہے

ہمارے دل میں ہی جو داغ ایسا کم نکلتا ہے
یہ بن بن کر چراغ محفلِ ماتم نکلتا ہے

تری ٹھوکر کے فتنے کو نہ اتنا ہم سمجھتے تھے
یہ ظالم تو قیامت سے قد آدم نکلتا ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہی جہاں ہم خشت خم رکھ دیں
جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

مرے آنے سے کیوں دھومیں مچی ہیں بزم ساقی میں
یہ کیا ہی بعد مدت کیوں یہ جامِ جم نکلتا ہے

تمہیں کیونکر بتاؤں کیا مری دل پر گزرتی ہے
تمہیں کیونکر دکھاؤں تم میں کیا عالم نکلتا ہے

پہنچتی ہے یہ سیدھی میری گھر بن کر شبِ فرقت
تری زلف رسا کا جب کبھی کچھ خم نکلتا ہے

یہاں رونا پڑا دو دو گھڑی آئیں نہ ایسے میں
سسکتی ہے تمنا آرزو کا دم نکلتا ہے

شبِ غم کہہ کے تم کالی بلا کا نام لیتے ہو
کہ اس کا نام لینے سے ہمارا دم نکلتا ہے

سحر ہوتے وہ اپنا چاک دامن سی کے بیٹھے ہیں
رفو کرنے کو تارِ دامنِ مریم نکلتا ہے

ریاضؔ ایسا گیا گزرا نہیں ہی شان جانے دے
گدائی کے لئے وہ لے کے جامِ جم نکلتا ہے

غم مجھے دیتے ہو دشمن کی خوشی کے واسطے — کیوں بُرے بنتے ہو ناحق تم کسی کے واسطے

جی نہ مانا حضرتِ ناصح کو آتے دیکھ کر — کچھ یونہی تھوڑی سی پی لی دل لگی کے واسطے

ہجر سے بڑھ کر مصیبت کوئی آنے کی نہیں — موت کو رکھ چھوڑیئے کس زندگی کے واسطے

دونوں عالم تنگ ہیں کچھ اور وسعت چاہیے — پاؤں پھیلانے کو میری بیکسی کے واسطے

لطف ہے مل جل کے دونوں سے رہے اک وضع خاص — کچھ بناوٹ بھی ہو تیری سادگی کے واسطے

لوٹتے ہیں کاتبِ اعمال یوں آنکھوں میں لطف — حاصل عصیاں ہے گویا آپ ہی کے واسطے

پاسِ آدابِ بزرگی ہے بہ ایں وضع جنوں — جب ملے ناصح جھکے ہم بندگی کے واسطے

حشر میں او کاتبِ اعمال کچھ تو ہو شریک — ساتھ رکھا تھا تمہیں نیکی بدی کے واسطے

سال پلٹے لے کے خم پھیری کو نکلے ہیں ریاض
میکدے کچھ وقف ہیں ان شاہ جی کے واسطے

وقت نازک موت کا ہے ہر کسی کے واسطے — مال و زر رکھ چھوڑیئے کس زندگی کے واسطے

نام ہے آسودگی جس کا وہ ہے حرفِ غلط — جیتے جی مرتے رہے آسودگی کے واسطے

ہو گئے جامے سے باہر حضرتِ ناصح کچھ آج — کچھ یونہی پی لی تھی ہم نے دل لگی کے واسطے

یہ نہ ہو بعد فنا تربت پر آ بیٹھے اُداس — تم جگہ بتلا دو میری بیکسی کے واسطے

میں یہ سمجھا غیر کے ہوتے مجھے غم سے غرض — تم نے یہ جانا کہ سب کچھ ہے اسی کے واسطے

ہے جنون والوں میں پھر پیرہن قطع و برید — مل گئی دستارِ ناصح دل لگی کے واسطے

وصل کی شب رات بھر سوتے رہے پہلو میں وہ — پردہ اچھا رہ گیا شرمندگی کے واسطے

سبزہ صد مینا بکف صد خُم بدوش ابرِ بہار — ہیں بڑے سامان میری میکشی کے واسطے

اب تو جی اُکتا گیا دنیا کے دھندوں سے ریاض — اتنے جھگڑے چار دن کی زندگی کے واسطے

یہ گوارا کہ مرا دستِ تمنا باندھے
اپنے محرم کو نہ کس کر کوئی اتنا باندھے

بڑھ کے آئے نگہِ شوق بلائیں لے لے
کوئی بیٹھا ہی کس انداز سے جوڑا باندھے

شہرتِ بے اثری کوئی مٹائے کیوں کر
ہو نہ درد آہ میں تو کوئی ہوا کیا باندھے

دھجیاں کیا مرے دامن کی مرے کام آئیں
بیٹھ کر دشت میں سب آبلہ پا باندھے

ہے بری بات کہو کھول کے بوتل رکھ دے
شیخ پگڑی میں نہ بازار کا سودا باندھے

اک ذرا کھالے ہوا نجد کی ٹھنڈی ٹھنڈی
کہہ دو لیلے ابھی محمل میں نہ پردا باندھے

بکھری زلفیں یونہی لہرائیں رخِ روشن پر
کبھی جوڑا نہ مرا گیسوؤں والا باندھے

جب میں دیکھوں مری آنکھوں میں اگر پھر جائے
چکر اتنا تو بیاباں میں بگولا باندھے

ہم نے دیکھا طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاضؔ
اک عصا تھامے عبا پہنے عمامہ باندھے

دشمن کی طرف ہو کے نکلنے نہیں دیتے
ہم کو وہ بری راہ میں چلنے نہیں دیتے

آنکھیں ہیں تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ہم چٹکیوں سے دل کو مسلنے نہیں دیتے

کہتے ہیں مے ناب حسینوں کا ہے جوبن
ہم بزم میں اپنی اسے ڈھلنے نہیں دیتے

وہ کیا لحدِ غیر کو پامال کریں گے
چلتے ہوئے فقری بھی تو چلنے نہیں دیتے

جلتا ہوں بچاتے ہیں اسے سوزِ دروں سے
دشمن کو مری آگ میں جلنے نہیں دیتے

نازک ہے مرے نخلِ تمنا کی ہر اک شاخ
اس خوف سے وہ پھولنے پھلنے نہیں دیتے

کب بوسے لئے ان کے جو بل کھائے ہیں گیسو
تم کالوں کو کیوں زہر اگلنے نہیں دیتے

آئی ہے یہ کہتی ہوئی کس کی شبِ فرقت
ہم رنگ زمانے کو بدلنے نہیں دیتے

ڈر ہے نہ دوپٹہ کہیں سینے سے سرک جائے
پنکھا بھی ہیں پاس سے جھلنے نہیں دیتے

کیوں ہم کو جلاتے ہو دمِ وصل یہ کیا ہے — کیوں پھونکتے ہو شمع کو جلنے نہیں دیتے

ہے جان مری کشمکشِ نزع میں دن رات — ارمان تو کیا دم بھی نکلنے نہیں دیتے

کھلنے نہیں دیتے کبھی کم ظرفیِ واعظ — ہم رند پلا کر بھی اُبلنے نہیں دیتے

جاتا ہوں تو آتی ہے یہی طور سے آواز — ہم دیکھنے والوں کو سنبھلنے نہیں دیتے

کیا کام ریاضؔ آنے کو سو بار بہار آئے
ہم کو یہ حسین پھولنے پھلنے نہیں دیتے

صیاد کو جو مجھ پر یارب ترس نہ آئے — باغوں میں موسمِ گل لاکھوں برس نہ آئے

ہاں میری طرح تھک کر آواز بیٹھ جائے — چھوٹوں جو کارواں سے بانگِ جرس نہ آئے

تو آشیاں بناتی بلبل قفس کو چھا کر — اُجڑے چمن سے اُڑ کر کچھ خار و خس نہ آئے

آج آگ ہم لگا کر نکلے ہیں گھر سے اپنے — منہ جا کے روزِ ہجراں اپنا جھلس نہ آئے

گلشن میں ہم صفیرو تم زمزمے نہ کرنا — تا شاخِ گل ہمارا جب تک قفس نہ آئے

اللہ میرے یہ بت کس چیز کے بنے ہیں — پتھر پسیج جائے ان کو ترس نہ آئے

تیرے سوا یہ ممکن واعظ نہیں کسی سے — دنیا میں رہ کے دل میں کوئی ہوس نہ آئے

اک مشت استخواں تھے میری بساط کیا تھی — اُلجھے جو دام میں ہم پھر تا قفس نہ آئے

رندوں کی تربتوں پر سبزہ نہ لہلہایا — بادل ترے کرم کے جب تک برس نہ آئے

کچھ تھا لحاظ گلچیں جس کا وہیں قفس میں — کیوں جا کے آشیاں کو بجلی جھلس نہ آئے

اس کی گلی کی قاصد کچھ اور ہی ہوا ہے — تو ایک دن کو جائے تو سو برس نہ آئے

پائیں تو اے حسینوں تم کو رُلا کے چھوڑیں
ہیں یہ ریاضؔ ایسے ان کو ترس نہ آئے

رنگ کیا کیا شام کو لائیں گے آنے کے لئے / صبح سے بیٹھے ہیں جو مہندی لگانے کیلئے

یہ سمجھ کر کم نہیں آفت اُٹھانے کے لئے / دل مجھے دیتے گئے میرے ستانے کیلئے

ایسے بھولے نیند سمجھے ہیں وہ میری موت کو / آئے ہیں کس ناز سے مجکو اُٹھانے کیلئے

ہم غریبوں کا اندھیری میں نکل جائے گا کام / آئیں تو وہ شمع تربت کو بجھانے کیلئے

صدقے اس فریاد کے کہتے ہیں دیکھو عندلیب / نالے کرتی ہے ہمارا دل دُکھانے کیلئے

نجد سے اُٹھ اُٹھ کے آجاتے ہیں اکثر گردباد / میرے ویرانے میں اکثر خاک اُڑانے کیلئے

حشر کے دن وعدہ کس کا کون کرتا ہے وفا / تھیں یہ باتیں مجکو دیوانہ بنانے کیلئے

یہ خبر یارب نہ تھی قیدِ قفس سے چھوٹ کر / تنکے ہم چنتے پھریں گے آشیانے کیلئے

خوش ہیں سیرِ نرگستاں سے کہ ہم نے دیکھ لیں / ایسی آنکھیں جو نہیں آنسو بہانے کیلئے

ساتھ ان کے ہی ہزاروں عندلیبوں کا ہجوم / آئے ہیں دو پھول تربت پر چڑھانے کیلئے

ہاتھ پھر بڑھنے لگے ہیں جیب و داماں کی طرف / فصلِ گل آئی ہے دیوانہ بنانے کیلئے

نزع کیسی موت کس کی اب سے دشمن ہیں / پاس آ بیٹھے ہیں وہ باتیں بنانے کیلئے

چھیڑ دیکھو سوئے گلشن مجکو آتے دیکھ کر / کہہ گیا غنچوں سے کوئی مسکرانے کیلئے

کاتبِ اعمال سے کیوں اہلِ عصیاں خوش نہ ہوں / ساتھ وہ مزدور بھی ہیں بوجھ اُٹھانے کیلئے

کوثر و تسنیم و حور و خلد کے ہوتے ہوئے / جائیں گے ہم آگ دوزخ میں لگانے کیلئے

آستانِ یار سے کوئی اُٹھائے کیوں ہمیں / ہم بھی آ بیٹھے ہیں قسمت آزمانے کیلئے

بزمِ جم میں بیٹھنے والو ادھر بھی اک نگاہ / ایک ساغر چاہیئے پینے پلانے کیلئے

اس نزاکت پر ہمارے قتل کا دعویٰ چہ خوش / کیوں کمر کستے ہیں وہ بیڑا اُٹھانے کیلئے

چھیڑ کیسی بات کہتے روٹھ جاتی ہیں ریاضؔ / اک حسیں ہر وقت ہو اُن کے منانے کیلئے

میری اُن کی گرہِ دل کبھی ایسی تو نہ تھی — کھُل کے ہوتی سرِ محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

چشمِ حسرت نے دمِ ذبح اثر کیا ڈالا — تیری رنگت مرے قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

اری لیلیٰ نہ کہیں قیس کا تیرے ہو غبار — گرد اُڑتی پسِ محمل کبھی ایسی تو نہ تھی

پھول پر شمع کے ٹوٹے ہیں عنادل کیا کیا — رنگ پر آپ کی محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

نقش دیوار بنا جا کے ترے کوچے میں — پیش آئی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیوں نہ کھینچ آئیں سوے صحن چمن دیوانے — کہ یہ فریادِ عنادل کبھی ایسی تو نہ تھی

برسوں زندان سے ہیں لطف رہا ہی پہلے — سختیٔ طوق و سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نہیں بنتی ہی مجھے پاؤں اُٹھاتے دھرتے — کششِ جلوۂ منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

مل گیا کیا کہیں معشوق تجھے اور کوئی — ان بن اُن سے تری اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

میری پہلو میں کوئی چاند سا ٹکڑا ہے ضرور — چاندنی اے مہِ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

دور رہ کر بھی ریاضؔ آگ لگی رہتی ہے
یار کی گرمیٔ محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

صبح محشر بھی گوارا نہیں فرقت میری — مجھ سے رہ رہ کے لپٹ جاتی ہی تربت میری

رنج دیتا ہی مزا وہ ہے طبیعت میری — چلیں لکھتی ہی مرے واسطے قسمت میری

آ کے ٹھکرا گئے کس ناز سے تربت میری — نہ کھُلی آنکھ مری ہائے ری غفلت میری

کوئی آتا ہے کہیں ایسے سیہ خانے میں — میری گھر کا ہے اُجالا شبِ فرقت میری

صدقے اے تمکنتِ ناز دکھا دے مجکو — ہائے وہ آنکھ نہ ہو جس میں مروت میری

کیا نڈر ہو کے شبِ وصل وہ آ بیٹھے ہیں — جانتے ہیں کہ بچا لے گی نزاکت میری

جتنے دل خاک ہوئے روزِ ازل سے اب تک — آج اُن سب کا نشاں دیتی ہے تربت میری

مے و معشوق نہیں آپ میں رہنے دیتے — بعد توبہ بھی بدل جاتی ہے نیت میری

اس طرح حشر میں آیا ہوں لحد سے اُٹھ کر — کہ فرشتے نہیں پہچانتے صورت میری

حشر میں پیش نظر ہوں گے بتانِ کافر — مجھے ڈر ہے نہ بگڑ جائے طبیعت میری

دُھوکے دیتی ہے بُری طرح یہ لوگوں کو ریاضؔ
ملتی جلتی ہے بہت خضر سے صورت میری

آکے وہ ناز سے ٹھکرائیں بھی تربت میری — میں ہوں مشتاق قیامت کا قیامت میری

اک ذرا عمر سے اترے کہ نظر سے اُترے — چار دن کی ہے حسینوں سے محبت میری

جیسے ہوں میری ستائی ہوئی یہ شوخ حسیں — داورِ حشر سے ہوتی ہے شکایت میری

حوضِ کوثر ہو جو خالی تو بھرے جی میرا — خمِ مے سے کبھی بھرتی نہیں نیت میری

ہے کھلا میکدہ و خانقہ شیخ کا فرق — اس کی جنت سے کہیں اچھی ہے جنت میری

مٹھی بھر خاک ہوں میں اور یہ چٹکی بھر خاک — کچھ حقیقت مرے دل کی نہ حقیقت میری

ملی کوثر کی تو جنت کے مزے آئیں گے — آج ہے خانقہِ شیخ میں عزت میری

سبزہ آغاز جواں آج بھی ہوں پیری میں — بدلی کیا اک قدحِ بنگ نے صورت میری

جل دیا کرتی ہے دن رات حسینوں کو ریاضؔ
بڑی نٹ کھٹ بڑی چنچل ہے طبیعت میری

چھوڑتی ہی نہیں مجکو شبِ فرقت میری — اے میں قربان اُسے اتنی محبت میری

کیوں کر اوپر اُٹھیں آنکھیں مری اے حسرتِ دید — سر اُٹھانے نہیں دیتی ہے ندامت میری

پھوٹ کر رونے سے اشکوں کا مزا ہے پانی — بے بہار آئے کھلی جاتی ہے تربت میری

وصل کی شب وہ ڈراتے ہیں یہ کہہ کہہ کے مجھے — تم ستاؤ تمہیں کوسے گی نزاکت میری

جلوۂ یار نے بے ہوش کیا ہے مجکو ۔۔۔ کچھ الگ نشۂ مے سے رہی غفلت میری
آنکھ تاروں نے چرائی یہ نئی بات ہے آج ۔۔۔ دیکھیے کٹتی ہی کیونکر شبِ غربت میری
رہن مے ہونے سے بچ جائے تو عزت رہ جائے ۔۔۔ مول لے لے کوئی دستارِ فضیلت میری
رہیں تا حشر یونہی مہندی لگے پاؤں کے نقش ۔۔۔ چار پھولوں کی نہ محتاج ہو تربت میری
تارے مجکو نظر آئیں نہ کہیں حشر کے دن ۔۔۔ ڈر ہے بڑھ جائے نہ حد سے شبِ فرقت میری

چھیڑ کر مجمعِ زہاد کو ڈرتا ہوں ریاضؔ
کہنہ مسجد کی عوض ہو نہ مرمت میری

دن پھرے اچھے یہ مجھ ناکام کے ۔۔۔ صبح ہوتے آئے بھولے شام کے
ایک آفت تھا تمہارا کوسنا ۔۔۔ مر گئے تو سب ہمارے نام کے
دورِ ساقی میں نہیں ہے دل کی خیر ۔۔۔ مے تو کیا لالے پڑے ہیں جام کے
رنج کی کٹتی نہیں ہے ایک رات ۔۔۔ دن گزر جاتے ہیں سو آرام کے
دل ہلا دے گی یہ میری آہ ہے ۔۔۔ بیٹھ جاؤ گے کلیجا تھام کے
جام کوثر واعظو رہنے بھی دو ۔۔۔ ہم ہیں پیاسے بادۂ گلفام کے
طور والوں کی نظر پہ چڑھ گئے ۔۔۔ دیکھنے والے تمہارے بام کے
ہم کو مل جائیں تو آجائے مزا ۔۔۔ اچھے معشوق اور سستے دام کے
قاصدوں کا ایک تانتا تھا لگا ۔۔۔ ہائے وہ دن نامہ و پیغام کے
ہم بنائیں آشیاں اونچا ہزار ۔۔۔ ہم کو الجھائیں گے حلقے دام کے
جتنے ہیں معشوق مل جائیں ہمیں ۔۔۔ ہیں یہ سب کافر ہماری کام کے
عمر بھر لوٹے جوانی کے مزے ۔۔۔ اے میں صدقے بادۂ گلفام کے

ہائے حصّہ میں ہمارے کم پڑے — یہ حسیں سب تھے ہماری کام کے
طاقتِ فریاد اب ہم میں کہاں — بات کرتے ہیں کلیجا تھام کے
لے کے اُٹھتے صبح کو دردِ کمر — شام سے بیٹھے تھے جو سر تھام کے

عید میں کیوں آئیں مجرے کو ریاضؔ
مستحق جب یوں بھی ہوں انعام کے

کاتبِ اعمال نکلے کام کے — مل گئے دو دو شریکِ الزام کے
پردہ ڈالا مجھ سراپا جرم پر — صدقے اپنے جامۂ احرام کے
آگیا پیری میں بھی رنگِ شباب — گھونٹ اُتاری جب مے گلفام کے
دیکھیں قاصد آکے ہم سے کیا کہا — منتظر اے موت ہیں پیغام کے
کاتبِ اعمال ہیں خوب آدمی — یہ فرشتے ہیں فرشتے نام کے
آ بتا دیں ہم تجھے منہ چوم کر — کس طرح لوٹے مزے دشنام کے
توبہ کیا ٹوٹی کہ پھوٹے آبلے — خم کے مینا کے سبو کے جام کے
کس قدر تاریک ہے روزِ فراق — دھوکے ہوتے ہیں سحر پر شام کے
خم بہ خم کیسی ہے وہ زلفِ دراز — چھوٹتے ہیں کب اسیر اس دام کے
کچھ ملا غفلت میں لطفِ زندگی — خواب دیکھے عیش کے آرام کے

اس کے چلتے جان دی ہم نے ریاضؔ
کام آئے ہم دلِ ناکام کے

چشم و دل ہیں مقام خلوت کے — آو پردے پڑے ہیں غفلت کے
عرصۂ حشر میں کہاں انساں — کچھ بگولے ہیں خاک تربت کے

بن گئے جھک کے پنبۂ مینا | جتنے ٹکڑے تھے ابر رحمت کے
اب تو وعدہ بھی وہ نہیں کرتے | دن قریب آ گئے قیامت کے

شاعری ہے ریاضؔ کے دم تک
پھر کہاں لوگ اس طبیعت کے

اُٹھے فتنے نگاہ خشمگیں سے | گلے ملتے ہوئے چین جبیں سے
وہ سر تھامے ہیں دست نازنیں سے | دھمک ہونے لگی چینِ جبیں سے
لہو کی بو کچھ آئی جس زمیں سے | اُٹھائی خاک دامن میں وہیں سے
شرارت وصل کی یاد آ گئی کیا | وہ کچھ شرما گئے چین جبیں سے
نگاہِ غیر کو ظالم مبارک | ہم آغوشی تری چین جبیں سے
بنی ابروے خوبانِ جفا کار | جو اُتری چین ظالم کی جبیں سے
تمنائیں بہت ہیں وقت کم ہے | کسے دیکھوں نگاہِ واپسیں سے
ذرا بچنا مرے نالے سے ظالم | وہ تاثیریں چلیں عرش بریں سے
کئے مشکل سے دل کے جمع اجزا | چنے ہیں کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے
تم آؤ دفن ہوں گے جس جگہ ہم | تمنا بول اُٹھے گی وہیں سے
نہ چھوٹی حشر میں بھی عادت اُن کی | نہ باز آئے یہاں بھی وہ نہیں سے
گراں تھی سادگی زینت کا ذکر کیا | بڑی مشکل سے سنبھلی نازنیں سے
خداوندا لہو کچھ تو نکل آئے | کریں گے ذبح دستِ نازنیں سے
لئے بے گنتی بوسے اس ادا پر | شب وصل اس نے توبہ کی نہیں سے
دیا اس طرح میں نے دل چھپا کر | وہ یہ سمجھے چرا لایا کہیں سے

مدد کر وصل میں کچھ او نزاکت — دوپٹہ تک نہ سنبھلے نازنیں سے

نہ لو اس دل کو یہ بدخو بہت ہے — اُلجھ پڑتا ہے یہ ظالم ہمیں سے

جو وحشت کم ہوئی رونے کی سوجھی — چھٹا دامن تو اُلجھے آستیں سے

خدا آباد رکھے میکدے کو — بہت سستے چھٹے دنیا و دیں سے

بڑی حسرت سے دم نکلے گا ظالم — نہ او جھل ہو نگاہِ واپسیں سے

پڑا پہلو میں ہے چپ چاپ کیسا — بہت خوش ہوں دلِ اندوہگیں سے

مزا شب کا ابھی بھولے نہیں ہیں — ٹپکتا ہے نگاہِ شرمگیں سے

سرِ تربت نہ سنبھلے گر پڑے پھول — میں شرمندہ ہوں دستِ نازنیں سے

نہ سمجھے اور پھر اس پر جو لوٹے — کہا تھا کچھ نگاہِ واپسیں سے

وہ شب کا خواب ہم کو یاد آئے — تمہاری بات کہہ دیں گے نہیں سے

ریاض اگلوں میں شیخ وقت گزرا
بہت کچھ مستند ہے اہلِ دیں سے

ہم بھی تو او موت کے مارے ہوئے — تیرے لئے گور کنارے ہوئے

آنکھ سے اب عرش کے تارے ہوئے — ایسے تم اللہ کے پیارے ہوئے

آج تو یہ بھی انہیں کچھ بار ہے — جاتے ہیں زیور وہ اُتارے ہوئے

سال عروسی میں لکھا تھا وصال — ہائے رے ارمانوں کے مارے ہوئے

تجھکو خزاں کھا گئی اے گلعذار — ہار بھی سوکھے نہ اُتارے ہوئے

ہائے تری سرمہ بھری چشمِ ناز — ہائے ترے بال سنوارے ہوئے

جان مری لے گی خموشی تری — میں کہے دیتا ہوں پکارے ہوئے

کھلنے کو تھے غسل کے تختے پر آج — چوٹی گندھی بال سنوارے ہوئے
دیکھ لیا چہرہ ہٹا کر کفن — بات ہوئی کچھ نہ اشارے ہوئے
کون منائے انہیں سمجھائے کون — مانیں گے کیوں موت کے مارے ہوئے
قطرے جبیں پر تھے پسینے کے کچھ — وہ بھی تو اب عرش کے تارے ہوئے
تیری ہی لب تیرے مسیحا نہیں — بول دے او موت کے مارے ہوئے
تو بھی اُنہیں میں نظر آجا مجھے — جلوہ نما چاند ستارے ہوئے
جھوٹ ہی کہہ دے یہ خدارا کوئی — جلوہ نما چاند ستارے ہوئے
قبر میں رکھ کر تمہیں ہم گھر میں ہیں — ہائے غضب ہم نہ تمہارے ہوئے
شرط وفا کا ہمیں رونا پڑا — شرط میں تم جان تھی ہارے ہوئے
تم نہ ہمارے ہوئے مجبور تھے — ہائے یہ ہم کیوں نہ تمہارے ہوئے
جان کو جانا ہے تو جلدی سی جائے — دیر ہوئی اُن کو سدھارے ہوئے
شاد ہوں میں شوقِ اجل ہے ابھی — بیٹھے ہوئے دل کو اُبھارے ہوئے
رنج سے اب جان ہے باقی کہاں — ہم بھی تو اب گور کنارے ہوئے
دشمنِ آرام ہے یہ زندگی — چین سے ہیں موت کے مارے ہوئے

سوزِ دروں کا یہ اثر ہے ریاضؔ
اشک کے قطرے بھی شرارے ہوئے

اذاں کا کام چل جائے جو ناقوسِ برہمن سے — بڑا یہ بوجھ اُترے ای موذّن تیری گردن سے
رفو سے کیا تعلق واسطہ کیا اس کو سوزن سے — سمجھ کر خارِ دامن جو نکالے تارِ دامن سے
نہ پائی گل تو لائی تا قفس تنکے نشیمن سے — کبھی موجِ صبا آئی نہ خالی ہاتھ گلشن سے

جوانی بھی ہوا کرتی ہے دیوانی مثل سچ ہے ۔۔۔ وہ برساتے ہوئے چلنی میں پتھر اُٹھتے جوبن سے
گلا بیٹھا تو آوازے کسے کس نے موذّن پر ۔۔۔ یہ کیوں پھولا ہوا رہتا ہے ناقوسِ برہمن سے
بھری بوتل کی زد میں آ گئی تو بہ مری کیسی ۔۔۔ اُڑا ئے کاگ اُس کا یا کہیں گولی چلی دن سے
پڑی کیوں کر چمن میں نیل بوسوں کی نہیں کُھلتا ۔۔۔ وہ منہ غنچوں کا کیل آئے وہ کچھ کہہ آئی سوسن سے
مَسل دو دل کو چٹکی سے اگر چھیڑی کوئی تم کو ۔۔۔ یہ جب ابھری ذرا اس کو دبا دو اُٹھتے جوبن سے
سُبک پر ہم سی کیا صیاد کے پھندے میں آئیں گے ۔۔۔ یہ گل سے موجِ بو نکلی کہ ہم نکلے نشیمن سے
اُٹھاؤں آنکھ کیا اوپر نگاہوں سے مجھے ڈر ہے ۔۔۔ نہ کھیل کھیلیں کہیں جا کر کسی کافر کی چلمن سے
جگایا ہی بہت جادو جگا کر ان حسینوں کو ۔۔۔ بہت کچھ ہم نے سیکھا ہی انہیں کے چشم پُرفن سے
چمن میں مستیاں کرتے عنادل کو جو دیکھا ہے ۔۔۔ کھڑے ہیں سایۂ گل میں چھپائے منہ وہ امن سے
نہ مجھ پر جھکتے ٹڑی کیوں وہ مرے منہ میں زباں اپنی ۔۔۔ بڑی منہ پھٹ ہی سنواؤ گے کچھ تم مجکو سوسن سے
بُرا ہو خانقہ کا چار دن میں کیا ہوئی صورت ۔۔۔ یہ عالم ہے کہ گویا اُٹھ کے ہم آئے ہیں مدفن سے
مری فریاد سے کچھ ملتے جلتے اس کے نالے تھے ۔۔۔ کلیجا منہ کو کل آ گیا بلبل کی شیون سے
یہ کیسی رہ گزر ہے رہ گزر میں کس کی تربت ہے ۔۔۔ وہ جب نکلا ادھر سے گر پڑی کچھ پھول دامن سے
شبِ غم کا یہ عالم ہے چراغ اس طرح جلتا ہے ۔۔۔ اُٹھا لائے ہیں گویا ہم کسی بیکس کے مدفن سے
گلے ملنے کے ان کافر حسینوں سے یہی دن ہیں ۔۔۔ جوانی جب گلے ملتی ہو آ کر لڑکپن سے

ریاضؔ اُٹھ بھی اٹھا بوتل نہ بیٹھ اب پارسا بن کر
ترے چلتے بہار آئی ہوئی جاتی ہے گلشن سے

ڈھونڈ کر دل ترے کوچے سے پریشان گئے ۔۔۔ چھاننا خاک کا تقدیر میں تھا چھان گئے
ہم تمھیں جان گئے جان گئے جان گئے ۔۔۔ تم نہ جانو نہیں ہم تو تمھیں پہچان گئے

اب وہ سب عہد گئے وصل کے پیماں گئے — یہ ہوا حشر میں ہم جھوٹوں کو پہچان گئے

تھے سب اسباب طرب عمرِ دو روزہ کے لئے — قبر میں ساتھ نہ کچھ عیش کے سامان گئے

کھینچئے لاکھ مگر دل سے نکلنا معلوم — آپ کے ہاتھ سے اب تیروں کے پیکان گئے

وعدۂ وصل کے سچے نہ چھپے لاکھوں میں — دور سے دیکھ کے ہم حشر میں پہچان گئے

نہ رہا دل نہ وہ ہنگامہ مچانے والے — دل کے ہمراہ مرے دل کے سب ارمان گئے

وصل کی شب نہ چلی ایک بھی شوخی اُن کی — کچھ نہ بن آئی تو چپکے سے کہا مان گئے

شور ناقوس کلیسا میں اذاں کعبے میں — ہر جگہ حال یہی ہے تو مرے کان گئے

ہم وہ مجرم ہیں کہ ہیں شانِ کرم پر نازاں — اور ہونگے جو گناہوں سے پشیمان گئے

ان حسینوں نے کہا کیا کہ خفا ہو بیٹھے
بات کیا تھی کہ ریاضؔ آپ برا مان گئے

اس جنوں کے چلتے کیوں کر چین سے گھر بیٹھتے — گھر میں بھی دیوار و در سے پھوڑنے سر بیٹھتے

چشمِ تر کی اشکباری آپ نے دیکھی نہیں — یہ اگر طوفاں اُٹھاتی سیکڑوں گھر بیٹھتے

کیا کہیں جوشِ جنوں میں تم نے چھیڑا ہی نہیں — کچھ نہ کچھ کہہ بیٹھتے ہم کچھ نہ کچھ کر بیٹھتے

بارشِ ابرِ کرم نے اور لت پت کر دیا — حشر میں ہم کیا سکھانے دامنِ تر بیٹھتے

روکتا میں کس طرح تھا وعدۂ دشمن قریب — دیر تک محفل میں میری آپ کیوں کر بیٹھتے

میکدے میں جائے منبر خم ہی تھا اے میکشو — میرے گھر واعظ جو آتے میرے سر پر بیٹھتے

کاش وقتِ نزع مجھکو چھوڑ کر جاتے نہ آپ — اور تھا دم بھر کا جھگڑا اور دم بھر بیٹھتے

بزمِ محشر میں نہ رکھتی اس کی رحمت امتیاز — لطف ہوتا رند و زاہد سب برابر بیٹھتے

وادیِ غربت میں تھک تھک کے بہت بیٹھے ریاضؔ — کاش اب آرام سے ہم کوئی دن گھر بیٹھتے

اب نیند بھی ہم کو نہیں آتی نہیں آتی — رکھتے تھے جسے آنکھ میں وہ بھی نہیں آتی

کیوں وصل میں بوسے ترے گن گن کے نہ لیتے — ہم کیا کریں اس کو ہمیں گنتی نہیں آتی

دیتا ہے تو دے راہ خدا جام میں ساقی — صدقے ترے چلّو سے ہمیں پی نہیں آتی

وہ موج ہوا بن کے چلی آہ کسی کی — جاتے ہو کہاں بام سے آندھی نہیں آتی

روتے ہیں ہمیں دیکھ کے دشمن بھی ہمارے — آتی ہے تباہی مگر ایسی نہیں آتی

کیا شرم سے بھی کام نکلتا ہے بتوں کا — دل لیتے ہیں کیونکر جنھیں شوخی نہیں آتی

آئی ہے خمِ ابر سے تو آئی ہے پانی — اب اونچی دکانوں سے بھی اچھی نہیں آتی

آتی نہیں آ آکے ڈرا جاتی ہے ہم کو — آئی ہوئی اپنی نہیں آتی نہیں آتی

قربان ترے چہرے کے اس غصے کے صدقے — سُرخی کی جھلک آتی ہے سُرخی نہیں آتی

کس درجہ مری روح کا باقی ہے تعلق — جب جاتی ہے میخانے سے باقی نہیں آتی

دیکھا ہے جنہیں آرزوِ مرگ میں مرتے
افسوس ریاض اِن کو اجل بھی نہیں آتی

مجھ تک آتے انھیں اک موت حیا آتی ہے — تو وہاں دوڑ کے کیا جاتی ہے کیا آتی ہے

جو وفا میں نہ جفا میں وہ ادا آتی ہے — نہ وفا آتی ہے تم کو نہ جفا آتی ہے

جلدی کیا ہے اُسے کر لو مرے ہاتھ میں ایک — اک ذرا اور ٹھہر جاو حنا آتی ہے

سایہ ان گیسووں والوں کا پڑا کیا اے چرخ — میرے گھر میں نہیں آتی جو بلا آتی ہے

وصل کی رات ہے کہتا ہے یہ آنکھوں کا حجاب — دیکھیں دونوں میں کسے شمع بجھا آتی ہے

ٹوٹنا آج بُرا ہے مری توبہ کا قبول — جھومتی قبلے سے کیا مست گھٹا آتی ہے

ہے بڑی شوخ نہ سمجھے کوئی تھوڑا اسکو — اے حنا خوب تجھے آگ لگا آتی ہے

ان بتوں میں ہیں کچھ ایسے بھی خدا کے بندے — جن کو بگڑی ہوئی تقدیر بنا آتی ہے
نہ تھکا بے اثری پر تو یہ بولی تاثیر — کچھ تجھے شرم بھی اے دستِ دعا آتی ہے
وہ مرے گھر کا ہی عالم شبِ تنہائی میں — نہ پری آتی ہے کوئی نہ بلا آتی ہے
موجیں زنجیر لئے پھرتی ہیں پیچھے پیچھے — ہم کہیں ہوں ترے کوچے کی ہوا آتی ہے
آتی ہے دخترِ رز موجوں کی چھاگل پہنے — بن کے معشوق مئے ہوش رُبا آتی ہے
چاہیئے ہی کسی معشوق کا دامن اس کو — غنچۂ دل سے مرے بوئے وفا آتی ہے
میں بھی وہ ہوں کہ پری اس کو بنا کر چھوڑوں — کوئی کہہ دے ترے گھر میری بلا آتی ہے
دو دو باتیں ہوئی ہیں اُن کی ادا سے شاید — مُسکراتی ہوئی کچھ آج قضا آتی ہے
آج شیریں نے اُٹھائے نہ ہوں فرہاد کے پھول — دامنِ کوہ سے ماتم کی صدا آتی ہے

چھوڑ کر گھر کہیں تربت میں نہ جانا ہو ریاض
مجھے لے جانے کو جنّت کی ہوا آتی ہے

تری حسرت نہ جیتے جی کبھی اس دل سے نکلے گی — یہ میری جان کو رو کر بڑی مشکل سے نکلے گی
چُھری کیا جان بن کر سینۂ بسمل سے نکلے گی — اتر کر دل میں یہ ظالم بڑی مشکل سے نکلے گی
وہاں فتنوں کے جھرمٹ میں یہ شامل روز ہوتی ہے — قیامت ہو کے رسوا کوچۂ قاتل سے نکلے گی
گدائے مے سے تلخی اپنے در پر اس قدر زاہد — دعا دشنام بن کر اب لبِ سائل سے نکلے گی
ذرا نزدیک سے تم دیکھ لو آ کر دمِ آخر — رہے گی یا یہ حسرت دیدۂ بسمل سے نکلے گی
کہے دیتی ہے یہ آلودگی اس پاک دامن کی — کہ میرے ساتھ دخترِ رز بھری محفل سے نکلے گی
یہ میری آہ کوئی اوپر اُوپر جانے والی ہے — خدا جانے وہ کیا ہو گی جو میرے دل سے نکلے گی
کہاں تک دہر میں احباب مجھ پر بند رکھیں گے — کبھی تو راہ کوئی گور کی منزل سے نکلے گی

تلاطم میں نظر آتا ہوں میں رہ رہ کے پانی پر — مجھے کیا زندہ لے کر موج اب ساحل سے نکلے گی

یہ کیوں بڑھنے لگی یارب کسی کی زلفِ پرخم سے — ہماری وصل کی شب ہے یہ گھٹ کر تل سے نکلے گی

کبھی تو آئے گا آغوش میں ہجراں نصیبوں کے — کھٹک اس درد کی ظالم کبھی تو دل سے نکلے گی

تری اس چاند سے چہرے کا تل سو حسن رکھتا ہے — تری تصویر کچھ بڑھ کر مہِ کامل سے نکلے گی

سنا ہے نجد میں آج اک تماشا ہے قیامت کا — لحد سے قیس لیلےٰ پردہ محمل سے نکلے گی

عجب انداز سے کہتا تھا بسمل یہ تہہِ خنجر — ہماری جان ہوگی تو بڑی مشکل سے نکلے گی

ریاضؔ اچھا ہے دنیا سے کرے یہ قیس بھی پردہ
کہ لیلیٰ بے نقاب اب پردہ محمل سے نکلے گی

ملا ہو خون جس سے کچھ وہی تو کام آتا ہے — کلیجا منہ کو آتا ہے جو دل کا نام آتا ہے

مے رنگیں کا ساغر چھپ نہیں سکتا چھپانے سے — بڑا دھبا یہ تجھ پر جامۂ احرام آتا ہے

گل و بلبل کے دشمن کس قدر صیاد و گلچیں ہیں — یہ پھیلائی ہوئی دامن وہ کھولے دام آتا ہے

بھری خم ہم کیا کرتے تھے خالی اب یہی ہم ہیں — بھری محفل میں خالی ہو کے ہم تک جام آتا ہے

فلک تک لے گئی آہِ رسا دل کو یہ کہہ کہہ کر — اب ان کا بام آتا ہے اب ان کا بام آتا ہے

بنی ہے جان پر کب سے خدا جانے کب آئے گی — پیامِ یار بن کر موت کا پیغام آتا ہے

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلنی ہے چھپی بوتل — ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

بہت چمکی ہوئی اک جلوہ گہہ ہے جلوہ گاہوں میں — برابر طور کے ہم کو نظر اک بام آتا ہے

ریاضؔ ان کو کہیں چھیڑا ہے تم نے ہم نہ مانیں گے
وہ تم کو کوستے ہیں جب تمہارا نام آتا ہے

مرے دل کے ارماں مر کر نہ نکلے — جو دل میں چبھے پھر وہ نشتر نہ نکلے

کلیم آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا — ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے
ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پہ لئے حوضِ کوثر نہ نکلے
چمن میں ہم آئے جو چھٹ کر قفس سے — مہینوں نشیمن کے باہر نہ نکلے
نہ بولے کوئی کوہکن کے لحد پر — کہیں لے کے دیوانہ پتھر نہ نکلے
جو اس دل میں ہنگامہ آرا رہا ہے — وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے
نشیمن میں گزرے کئی موسمِ گل — قفس میں جو ٹوٹے تھے وہ پر نہ نکلے
یہ بت ہاتھ آئیں تو ہیں نرم و نازک — ٹٹولا جو ان کو تو پتھر نہ نکلے

بٹھایا ریاضؔ اس طرح ضعفِ دل نے
بہار آئی ہم گھر سے باہر نہ نکلے

مزا تھا نئی زندگانی جو ملتی — جوان تھے مئے ارغوانی جو ملتی
ہمیں تیر کا وہ نشانہ بناتے — کلیجے میں رکھتے نشانی جو ملتی
میسر کہاں اب مئے ناب ہم کو — بہت تھی وہی ہم کو پانی جو ملتی
نگاہوں میں ہم ذرے ذرے کو رکھتے — درِ یار کی پاسبانی جو ملتی
یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ کالی گھٹائیں — مزا تھا مئے ارغوانی جو ملتی
بہار اپنے داغوں کی اس کو دکھاتے — اسیروں کو بادِ خزانی جو ملتی
اثر غیر کے موت کا تازہ رہتا — ہمیں خدمتِ نوحہ خوانی جو ملتی
بڑے لطف سے دن گزر جاتے یہ بھی — بڑھاپے میں ہم کو جوانی جو ملتی
ان اشکوں کو روکا بڑا ضبطِ غم نے — یہ طوفاں اٹھاتے روانی جو ملتی
پلاتے ہم اے شیخ کوثر کی تجھ کو — مئے ناب ہم کو پرانی جو ملتی

ریاضؔ اب کہاں وہ جوانی کا عالم
گلے سے لگاتے جوانی جو ملتی

بجلی نظر سے گر گئی اس دل کے سامنے — تڑپے گا کیا کوئی ترے بسمل کے سامنے
گل دل کے پھول رکھ دئے جس دل کے سامنے — اُس دل کو رکھ دیں لا کے عنادل کے سامنے
چلتی نہیں کچھ آرزوئے دل کے سامنے — مشکل کوئی نہیں مری مشکل کے سامنے
مل جائے تو بہت ہے مری جان بہرِ وصل — وہ رات جو گھٹی ہو ترے تِل کے سامنے
لیلیٰ پکاری جامے سے باہر ہوا جو قیس — یہ بے حجابیاں مرے محمل کے سامنے
آگے قدم بڑھائیں تو منزل کو ہو گریز — ہم پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں منزل کے سامنے
ہنگامہ خیز حشر کی اللہ رے دھوم دھام — دیکھا تو کچھ نہ تھا ترے محفل کے سامنے
کیا خاک اب چلے گی چمن میں صبا کی بات — غنچے کے منہ کی اور عنادل کے سامنے
اس سیدھی سادھی تیغ کو دیکھے کوئی ذرا — بل لاکھ لاکھ کرتی ہے قاتل کے سامنے
منزل رسیدہ قافلے والو مدد کرو — پسماندہ لوٹے جاتے ہیں منزل کے سامنے
کیا منہ چڑھے گا آپ کے وہ شکل تو بنائے — آجائیے ذرا مہِ کامل کے سامنے
دیکھا جو اپنے عکس کو حیران رہ گئے — آئینہ بن گئے وہ مقابل کے سامنے
لیل و نہار سے نہ سپید و سیہ سے کام — یکساں ہے رنگ دیدۂ غافل کے سامنے
دیوانگانِ عشق کا اللہ رے ادب — کیا کیا جھکے ہیں طوق و سلاسل کے سامنے

واعظ دکھا رہا ہے کسے تو بھی سبز باغ
ذکرِ جناں ریاضؔ سے عاقل کے سامنے

ناپائدار زندگیٔ مستعار ہے — آئے نہ آئے سانس کا کیا اعتبار ہے

کس کا غبار ہے یہ ہمارا غبار ہے | جس کا ہر ایک ذرّہ دلِ بیقرار ہے
گیسو سنوارے کون یہ آیا مزار پر | کوئی نہیں ہماری شبِ انتظار ہے
ساقی ہمیں چھکا دے کہ رخصت ہوئی فصلِ گل | برسا دے آج پھول کہ جاتی بہار ہے
قربان اپنے کثرتِ عصیاں کے بار بار | محشر میں سب سے پہلے ہماری پکار ہے
اُلجھا ہوا ہے دستِ جنوں مجھ سے کس لئے | میرے کفن کو کوئی گریباں میں تار ہے
منہ چوم لے بتوں کا یہ بھولے ہیں کس قدر | ہر کام پر ہماری خدا کی سنوار ہے
نازک ہے بے پردیٔ محملِ لیلیٰ کے کچھ نہیں | یہ قیس کا غبار بڑا پردہ دار ہے
خالی نہیں ہے لطف سے مدفن کی رات بھی | دو چار پھول ہیں یہی شمعِ مزار ہے
پی لی تھی کچھ کہ چین سے گذری شبِ لحد | دن ڈھل چکا ہے حشر کا اب تک خمار ہے
دو چار دل میں داغ اگر ہیں ہوا کریں | کیوں سیر کو وہ آئیں کوئی لالہ زار ہے
کہتے ہیں جان پڑ گئی آفت ہے وقتِ وصل | دل لے کے رکھ دیا مجھے اچھا یہ پیار ہے
میں آگیا ہوں آئیں گی دن رات آندھیاں | آنا مرا قفس سے نشیمن کو بار ہے

نادان ہو ریاضؔ کو تم جانتے نہیں
وہ پختہ کارِ عشق بڑا پختہ کار ہے

وہاں میکشی مے پرستی رہی | یہاں عمر بھر فاقہ مستی رہی
کھلے کب لبِ بے ظرفِ مے رات کو | مری روح ساقی ترستی رہی
حسیں دل کو تاراج کرتے رہے | ہمیشہ اُجڑتی یہ بستی رہی
بکی مے بہت فصلِ گل میں گراں | جو سچ پوچھو پھر بھی یہ سستی رہی
کہاں رقصِ طاؤسِ مینا رہا | کہاں اے گھٹا تو برستی رہی

پلادی تھی ساقی نے کیسی مجھے — کہ محشر میں بھی مجکو مستی رہی
تری زلف پر لوگ مرتے رہے — یہ ناگن یونہی سب کو ڈستی رہی
نہ کچھ دی سکے مے فروشوں کو بھی — بہت ان دنوں تنگ دستی رہی
قیامت میں بھی ان کے طرزِ خرام — قیامت پہ آوازے کستی رہی
لحد پر اُگا بھی جو سبزہ کبھی — گھٹا بن کے حسرت برستی رہی
یہ پست و بلندِ جہاں ساتھ ہیں — رہی یہ بھی جب تک یہ ہستی رہی
گئے قبر میں دوشِ احباب پر — لحد تک بلندی و پستی رہی

وہ بولے تری آہ سوزاں ریاضؔ
ہمیشہ ترا منہ جھلستی رہی

غیر سے بدگمان ہو جاتے — میری سنتے تو کان ہو جاتے
مہربان آسمان ہو جاتے — آپ اگر مہربان ہو جاتے
میرے گھر میہمان ہو جاتے — دل میں تم آکے جان ہو جاتے
جاتے ہم زار اُس گلی میں اگر — ذرّے بھی آسمان ہو جاتے
پیر فانی کو وقتِ بادہ کشی — ہم نے دیکھا جوان ہو جاتے
نام میرا جو بزم میں آتا — میرے لاکھوں بیان ہو جاتے
دل تو کہتا ہے لطفِ وصل یہ تھا — جانِ من میری جان ہو جاتے
کہتے تیری سی برگِ گلُ، بلبل — یہ بھی تیری زبان ہو جاتے
بوسے کیا لے کوئی تصور میں — کہ ہیں رخ پر نشان ہو جاتے
ظلم ڈھانے جو آتے تربت پر — فرشِ رہ آسمان ہو جاتے

بادلوں میں جو مے بھری ہوتی   جھک کے اُونچی دکان ہو جاتے
شیخ جی میکدہ وہ جنت ہے   تم بھی جا کر جوان ہو جاتے
پاسباں تو رقیب بن جاتا   ہم ترے پاسبان ہو جاتے

ملتے کم عمر مہ جبیں جو ریاضؔ
ہم ابھی تو جوان ہو جاتے

فتنے کا گزر اس بھری محفل میں نہیں ہے   چل اے نگہِ ناز جگہ دل میں نہیں ہے
دو گال کا بوسہ تو ابھی ڈھونڈ نکالوں   کیا میری شبِ وصل چھپی تل میں نہیں ہے
پہنچیں کہ نہ پہنچیں یہ ہے تقدیر ہماری   قسمت کی کجی جادۂ منزل میں نہیں ہے
کیا جا کے بنا قیس غبارِ رہِ لیلےٰ   جنبش بھی تو اب پردۂ محمل میں نہیں ہے
تھی جان ترے ہاتھ میں تو دیکھ تو قاتل   مٹھی میں وہ ہو گی تنِ بسمل میں نہیں ہے
لپٹے ہوئے ہیں پاؤں سے اب جادۂ صحرا   مدت سے مرا پاؤں سلاسل میں نہیں ہے
صیاد ترے خوف سے یہ زرد ہوئے ہیں   اب خون کی اک چھینٹ عنادل میں نہیں ہے
میں مر کے جیا ہوں کہیں پھر جان نہ جائے   محشر میں تو خنجر کفِ قاتل میں نہیں ہے
کیوں تجھ سے چھپاؤں ترا ارمان شبِ وصل   قربان ترے چور مرے دل میں نہیں ہے
یہ نزع کی مشکل کوئی مشکل ہے مری جاں   سچ ہے مری مشکل کسی مشکل میں نہیں ہے
وہ حسن جو اندازِ نزاکت کو لیے ہو   کچھ ہے مہِ نو میں مہِ کامل میں نہیں ہے

کیوں تو نے ریاضؔ اس بتِ ناداں کو سنایا
اللہ کا بھی خوف ترے دل میں نہیں ہے

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی   ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی

حلق سے گھونٹ بھر جہاں اُتری | توبہ پھر عمر بھر نہیں ہوتی
ہو گی فریاد وہ عنادل کی | آہ تو بے اثر نہیں ہوتی
رہ کے تیرے قفس میں اے صیاد | ہوس بال و پر نہیں ہوتی
وصل میں یہ بلا بھی ہوتی ہے | رات پچھلے پہر نہیں ہوتی
سر کو ٹکرا کے ہم نے دیکھ لیا | غم کی دیوار در نہیں ہوتی
صبح فرقت ہو شام کیا ممکن | میرے گھر دو پہر نہیں ہوتی
آہ کا پیچ و تاب دیکھو تو | ایسی موج شرر نہیں ہوتی
ہم نے دیکھا ہے ان حسینوں کو | ہوتے ہیں بل، کمر نہیں ہوتی
بنتی ہے کہکشاں بوقت خرام | رہگزر رہگزر نہیں ہوتی
گل و بلبل صبا کو یکساں ہیں | وہ اِدھر یا اُدھر نہیں ہوتی
موت جو بے بُلائے آتی ہے | وہ بھی ہم سے خبر نہیں ہوتی
دن چڑھے تک حسین سوتے ہیں | ان کے گھر بھی سحر نہیں ہوتی

جائیں گے آستان اعلیٰ پر[1]
اے ریاضؔ اب بسر نہیں ہوتی

یہ کوئی بات ہی سُنتا نہ باغباں میری | کہاں اثر میں وہ ڈوبی ہوئی فغاں میری
چلی ہے آج سُنانے انھیں فغاں میری | الٰہی ضرور یہ کٹوائے گی زباں میری
ہلی زبان کہ بجلی ہے پھر فغاں میری | خدا کرے نہ قفس میں کھلے زباں میری
وہ زلف کھول کے شرمائیں غیر کے گھر آج | کچھ اس ادا سے شب غم ہو میہماں میری

---

[1] مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

مجھے یہ ڈر ہی نہ پھولے پھلے بہار میں یہ
جھکی ہوئی ہے بہت شاخ آشیاں میری

غضب کا درد قیامت کا ہی اثر اس میں
خدا کسی کو نہ سنوائے داستاں میری

یہ دیر میں نہیں بجتے ہیں خود بخود ناقوس
حرم میں گونج رہی ہے بتو اذاں میری

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو
یہاں سے تو نہیں سنتا ہی آسماں میری

کسی کے آنے کا اب انتظار کون کرے
پکارتی ہے مجھے مرگِ ناگہاں میری

کہے کہے نہ کہے کوئی مجکو کیا اس سے
سُنیں سنیں نہ سنیں آپ داستاں میری

وہ بولے حشر میں کُھل کھیلنے کو کہتے ہیں
ستا رہی ہیں مجھے آج شوخیاں میری

نہ دستِ ناز میں لو تیغ اِس نزاکت سے
تمہارے بس کی نہیں جانِ ناتواں میری

زباں میں بھی اثر ہے مرے بیاں میں بھی
سُنیں نہ آپ مرے منہ سے داستاں میری

جو بوسہ وصل میں مانگوں تو دیں سزا مجکو
جو لب ہلاؤں تو وہ کاٹ لیں زباں میری

میں ناتواں بھی گیا آج بام تک اُن کے
یہ زار تھا کہ مجھے لے اُڑی فغاں میری

شراب میں ہے بس توبہ جو مانگوں بھولے سے
تو مَے فروش کہے نذر ہے دکاں میری

کچھ اب کی باغ میں اس دھوم سے بہار آئے
نہ باغباں کی سنوں میں نہ باغباں میری

جو یہ کہا ہو مری آئی تجکو آ جائے
مجھے نصیب نہ ہو نیند پاسباں میری

پیامِ موت کا ہے یاد اُنہیں مری کیسی
کچھ آج اور ہی کہتی ہیں ہچکیاں میری

وہ بولے ابرو و مژگاں کو کیا ہوا شبِ وصل
دھری رہی یونہی ناوک مرے کماں میری

اُٹھاؤں عفو کی لذت بھی لطفِ عصیاں بھی
مرے کریم یہ تقدیر ہے کہاں میری

ستانے والے کو کچھ قدر ہو ستانے کی
اُنہیں ستائے جو مانے یہ آسماں میری

وہ میں ہوں آج زمانے کو ناز ہے جس پر
ریاضؔ دھوم ہے جس کی وہ ہے زباں میری

کوچۂ یار میں جائیں گے یہ ہم سے پہلے
اُٹھتے ہیں نقشِ قدم آج قدم سے پہلے

چونکے ہیں حشر میں ہم اہلِ حرم سے پہلے
شیخ فردوس میں کیا جائے گا ہم سے پہلے

کام لیتے وہ کرم سے تو ستم ہو جاتا
خیر گزری کہ پڑا کام ستم سے پہلے

بزم آرائیوں کے کس نے سلیقے سکھلائے
ہم سے گزرے ہیں بہت خسروِ جم سے پہلے

جس کسی بزم میں دورِ مے و مینا دیکھا
ہم پہ مست جھکے ابرِ کرم سے پہلے

پھیر لی آنکھ یہ سنتے ہی بتِ کافر نے
ہم تھے مانوس غزالانِ حرم سے پہلے

مُنہ دکھائے ہمیں دنیا کی مسرت اب کیا
کیوں ملے کھول کھول ہم ترے غم سے پہلے

محفلِ مے میں ہیں زاہد کے فرشتے بھی شریک
یہ تکلف تو نہ تھے بزم میں ہم سے پہلے

ہوتی ہے حشر میں بھی لذتِ غفلت محسوس
ہم عجب خواب میں تھے خوابِ عدم سے پہلے

بوجھ ہم دل کا اُٹھائیں گے یہ کہتی تھی نگاہ
تیری انداز تھے کچھ اور ستم سے پہلے

میکدے سے جو گیا میں تو سویر گیا
اب کی جاؤں تو ملوں اہلِ حرم سے پہلے

ہم نے آنکھوں میں لیا اور جگہ دی دل میں
کوئی ہم سا نہ ملا غم کو بھی ہم سے پہلے

میری توبہ نے خرابات بنایا اُس کو
میکدہ باغِ جناں تھا مرے دم سے پہلے

صدقے شوخی کے ڈرتا ہوں دمِ وعدۂ وصل
لب پر آجائے تبسم نہ قسم سے پہلے

آج سر پر لئے میخانہ ریاضؔ آتے ہیں
کوئی کہہ آئے ذرا اہلِ حرم سے پہلے

ہو عیاں جب سوزِ دل آواز سے
کام لیں کیا پردہائے ساز سے

شرم ٹپکے پھر نگاہِ ناز سے
ایک بوسہ پھر اسی انداز سے

کیا بنے ہیں کیا بنایا ہی انھیں
ہے خدا واقف بتوں کے راز سے

کام آیا گوشۂ میدانِ حشر — لے گئے بازی ہم اُس غماز سے

ہم چھٹے لیکن قفس سے کب چھٹے — بال و پر جب رہ گئے پرواز سے

توڑ کر دل سنئے آوازِ شکست — یہ نہیں ملتی کسی آواز سے

باتیں بڑھ بڑھ کر بنائی ہیں بہت — سحر کار آنکھیں لبِ اعجاز سے

کہہ گئی پنبہ دہن مینا کو آج — حضرتِ واعظ دبی آواز سے

دل یہ جانے میں بھی کوئی چیز ہوں — لیں ادا سے ناز سے انداز سے

پاس تھا ناقوس بھی موقع نہ تھا — دی اذاں یہ میٹھی ہوئی آواز سے

طور سے پہلے بھی دیکھا ہے تجھے — کان ہیں کچھ آشنا آواز سے

میں طلسمِ ہستیِ موہوم ہوں — بےخبر انجام سے آغاز سے

میکشوں میں رند حق بیں ہیں ریاضؔ

آپ واقف ہیں خدا کے راز سے

قیامت ہے کس کی اٹھائی ہوئی — یہ آفت ہے سب ان کی لائی ہوئی

اکیلی لحد میں ہے آئی ہوئی — قیامت بھی ہے کھیلی کھائی ہوئی

اُڑائیں گے وہ خاک میرے لیے — بڑی وقت اُن سے صفائی ہوئی

جو منہدی لگانا نہیں جانتے — یہ ہے آگ انہیں کی لگائی ہوئی

تری بزم میں ہم بُرے کیوں بنے — وہ کیا ایسی ہم سے بُرائی ہوئی

یہ کاہے کو آتی مری قبر میں — قیامت ہے اُن کی ستائی ہوئی

نہ کام آئے نالے نہ دل کی تڑپ — کسی کی نہ ان تک رسائی ہوئی

ہوا کیا پڑا آئینہ بیچ میں — یہ تھا کون کس سے لڑائی ہوئی

ہنسی میں اُڑاتے وہ کیا میری بات — کہو دب گئی لب تک آئی ہوئی

نہ کہنا عدو سے کوئی دل کی بات — جہاں منھ سے نکلی پرائی ہوئی

عدو کو دمِ ذبح وہ لائے ساتھ — اُسے آگئی میری آئی ہوئی

دکھاؤ نگہ کی جو تم شوخیاں — پھرے برق بھی تلملائی ہوئی

نہیں آتشِ طور دل کی لگی — بجھے گی نہ اُن کی لگائی ہوئی

خدا اپنے بندوں کی سہتا اگر — تو سُنتے بتوں کی خدائی ہوئی

مری قبر پر آکے میکش پئیں — گھٹا حسرتوں کی ہے چھائی ہوئی

یہی تو مری جان کا ہے عدو — سب آفت ہے اس دل کی لائی ہوئی

اُڑا اور ریاضؔ اُٹھ کے بوتل کے کاگ
گھٹا کب سے ہے آج چھائی ہوئی

گلوں کے پردے میں شکلیں ہیں مہ جبینوں کی — یہ ڈالیاں ہیں کہ ہیں ڈولیاں حسینوں کی

یہ آستینیں نہیں ہیں چنی ہوئی ظالم — بلائیں لی ہیں نگاہوں سے آستینوں کی

کسی کے جلوے سرِ عرش چھپ نہیں سکتے — کہ دور رس ہیں نگاہیں بلند بینوں کی

پسِ فنا بھی نہ خالی رہیں یہ قصرِ رفیع — نہ ہوں مکیں تو قبریں رہیں مکینوں کی

کس انتہا کی نزاکت ہے میرے شعروں میں — نظر لگے نہ کہیں ان کو نکتہ چینوں کی

جو نیند آئے تو یوں آئے موت آئے تو یوں — ہماری سامنے شکلیں ہوں مہ جبینوں کی

ہم اپنے ملکِ سخن کو وسیع کرتے ہیں — ہمیں تلاش ہے ہر دم نئی زمینوں کی

انھیں غرض مری باتیں کھڑی کھڑی سن لیں — سنیں گے بیٹھ کے وہ اپنے ہم نشینوں کی

کہاں وہ چاندنی راتیں وہ چاند کے ٹکڑے — نہ اب وہ ہم ہیں نہ شکلیں ہیں مہ جبینوں کی

اُترتے ہیں نئے مضموں جو آسماں سے ریاضؔ
تلاش رہتی ہے ہم کو نئی زمینوں کی

ہجر کی شب کس قدر تیرہ مرے اللہ ہے
راہِ دل بھولی ہوئی یادِ بتِ گمراہ ہے

اے جنوں کم برگ گل سے مجکو سنگ راہ ہے
زور بازو ہو اگر تو کوہ مثلِ کاہ ہے

توبہ توبہ بادہ نوشو دز دمیخانہ کہاں
معتکف مسجد میں کوئی پیر حسن آگاہ ہے

غم نہیں تیری درازی کا مجھے ای روز ہجر
ہوں چراغ صبح میری عمر تو کوتاہ ہے

چومیں گے ہم سنگ اسود چھوڑ کر روئے بتاں
عقل پر پتھر پڑیں اب عزم بیت اللہ ہے

کعبے جاتے میکدے تک بس پہنچنا چاہیے
پھر وہاں سے تو خدا کے گھر کی سیدھی راہ ہے

خون تیرے ساتھ تیری آرزوئیں بھی ہوئیں
اے دلِ مرحوم تیرا حادثہ جانکاہ ہے

مست اپنے حال میں ہر ایک آتا ہے نظر
میکدے میں جا کے دیکھو جو گدا ہے شاہ ہے

ہو کا عالم بولتی ہے پتی پتی دشت کی
رات تیرہ ایک میں ہوں یا میرا اللہ ہے

کوئی دیکھے اُس کی جنبش سر کی گردش وقت وعظ
طرۂ دستارِ واعظ بھی دُمِ روباہ ہے

طور پر ہم دیکھ آئے خاک اُڑاتی ہے وہاں
کوئی برقِ حسن کی اب اور جولانگاہ ہے

جیتے جی کم بخت کے دھندوں سے چھٹکارا نہیں
کوئی ہو دنیا کا جھگڑا جان کے ہمراہ ہے

سن رہا ہے کس طرح واعظ مرے رندانہ شعر
مجکو دل میں کوستا ہے اور لب پر واہ ہے

یہ بڑھائے گا خلش میری لئے کیا اے جنوں
کوئی نازک سی رگِ گل ہے کہ خارِ راہ ہے

جانے والی عرش کی پہنچی نہ ان کے بام تک
آخر ایسی کیا گئی گزری ہماری راہ ہے

اس کو یہ سمجھا دیا اس کی نزاکت نے کہیں
آرزوئے وصل جس کو ہو ترا بدخواہ ہے

مثلِ ایماں دل میں رکھا ہے بتِ کافر تجھے
تو نہیں آگاہ ہے میرا خدا آگاہ ہے

آسماں سے وہ اگر آتی ہے تو یہ بام سے — عشق کیا ہی عشق بھی اک آفتِ ناگاہ ہے
شعلہ اس کا ڈال دے گا آسماں تک اک لکیر — بجلیاں لیں گی بلائیں یہ ہماری آہ ہے
ہم سیہ کاروں کا بھی اے شیخ بن جا رہنما — بہہ رہی ہے جوئے مے بتلا دی کتنی تھاہ ہے
خیر گزری دل پھرا یہ کہہ کے کوئے زلف سے — کالے کوسوں منزلِ مقصود تیرہ راہ ہے
کی جو سرتابی تو پیوندِ زمیں ہو جائے گا — اے فلک یہ بارگاہِ ساحرِ ذی جاہ ہے[1]
نور افشاں ذرۂ خاکِ قدم ہیں رات دن — نقش پا ہر ایک دن کو مہر شب کو ماہ ہے
میں بہت نزدیک ہوں گو ہوں درِ دولت سے دور — کوئی کہہ دے کون مجھ سا بندۂ درگاہ ہے
سوئے دامن ہاتھ ادب سے میں بڑھا سکتا نہیں — دامنِ دولت تو ہے قسمت مری کوتاہ ہے
مہرباں سرکار میں ہر چند ناکارہ ہوں میں — کام میرا کچھ نہیں ہے مفت کی تنخواہ ہے

وسعتِ دامانِ دولت مجھ سے کہتی ہے ریاضؔ
میں تو سب کچھ ہوں مگر قسمت تری کوتاہ ہے

پردہ کس امر کا ہے اب اس بدنصیب سے — کہیے تو بات رات کی کہہ دوں رقیب سے
دیکھے جو دل کے داغ تو بولے رقیب سے — ملتے ہیں ایسے چاند کے ٹکڑے نصیب سے
چہلیں ہیں مجھ غریب سے چھیڑیں رقیب سے — پڑتا ہے کام دیکھیے کس خوش نصیب سے
اس مرتبہ جنوں میں یہی مشغلہ رہا — دے دے کے پھول داغ لیے عندلیب سے
تم ہو کلیم دیکھنے والوں میں دور کے — لوٹے ہیں ہم نے یار کے جلوے قریب سے
اچھے ہیں اک جہان سے اس کے مریضِ عشق — ان کو دوا سے کام نہ مطلب طبیب سے
کم بخت کی زبان سے نکلی ہے کوئی بات — کلیاں ہیں منہ پھلائے ہوئے عندلیب سے

[1] سرمہاراجہ بہادر محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔

واعظ تری بہشت کا ہم جانتے ہیں حال
دلچسپیاں بڑھا نہ بیانِ عجیب ہے

جو بد مزاج دے نہ تسلی مریض کو
اچھا ہے اشتدادِ مرض اس طبیب سے

کانٹوں کے بدلے پھول چنے کس نے اے جنوں
سُن آئے ہیں چمن میں وہ کچھ عندلیب سے

کافر ترے سوا جو کسی کی ہو آرزو
ہم دور ہوں خدا سے خدا کے حبیب سے

اس ضعف میں یہ چال ہے ملتی نہیں اُسے
چلتی ہے چال نبض ہماری طبیب سے

اللہ رے خلوص کہ منزل ابھی ہے دور
غربت کی شام آکے ملی مجھ غریب سے

دبتی ہے یہ ضرور جو خود بیٹھتی ہے وہ
جھکتی ہے شاخِ گل بھی ذرا عندلیب سے

پوشیدہ دل میں ہے کسی پردہ نشیں کا عشق
دردِ نہاں کا حال کہوں کیا طبیب سے

تجھ میں پڑی ہے جان ہماری پڑی بھی رہ
اے آرزو نہ جا دلِ حسرت نصیب سے

لائی کچھ ان کے واسطے کچھ اپنے واسطے
گلبن سے پھول داغ لئے عندلیب سے

سر بھی سبوئے سر بھی بچا آج بال بال
زاہد نے بڑھ کے کام لیا تھا جریب سے

دن دوپہر نہ آج ہوا اندھیر تو سہی
گزریں ذرا وہ حشر میں میرے قریب سے

بل گیسوؤں سے بڑھ کے جبیں پر پڑے ہوئے
کوئی یہ جانے آئے ہیں لڑ کر رقیب سے

دنیا کی کوئی بات نہیں جانتے ریاضؔ
اِک شخص ہیں ریاضؔ بہت ہی غریب سے

اللہ دل وہ دے خلشِ افزا کہیں جسے
اتنا تو ہو کہ خارِ تمنا کہیں جسے

اب زلفوں والے گیسوؤں والا کہیں جسے
آئینے میں وہی ہے کہ تجسا کہیں جسے

واقف ہیں وہ جو روزِ قیامت کے طول سے
وعدہ کیا ہے وعدۂ فردا کہیں جسے

لے لیں گے سستے داموں کوئی دے جو دل سی چیز
یہ جنس وہ ہے مفت کا سودا کہیں جسے

حاصل اگر ہوئی بھی تو حاصل نہیں ہے کچھ
بے اعتبار چیز ہے دُنیا کہیں جسے

کہیئے تو پھینک آئیں اسے کوئے غیر میں
یہ دل وہ ہے کہ راہ کا کانٹا کہیں جسے

متوالے پن کا ہائے یہ عالم شباب میں
اے مست نازنشۂ صہبا کہیں جسے

وہ درد کی چمک ہی کہیں جس کو برقِ طور
دل کا ہے داغ دیدۂ موسیٰ کہیں جسے

رندانِ مے پرست کا طاعت کدہ ہے اور
کعبہ جسے کہیں نہ کلیسا کہیں جسے

آئی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی
ہم رند سُن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

میرے سوا زمانے میں کوئی نہیں ریاضؔ
اہلِ کمال شاعرِ یکتا کہیں جسے

بھٹکا ہوا خیال ہے عقبیٰ کہیں جسے
بھولا ہوا سا خواب ہے دنیا کہیں جسے

وہ موجِ آبِ اشک ہی دریا کہیں جسے
گوشہ ہے دل کا دامنِ صحرا کہیں جسے

ظالم کی آرزو نے جگہ لی ہی اس طرح
دل میں چبھا ہوا کوئی کانٹا کہیں جسے

دیکھے شبِ فراق میں کوئی تو ہم دکھائیں
دل کا وہ داغ چاند کا ٹکڑا کہیں جسے

ساقی وہ موج اٹھے ترے پُر نور جام سے
سب طور والے برقِ تجلّا کہیں جسے

رہتا نہیں ہی ہوش جب آتی ہے فصلِ گُل
یہ بھی ہے کوئی شوق کہ سودا کہیں جسے

اِن آرسی کے دیکھنے والوں کو کیا پرکھ
اچھا ہی وہ حسین ہم اچھا کہیں جسے

کیا آئے ہم جو آئے بھی تربت سے حشر میں
یوں اُڑ کے خاک آئی بگولا کہیں جسے

اے شیخ تیرے سر کے سوا دو سرا نہیں
ایسا سُبو کہ رند اچھوتا کہیں جسے

اُٹھ جائے وہ بھی آنکھ سی آنکھوں کے دیکھتے
اے پردے والو آنکھ کا پردا کہیں جسے

دل ہے وہ مجھ غریب کا یا عندلیب کا
کانٹوں میں پھول پھولوں میں کانٹا کہیں جسے

وہ ورد میں چمک کہ بنے بڑھ کے برق طور ۔۔۔ دل میں وہ داغ چشم تماشا کہیں جسے

جی چاہتا ہی آنکھوں میں اپنے لئے پھروں ۔۔۔ ٹکڑا وہ دل کا دامن صحرا کہیں جسے

ہر اشک غم کو جانئے اک دل بجائی خود ۔۔۔ دل کی ہے موج دامن دریا کہیں جسے

گلزار میں وہ پھول ہی جس کا ہی نام مے ۔۔۔ زاہد وہ سبز باغ ہے مینا کہیں جسے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت

کافر ریاضؔ پیر کلیسا کہیں جسے

میں اُٹھا رکھوں نہ کچھ ان کے لئے ۔۔۔ یہ حسیں مل جائیں دو دن کے لئے

وعدۂ فردا کے سچے مل گئے ۔۔۔ اب اُٹھا رکھوں میں کس دن کے لئے

کل کے وعدی پر نہ دے وہ میفروش ۔۔۔ جس نے توڑی ہم سے گِن گِن کے لئے

قورمۂ مرغ سحر کا وصل میں ۔۔۔ بھیج دیتا ہوں مو ذّن کے لئے

یہ نہ کہنے کو ہو بے گنتی دیئے ۔۔۔ میں نے بوسے ان کے گن گِن کے لئے

منہ جھُلسنے کو خزاں کا عندلیب ۔۔۔ آشیاں میں بیٹھے ہیں تنکے لئے

میکشو واعظ مرے سر ہو گیا ۔۔۔ کوئی تدبیر اس پڑھے جن کے لئے

یہ ریاضؔ ان کے بہت تھے منہ لگے

اُٹھ رہا کیا آج کچھ دن کے لئے

کیوں جوانی آئی دو دن کے لئے ۔۔۔ دن گنے جاتے تھے اس سن کیلئے

حرص مے مجکو نہیں لے میفروش ۔۔۔ ایک خم کافی ہے دو دن کیلئے

یہ بھلے سب سے ہمارے واسطے ۔۔۔ ہم بُرے کن کے لئے اُن کیلئے

چھیڑ میری دیکھنا وقتِ اذاں　　کان چھپکے سے موذن کیلئے
تو بتا دے تیرے ہونٹھوں کے نثار　　بوسے کیوں کر تیرے گن گن کیلئے
ہے فرشتوں کی برابر عمرِ حور　　کیا تمنا ایسی کمسن کیلئے
دیدۂ و دل پھوٹ کر روتے ہیں کیوں　　جھینکتے تھے ہم اسی دن کیلئے
ہم نے اپنے آشیاں کے واسطے　　جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

تم جوانی کے مزے لوٹو ریاضؔ
عیب بھی زیبا ہے اس سن کیلئے

دل میں چبھ جائے وہ کانٹا چاہیئے　　دل میں بس جائے وصحرا چاہیئے
اس کی رحمت کا سہارا چاہیئے　　یہ سہارا ہو تو پھر کیا چاہیئے
تیرے صدقے کیا کہا کیا چاہیئے　　اک حسیں پہلو میں تجھسا چاہیئے
آدمی قسمت کا اچھا چاہیئے　　قسمت اچھی ہو تو پھر کیا چاہیئے
لے کے دل محرم میں رکھا پھر کہا　　ایسے نا محرم سے پردا چاہیئے
ہے لباسِ پارسائی پردہ پوش　　زیرِ دامن جامِ صہبا چاہیئے
حُسن پر حُسنِ تبسم جانِ حُسن　　جب ہنسیں منہ چوم لینا چاہیئے
بھولی بھولی ہے بہت تصویرِ یار　　کیجئے پیار اس کو جتنا چاہیئے
چھیڑنا کافر بتوں کا ہے ثواب　　جب ملیں ان کو ستانا چاہیئے
جوشِ وحشت کا ٹھکانا اب نہیں　　ساتھ میرے ایک صحرا چاہیئے
تھی جوانی عیشِ دنیا کے لئے　　ہے بڑھاپا فکرِ عقبیٰ چاہیئے
گیسوؤں والو گرہ سے کچھ تو دو　　لے کے دل بوسہ تو دینا چاہیئے

دن تو ہے دنیا کے دھندے کے لئے شام ہوتے جام و مینا چاہیئے
جو نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن وہ ہو جو نہ ٹوٹے وہ سہارا چاہیئے
گُدگُداتا ہو جنہیں جن کا شباب ایسے معشوقوں کو چھیڑا چاہیئے
باغباں مجھ آشیاں برباد کو پاؤں دھرنے کا ٹھکانا چاہیئے
دل دیا میں نے تو جھنجلا کر کہا دل نہیں تیرا کلیجا چاہیئے
بام پر کوئی ہے کوئی عرش پر سامنا کس کو ہو دیکھا چاہیئے
نزع میں سب مشکلیں آسان ہیں حلق سے دو گھونٹ اُترنا چاہیئے
تیس روزوں کا ہے حاصل صبحِ عید آج تو پینا پلانا چاہیئے
جھوٹے سچے جب کریں اقرارِ وصل منہ بتوں کا چوم لینا چاہیئے
چل گیا مسکی ہوئی محرم سے کام اے نگاہِ شوق اب کیا چاہیئے
وہ بھی نازک اور نازک وقت بھی کیا ہو صبحِ وصل دیکھا چاہیئے

دل کے بدلے میرے پہلو میں ریاضؔ
اک حسیں اچھے سے اچھا چاہیئے

جو اپنے گھر سے آیا ہی تو یہ رنگِ حیا کیوں ہے تری صدقے یہ شرمائی ہوئی تیری ادا کیوں ہے
وفا سے ضد تجھے اے دشمنِ اہلِ وفا کیوں ہے مزا ملتا ہی کیا اس میں یہ اندازِ جفا کیوں ہے
حنا اس نے لگائی تھی کہ تم نے پاؤں میں اپنے مری کوچے میں آتش زیرِ پا ہر نقشِ پا کیوں ہے
وہ آتا ہی تو اس کو پاس آنے نہیں دیتی اثر سے آج کچھ روٹھی ہوئی میری دعا کیوں ہے
جو اپنے دردِ دل کی وجہ کچھ پوچھی تو وہ بولے مری جانے بلا کیا ہو مری جانے بلا کیوں ہے
میں کہتا ہوں کسی کا کیا گلا شکوہ ہی قسمت کا وہ کہتے ہیں مرے ہوتے مقدر کا گلا کیوں ہے

کہیں ماتم میں وہ تھی یا کسی نے ہاتھ چومے تھے — یہ تیری رنگ میں اتنی اُداسی اے حنا کیوں ہے

مرے دل کی تڑپ نے کیا قیامت ڈھائی محشر میں — الٰہی مضطرب ان کی نگاہِ فتنہ زا کیوں ہے

بتانِ شوخ کے ہاتھوں سے اس کا کام چلتا ہے — سلامت دست و پا ان کے حنا بے دست و پا کیوں ہے

جلادا من کبھی تیرا کہ منہ جھلسا کبھی اس نے — تجھے شمعِ لحد سے لاگ اے بادِ صبا کیوں ہے

گِلے شکوے ہوا کرتے ہیں رسم و راہ ہونے پر — تعلق ہی نہیں ان سے تو پھر ان کا گِلا کیوں ہے

دلِ ناداں تجھے آتا نہیں باتیں بنانا بھی — بھلائی کر کے میری تو حسینوں سے بُرا کیوں ہے

ہٹا کر مُنہ سے آنچل جن کے بوسے روز لیتے تھے — کفن منہ سے ہٹا کر پوچھتے ہیں تو خفا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں لبِ گلرنگ تو نے کس کے چومے ہیں
ریاضؔ اشعارِ رنگیں میں ترے اتنا مزا کیوں ہے

کس کی نگاہ لڑ گئی کس کی نگاہ سے — طوفان بجلیوں کا اُٹھا جلوہ گاہ سے

ہم مل گئے جو خاک میں نیچی نگاہ سے — فتنے بھی اُلٹے پاؤں پھرے اُن کی راہ سے

آگاہ تھے نہ دل سے نہ وہ دل کی آہ سے — اک شئے پڑی ہوئی تھی اٹھا لائے راہ سے

یہ میکدے کی بھیڑ یہ انبوہ یہ ہجوم — ہم تو نکل کے کھوئے گئے خانقاہ سے

قسمت کے پیچ مٹ نہیں سکتے کسی طرح — یہ بل نکل کے آئے ہیں زلفِ سیاہ سے

ساتھ ان کے لاکھوں فتنۂ خوابیدہ ہو لیے — اک حشر اٹھا جب اُٹھ کے چلے خوابگاہ سے

آئی تھی کس غرور سے تیری گلی میں وہ — کیا کیا قیامت آج دبی گردِ راہ سے

ہٹتے ہو تم نہ آگے سے ہٹتا ہے آئینہ — کس پر بنی ہے آج یہ کس کی نگاہ سے

یوں دل دکھا رہے ہیں ملا کر وہ خاک میں — ٹھکرا رہے ہیں قبر کو پائے نگاہ سے

توبہ شکن یہ کون ہوا خم سے ہم کنار — کیا کیا ملی ہے ٹوٹ کے توبہ گناہ سے

یہ ایک لطف لاکھ ستم کا جواب ہے — محشر میں ہنس کے کہہ گئے کچھ داد خواہ سے
اختر[1] کو اپنی آنکھ کا تارا بنائیں گے — امید ہے یہ داغ فلک بارگاہ سے
یہ ہاتھ بڑھ کے ڈالتی ہے سوتے جاگتے — مژگان بڑھی ہوئی ہے تمہاری نگاہ سے

وہ ناپڑا ریاض ہیں اس زمین میں
گھٹ کر رہے جلیل سخن دستگاہ سے

ہاتھوں کا آج کام لیا ہے نگاہ سے — آنکھوں میں رکھ کے لائے انھیں جلوہ گاہ سے
پھرتے ہیں کیسے حشر میں وہ ہنستے کھیلتے — کچھ داد گر سے کام نہ کچھ داد خواہ سے
دل سے گئی نہ لذّت عصیاں تمام عمر — کیا کچھ کیا مگر نہ بھرا جی گناہ سے
رکھا ہے ہم نے آنکھوں میں دل کو تمام عمر — دیکھے کوئی حسین نہ ترچھی نگاہ سے
کیوں جائیں کیوں سنیں ترے رباں کی گالیاں — در گزرے ایسے وضع سے ایسے نباہ سے
دامن اُٹھائے صبح قیامت ہے ساتھ ساتھ — آئے ہیں جلوہ گاہ میں وہ خواب گاہ سے
تم کو کبھی نہ چین سے سونا ہوا نصیب — دشمن کے گھر بھی نیند اُڑی میری آہ سے
بے موت کی یہ موت ہے اللہ کی پناہ — بچنا پڑا شباب میں ہم کو گناہ سے
ان کی گلی میں چل نہ سکی کچھ بھی حشر کی — فتنے ہمیشہ دب کے رہے گرد راہ سے
باتیں وہ بھیں شباب کی اب میکدہ کہاں — مسجد میں آرہے جو اُٹھے خانقاہ سے

شاید ریاض ہیں جو عصا ٹیکتے ہوئے
آئے ہیں میکدے میں ابھی خانقاہ سے

ہاتھ ٹوٹیں جو انہیں ہاتھ لگائے کوئی — وہ ستائیں مگر ان کو نہ ستائے کوئی

---

[1] ۔نواب اختر یار جنگ بہادر ۔

واعظ انگور میں ہی بنت عنب رو بہ نقاب
آنکھیں پھوٹیں جو اُدھر تاک لگائے کوئی

کس نے لب چوسی مسی ہونٹھوں کی کیا کہتی ہے
بات بگڑی ہوئی ہم سے نہ بنائے کوئی

بیکسی کہتی ہے یہ دیکھ کے تربت کا چراغ
آپ بجھ جائے گا اس کو نہ بجھائے کوئی

غیر کے ساتھ رہے آپکے درباں کا سلوک
میں نہیں وہ کہ مجھے آنکھ دکھائے کوئی

گھونٹ شربت کے ہیں واعظ یہ مئے تلخ کے گھونٹ
نشہ ہوتا ہی نہیں لاکھ پلائے کوئی

نازنیں کوئی سمائے نہ مری آنکھوں میں
میری آنکھوں میں نہ اس طرح سمائے کوئی

خم مے لے کے الگ بیٹھ رہا ہوں سب سے
ایک گوشہ میں جہاں آئے نہ جائے کوئی

بن گئے برق تبسم شررِ شمع تو کیا
ہم سے روتے ہوؤں کو آکے ہنسائے کوئی

کس کو دیکھا ہے جھلکتے ہوئے انگوروں میں
سایہ تاک میں ہی تاک لگائے کوئی

جیتے جی داغ دئے تھوڑی کسی نے مجکو
کیوں مری قبر پہ اب پھول چڑھائے کوئی

چین سے کوئی شب وصل یونہی سونے دے
نہ جگائے انھیں کوئی نہ ستائے کوئی

تم کہاں لے کے چلے ہو دلِ پُر داغ ریاض
اس کو گلدستۂ محفل نہ بنائے کوئی

حسینوں کا عالم نیا ہو رہا ہے
کہ جس بت کو دیکھو خدا ہو رہا ہے

نہ پوچھو دمِ حشر کیا ہو رہا ہے
بتوں سے ہیں چہلیں مزا ہو رہا ہے

لیا بڑھ کے محشر میں دامن تو بولے
انھیں کیا ہوا ہے یہ کیا ہو رہا ہے

کروں ترک اُلفت بھلا ہی اسی میں
زمانہ بہت ہی بُرا ہو رہا ہے

یہ حسن جوانی یہ عالم تمہارا
ہر اک دل ہی دل میں فدا ہو رہا ہے

اثر ان کی محشر خرامی کا ہے یہ
جدھر دیکھو فتنہ بپا ہو رہا ہے

پس توبہ میرا وہ ساغر اُٹھانا — وہ ناصح کا کہنا یہ کیا ہو رہا ہے

نہیں ظلم میں تجھ سے گردوں کو نسبت — بہت نام اونچا ترا ہو رہا ہے

یہ گھر کر رہی ہے کوئی چاندسی شکل — کہ داغ کہن پھر نیا ہو رہا ہے

نہ سونے دیا چین سے کس ذی‌ہبن نے — میں صدقے یہ میرا اگلا ہو رہا ہے

جواں ہو کے تم کیا نئے بن گئے ہو — ارے ایک زمانہ نیا ہو رہا ہے

وہ سوتے ہیں چوری چھپے ہاتھ رکھنا — وہ کہنا کسی کا یہ کیا ہو رہا ہے

اثر کام آئے ترے عہد میں کیا — وہ خود دعا عاشقوں کی دعا ہو رہا ہے

یہ زاہد بتوں کے ستائے ہوئے ہیں — کہ جب دیکھو ذکر خدا ہو رہا ہے

ستایا ہے میں نے حسینوں کو کیا کیا — جہاں جاؤ میرا اگلا ہو رہا ہے

ریاضؔ آ گئی موج کیا فصل گل میں
یہ چوری چھپے آج کیا ہو رہا ہے

رنج اس شوخ سے دل میں کوئی کیا رہنے دے — ضد ہے محشر میں رہ و رسم وفا رہنے دے

ساتھ شوخی کے کچھ آنکھوں میں حیا رہنے دے — یہ بھی اک چیز ہے او فتنہ ادا رہنے دے

عرش پر پاؤں تو پھیلائے بہت میں تو نے — اے اثر چین سے جب تجکو دعا رہنے دے

کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اُڑانے کے سوا — منھ نہ کھلوا مرا اے باد صبا رہنے دے

سیر دکھلائے گا یہ فتنہ رفتار کے ساتھ — دامن ناز سے دل کو بھی لگا رہنے دے

خم سے لے کے نہ اُڑ جائیگا اے پیر مغاں — ابر رحمت جو جُھکا ہے تو جھکا رہنے دے

حشر کے روز جفا پر یہی کام آئے گی — اپنی آنکھوں میں مروت بھی ذرا رہنے دے

مجکو ارمان منائے کوئی میرے دل کو — اُن کو یہ ہٹ کہ خفا ہے تو خفا رہنے دے

درِ میخانہ نہیں ہے یہ درِ کعبہ ہے — ہر جگہ چھیڑ تو اے لغزشِ پا رہنے دے

فتنوں پر ناز قیامت کو بہت ہے اے شوخ — اپنے قدموں سے ہمیں تو بھی لگا رہنے دے

سچ تو یہ ہے کہ مئے ہوش ربا ہے وہ چیز — آئے یاروں میں تو واعظ بھی ذرا رہنے دے

پھول جب رونقِ دامن ہیں تو کیا کام اس کا — میری مرجھائی ہوئے دل کو جدا رہنے دے

سامنے داورِ محشر کے زباں کھلتی ہے — پھر نہ کہنا گِلۂ جور و جفا رہنے دے

میری افتاد بہت رحم کے قابل ہے ریاضؔ
اپنے در پر کوئی مجکو بھی پڑا رہنے دے

پہلے کچھ آشیاں سے اُٹھتا ہے — پھر دھواں آسماں سے اُٹھتا ہے

آب و دانہ جہاں سے اُٹھتا ہے — آشیاں بوستاں سے اُٹھتا ہے

جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے — جیتے جی وہ جہاں سے اُٹھتا ہے

سرِ تربت اُٹھائیں لاکھ وہ حشر — کوئی خوابِ گراں سے اُٹھتا ہے

گُل کھلا اب نہ لے زمینِ چمن — پاؤں میرا یہاں سے اُٹھتا ہے

پینے والا سے صبوحی کا — کہیں پہلے اذاں سے اُٹھتا ہے

خم نہ کیوں کر اُبل پڑے واعظ — جوش دل میں بیاں سے اُٹھتا ہے

نہ اُٹھا حشر بھی یہیں کا ہوا — کون کوئے بتاں سے اُٹھتا ہے

لے کے جائے گا کچھ یہاں سے شیخ — نہیں مے کی دکاں سے اُٹھتا ہے

کوئی مرغِ قفس ہے گرم نوا — شعلہ اک آشیاں سے اُٹھتا ہے

اُٹھتی ہے اب جہاں سے مے کی طرز
کہ ریاضؔ اب یہاں سے اُٹھتا ہے

دل ڈھونڈتی ہے نگہ کسی کی — آئینے کی ہے نہ آرسی کی
مالک مرے میں نے میکشی کی — لیکن یہ خطا کبھی کبھی کی
کیا شکل ہے وصل میں کسی کی — تصویر ہیں اپنی بے بسی کی
کھل جائے صبا کی پاک بازی — بو پھوٹے جو باغ میں کلی کی
کم بخت کبھی نہ خوش ہوا تو — اے غم تری ہر طرح خوشی کی
منہ ہم نے ہنسی ہنسی میں چوما — جو ہو گئی بات، تھی ہنسی کی
تاناساتنا ہے میکدے میں — پگڑی اُچھلی ہے شیخ جی کی
ہم کو جو دیا تو اور کا دل — دل لے کے یہ اچھی دل لگی کی
یوں بھی تو چلا نہ کام اپنا — دشمن سے بھی ہم نے دوستی کی
پائے گئے جس میں دل کے اجزا — ہو گی وہ خاک اسی گلی کی
ایسی ہے کہ پی سکے گا واعظ — ہے تازہ کشید آج ہی کی
مے خلد میں ہو گی صورتِ حور — میخانے میں شکل ہے پری کی
گھر ہے نہ کہیں نشاں لحد کا — مٹی ہے خراب بے کسی کی
سچ یہ ہے کہ زندگی ہو یا موت — ہر چیز بری ہے مفلسی کی
اچھی ہے گزک سے تلخ مے سے — ملتی رہے روز روکھی پھیکی

کچھ کچھ ہے ریاض میر کا رنگ
کچھ شان ہے ہم میں مصحفی کی

یادِ گیسو میں کچھ اُلجھن جو سوا اور ہوئی — کیا شریکِ شبِ غم کوئی بلا اور ہوئی
تو نے چھوٹی جو مئے ناب مجھے دی ساقی — وہ یونہی تیز تھی اب ہوش رُبا اور ہوئی

اے اسیرانِ قفس اڑ گئی گلزار میں خاک — چار ہی روز میں گلشن کی ہوا اور ہوئی

ہاتھ ٹوٹیں مرے کیوں ہاتھ لگایا میں نے — سخت اب تو گرہ بندِ قبا اور ہوئی

پھر گئی چاند سی صورت جو مری آنکھوں میں — گھر کے گھری شبِ ہجراں میں گھٹا اور ہوئی

دام سے چھوٹتے ہی بادِ مخالف نے لیا — جس قدر تیز اڑے تیز ہوا اور ہوئی

بوسہ لینے سے وہ بگڑے تو بلائیں لے لیں — ایک تو ہو ہی چکی تھی یہ خطا اور ہوئی

بھولے بیٹھے تھے مجھے یاد مری کیوں آئی — شاید ایجاد کوئی طرز جفا اور ہوئی

آہ بلبل چمنستاں میں یونہی تھی بدنام — صحبتِ گل میں شریک آ کے صبا اور ہوئی

دلِ پرداغ نے کچھ درہم و دینار دیئے — گرم مٹھی تری لے زلفِ رسا اور ہوئی

لڑ گئے فتنۂ محشر سے ترے نقشِ قدم — اک قیامت تری کوچے میں بپا اور ہوئی

ایک جھونکے نے الٹ دی طرب انگیز بساط
اے ریاض آج سے دنیا کی ہوا اور ہوئی

چڑھی تھی ہم کو بھی نشہ میں چور ہم آئے — گئے کلیم تو اے برقِ طور ہم آئے

عدو تھا آپ تھے وہ بزم ہو کہ خلوت ہو — ضرور ہے یہ ہمارا قصور ہم آئے

یہ دار و گیر یہ لے دے یہ کشمکش یہ عذاب — لحد سے حشر میں اٹھ کر ضرور ہم آئے

تری گلی میں کسی کو ہماری چھان نہ ملی — کہ اپنے سائے سے بھی دور دور ہم آئے

ہم آئے حشر میں اس طرح سیر کرنے کو — کہ اپنے ساتھ لئے ایک حور ہم آئے

یہ در تو ہے در فرماں روائے ملکِ سخن — یہاں جھکائے سرِ پر غرور ہم آئے

وہ دن بھی آئے کہ ہم شاد شاد آ کے کہیں — نثار ہونے کو اب ای حضور ہم آئے

پہنچ کے شملے ملے ہم حضور بٹلر سے — وہیں سے نشہ میں اس طرح چور ہم آئے

ریاضؔ روح امیرؔ و اسیرؔ خوش ہوگی
جو لکھنؤ سے کبھی رام پور ہم آئے

ہمارے دل میں کوئی آرزو نہیں باقی
ہمارے پھول میں اب رنگ و بو نہیں باقی

بہت کہی دل ناداں عدو نہیں باقی
مرا عدو مرے پہلو میں تو نہیں باقی

تمہارے تیر کی اب آرزو نہیں باقی
ہوا ہے پیپ کلیجا لہو نہیں باقی

یہ میکدہ ہے کہ مسجد یہ آب ہے کہ شراب
کوئی بھی ظرف برائے وضو نہیں باقی

دھرا ہے کیا مرے گھر میں کہ محتسب لے گا
پُر از شراب وہ جام و سبو نہیں باقی

وہ رہ کے غیر کی صحبت میں ہو گئے کچھ اور
وہ بات پچھلی سی اگلی سی خو نہیں باقی

تھکا پڑا ہوں تو واماندگی یہ کہتی ہے
انہیں کسی کی بھی اب جستجو نہیں باقی

جو مے کی بوند نہ نکلی تو پڑ گیا پانی
بحال خویش سبو اب سبو نہیں باقی

ہماری آپ کی بات اُٹھ رہی ہے محشر پر
ہماری آپ کی کچھ گفتگو نہیں باقی

جو نکلے خار تو دامن سے سوئیاں اُلجھیں
جگہ ذرا سی کہیں بے رفو نہیں باقی

بڑھی ہے بات قیامت میں جھوٹے وعدے پہ
وہ منفعل ہے تو کچھ گفتگو نہیں باقی

یہ محتسب ہی عبث گھر کو سونگھتا پھرتا
کہ بوند بھر بھی مئے مشکبو نہیں باقی

ہوا ہے آئینے کے ساتھ عکس کو سکتا
کسی میں جان ترے روبرو نہیں باقی

بہیں شراب کے دریا تو ہم کو لطف نہیں
کہ سبزہ کچھ بھی لبِ آبجو نہیں باقی

بڑھی ہر پاک نہادی یہ بادہ نوشوں کی
کہ اب نماز میں قیدِ وضو نہیں باقی

ہماری آنکھ میں تاریک بزم عالم ہے
جو زیبِ بزم تھے وہ شمع رو نہیں باقی

ریاضؔ موت کو کیوں موت آئی جاتی ہے
ہمیں تو موت کی بھی آرزو نہیں باقی

کھنچ گئی تیغ جہاں پھر یہ بلا ہوتی ہے ۔۔۔ موجِ مے اُٹھتے ہی شمشیرِ جفا ہوتی ہے

حسن کو کچھ بھی نہیں حسنِ ادا سے نسبت ۔۔۔ ان حسینوں سے سوا ان کی ادا ہوتی ہے

نام ہی نام ہے پینے کا ہمارے لئے شیخ ۔۔۔ اُڑتے ہی کاگ یہ بوتل سے ہوا ہوتی ہے

شغلِ مے اور معاصی سے ہے اچھا زاہد ۔۔۔ غمِ دنیا سے فراغت تو ذرا ہوتی ہے

کچھ بھی ہو وہ نہیں ہوتیں کبھی رسوا کنِ حسن ۔۔۔ شرم ہوتی ہے جن آنکھوں میں حیا ہوتی ہے

پی ہوئی مے نہ مری ہونٹھ پر آجائے کہیں ۔۔۔ محتسب ڈر سے تری روح فنا ہوتی ہے

زاہدو ہاتھ اُٹھاؤ کہ گھٹائیں آئیں ۔۔۔ ڈوبی تاثیر میں رندوں کی دعا ہوتی ہے

خوب آتا ہے اُسے آگ لگانا دل میں ۔۔۔ بُری پر کالۂ آتش یہ حنا ہوتی ہے

نارسا ہوتی ہے وہ آہ جو پہنچے تا عرش ۔۔۔ بام تک ان کے جو پہنچے وہ رسا ہوتی ہے

کسی بدخو کی ہے تصویر بھی کتنی بدخو ۔۔۔ بے چھوئے چھیڑے یہ بے وجہ خفا ہوتی ہے

شادؔ[1] صاحب کو دعا دیں شعرا کیوں نہ ریاضؔ
آپ کی بزم میں قدرِ شعرا ہوتی ہے

نہ کھلتی سوگ کی حالت کبھی گیسوئے برہم سے ۔۔۔ یہ بو ہوئی مری پھولوں سی میری بزمِ ماتم سے

نہیں واں آپ میں رہنے کے سن ہیں چل نکلنے کا ۔۔۔ جوانی کی امنگیں جھانکتی ہیں چاکِ محرم سے

خداوندا نہ میرا گھر حسینوں سے رہے خالی ۔۔۔ اُدھر جائے کوئی چھم چھم سے ادھر آئے کوئی چھم سے

مصیبت میں شریکِ حال کس کا کون ہوتا ہے ۔۔۔ نکلتے ہیں چرا کر آنکھ آنسو چشمِ پُرنم سے

سلامت آستیں دامن اگر رہتے تو کیا ہوتا ۔۔۔ ٹپکتا ہی نہیں آنسو کوئی اب چشمِ پُرنم سے

ذرا سی جان اس پر ہر شکن تھی جان کی گاہک ۔۔۔ یہ دل ہی تھا جو نکلا گیسوؤں کے پیچ سے خم سے

[1] صدر اعظم دکن دام اقبالہٗ

خدا کی دین ہے اس سے ہمیشہ چھنتی رہتی ہے — ہماری صافی مے اچھی دامان کئے وجم سے

لحد کی خشک سبزی کی نظر ہے ابرِ رحمت پر — مجھے کیا پیاس اس کی قطرہائے اشک شبنم سے

عنادل گل بمنقار آ کر اس کے گرد رہتے ہیں
ریاضؔ آباد ہے کیسا قفس میرا مری دم سے

وہ رات مزے کی ہو جو ہو بات مزے کی — کلکتے میں گزری نہ کوئی رات مزے کی

آیا ہے چڑھا کر یہ کہیں سے سرِ منبر — ہے آج تو واعظ کی خرافات مزے کی

میں معتقدِ شیخ ہوں جاتا ہوں حرم میں — بلوائے جو حضرت کی کرامات مزے کی

ہر بوند مئے کوثر و تسنیم لئے تھی — میں خوش ہوں کہ اب کی ہوئی برسات مزے کی

رت رات کی جنت میں بھی ملنے کی نہیں ہے — سو بات کی یہ بات ہو تھی رات مزے کی

یہ کہہ کے مزے کی ہے مجھے زہر دیا کیوں — وہ شے بھی ایسی نہ ہو ہیہات مزے کی

اے پیرِ مغاں نیم نگہ مجکو بہت ہے — ڈھلتی ہے تری بزم میں دن رات مزے کی

کہتا تھا کوئی شیخ حرم سے بادب آج — بلوائیں مجھے قبلۂ حاجات مزے کی

ہر شعر مئے ناب سے بڑھ کر ہے مزے میں
ملتی ہے ریاضؔ آپ کو دن رات مزے کی

برسات کی رت لطف کی ہو رات مزے کی — بلوا دے مجھے پیرِ خرابات مزے کی

ساقی ترے آباد رہے نور کی محفل — ڈھلتی ہے تری بزم میں دن رات مزے کی

یہ ہے بس توبہ بھی اثر بنتِ عنب کا — ہم لاکھ میں کہدیں کہ ہے بدذات مزے کی

ساغر میں مئے ناب ہو آغوش میں تم ہو — باتیں ہوں مزے کی تو ہو برسات مزے کی

دل سے مرے بڑھ کر کوئی سوغات نہیں ہے — دل میں ہو کہ بھیجوں انھیں سوغات مزے کی

جانی ہوئی میری ہیں پرانی تری گھاتیں   صیاد کر ایجاد کوئی گھات مزے کی

کیوں رال ٹپک پڑی تہی ای حضرت ناصح   ہے بنت عنب قبلۂ حاجات مزے کی

ہے جام میں مے آب مطہر کے برابر   یہ ہے مے و زمزم میں مساوات مزے کی

دیوانوں کی باتوں میں بہت لطف ہی ناصح   ایسی ہی سنا تو بھی خرافات مزے کی

پھر اک شب تربت مری حسرت تو نکل جائے   ابتک نہیں گزری ہی کوئی رات مزے کی

لی ہاتھ سے لب سی بھی ریاض اس کی خبر خوب
ناصح سے رہی آج ملاقات مزے کی

ملتا ہے اس میں بوسۂ لب کا مزا مجھے   قربان تیرے اب نہ کبھی کو سنا مجھے

اس کی گلی کی وی نہ کسی نے ہوا مجھے   جو آئے وہ بتا کے گئے راستا مجھے

کرنا پڑے ہیں سجدے مجھے کوئے غیر میں   لے بیٹھے اپنے ساتھ ترے نقش پا مجھے

جس پر ازل میں تھی صف عشاق کی نگاہ   قسمت سے وہ ملا دل درد آشنا مجھے

برسا دے نور تو مری ریش سفید پر   منہ دیکھتا ہے کیا مرے ساقی پلا مجھے

کاہے کو یوں پڑا تھا کسی سخت جاں سی کام   اُن کی نظر سے دیکھ رہی ہے قضا مجھے

اہل حرم سے کہہ دو کہ بگڑی نہیں ہی بات   سب نہ جانتے ہیں ابھی پارسا مجھے

تصویر یار کہتی ہے خلوت میں اے ریاض
کیا ہو گلے سے تم جو لگا لو ذرا سب مجھے

اُنھیں کے کام الٰہی مرا لہو آئے   رنگیں جو ہاتھ لہو میں حنا کی بو آئے

مریض ہوش میں آئے نہ آئے تو آئے   جو تو نہ آئے تری گیسوؤں کی بو آئے

عتاب یار کا اس کے سوا جواب نہ تھا   ہم آئے تو لیے آئینہ روبرو آئے

دبی زبان سے میرا ابھی ذکر کر دینا
کلیم طور پر اُن سے جو گفتگو آئے

نہ جھوٹ بول کہ ہم شام سے کل آئیں گے
نہ کھا قسم ارے جھوٹے کبھی جو تو آئے

نماز ہوگی ادا دختِ رز کے دامن پر
ہماری بزم میں جو آئے باوضو آئے

طلب کئے کبھی ہم نے اگر پسِ توبہ
بہت بھری ہوئے ہم سے خم و سُبو آئے

اُترنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے
تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھوڑ آئے

گراں دماغ وہ ہیں بوئے گُل کی تیزی سے
نسیم کہہ دے ذرا ہلکی ہو کے بو آئے

نثار وصل کی راتیں اس ایک ساعت پر
ہم انتظار میں تیرے ہوں اور تو آئے

یہ جانتے ہیں کہ نکلا ہوا ہے نام اس کا
حسین حشر میں کیوں میرے روبرو آئے

کُھلے جو کوئی تو کُھل کر کسی سے باتیں ہوں
اُٹھے حجاب تو کچھ لطفِ گفتگو آئے

دلائے یاد جو وعدہ تو بولے جھنجلا کر
یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

کبھی کی پی ہوئی کام آئے آج حشر کے دن
خدا کے سامنے مے نوش سرخرو آئے

ریاضؔ بھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

لگانے باغ کہاں داغِ آرزو آئے
جہاں نہ پھول نہ پھولوں میں رنگ و بو آئے

چمن سے شیخ بھی اُٹھ کر کنارِ جو آئے
ہم آئے پینے کو مے وہ پیے وضو آئے

فغاں کا نام نہ لو اب یہ حال ہے میرا
خیال آئے تو منہ سے ابھی لہو آئے

سُنائیں ہم بھی اُسے کچھ جو کہہ چکے واعظ
وہ بیٹھ جائے تو مینا اُٹھے سبو آئے

تماشے ایسے تری آنکھ نے کہاں دیکھے
تری نگاہ میں کیا چشمِ آرزو آئے

کُھلیں نہ قبر میں جنت کی کھڑکیاں رندو
دماغ میں جو بسی ہے اُسی کی بُو آئے

وہ بزمِ ناز ہی اچھی کسی کی خلوت سے | سُنے یہ کون مری جان کے عدو آئے
مری نگاہ میں بھی کوئی بجلیاں بھر دے | کوئی چمک کے ذرا میرے روبرو آئے
بنے مرا وہ گریباں تری نزاکت سے | خدا کرے تہہِ خنجر مرا گلو آئے
ذرا دکھائیں ہمیں بھی تو کھینچ کر تصویر | کلیم خوش ہیں کہ وہ میری روبرو آئے
ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بے اجازتِ شیخ | ذرا یہ سر جو ہلا دے ابھی سبو آئے
لگائی ہم نے لبِ جو قطار مینا کی | لگانے سرو نئے ہم کنارِ جو آئے
نہ ہو یہ کہنے کو ہم نے کہے گئے واعظ | حرم کو جاتے ہوئے منہ بتوں کا چھو آئے

ریاضؔ آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا
کہاں یہ آج بزرگِ فرشتہ خو آئے

بڑھاپے میں بھی تو ظالم جوان ہے | ارے یہ آسماں پھر آسماں ہے
نشیمن میں سکوں ہم کو کہاں ہے | شرارِ برق شاخِ آشیاں ہے
زمیں پر بیضۂ مور آسماں ہے | بلند اتنا ہمارا آشیاں ہے
وہ ٹپکے یا نہ ٹپکے خون اس سے | پسند اپنا مجھے رنگِ فغاں ہے
یہ کیوں سب میکدے میں گردِ خم ہیں | یہ خم ہے یا کوئی اونچی دکاں ہے
بتانِ دہر ٹھکرائیں نہ ٹھکرائیں | یہ سر ہے اس کا سنگِ آستاں ہے
مری مے خواریاں ہیں گو مگو میں | مرا پینا بھی اک رازِ نہاں ہے
وہ دزدِ مئے جو کل شیخِ حرم تھا | وہ اب میخانے میں پیرِ مغاں ہے
بتائیں حال دل اپنا تمہیں کیا | خدا جانے ہمارا دل کہاں ہے
وصالِ غیر عبرت خیز ہو گا | شبِ وصل اب نصیبِ دشمناں ہے

عدو بیٹھا ہے لے کر قصۂ قیس　　یہ سننا تم ہماری داستاں ہے
یہ کہتی ہے ہماری تنگ دستی　　تمہارا اک زمانہ قدرداں ہے

ریاضؔ احساس ہی مجھ کو نہیں کچھ
یہ فصلِ گل ہے یا فصلِ خزاں ہے

تیز ہے پینے میں ہو جائے گی آسانی مجھے　　زمزمی سے دیدۂ زاہد تو ذرا پانی مجھے
دیکھنا نازک بھی ہیں کمسن بھی ہیں بھولے بھی ہیں　　شام سے سمجھا رہی ہے ان کی نادانی مجھے
بات بگڑی وصل میں بگڑی جو تو اے زلفِ یار　　کچھ پریشانی تجھے ہے کچھ پریشانی مجھے
ہاتھ اُٹھا کر رہ گئے، آنکھیں جھکا کر رہ گئے　　تیغ عریاں کی پسند آئی جو عریانی مجھے
بن گیا ہوں آئینہ اے جلوہائے برقِ طور　　مل گئی ہے ان کی آئینے کی حیرانی مجھے
آپ اُسے دربان بتائیں عذر مجھکو کچھ نہیں　　سونپئے گھر غیر کو اپنی نگہبانی مجھے
خوب روتا ہوں بگولوں سے لپٹ کر دشت میں　　یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے
فصلِ گل میں رنگ لایا ہے شبابِ دخترِ رز　　چھیڑتی ہے آکے راتوں کو یہ مستانی مجھے
بول اُٹھا جو بن کسی سے بھی نہیں دبتے کا میں　　سونپئے سرکار اب اپنی نگہبانی مجھے
راز سربستہ رہا کب چاکِ دامانی کا حال　　اے صبا دکھلا نہ اپنی پاکدامانی مجھے
وائے قسمت پڑ گئی کیسی گرہ تقدیر میں　　عقدۂ مشکل نظر آتی ہے آسانی مجھے
اب کہاں تقدیر میں ہیں گھونٹ شہد و شیر کے　　یاد آتی ہے کسی شے کی فراوانی مجھے
چشمِ رحم اے ساقیِ کوثر کہ اب ملتا نہیں　　تشنگانِ کربلا کے نام پر پانی مجھے
شاہ دوراں حضرتِ حامد علیخان[1] کے سوا　　کون ہے جس کی توجہ سے ہو آسانی مجھے

[1] نواب صاحب بہادر والی ریاست رام پور

روز افزوں ہو ترقی دولت و اقبال کی　　اور مل جائے درِ دولت کی دربانی مجھے

چاہتا ہے قیس سے اچھی رہے شکل ریاضؔ
بن چکا میں کیوں بناتا ہے ارے مانی مجھے

قیامت کی خلش کیوں ہر گھڑی ہے　　وہ تم سے قد میں کم سن میں بڑی ہے
نظر کب طور پر نیچی پڑی ہے　　یہ نیچی ہو کے بجلی سے لڑی ہے
کہا سوسن کو جو کچھ منہ میں آیا　　بڑی منہ پھٹ یہ مستی کی چھڑی ہے
رہے گلچیں خیالِ بلبلِ زار　　کہ اس کی جان پھولوں میں پڑی ہے
سراپا صورتِ موجِ تبسم　　مری شمعِ لحد ہنس مکھ بڑی ہے
وفائے عہد کا اچھا ہے موقع　　کہ سب کو حشر میں اپنی پڑی ہے
نگاہِ شوق یہ سوجھی تجھے کیا　　ارے کس سے لڑی ان سے لڑی ہے
برابر میری تربت کے ہے اک ڈھیر　　قیامت ان کی ٹھکرائی پڑی ہے
گلو کچھ بھی نہیں منقارِ بلبل　　تمہاری کوئی سوکھی پنکھڑی ہے
وہ بدلیں دل سے کیوں کر آرسی کو　　میں سنتا ہوں وہ منہ دیکھی پڑی ہے
مری توبہ سے کیسا اڑ گیا رنگ　　شرابِ ناب کیا پھیکی پڑی ہے
قیامت اس کے آگے ایک فتنہ　　تمہاری آنکھ تو تم سے بڑی ہے
عدو کے گھر سے نکلے ہیں پریشاں　　خدا جانے مصیبت کیا پڑی ہے
میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں　　ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے
وہ ٹوٹی توبہ بوتل سے اڑا کاگ　　غضب گولی نشانے پر پڑی ہے
جنوں میں بھی ادا ہے بانکپن کی　　کہ چینِ آستیں ہر ہتھکڑی ہے

یہ اپنے دل میں لے رہتی ہے ہر بات — تری تصویر بھی گھنّی بڑی ہے

قیامت پر نہ رکھو وعدۂ وصل — قیامت تو مرے آگے کھڑی ہے

رہے ہے سینہ تنا لنگر سے اس کے — یہ چوٹی اس لئے پیچھے پڑی ہے

غضب دن ہیں غضب سن ہے غضب حسن — غضب تم پر جوانی پھٹ پڑی ہے

رہا کیوں کر سلامت شیشۂ مے — کہ دل ٹکڑے ہوا اتنی کڑی ہے

جہاں دل تھا وہیں ہے تربتِ دل — شکن سی ان کے دامن میں پڑی ہے

تمنا کو تم اپنی منع کر دو — ہماری جان کے پیچھے پڑی ہے

طلبگاروں کو کیوں آنے لگی موت
ریاضؔ ایسوں کی اُس کو کیا پڑی ہے

پرا باندھے صفِ مژگاں کھڑی ہے — نگاہِ شوق کیا ماری پڑی ہے

مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے — بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

گلوں کی خوش نما بدھی پڑی ہے — ترا قد کیا ہے پھولوں کی چھڑی ہے

نگاہِ شوق بھی نٹ کھٹ بڑی ہے — کسی سے طور پر جا کر لڑی ہے

کڑی ہے چوٹ یہ بیشک کڑی ہے — عدو ہے اور پھولوں کی چھڑی ہے

عدو کے واسطے دنیا کا ہے عیش — مصیبت میری حصے میں پڑی ہے

ہوا سے تیز آتے ہیں ترے تیر — کماں کی طرح چٹکی بھی کڑی ہے

مزے میں رنگ میں تیزی ہے ساقی — مئے تسنیم کیا پھیکی پڑی ہے

کرامت ہے سرِ ناصح کی یہ بھی — کہ اوچھے ہاتھ کی اچھی پڑی ہے

یہ کس نے پھول ڈالے ہیں لحد پر — جُدا ہر پنکھڑی سے پنکھڑی ہے

لبِ جاناں نے دی تسکین دمِ نزع — ہماری جان میں جان اب پڑی ہے
کہاں بجلی میں یہ بیتابیاں نفیس — دلِ مضطر کی پرچھائیں پڑی ہے
نہ دشمن کے چبھا خار اس گلی میں — ہمارے واسطے سولی کھڑی ہے
جو لو کروٹ تو ہیں سمجھوں شبِ ہجر — یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے
ترے قد نے اُسے سیدھا بنایا — قیامت ہے کہ سکتے میں کھڑی ہے
قضا کا بھی بڑا ہے مجکو رونا — برابر میرے وہ بسمل پڑی ہے
یہ کیا اندھیر ہے صبحِ شبِ وصل — نہ سُرمہ ہے نہ مِسّی کی دھڑی ہے
پٹک کر جامِ مے ہم کب رہے پاک — کہ اُڑکر چھینٹ دامن پر پڑی ہے
ڈراتے ہیں کہ اس سے ڈرتے رہنا — بڑی کلجبھی مِسّی کی دھڑی ہے
ہوا بھاری میں ایسا نخلِ گل پر — مرے سایے سے ڈالی پھٹ پڑی ہے
کفن کا گوشۂ دامن تو اُلٹو — یہ حسرت مُنہ لپیٹے کیوں پڑی ہے
نہ موسیٰ ہیں نہ ہے برقِ سرِ طور — سنے تم ہو نئی ہم پر پڑی ہے

لگا دینا کوئی مٹی ٹھکانے
ریاضؔ اک آرزو مردہ پڑی ہے

مری آہِ رسا چنچل بڑی ہے — یہ بجلی بن کے کانوں میں پڑی ہے
خوشامد خوری منہ دیکھی بڑی ہے — تمہاری آرسی دیکھی پڑی ہے
نہیں ابرو میں بل کیا تیر ماریں — وہ نازک ہیں کماں اُن کی کڑی ہے
چمن میں کم سِنوں کے چھیڑنے پر — کلی بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی ہے
یہ کس کم بخت کے عدو کی ہو رات — کہ دن ہی سے سنورنی کی پڑی ہے

دل حسرت زدہ میں کیا جگہ دوں — تمنا ہاتھ باندھے کیوں کھڑی ہے
پڑی ہے سبزۂ تربت میں کچھ جاں — کوئی بوند ابرِ رحمت کی پڑی ہے
ہوا میری شبِ ماتم کا کچھ ذکر — اُداس ایسی جو مسّی کی دھڑی ہے
قضا تو ان سے پہلے چل چکی تھی — کہیں رستے میں وہ ماری پڑی ہے
عدو بھی ہیں بھی محفل میں، کہے کون — نظر کس سے پھری کس سے لڑی ہے
بلائیں لی ہیں تاروں نے شبِ وصل — ترے بالوں سے جب افشاں جھڑی ہے
پڑا ہو باف ہے چوٹی کے پیچھے — ترے پیچھے تری چوٹی پڑی ہے
عدو کا نام کیوں کر بزم میں لوں — تمہاری آنکھ شرمیلی بڑی ہے
نیا رونا پڑا کیسا ہمیں آج — ہمیں بچپن سے یہ عادت پڑی ہے
یہ دل میرا ہے یا رب یا تہِ قبر — لحد کے پھول کی اک پنکھڑی ہے
کوئی رہتا ہے بیشک چشم و دل میں — کہیں پردہ کہیں چلمن پڑی ہے
شرر گرنے لگے جھڑنے لگے پھول — دمِ فریادِ بلبل پھلجھڑی ہے
قریبِ در مجھے کیوں کر جگہ دیں — وہیں تو لاشِ دشمن کی گڑی ہے
ڈرا واعظ نہ میزانِ عمل سے — ڈری کیوں کوئی کیا سولی کھڑی ہے
وہ بولے جب ہوا ذکرِ شبِ وصل — یہ جتنی چھوٹی ہے اتنی بڑی ہے
کوئی حسرت کو دیکھے نزع کے وقت — درِ دل سے لگی چپکی کھڑی ہے
یہی ہے کیا شبِ وعدہ عدو کی — یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے
سمجھ لو شیشۂ عصمت ہوا چور — جو دختِ رز مری پالے پڑی ہے
عدم تک دیکھئے پہنچیں نہ پہنچیں — کہ ہم درماندہ ہر منزل کڑی ہے

ریاضؔ اٹکی ہے ایسی موت سے کیا
کہ مرنے کی نہیں جلدی پڑی ہے

حنا یہ کہتی ہے لوبے زبان پا کے مجھے
جب آئے آپ گئے چوریاں لگا کے مجھے

نہ دیکھتے تھے کبھی جو نظر اٹھا کے مجھے
وہ دیکھتے ہیں دمِ حشر مسکرا کے مجھے

حنا یہ کہتی ہے ان سے سنا سنا کے مجھے
نہیں شہیدوں میں ملنا لہو لگا کے مجھے

نگہ سے بڑھ کے ہیں گستاخ دستِ شوق مرے
نہ کوسے گا ذرا ہاتھ اٹھا اٹھا کے مجھے

مرا رقیب مجھی سا دکھا دیا مجھکو
نکالی چھیڑ کی شکل آئینہ دکھا کے مجھے

دُہائیاں ہیں شبِ وصل اپنی شوخی سے
کہ لوٹے لیتے ہیں جوبن حسین پا کے مجھے

ذرا سے درد نے ڈھائی ہیں آفتیں کیا کیا
پٹک دیا ہے زمین پر اٹھا اٹھا کے مجھے

کہا جو ان سے چراغِ لحد جلاتے جاؤ
ہوا سے تیز گئے وہ ہوا بتا کے مجھے

کنارِ غیر میں راتیں تڑپ تڑپ کے کٹیں
رہے نہ چین سے وہ قبر میں سلا کے مجھے

صبا نہ داغ لگا تو یہ اپنے دامن کو
کہے گی شمع لحد کیا ملا بجھا کے مجھے

میں اپنے خون کا بیڑا اٹھاؤں خود کیونکر
وہ پان دیتے ہیں شوخی سی مسکرا کے مجھے

عروسِ گور کے پہلو میں چین پاؤں گا
وہی سلائے گی آغوش میں دبا کے مجھے

کہا تھا کس نے کہ لاکھوں کے دل کر و پامال
جو کہہ رہے ہو کہ لالے پڑی حنا کے مجھے

نکال دو نگا شبِ وصل بل نزاکت کے
ڈرا لیا ہے بہت تیوریاں چڑھا کے مجھے

منا لیا ترے روٹھے ہوئے کو ظالم نے
ہنسا دیا ترے ناوک نے گدگدا کے مجھے

یہ ہاتھ باندھ کے کہتا ہے دل کے زخم کا چور
حضور یاد ہیں سب ہتکنڈے حنا کے مجھے

وہ آ کے شرم سی کہتے ہیں میری تربت پر
نہ دیکھے سبزۂ خوابیدہ سر اٹھا کے مجھے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

مٹے ہوؤں کے مٹانے کو یہ بھی آندھی ہیں رہیں گے نقشِ قدم خاک میں ملا کے مجھے

کہوں گا حشر کے چھوٹے سے دن میں کیا کیا بات بہت ہی حوصلے ہیں عرضِ مدعا کے مجھے

قیامت اور قیامت میں آئی قہر ہوا بتوں نے چھیڑ دیا سامنے خدا کے مجھے

ادا شناسوں کو مرتے بھی بن نہیں پڑتی پیام آتے ہیں کب سے مری قضا کے مجھے

ستانے والو قیامت بھی آئی جاتی ہے جفا کے لطف تمھیں آئیں گے وفا کے مجھے

تمام عمر کے شکوے مٹائے جاتے ہیں وہ دیکھتے ہیں دمِ نزع مسکرا کے مجھے

کہاں وہ نور کی صورت وہ نور کی آواز

ریاضؔ کون سنائے غزل یہ گا کے مجھے

زلفِ سیاہ کھولے وہ دشمن کے گھر گئے اندھیر ہے کہ آج تو دن دوپہر گئے

گھر میرے آئے آتے ہی دشمن کے گھر گئے آنا یہ خوب ہے اِدھر آئے اُدھر گئے

لیں اس طرح بلائیں ہماری نگاہ نے پہلے سے ان کے اور بھی گیسو سنور گئے

روتے گئے تھے غیر کے گھر میری جان کو وہ رات آتے جاتے کہیں آج ڈر گئے

غم جان گسل تھا موت کے دن گو ابھی نہ تھے ہم غم نصیب وقت سے کچھ پیشتر گئے

زندان کا طوق بن کے رہا پھر گلے کا ہار لے لے جنوں بہار کے دن بھی گزر گئے

سنتا یہ کون راہ میں کیوں اس طرف کہاں ہم میکدے گئے تو بجائے نظر گئے

تم ایک رہ گئے ہو ہماری نگاہ میں سب نازنیں ہماری نظر سے اتر گئے

موئے سیہ سپید ہوئے دیر اب نہیں وقت آگیا ہے شام گئے یا سحر گئے

محشر میں ہم کو لائے ترے وعدہ ہائے وصل سچا تجھے سمجھ کے تری بات پر گئے

توڑا قفس تڑپ کے تو صیاد کیا ہوا — تیرے قفس کے ساتھ مری بال و پر گئے
پیدا ہوئے تھے ساتھ لئے دیدہائے تر — طوفان کتنے سر سے ہماری گذر گئے
یہ اہتمام قتل کے جن کے کمر نہ تھی — اللہ آج باندھ کے وہ بھی کمر گئے
ایسے ذرا سے آپ ہیں ایسا ذرا سا دل — میرا کسی نے نام لیا آپ ڈر گئے
سایہ بھی شاخ گل کا نہ ہم کو ہوا نصیب — ایسے کئی بہار کے موسم گزر گئے
بربادیوں کے بعد یہ کیسی ہوا چلی — تنکے قفس میں آئے نشیمن میں پر گئے
بالائے بام نغمہ سرا تھا کوئی حسیں — نالے ہمارے آج بہت بے اثر گئے
ہم کو تھا انتظار اجل موت سے سوا — آنے میں اُن کے دیر تھی بے موت مر گئے

تا میکدہ ریاضؔ کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

بخش دیتے ہیں اگر مجھ سے خطا ہوتی ہے — منفعل کرنے کو اچھی یہ سزا ہوتی ہے
رنگت اُڑ کر رخ عشاق سی کیا ہوتی ہے — جا کے معشوق کے ہاتھوں میں حنا ہوتی ہے
مہ جبینوں سے نہیں بام فلک بھی خالی — چاند سی شکل تو اک جلوہ نما ہوتی ہے
وہ سوئے گور غریباں جو کبھی آتے ہیں — پھول دامن میں لئے ساتھ صبا ہوتی ہے
نہیں ہوتی ہیں کبھی ان کی نگاہیں سوا — شرم ہوتی ہے جن آنکھوں میں حیا ہوتی ہے
حسن دیکھے نہ حسینوں کی جوانی دیکھی — کیسی بے رحم الٰہی یہ قضا ہوتی ہے
تازہ ہو جاتے ہیں سب داغ ہمارے دل کے — فصل گل میں ہمیں تکلیف سوا ہوتی ہے
دیکھ لیتا ہوں سوئے چرخ عجب حسرت سے — کبھی مقبول کسی کی جو دعا ہوتی ہے
اپنی تربت کی اداسی کا خیال آتا ہے — سبزہ و گل کی جو اب قدر سوا ہوتی ہے

مرنے والے اسی قابل تھے کہ ڈھونڈیں   بات کیا ہے جو پشیمان قضا ہوتی ہے

لگ گئی چوٹ ریاض ایسی کچھ اپنے دل پر
کہ بس آٹھ پہر یادِ خدا ہوتی ہے

چمن میں ہیں میرے بیاں کیسے کیسے   جمائے ہیں رنگِ فغاں کیسے کیسے
بتوں کے ہیں جورِ نہاں کیسے کیسے   پھر اس پر عدو آسماں کیسے کیسے
بھرے سوکھے تنکوں کے دن فصلِ گُل میں   پھلے پھولے ہیں آشیاں کیسے کیسے
ابھی چپ ہوں محشر میں افشا کروں گا   حسینوں کے رازِ نہاں کیسے کیسے
بڑی کوئی نٹ کھٹ ہی یارب قضا بھی   چُننے بانکے ترچھے جواں کیسے کیسے
اُبھارے گا کیا کیا زمینِ لحد کو   ستم ڈھائے گا آسماں کیسے کیسے
ہمیں چاٹ کوثر کی دی واعظوں نے   ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے
بُری چیز ہے یہ جوانی کی الفت   گئے جان سے نوجواں کیسے کیسے
سرِ بزم ہوتے ہیں کس کس مزے سے   مرے آگے میرے بیاں کیسے کیسے
بسیرا رہا شاخِ گُل پر ہمیشہ   رہے فکر میں باغباں کیسے کیسے
گُنہ اور اس پر فرشتے بھی دو دو   مرے سر ہیں بارِ گراں کیسے کیسے
سنبھالے نشیمن کے تنکوں نے پیہم   ترے جھونکے بادِ خزاں کیسے کیسے
دمِ نزع تک جان اس سے نہ چھوٹی   لئے عمر بھر امتحاں کیسے کیسے
سرِ راہ غار اور جانا عدم کا   بُری راہ پھر کارواں کیسے کیسے
کیا دیدہ و دل نے رسوائے عالم   ہمیں بھی ملے رازداں کیسے کیسے
جو ہم محفلِ یار میں چھُپ کے پہنچے   تو کھوئے گئے پاسباں کیسے کیسے

ریاضؔ اس کی قسمت کو ہم کیوں نہ روئیں
یہ دل اور داغِ نہاں کیسے کیسے

نظر کی چوٹ کب دل کی نزاکت سہنے والی ہے — نہ ٹھیس اس کو لگے ساقی بڑی نازک پیالی ہے
بنائیں آشیاں کیوں کر لدی پھولوں سے ڈالی ہے — جگہ مشکل سے ہم نے پاؤں دھرنے کی نکالی ہے
چھپے بیٹھے ہیں کیوں جلوہ دکھائیں مجکو ایسے میں — نہ موسیٰ ہیں نہ برقِ طور ہے میدان خالی ہے
دکانِ مے ہے شکر اس کا پلا کر دس کو پیتے ہیں — فراغت سے گزرتی ہے عجب آسودہ حالی ہے
لئے بیٹھے رہو اپنے لئے تم آرسی اپنی — خوشامد خوری منہ دیکھی ہماری دیکھی بھالی ہے
خدا حافظ ہے میخانے میں اس دستار کا واعظ — یہ ہنسکر ہم نے جبہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالی ہے
وہ دل جو نور کا پتلا ہے دیدوں صدقے کرنے کو — یہ کالی کالی زلف ان کی بڑی نازوں کی پالی ہے
شفق کہتی ہے چرخِ پیر کیا ہوگا جوانی میں — بڑھاپے میں بھی سج دھج اس کی دنیا سے نرالی ہے
نگہ کی لغزشیں کیا آنکھ ساقی کی سنبھالے گی — نہ سنبھلے موجِ مے جس سے یہ وہ نازک پیالی ہے

ریاضؔ اک چیز تھے انساں اگر ہوتے قرینے کے
مزے کے شخص ہیں لیکن طبیعت لا اُبالی ہے

عکس پر یوں آنکھ ڈالی جائے گی — سامنے کی چوٹ خالی جائے گی
یہ قیامت بھی نکالی جائے گی — اس گلی سے کھا کے گالی جائے گی
کعبے میں بوتل کھلے موقع کہاں — زمزمی سے آج ڈھالی جائے گی
گل تو کیا ہیں تا قفس اے بادِ تند — پتہ پتہ ڈالی ڈالی جائے گی
بزمِ ساقی میں اگر لغزش ہوئی — ہاتھ سے مے کی پیالی جائے گی
گدگدانے کو کفِ پا دل کے ساتھ — آرزوئے پائمالی جائے گی

وا درِ توبہ ہے تو جلدی ہے کیا — بات بگڑی کچھ بنالی جائے گی

مژدہ کوئی آرزو اس دل میں ہے — کہہ گئے وہ جان ڈالی جائے گی

میکدے ہم گھر سے جائیں گے ریاضؔ
ایک بوتل ساتھ خالی جائے گی

دل کی حسرت کیا نکالی جائے گی — جان اب آفت میں ڈالی جائے گی

بات تو بوسے کی ٹالی جائے گی — گالیاں دے کر دعا لی جائے گی

بار ہوں میں بیٹھ جانے سے مرے — تار میں پھولوں کی ڈالی جائے گی

ہم سے روٹھی ہے اجل رہنے بھی دو — جب وہ جائے گی منالی جائے گی

میرے گھر سے اے شبِ غم تو کہاں — لے کے صورت کالی کالی جائے گی

لوٹ لیں باغِ جوانی کی بہار — چیز یہ ہے جانے والی جائے گی

حسرتیں جس میں ہزاروں ہیں بھری — اس نگہ کی چوٹ خالی جائے گی

کس کے سر جاتی ہے دیکھیں حشر میں — شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی

دخترِ رز کو بزم میں ساقی نکال — گھر میں رکھ کر کیا یہ پالی جائے گی

آرسی، آئینہ، دل، کوئی بھی ہو — دیکھ کر تیوری چڑھالی جائے گی

ہنس کے بولے دل میں آنے کے لئے — راہ اب کوئی نکالی جائے گی

مہرباں سرکار[1] کب ہوں گے ریاضؔ
کب ہماری خستہ حالی جائے گی

یاد پیری میں ادھر آئی ادھر بھول گئے — اے جوانی تری ہم شام و سحر بھول گئے

[1] ۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ۔

پائے نازک کا یہ احسان بھی رہتا سر پر
ذبح کے بعد وہ ٹھکرانے کو سر بھول گئے

ذرا وہ ہوں کہ ہوا موجِ ہوا کا دھوکا
دیکھ کر مجکو حسیں اپنی کمر بھول گئے

اس تکلف سے لئے بڑھ کے بگولوں نے قدم
جا کے دیوانے ترے دشت میں گھر بھول گئے

رات کو آتی ہے آواز کسی قبر سے روز
وہ ہی دن ہیں مرے نالوں کا اثر بھول گئے

آرہا میں جو قفس میں تو قفس یاد رہا
آشیانے کو مرے برق و شرر بھول گئے

طول اے بادہ کشو حشر نے کتنا کھینچا
خم کے خم لا دکے لانا تھے مگر بھول گئے

رہ گئی یاد ہمیں نیم نگاہی تیری
دل میں وہ پھانس چبھی درد جگر بھول گئے

لے چلے غیر کے گھر حاصل گلگشتِ چمن
پھینکنا میری لحد پر گل تر بھول گئے

مختصر وقت کچھ اس لطف سے گزرا شبِ وصل
ہجر کی رات کے ہم چار پہر بھول گئے

میرے ہم سائے میں عشرت کدۂ غیر کہاں
آپ گھر بھول گئے راہگزر بھول گئے

روؤں کیا بیٹھ کے میں اپنے مصائب کو رؔیاض
اب تو رونا بھی مرے دیدۂ تر بھول گئے

ضعفِ پیری جو بڑھا موت کے پیغام چلے
آگیا وقتِ سفر صبح چلے شام چلے

رات دن بزم میں دورِ مئے گلفام چلے
زور تجھ سے جو مرا گردشِ ایام چلے

میرے نالے تھے مقاماتِ اثر سے واقف
کچھ تو نے چرخ گئے کچھ طرفِ بام چلے

کوئی دیکھے تو خوشی غیر کے گھر جانے کی
شام سے پہلے وہ بن کر شفقِ شام چلے

یہی کثرت ہے اسیروں کی تو میرا ذمہ
ارے صیاد جو دن بھر بھی ترا دام چلے

کاٹے کٹتی نہیں مجھ مست سے برسات کی رات
میکدے والی ملے آج تو کچھ کام چلے

میرے اللہ نے بخشی مجھے اولادِ سعید
میرے اشعار وہ ہیں جن سے مرا نام چلے

دام اس انداز سے پھیلائے چمن میں صیاد — میں سرِ شاخ چلوں سایۂ تہِ دام چلے
چشمِ ساغر نے بھی حسرت سی نگاہیں ڈالیں — جب بچائی ہوئے ہم جامۂ احرام چلے
ہم فقیروں کا نہ خالی رہے چلّو ساقی — ہم غریبوں کا بھی اللہ کرے کام چلے
کعبے جاتے ہوئے کرتا تھا خمِ مے کا طواف — ہم سوئے میکدہ باندھے ہوئے احرام چلے
لے چلا کھینچ کے ہر ایک کو اس بزم کا شوق — دو چلے چار چلے خاص چلے عام چلے
کام آنے کی نہیں دولت و ثروت کچھ بھی — کام وہ کر کہ تو دنیا میں ترا نام چلے
ان کو ڈر تھا تہہ و بالا نہ زمانہ ہو جائے — بڑی مشکل سے لحد پر مری دو گام چلے
عرصۂ حشر کو سمجھے ہیں مرا گھر شاید — کہ مجھے کوستے دیتے ہوئے دشنام چلے
شیشے میخانوں سے بتخانوں سے پتھر آئے — طرفِ کعبہ جو ہم پیروِ اسلام چلے

جاؤ بھی بیٹھے ہو کیا بزم میں تائب بن کر
اے ریاضؔ آؤ بھی دورِ مئے گلفام چلے

یہ ابر آنے کو آئے آسماں سے — خم آتے ہیں بڑی اونچی دوکاں سے
خلش دن رات کی تھی باغباں سے — قفس میں آرہے ہم آشیاں سے
ستم ہوگا جو نکلا کچھ زباں سے — نہ پوچھے کوئی آتے ہو کہاں سے
گئے ہیں بام پر کہتے ہوئے وہ — کہ کچھ کہنا ہے مجکو آسماں سے
مصیبت یاد ہے واماندگی کی — بہت پیچھے تھے گردِ کارواں سے
بھلی معلوم ہوتی ہیں سب مجھے بھی — مری باتیں حسینوں کی زباں سے
اڑے جاتے ہیں میرے دل کے ٹکڑے — مجھی پر بن گئی میری فغاں سے
مزا ہوگا جو سن لے داورِ حشر — کچھ ان کے منہ سے کچھ میری زباں سے

موذّن کان پر رکھتا ہی کیوں ہاتھ ارے کیا فائدہ ایسی اذاں سے

ریاض اتنے نہیں ہیں اپنے دشمن
کہ خوش ہو جائیں مرگ ناگہاں سے

عمر بھر ساتھ فرشتوں کے نباہی کیسی دیکھنا یہ ہی کہ دیتے ہیں گواہی کیسی
وضع کے ساتھ رہی مست نگاہی کیسی دیکھ ساقی پس توبہ بھی نباہی کیسی
وصل کی رات نہیں چین ہی سونے کے لئے آرہی ہے یہ تجھے آج جماہی کیسی
توبہ کے پاس نے رو کا لب کوثر مجکو آج پینے کو طبیعت مری چاہی کیسی
ان حسینوں میں کوئی بھی ہو کسی کا قاتل دیکھنا حشر میں دیتا ہوں گواہی کیسی
بن گئی بات دم حشر سیہ رویوں کی اڑ گئی خوف سے چہرے کی سیاہی کیسی
ہے زمانے میں محبت کی نظر کی تعریف صدقے اِن آنکھوں کے یہ نیز نگاہی کیسی
ایک تو حضرتِ واعظ کی زباں کتنی نرم اور تقریر بھی پھر نا متناہی کیسی
جانتا تھا شب فرقت کو شب وعدہ ہے منہ میں دشمن کے لگی آج سیاہی کیسی
بن گئے وصل میں وہ شرم کے پتلے کیسے چھیڑ کہتے ہیں کسے شوخ نگاہی کیسی

قصد پر اپنے خجل ہوں کہ دم حشر ریاض
دیکھ کر ان کو طبیعت مری چاہی کیسی

ہمارے شب کے ستانے کا کچھ اثر بھی ہے خمار ہی نہیں آنکھوں میں درد سر بھی ہے
نگاہِ شوق نے سوتے میں کیا اٹھا رکھا یہ کام کر گئی اپنا تمہیں خبر بھی ہے
یہ ہاتھ کیوں مرے ٹوٹیں کوئی قصور بھی ہو کمر کے درد کا شکوہ کہیں کمر بھی ہے
نہ اشک ہوں، تو اسے رات دن لہو رونا ہمارے خون کی پیاسی یہ چشم تر بھی ہے

گری ہی برق کسی آشیاں پر آج ضرور ‏ جبھی تو گردِ قفس حلقۂ شرر بھی ہے

وہ شب بھی آئے جو سنوا لے ان حسینوں سے ‏ الٰہی آج کی شب کی کہیں سحر بھی ہے

بہت ڈرا نہ گناہوں سے مجکو اے واعظ ‏ مزاج میں مرے مالک کے درگزر بھی ہے

سمجھ نہ شورِ عنادل مری فغاں ظالم ‏ ارے یہ آہ ہے اس آہ میں اثر بھی ہے

ریاضؔ ہوش میں آؤ نہ جاؤ زنداں سے
ہوائے گرم بھی ہے اور دوپہر بھی ہے

جوبن ان کا اٹھان پر کچھ ہے ‏ اب مزاج آسمان پر کچھ ہے

کیا ٹھکانا ہے بات کا ان کی ‏ دل میں کچھ ہی زبان پر کچھ ہے

وعدہ ہے غیر سے یہ حیلہ ہے ‏ کام مجکو مکان پر کچھ ہے

حور کا ذکر کیوں کیا دمِ مرگ ‏ شبہہ میرے بیان پر کچھ ہے

گمشدہ دل نہ ہو کہیں میرا ‏ ان کی محرم کی پان پر کچھ ہے

ہو کے رسوا کسے کیا رسوا ‏ ذکر سب کی زبان پر کچھ ہے

کیوں نہ ہو شوق جلوۂ لبِ بام ‏ اب جوانی اٹھان پر کچھ ہے

کہو میہمانِ غم سے اب رخصت ‏ قرض کیا میزبان پر کچھ ہے

بنگ ہی دے جو مے نہیں واعظ ‏ تیری اونچی دکان پر کچھ ہے

میں نے گھورا تو ہمدموں سے کہا ‏ دیکھو اس نوجوان پر کچھ ہے

رکھ دیا ہاتھ ان سے یہ کہہ کر ‏ ٹھہرو اے جان ران پر کچھ ہے

کوئی چھپ کر گیا ہی غیر کے گھر ‏ شک قدم کے نشان پر کچھ ہے

بالے پہنے الٹ کے کانوں میں ‏ اور گھبرائے کان پر کچھ ہے

ہوں یہاں، اس لئے دکن کو ریاضؔ
رشکِ ہندوستان پر کچھ ہے

ہنسے جو محفلِ ماتم میں تم بری ہو گی
پکارتا ہے تبسم مری ہنسی ہو گی

یہ تیری چٹکی سے ناوک کے گدگدی ہو گی
کہ لوٹتی لبِ سوفار پر ہنسی ہو گی

جو برق پر کبھی آنکھ اس کی جا پڑی ہو گی
نگاہِ شوخ بھی بجلی ہی بن گئی ہو گی

بڑے مزے کی شبِ وصل دل لگی ہو گی
وہ ہنستے ہوں گے حیا مجھکو کوستی ہو گی

نگاہ تم نے سوئے برقِ طور کی ہو گی
تمہاری آنکھ کلیم آج کھل گئی ہو گی

وہ منہدی پاؤں میں ملوائیں گے بھلا ہم سے
ہمارے نام تو تلووں ہی سے لگی ہو گی

نہ تھا خیال کہ ماتم کریں گے یوں دل کا
نہ تھا خیال کہ یوں تلخ زندگی ہو گی

گماں ہے دیدۂ بسمل کا آرسی پر انھیں
یہ پھاڑ پھاڑ کے آنکھ ان کو دیکھتی ہو گی

یہ دفعتاً جو لگی چوٹ سی مرے دل پر
کسی نے شاخ سے توڑی کوئی کلی ہو گی

غلط ہے آپ نہ تھے ہم کلام خلوت میں
عدو سے آپ کی تصویر بولتی ہو گی

شہیدِ تیغِ ادا کیوں حنا کو سمجھے ہو
لہو لگا کے شہیدوں میں مل گئی ہو گی

نہ شیشہ پنبہ دہن ہی نہ خم ہے بے منہ کا
کھلے جو حضرتِ واعظ تو دل لگی ہو گی

یہ دن ہی دن کو ہوتا ہے تاک جھانک کا شوق
حیا بھی آپ کی پردے سے جھانکتی ہو گی

جھجک جھجک کے لیا ہو گا ہاتھ میں ساغر
جو پی بھی ہو گی تو ڈر ڈر کے ہم نے پی ہو گی

ہمارے پھولوں میں لاڑان کے کھل اٹھے ہوں گے
ہماری سوگ میں منہدی غضب رچی ہو گی

جنابِ شیخ کو ہلکی سی اپنے جام سے دے
مرے سبو کی تو ساقی بہت کڑی ہو گی

یہاں ہنسی بھی نہیں نام کو، کہاں آنسو
ہماری آنکھ سے حسرت ٹپک پڑی ہو گی

وہ نقش پائے حنائی تو چھپ نہیں سکتے — تمام راہ میں اک آگ سی لگی ہوگی
خزاں میں آئے گا منقارِ عندلیب سے لطف — کھلی تو گُل نہ کھلی تو یہی کلی ہوگی
عدوئے شاخِ نشیمن سی ہے کھٹک ہم کو — وہ باغباں ہو کہ بجلی، جلی کٹی ہوگی
وہ پوچھتے ہیں عجب بھولے پن سے وصل کی رات — کہ اور راتوں سے یہ رات کچھ بڑی ہوگی
نسیم اب آئی ہے شمعِ مزارِ گُل کرنے — وہ اس کے آنے سے پہلے ہی بجھ گئی ہوگی
کلی چمن میں کھلی تو سب مجھے خیال آیا — کسی کے بندِ قبا کی گرہ کھلی ہوگی
نگاہ ان کی در آئی ہے تیر سی دل میں — وہ جانتے ہیں کوئی پھانس سی چبھی ہوگی
یہ کہہ رہا ہے پکار کے اُبھار جوبن کا — جو دیکھ لے گا مجھے دل میں گدگدی ہوگی
اُتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی — گرہ میں دام نہ ہوں گے اُدھار پی ہوگی
قیامت ان کی گلی میں ہوئی ہے یوں پامال — اُٹھی بھی ہوگی تو کچھ گرد سی اٹھی ہوگی
تمہاری تیغ تو نازک ہے ذکر کیا اس کا — وہ سخت جاں ہوں اجل بھی تو کوسنی ہوگی
حساب حشر میں دینا تھا قطرے قطرے کا — دکھا دکھا کے فرشتوں کو میں نے پی ہوگی
یہ دن یہ سن یہ جوانی یہ حُسن کا عالم — جو دیکھ لے گا تمہیں دل میں گدگدی ہوگی
ہجوم دیکھ کے سمجھے یہ روزِ محشر ہم — کھلی وہ دکان کسی مے فروش کی ہوگی
یہ دو ہی دن کے ہیں نظارے یاس و حسرت کے — نشاں مزار کا ہوگا نہ بے کسی ہوگی

شریک مے میں کیا ہوگا آبِ زمزم بھی
ریاضؔ نے پس توبہ کبھی جو پی ہوگی

وعدہ کبھی سچا کوئی کرتا ہی نہیں ہے — اندیشۂ فردا تو گزرتا ہی نہیں ہے
دامن کی شکن دور سے لیتی ہے بلائیں — بل یار کے ابرو کا اُترتا ہی نہیں ہے

دل سے تو مرے سینے کے پھر داغ ہی اچھے — کم بخت ابھارے سے ابھرتا ہی نہیں ہے
سب بھول گئے اس کو ترے عہدِ ستم میں — اب شکوۂ گردوں کوئی کرتا ہی نہیں ہے
جو جانتے ہیں بڑھ کے نشیمن سے قفس کو — پر اُن کے صیاد کترتا ہی نہیں ہے
کیا چیز ہے اے بادہ کشو موسمِ گل بھی — اس دور میں توبہ کوئی کرتا ہی نہیں ہے
اپنے ستم و جور اُسے لاکھ سکھاؤ — دربان سے تمہارے کوئی ڈرتا ہی نہیں ہے
یوں پسنے کو دل لاکھ پسیں برگِ حنا پر — وہ ہاتھ کبھی خون میں بھرتا ہی نہیں ہے
کیا آ گئی اس میں دلِ بیتاب کی اُلجھن — گیسو ہے کسی کا کہ سنورتا ہی نہیں ہے
سمجھا ہے اثر کوئی بلا، آہ کو میری — ڈرتا ہے وہ گردوں سے اُترتا ہی نہیں ہے
جب تک کوئی آئے نہ لبِ بام نکھر کر — رنگِ شفقِ شام نکھرتا ہی نہیں ہے

دیوانہ ریاضؔ اوروں سے کیا بات کریگا
معشوقوں سے تو بات وہ کرتا ہی نہیں ہے

بھولی بھولی شکل دیکھی کس کی گھبرائی ہوئی — بھر گئی شامِ شبِ وعدہ آج کیوں آئی ہوئی
جوش پر ہے سبزہ زاروں پر گھٹا چھائی ہوئی — بات ایسی ہے کہ توبہ بھی ہے للچائی ہوئی
ہائے وہ دن ہم سے زاہد یوں لبِ کوثر کہے — پیجیے تو کس تکلف سے ہے کھچوائی ہوئی
وہ چلے تو اُٹھ کے فتنے اُن کے آگے ہو لئے — میں چلا تو ساتھ میرے میری رسوائی ہوئی
سیر کو نکلیں وہ اپنی رہ گزر سے بے حجاب — اور رکھی ہو ہماری لاش کفنائی ہوئی
ابر آیا رنگ دیکھا اُٹھی ہوا، مینا جھکا — جام چھلکے، توبہ ٹوٹی، بادہ پیمائی ہوئی
سیر ہو گی مسجدِ جامع کے در پر رکھ تو دو — میکشو چپکے سے میری لاش کفنائی ہوئی
ہائے کیا جھٹ پٹ قفس میں بال و پر پیدا کیے — جب سنا میں نے کہ جاتی ہے بہار آئی ہوئی

کیا پڑے ہو گوشۂ مسجد میں اُٹھو زاہدو
پھوٹی آنکھوں سے ذرا دیکھو گھٹا چھائی ہوئی

صبح ہوتے بات جو ہونا تھی وہ تو ہو چکی
اب لئے بیٹھے رہو تم آنکھ شرمائی ہوئی

بات کہتے آشیاں اچھے سے اچھا بن گیا
تنکے چن کر چھانٹ لی اک شاخ مرجھائی ہوئی

میں خرامِ ناز کے صدقے ذرا دیکھے ہوئے
رحم تربت پر کہ ہے کس کی ٹھکرائی ہوئی

اُبھرے جوبن پر نہیں کسی ہوئی محرم ریاض
مُسکراتی ہے جوانی جوش پر آئی ہوئی

کیا ہوئی میری جوانی جوش پر آئی ہوئی
ہائے وہ نازک گلابی میری چھلکائی ہوئی

جلوہ گہ میں آج یہ کس کی تماشائی ہوئی
طور سے ہم لے کے آئے آنکھ پتھرائی ہوئی

حشر میں فتنوں سے اچھی بزم آرائی ہوئی
آ کے دنیا خود تماشا خود تماشائی ہوئی

یہ بھی شامت تھی مرے اعمال کی لائی ہوئی
سب سے پہلے حشر کے دن میری رسوائی ہوئی

میں چلا دوزخ کو لیکن اس کی رحمت دیکھ لے
آنکھ میری سوئے کوثر آج للچائی ہوئی

اس کی ٹھوکر کے نشاں سب بن گئے داغِ سجود
یہ جبیں ہے کس بتِ کافر کی ٹھکرائی ہوئی

حشر میں قاتل نے دیکھی ہے لہو کی کوئی چھینٹ
سوئے دامن کیوں جھکی ہے آنکھ شرمائی ہوئی

تازگی سی آگئی اُن کا تبسم دیکھ کر
کھِل اُٹھیں کلیاں مرے مدفن کی مرجھائی ہوئی

رہ گئی یادِ جوانی وہ جوانی اب کہاں
داغِ دامن ہے مگر جوش چھلکائی ہوئی

دیکھتے وہ بھی تو آجاتے ضرور آنکھوں میں اشک
دل سے رخصت اس طرح دل کی شکیبائی ہوئی

اے قیامت آ بھی تیرا ہو رہا ہے انتظار
اِن کے در پر لاش اک رکھی ہے کفنائی ہوئی

نیم عریاں کچھ نمایش حسن کی تھی وصل میں
چھیڑنے کو رات حیلہ ان کی انگڑائی ہوئی

خاک چھانی مسجدوں میں جا رہے جب ہم کبھی
میکدوں میں آ رہے تو بادہ پیمائی ہوئی

ہر لحد سے صاف ملتا ہی قیامت کا جواب — خاک در در چھانتی ہی اُن کی ٹھکرائی ہوئی
منزلوں پیچھے ہیں راہِ عشق میں فرہاد و قیس — یہ نہیں اس کو اب ایسی میری رسوائی ہوئی
رات دن انگڑائیاں وہ لیں میری آغوش میں — جن حسینوں کے لئے پیدا یہ انگڑائی ہوئی
وہ بھی گھبرائے ہوئے تھی بات بھی تھی شرم کی — رہ گئی ہونٹھوں میں دب کر ہونٹھ تک آئی ہوئی
نام ہے مَے، بو نہیں، تلخی نہیں، تیزی نہیں — مدتوں زاہد نے پی ہی میری کھنچوائی ہوئی

ہے نمایاں آج سب مینا پرستوں میں ریاضؔ
جامِ جم سے بڑھ کے قدرِ جامِ مینائی ہوئی

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے میرے ستم کے واسطے — دل بنا ہی ہر طرح کے رنج و غم کے واسطے
نام توبہ لیتے ہی مجھ پر برس پڑتا ہے یہ — توبہ نشتر ہے رگِ ابرِ کرم کے واسطے
دی عبث تکلیف سب کو کیا لحد کچھ دور تھی — جان کیوں ہم نے چرائی دو قدم کے واسطے
خوب ہی جامِ سفالیں رکھ دیا چاہا جہاں — سو تکلف چاہیے تھے جامِ جم کے واسطے
کچھ عجب جنجال میں پھانسا ہی دنیا نے ہمیں — سینکڑوں جھگڑے کھیڑے ایک دم کے واسطے
خوگرِ درد اور ایسا مفت ملنے کا نہیں — جس کو دل لینا ہو لے لے رنج و غم کے واسطے
ملتی جلتی ایک شے تھی آبِ زمزم سی بہت — ہم چھپا کر لے چلے اہلِ حرم کے واسطے
جس قدر تقدیر میں ہی مل رہے گا اس کو رزق — فکر کیوں انسان کو ہی بیش و کم کے واسطے
وائے قسمت شاہدانِ ناز کے ہوتے ہوئے — ہم بنے اے آسماں تیرے ستم کے واسطے
کوچۂ دشمن میں جا کر سر ٹپک آتے ہیں روز — خاک اُڑاتے ہیں تری نقشِ قدم کے واسطے
بوتلوں کے مُنہ کھُلے ہیں مے کشو بہرِ دعا — ہاتھ اُٹھائے ہیں سبو ابرِ کرم کے واسطے
تیرے پینے کو تلاطم موجِ دریا سے اُٹھے — اے حباب اتنا تکلف ایک مے کے واسطے

تیری صدقے وعدہ کر کے کھا بھی لے جھوٹی قسم کیوں تامل ہے تجھے جھوٹی قسم کے واسطے
ہائے رے تیری نزاکت پاؤں اُٹھ سکتا نہیں بار ہے رنگِ حنا تیرے قدم کے واسطے
یہ ہوائے تاجداری یہ ہوائے خود سری اے حباب اتنے بکھیڑے ایک دم کے واسطے

ان حسینوں کو بنایا ہے خدا نے اے ریاضؔ
جھوٹے وعدوں کے لئے جھوٹی قسم کے واسطے

ہوگی وہ دل میں جو ٹھانی جائے گی کیا ہماری بات مانی جائے گی
ڈھل چکی ہے اب جوانی جائے گی یہ شرابِ ارغوانی جائے گی
بعد توبہ آتشِ سیّال خُم میرے گھر سے ہو کے پانی جائے گی
خضر یونہی گم رہیں گے عمر بھر یونہی عمرِ جاودانی جائے گی
تیغ ہی کیا ہاتھ میں قاتل کے تھی اے حنا تو بھی تو سانی جائے گی
آئے تارے ہجر کی شب کچھ نظر اب بلائے آسمانی جائے گی
عرش پر ہی خوش جمالوں کا مزاج کیوں کر ان کی لنترانی جائے گی
خدمتِ میخانہ کر لے ورنہ شیخ رائیگاں یہ زندگانی جائے گی
موت سے بدتر بڑھاپا آئے گا جان سے اچھی جوانی جائے گی
شوخیاں کہتی ہیں کھل کھیلیں گے وہ اب حیا کی پاسبانی جائے گی
آگ بن کر جام میں آئے گی مے زمزمی میں ہو کے پانی جائے گی
بوسۂ گیسو سے ہے چین بر جبیں رات بھر کیا سرگرانی جائے گی
بولے سن کر دل کے پامالی کا حال کس گلی کی خاک چھانی جائے گی
جان سی بڑھ کر اسے رکھتے عزیز کیا سمجھتے تھے جوانی جائے گی

ساتھ لائے ہیں قفس سے ناتوان — جاتے جاتے ناتوانی جائے گی

نالے کرنا سیکھ لے اے عندلیب — اب یہ طرزِ نغمہ خوانی جائے گی

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی — میکدے سے اب پُرانی جائے گی

جا چکے ہیں آپ کل دشمن کے گھر — آج مرگِ ناگہانی جائے گی

پینے آئیں تو فرشتہ خور ریاض
حور کے دامن میں چھانی جائے گی

خرامِ ناز سے پامال تربت ہونے والی ہے — اک آفت آنے والی ہی قیامت ہونے والی ہے

کہاں ساقی کہاں ساغر کہاں مطرب کہاں نغمے — سحر ہونے کو ہی برہم یہ صحبت ہونے والی ہے

عدو کے گھر مرا ماتم کیا کیوں سنا زک سے — عدو سے شکوہ سنج ان کی نزاکت ہونے والی ہے

بیاں تسنیم کا ہوتا ہی مے کے جام چھلکیں گے — اے واعظ یہ بزم وعظ جنت ہونے والی ہے

ذرا تو بوسۂ رخ پر بگڑنا سیکھ لے اس کا — تری تصویر کی اب اور صورت ہونے والی ہے

مئے کہنہ بنے گی نور اب نے اہد کے سینے میں — نئی بوتل میں اس کی اور رنگت ہونے والی ہے

بتوں کی صورتیں ہم کو نظر آتی ہیں کعبے میں — کسی کافر سے پھر دل کو محبت ہونے والی ہے

ذرا کہہ دو بڑھا دے تیرگی ابرِ سیہ جاکر — کسی میکش کے گھر واعظ کی دعوت ہونے والی ہے

لئے خالی کوئی بوتل ریاض آئے ہیں زمزم پر
سُنا حضرت سے ظاہر کچھ کرامت ہونے والی ہے

راستہ بند ہے گزرے نہ ادھر سے کوئی — فتنہ اُٹھنے کو ہے اس راہ گزر سے کوئی

بہہ چلے حشر کے میدان میں دریائے شراب — بوند ٹپکی تھی مرے دامنِ تر سے کوئی

شبِ خلوت کے مزے لاکھ بھرے ہیں اس میں — بزم میں دیکھ لے دزدیدہ نظر سے کوئی

ہم نے دیکھے ہیں بہت زلف کے خم تیغ کے بل
نہیں بڑھنے کا نزاکت میں کمر سے کوئی

بجلیاں کان کی ان کو نہ چمکنے دیں گی
نہیں ڈرنے کا ہی نالوں کے اثر سے کوئی

لگی رکھنے کا نہیں میں کبھی خم ہو کہ سبُو
مجھ پر اس طرح سرِ بزم نہ برسے کوئی

گدگدایا کبھی پیکاں نے تو بولے ہنس کر
روئیں گے یہ نہ ہنسے زخمِ جگر سے کوئی

خُم مے ہو کہ معاصی ہوں دبا جاتا ہوں
بوجھ اُٹھ والے ذرا حشر میں سر سے کوئی

حشر کے روز بھی میں اُٹھ نہ سکوں گر کے ریاضؔ
نہ گرائے مجھے اس طرح نظر سے کوئی

آ رہا ہے مرے گھر غیر کے گھر سے کوئی
پوچھ لے بڑھ کے ذرا بادِ سحر سے کوئی

ہم نے منہ چوم لیا رخ سے ہٹا کر آنچل
مُنہ چھپائے ہوئے نکلا تھا ادھر سے کوئی

دل میں کیا کچھ لئے بیٹھے ہیں ہزاروں محشر
کھول سکتا نہیں مُنہ آپ کے ڈر سے کوئی

لبِ ساغر بھی تو ہیں خشک انہیں کیا چوموں
قطرۂ مے کو مری طرح نہ تر سے کوئی

ہے بھی کچھ یا نہیں میں ہاتھ لگا کر دیکھوں
ہاتھ اُٹھائے تو ذرا اپنی کمر سے کوئی

گُم ہوئی سب کی طرح کیا یہ قیامت بھی ہیں
جا کے آتا نہیں اس راہ گزر سے کوئی

دیکھ لے دیکھ لے او آنکھ چُرانے والے
دیکھتا ہے تجھے حسرت کی نظر سے کوئی

کہتی ہے قوّتِ پرواز یہ فصلِ گُل میں
باندھ دے میرے قفس کو مرے پر سے کوئی

دل سے نکلے نہ کبھی یہ مرے لب تک آ رہے
ابھی واقف نہیں نالوں کے اثر سے کوئی

اب قفس کی شبِ تاریک نہیں کٹتی ہے
کہہ دے جا کر یہ ذرا برق و شرر سے کوئی

اور ہو گا یہ فلک در پئے آزار ریاضؔ
تجھکو دیکھے نہ ترحم کی نظر سے کوئی

کسی سے وصل میں سنتے ہی جان سوکھ گئی — چلو ہٹو بھی ہماری زبان سوکھ گئی

اک آہِ گرم نے جھلسائے خوشۂ انجم — تمام کھیتی تری آسمان سوکھ گئی

قیامت اور وہ ہنگامہ پھر قیامت کا — لحد سے اٹھتے ہی دھڑکوں سے جان سوکھ گئی

رہا نہ بعد مرے ہائے کوئی آبلہ پا — پکارتے ہیں یہ کانٹے زبان سوکھ گئی

شبِ فراق کا آدھا نہیں رہا تن و توش — یہ میرے گھر جو ہوئی میہمان سوکھ گئی

ملا بھی ہم کو تو بے وقت اس طرح کھانا — کہ چاول اینٹھ گئے اور نان سوکھ گئی

بہت ہی بھولی ہوئی تھی یہ اپنی رنگت پر — جو دیکھا رنگ مرا زعفران سوکھ گئی

ہوائے گرم خزاں میں وہ رنگ و روپ کہاں — تھی عندلیب یونہی دھان پان سوکھ گئی

ریاضؔ یاد ہے ان کا وصال میں کہنا
خدا کے واسطے چھوڑو زبان سوکھ گئی

مطلب کی بات شکل سے پہچان جائیے — میں کیوں کہوں زبان سے خود جان جائیے

آئے وہ نزع میں بھی نہ حسرت نکالنے — اب زیرِ خاک لے کے سب ارمان جائیے

اس بھولی بھولی شکل کے ہو جائیے نثار — ان بھولی بھولی باتوں کے قربان جائیے

باہیں گلے میں ڈالیے بھی اب ہنسی خوشی — یہ ہے شبِ وصال کہا مان جائیے

کیا تھا جو مسکراتے ہوئے کہہ گئے ابھی — خاک آ کے میرے در کی ذرا چھان جائیے

مہماں نواز ان سا کوئی دوسرا نہیں — جی میں ہے ان کے گھر کبھی مہمان جائیے

ہے قصد آج حضرتِ دل ان کی بزم کا — اللہ آپ کا ہے نگہبان جائیے

جا بیٹھیے تنک کے ذرا مجھ سے پھر الگ — بے کچھ کہے سنے بھی برا مان جائیے

بدیمن میرے حق میں ہے صبحِ شبِ وصال — کھولے ہوئے نہ بال پریشان جائیے

کتاب ہے ریاض تمہاری زبان کی
رنگینیٔ کلام کے قربان جائیے

اُگتے تھے جن میں نخلِ امیدِ وصال کے — کیا ہو گئے وہ باغ طلسمِ خیال کے
بیٹھا ہے کوئی گیسوؤں کے بل نکال کے — عکس آئینے میں آئے ذرا دیکھ بھال کے
دل سے نکال ڈالے سب ارمان وصال کے — اب پھینک آئیں سینے سے کیا دل نکال کے
ہر بام۔ طور۔ وادیٔ ایمن۔ ہر ایک دشت — جلوے کہاں نہیں تری برقِ جمال کے
ساقی ہماری سامنے تو رکھ دی بھر کے جام — لا دخترِ رز کو نور کے سانچے میں ڈھال کے
زلفوں میں آپ بیٹھ کے موتی پروئیے — آنسو نہ پونچھیے کسی آشفتہ حال کے
محفل میں آج شیخ کہن سال ناچ جائے — دو گھونٹ اسے پلا دو مئے کہنہ سال کے
بے درد تجھکو بات کا جب بھی یقیں نہ ہو — ہم رکھ دیں سامنے جو کلیجا نکال کے
اے موسمِ بہار جو کچھ ہوش آ گیا — چن لیں گے پھول پاؤں سے کانٹا نکال کے
دل کے لئے حسینوں کی ہم کو کمی نہیں — اچھا ہو مال لاکھ خریدار مال کے
موسیٰ سے کہدو جلوہ گہہِ طور یہ نہیں — اس کی گلی میں آئیں ذرا دیکھ بھال کے

اُٹھوا دو میز سے مے و ساغر ریاض جلد
آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

آئے ہیں کس ادا سے دوپٹہ سنبھال کے — سنجیدگی سے دوش پر آنچل وہ ڈال کے
سو جان سے نثار ہیں روزِ وصال کے — وہ کہہ رہے ہیں دن یہ برابر ہے سال کے
جوبن لٹا رقیبوں میں جب کچھ نہ آئی شرم — بیٹھے ہیں آج سر وہ گریباں میں ڈال کے
آنچل ڈھلا رہا مرے مستِ شباب کا — اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے

او زلفوں والے حشر ہی کچھ دل لگی نہیں — عقدے کھلیں گے آج یہاں بال بال کے
مہندی لگانے بیٹھے ہیں کچھ اس ادا سے وہ — مٹھی میں ان کے دے دے کوئی دل نکال کے
ان پیاری پیاری آنکھوں سے اک پیار کی نگاہ — میں صدقے ذبح کر مری حسرت نکال کے
وہ کہہ رہے ہیں اشک کو میرے لہو کی بوند — آنکھوں نے رکھ دیا ہے کلیجا نکال کے
رونا غمِ فراق کا قسمت میں رہ گیا — راتیں وصال کی ہیں نہ اب دن وصال کے
ان کی طرف سے آ کے جو اس دل میں جم گئی — ذرّے ہیں آسماں اسی گردِ ملال کے
ہو میکدے کی راہ میں گردش محال ہے — رکھا ہے ہم نے پاؤں بہت ہی سنبھال کے
کیا زہر کی بجھی ہوئی نکلی یہ موجِ اشک — پچتائے آستین میں ہم سانپ پال کے

بیٹھے ہوئے ہیں ہاتھ دھرے ہاتھ پر ریاضؔ
واعظ کے سر پہ آج سبو ہم اچھال کے

اتنا نہیں تیری جو کڑی آنکھ سنبھالے — آئینے میں بال آئے نہ او گیسوؤں والے
مسکی ہوئی محرم ہے کوئی آنکھ نہ ڈالے — آنچل سے چھپا لے ارے آنچل سے چھپا لے
محرم بھی سلامت تری آنچل بھی سلامت — ہم کون ہیں جوبن کا مزا لوٹنے والے
کوچے میں ترے دل ہو کہ وہ حسرتِ دل ہو — نازک سی کوئی شے ہے ذرا پاؤں سنبھالے
اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے — جب چھم سے چلیں گو وہیں چپکے سے اٹھا لے
کس ناز سے کہتے ہیں قسم قول نہ وعدہ — تم کون ہیں حشر کے دن چھیڑنے والے
عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی — بے مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے
روکیں تجھے گردش سے شبِ وصل ستارے — دکھ دیں تجھے ای چرخ ترے پاؤں کے چھالے
کہتا ہے پکارے یہ ترا جوشِ جوانی — سینے سے لگا لے کوئی سینے سے لگا لے

کون انجمنِ ناز میں بیٹھا ہے سنبھل کر | آ بیٹھے ہیں ہم بھی دلِ مضطر کو سنبھالے
کہتے ہیں جو ہو چاند کا ٹکڑا دل پر داغ | تو بھی نہ بلائیں مرے گیسو کی بلا لے
رحمت سے نہیں دور یہ اے گرمیِ محشر | بڑھ کر جو گنہگاروں کو جنت کی ہوا لے
کیوں کوستے ہو آگ لگے رنگ حنا کو | میں چوموں جواب ہاتھ پڑیں ہونٹھوں میں چھالے
اے شیخ ترے سر کی قسم لطف نہ آیا | دستار اچھالی نہ سبو ہم نے اچھالے
اس مست کو اندیشۂ فردا نہیں واعظ | جو جا کے جہنم میں بھی جنت کا مزا لے
وہ بھی تو کھڑے دیکھتے تھے بام سے اپنے | اس ضعف میں بھی عرش سے اونچے گئے نالے
تم ایک ہی چلّو کے ہوئے حضرتِ واعظ | پی جاتے ہیں بھر بھر کے بلا نوش پیالے
نالوں سے بھی جاتے ہیں کیوں کانوں کے پردے | بھاری نہ تو پتے ہیں نہ بجلی ہے نہ بالے

برسات کی رت اور یہ گھنگھور گھٹائیں
اب ہم ہیں ریاضؔ اور حسیں گیسوؤں والے

کوٹھے کے رہنے والوں کی تجھ پر نگاہ ہے | اے آسمان تیری چڑھی بارگاہ ہے
لغزش کچھ اپنے پاؤں کی کچھ میکدے کا بُعد | اہلِ حرم سے دور کی اب رسم و راہ ہے
دن رات اس گھٹا سے برستی ہیں بجلیاں | کافر بڑی بلا تری چشمِ سیاہ ہے
منبر نہیں ہے تختِ شہی ہے یہ وقتِ وعظ | واعظ نہیں ہے جھوٹوں کا یہ بادشاہ ہے
ہے قحط میں گرانیِ مے اور بھی ستم | ساقی نگاہِ لطف کہ دنیا تباہ ہے
جو مجھ کو گدگدائے وہ جوبن کا ہے بہار | جو تجھ کو گدگدائے وہ میری نگاہ ہے
کئے دن ہوئے شباب کو رخصت کئے ہوئے | اے ذوقِ معصیت ابھی توبہ گناہ ہے
کہتے ہو برگِ گل سی سبک تھی لبِ رقیب | نازک سے گورے گال کی رنگت سیاہ ہے

ساحرؔ[1] کا در ہے اور ہے سر مجھ فقیر کا
سجادہ ہے ریاضؔ نہ اب سجدہ گاہ ہے

واعظ یہ بعد توبہ جو مے پر نگاہ ہے — کچھ بھی نہیں یہ وضع کا اپنی نباہ ہے
بڑھ کر نگاہِ غیر کو یہ روکتی نہیں — اِن کی بلائیں لینے کو زلفِ سیاہ ہے
ظرفِ وضو ہی جام ہے اک خُم ہے اک سُبو — اِک بوریا ہے میں ہوں مری خانقاہ ہے
واعظ کے حلق میں بھی نوالا کبھی پھنسے — کہنا یہ بھول جائے کہ پینا گُناہ ہے
او شرم والے شرم سے نکلوں تڑپ کے کیا — دل میں گڑی ہوئی تری ترچھی نگاہ ہے
کہتے ہیں کس ادا سے وہ ٹھکرا کے قبر کو — کیا فتنہ آفریں یہ تری خواب گاہ ہے
اے زلفِ یار آنکھ سے دیکھا ہے دل کا حال — میری نظر میں آج زمانہ سیاہ ہے
لطف آپ کو نہ آئے گا سُنئے اسے نہ آپ — فریادِ عندلیب نہیں میری آہ ہے

ان مہ وشوں کو داغ لگا یا ریاضؔ نے
جس سے حسیں ڈریں وہ یہی روسیاہ ہے

اور میخانہ نشیں چور بنائے نہ گئے — ہم دھرے جاتے ہیں ناحق کہیں آئے نہ گئے
شوخیاں تیری اٹھائیں گی مجھے بزم سے کیا — ان سے تو شرم کے پردے بھی اُٹھائے نہ گئے
قید نغمے کی ہوئی قیدِ قفس پر طُرّہ — ہم سے صیاد کو نالے بھی سنائے نہ گئے
پردہ ڈالا تری رحمت نے مری عصیاں پر — ان فرشتوں ہی سے مرے عیب چھپائے نہ گئے
کون سا لطف نہ فردوس میں پایا لیکن — پھر بھی دنیا کے مزے دل سے بھلائے نہ گئے
جب چلے سوئے لحد مڑ کے نہ دیکھا گھر کو — ایسے روٹھے کہ کسی سے بھی منائے نہ گئے

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

یہ سمجھ کر کہ گنہگار ہیں کس مالک کے　　نہ گئے حشر میں ہم آنکھ جھکائے نہ گئے
غیر کے جلنے سے کچھ آنچ نہ آئی تم پر　　کیوں الگ بیٹھے ہوئے آگ لگائے نہ گئے
نہ رہا حشر میں نظارے سے محروم کوئی　　قبر سے ایک ہمیں آج اٹھائے نہ گئے

کس نے دیکھا ہمیں کوچے میں حسینوں کے ریاضؔ
مفت بدنام ہوئے ہم کہیں آئے نہ گئے

جو اٹھ رہی ہے روز قیامت کے واسطے　　وہ صبح بھی نہیں شبِ فرقت کے واسطے
سینہ مرا ہے داغِ محبت کے واسطے　　پہلو میں دل ہے درد کی لذت کے واسطے
کہنا کسی کا ہائے بگڑ کر شبِ وصال　　ہم تو بنے ہیں ناز و نزاکت کے واسطے
اب مجرمانِ عشق سے باقی ہوں ایک میں　　اے موت رہنے دے مجھے عبرت کے واسطے
بن جائے کوئے یار میں تھی آرزو یہی　　اک حشر اٹھ گیا مری تربت کے واسطے
پھیلا کے پاؤں سوتے ہیں کیا اہل میکدہ　　یہ تو عجب مقام ہے راحت کے واسطے
تم کہہ دو آسمان سے جھک کر جگہ بتائے　　دو گز زمین چاہئے تربت کے واسطے
فتنے سے ان کی چال سے کچھ بڑھ چلی تھی بحث　　کیا اٹھ رہا کچھ آج قیامت کے واسطے
اے دل کسی کے زلف کا تو جب سے ہو رہا　　آنکھیں ترس گئیں تری صورت کے واسطے
لے باغباں وہ باغ میں صیاد آگیا　　اب ہم چمن سے جاتے ہیں مدت کے واسطے

ہر دم دعائیں دیتے ہیں سرکارؔ کو ریاضؔ
ہاتھ اٹھتے ہیں ترقیٔ دولت کے واسطے

صلائے عام ہے وسعت بڑھی زباں کے لئے　　صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

لہ ۔ سر مہاراجہ محمود آباد

یہ کس کے نام نے لے لی زباں میں چٹکی
کہ بیقرار ہوئیں شوخیاں بیاں کے لئے

ابھی تو بات بھی کوئی نہ آئی تھی لب تک
اثر نے دوڑ کے بوسے مری زباں کے لئے

ہوئی کسی کا ہے کو تاثیر اس طرح بے چین
کسی کی نیم شبی نالہ و فغاں کے لئے

زبانِ خشک کو دعوے ہے گل فشانی کا
زباں کے کانٹے بنیں پھول زباں کے لئے

نئے شگوفے کھلانے بہار آئی ہے
نیا ہے رنگِ اثر آج ہر فغاں کے لئے

ترقیاں ہیں یہی تو صدائے خندۂ گل
بنے گی نغمۂ نو مرغِ نغمہ خواں کے لئے

شکستِ آبلۂ پا کی بے سکت آواز
فغاں بنے گی جرس ہائے کارواں کے لئے

یہ باغ وہ ہے کہ سینچا ہی خونِ دل سے اسے
بہار بھی ہو نئی ایسے بوستاں کے لئے

یہی ہوا جو رہے گی زمینِ گلشن کی
نئے شگوفے کھلیں گے اب آسماں کے لئے

ستارے جتنے ہیں اب اور رنگ بدلیں گے
بنیں گے پھول وہ دامانِ کہکشاں کے لئے

اُڑیں گے اور بھی اب اونچے نغمہ خوانِ بلبل
بلند جائیں گے طوبیٰ سے آشیاں کے لئے

یہ فیض عام جہاں میں صلائے عام کا ہے
فغاں اثر کے لئے ہے اثر فغاں کے لئے

عجیب دائرے بیاں ہے عجیب طرز بیاں
کہاں یہ حسنِ بیاں غیر کی زباں کے لئے

شعاعِ مہر نمایاں خطوطِ مسطر سے
ضیا فزا ہے ہر اک سطر کہکشاں کے لئے

ہر ایک دل کا سویدا ہے نقطۂ روشن
یہ نور آنکھ کی پتلی کا ہے جہاں کے لئے

اُٹھائے دستِ نظر سے سب آنکھ میں رکھ لیں
عجیب چیز ہے یہ اپنے قدرداں کے لئے

حروف کی نگہہ نکتہ رس بلائیں لے
نظر فریب ہے ہر نکتہ نکتہ داں کے لئے

رہے گی جان پڑی اس میں ہر سخنور کی
ہر ایک دائرہ ہے دامِ مرغِ جاں کے لئے

ہر ایک صفحہ ہے تختہ زمینِ دہلی کا
ہوئی زمیں سببِ فخر آسماں کے لئے

یہ وہ زمیں ہے کہ جس پر ہے تاج کا سایہ — وہ سایہ تاج ہو جو فرقِ فرقداں کے لئے

کہو فلک سے کہ جھک جھک کے لے زمیں کے قدم — کہ ہیں زمیں کے قدم آج آسماں کے لئے

اسی زمینِ مبارک پر آج ہے دربار — یہی ہے مرجعِ عام آج اک جہاں کے لئے

ہوئے ہیں تخت نشیں آج پنجم جارج — یہ وہ خوشی ہے کہ ہے عید اک جہاں کے لئے

بڑھی ہے دِلّی عروس البلاد لندن سے — کہ تخت گاہ ہی یہ شہِ جہاں کے لئے

وہ شاہ جو ہے شہنشہ سے بڑھ کے رتبے میں — وہ شہر یار جو قیصر بنا یہاں کے لئے

یہ آسماں سے کہو بن کے فرش بچھ جائے — جگہ نکالی ہے ہم نے کچھ آسماں کے لئے

جگہ نہیں کہیں تل دھرنے کی قیامت ہے — وہ تل جو حسن فزا ہی رخِ بتاں کے لئے

جگہ نہ کمپ میں باقی نہ شہر میں باقی — کسی سے بھی نہیں کہتا کوئی مکاں کے لئے

قدم جو شاہ کے آئے یہ ہے اثر اس کا — کہ ہر مکاں میں جگہ نکلی کارواں کے لئے

ہر اک مکاں میں ہے سامان وسیع ہوٹل کا — کہ ہر طرح کا ہے آرام میہماں کے لئے

دلوں میں آنکھوں میں لیتے ہیں میہمانوں کو — بڑے مزے کی سرائیں ہیں کارواں کے لئے

صلائے عام کے صفحے ہیں ان سے بھی بڑھ کر — جگہ نکالی ہے بزمِ شہِ جہاں کے لئے

اسی کے واسطے نکلا ہے اب یہ نمبر خاص — بڑھائے صفحے کئی وسعتِ بیاں کے لئے

خدا کرے یونہی پھولے پھلے یہ باغِ سخن — خزاں نہ اس کے لئے ہو نہ یہ خزاں کے لئے

ریاض کوئی غزل اور اس زمین میں کہو
مگر جو خاص ہو یارانِ نکتہ داں کے لئے

تری گلی سے اٹھے فتنے اک جہاں کیلئے — نہ اک جہاں کے لئے بلکہ آسماں کے لئے

کہے نہ اب کوئی چبھتی ہوئی فغاں کے لئے — کہ آہیں کانٹے ہیں سوکھی ہوئی زباں کے لئے

چھری نہ تیز کریں آپ امتحاں کے لئے　　بہت ہی نیم نگہ مجھ سے نیم جاں کے لئے

شبِ فراق کے جاگے ہوؤں کو مل جائے　　وہ نیند زہر جو ہو ان کے پاسباں کے لئے

بلائیں پیار سے لیں عمرِ جاوداں نے مری　　کچھ اس ادا سے مرے مرگِ ناگہاں کے لئے

لبوں تک آئے نہ جائے یہ عرش تک نہ سہی　　تڑپ رہا ہے مرے ساتھ اثر فغاں کے لئے

کسی کی چینِ جبیں پر مجھے ہنسی آئی　　ذرا سی تیغ چلی میرے امتحاں کے لئے

ہمارے دل میں کہاں تھا ری پیاری ہنس مکھ شکل　　وہ آرسی کے لئے یہ غمِ نہاں کے لئے

مری گلی میں وہ آکر مری گلی کا ہوا　　قدم زمیں نے بڑھا ان کے پاسباں کے لئے

اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہے بادِ تند کی موج　　نئی یہ شاخ ملی مجھکو آشیاں کے لئے

نہ رہروانِ عدم چھوٹ کر ملے ہم کو　　اُڑائی خاک بہت ہم نے کارواں کے لئے

تم اچھے آئے لگانے فلک کو داغِ جگر　　ہماری پاس ہیں انگارے آسماں کے لئے

وہ دیکھکر مرے سوتے نصیب کو بولے　　یہ میٹھی نیند کہاں میرے پاسباں کے لئے

یہ ذرے خاک کے تو خاک میں ملائیں گے　　مرا غبار بہت ہے اس آسماں کے لئے

قفس میں ہم تھے گھری بادلوں میں بجلی تھی　　تڑپ تڑپ کے رہے وہ نوا آشیاں کے لئے

ملے بھی خضر تو یہ تم سے نیک بندے کو　　گناہگار نہ تھے عمرِ جاوداں کے لئے

قفس کے گرد شرر بجلیوں کی ہے صیاد　　یہ تنکے چن کے مجھے دیدی آشیاں کے لئے

ریاضؔ کاٹتے ہیں دن ہم اپنی عمر کے یوں
دعائیں مانگتے ہیں مرگِ ناگہاں کے لئے

کوئی جانے یہی ہیں ایک جلوا دیکھنے والے　　یہ موسیٰ اچھے آئے جا کے تنہا دیکھنے والے

تری نازک سی سوئی کیا سمائی ان کی آنکھوں میں　　ہماری آبلے ہیں خارِ صحرا دیکھنے والے

نئی ناقوس میں پھونکی ہے جس نے روح وہ میں ہوں ۔۔۔ ابھی موجود ہیں اہل کلیسا دیکھنے والے
کھلیں گی بے ثباتی دیکھکر آنکھیں حبابوں کی ۔۔۔ یہی ہیں سر اٹھا کر جوش دریا دیکھنے والے
پہنچتے ہیں جو راتوں کو وہاں چھپ چھپ کے وہ ہم ہیں ۔۔۔ نہ طوفاں دیکھنے والے نہ دریا دیکھنے والے
نہیں اُٹھنے کے تیری راہ سے گو حشر بھی اُٹھے ۔۔۔ جمے بیٹھے ہیں یوں نقش کف پا دیکھنے والے
اُڑا اے پردہ محمل ہوا مجنوں کے کہنے سے ۔۔۔ یہ اچھے آئے کھل کر روئے لیلیٰ دیکھنے والے
خدا جانے غش آیا جلوہ گاہ طور میں کس کو ۔۔۔ وہ کس سے پوچھتے ہیں مجکو دیکھا دیکھنے والے
ہم اپنی وضع رندانہ کریں کیوں ترک محشر میں ۔۔۔ یہی ہوں گے وہاں بھی اہل دنیا دیکھنے والے
حنائی ہاتھ کا صدقہ بجھا دے اب لگی دل کی ۔۔۔ لگا کر آگ اس گھر میں تماشا دیکھنے والے
ترے مشتاق نظارہ الگ بیٹھے ہیں محشر سے ۔۔۔ وہاں کیا کرنے آئیں تجکو تنہا دیکھنے والے
گرے غش کھا کے موسیٰ تو صدا یہ طور سے آئی ۔۔۔ کھلی آنکھیں تمہی کچھ تونے دیکھا دیکھنے والے
سنو افسانہ جم، جام رکھ کر سامنے اُن کے ۔۔۔ ابھی دو چار ہیں جم کا زمانا دیکھنے والے
یہی مینا دکھائے گا مزا طاؤس گلشن کا ۔۔۔ گھٹا کے منتظر ہیں رقص مینا دیکھنے والے
نشیمن میں نہیں ہیں، تو شرار برق کیوں جائیں ۔۔۔ یہ جا کر کون میرا آشیانا دیکھنے والے
وفا ہو یا نہ ہو وعدہ، یہی دن ہے قیامت کا ۔۔۔ کہیں کیا اپنے منہ سے منہ تمہارا دیکھنے والے

یہ جتنے پینے والے ہیں ریاض ان سب کے مرشد ہیں
ہمیشہ جام مے میں نور حق کا دیکھنے والے

اور کچھ ہے دل کا آنا دل میں آنا اور ہے ۔۔۔ دل میں گھر کرنے کو آنکھوں میں سمانا اور ہے
جب کہا کوئی شب وعدہ بہانا اور ہے ۔۔۔ ہنس کے بولے غیر کے گھر مجکو جانا اور ہے
ساتھ تیرے ہم بھی رخصت ہوں گے اے فصل بہار ۔۔۔ باغ میں دو چار دن اب آشیانا اور ہے

رات بڑھ جائے گی دیکھو داستانِ غیر سے
نیند اڑ جائے گی اس سے یہ فسانا اور ہے

خنجرِ قاتل اٹھائے خوب ہم نے تیرے ناز
وقت آخر اب اجل کا ناز اٹھانا اور ہے

جا ابھی اے قاصد ہوا ہے خوب تیرا امتحاں
کام کرنا اور ہے باتیں بنانا اور ہے

حضرتِ ناصح جوانی میں مجھے رکھئے معاف
پیر و مرشد توبہ کرنے کا زمانا اور ہے

حشر کے دن دامنِ قاتل بھی ہے خنجر بھی ہے
خون ناحق آج تجھکو رنگ لانا اور ہے

ذکر تیرے حسن کا کچھ ذکر میرے عشق کا
دشمنوں کے کان بہرے یہ فسانا اور ہے

جائیں گے تیری گلی سے اٹھ کے ہم سو اکہاں
کیا کہیں دنیا میں ایسوں کا ٹھکانا اور ہے

پارسایانہ وہ اگلی وضع نبھ سکتی نہیں
اور تھا اگلا زمانہ اب زمانا اور ہے

دن گئے وہ سن گیا راتیں گئیں باتیں گئیں
وہ زمانہ اور تھا اب یہ زمانا اور ہے

بزم میں اہلِ عزا کچھ اور کرلیں انتظار
چوٹی وہ گندھوا چکے مہندی لگانا اور ہے

تم خفا ہو کر کہاں جاتے ہو کعبے سے ریاضؔ
کوئی سجدے کے لئے کیا آستانا اور ہے

میرے لب پر کبھی تو بن کے دعا بھی آئی
تجھے اے آہ مری بات بنا بھی آئی

ان سے کچھ یہ شفقِ شام لگا بھی آئی
کہ شبِ وعدہ جو آئی تو حنا بھی آئی

اتنے دن آئے ہوئے مجکو قفس میں گزرے
جھانکنے کو کبھی گلشن سے ہوا بھی آئی

تو ہمیشہ رہی قاتل کے کمر میں اے تیغ
تیرے صدقے تجھے قاتل کی ادا بھی آئی

دردِ فرقت کی اذیت کا نہ پوچھو کچھ حال
آج گھبرا کے کئی بار قضا بھی آئی

بھولتا ہی نہیں کہنا یہ کسی کافر کا
تجھے بھولے سے کبھی یاد خدا بھی آئی

اٹھ رہی تھیں اسی دن کے لئے نیچی نظریں
چٹکیاں قبر میں لینے کو حیا بھی آئی

حشر کے دن بھی رہی بات وہی آنکھ وہی — جھوٹے وعدوں سی تجھے شرم ذرا بھی آئی

شمع کے واسطے تھی جنبشِ دامن کافی — ان کے دامن سی لگی بادِ صبا بھی آئی

آگیا شکر زبان پر جو کیا خُم خالی — پیٹ اپنا جو بھرا یادِ خدا بھی آئی

آئے میخانے میں جب مسجدِ جامع سے ریاضؔ
ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

اپنے سر میرے گنہ کا بار رہنے دیجئے — شیخ جی اچھی ہے یہ دستار رہنے دیجئے

دیجئے کیوں دل کے بدلے ہار رہنے دیجئے — جو نہ مجھسے اُٹھ سکے وہ بار رہنے دیجئے

آکے قابو میں نہ کہئے پیار رہنے دیجئے — پیارے پیارے منہ سی اب انکار رہنے دیجئے

کی ہے پیدا کیا نزاکت نے لچک وقتِ خرام — اب کمر میں یہ نئی تلوار رہنے دیجئے

بات کیا ہی بات کہتی وصل میں گزری گی رات — رات بھر کی بات ہے تکرار رہنے دیجئے

ہر طرف سے اے جنوں آئے گا صحرا کا مزا — دل میں ہے گھر بے در و دیوار رہنے دیجئے

وہ نگاہیں اب کہاں ہیں جن سی شرماتے تھے آپ — مرنے والوں سے تو آنکھیں چار رہنے دیجئے

حشر کے دن قبر سے میں آنکھ سی نکلے گی وہ — میرے دل میں حسرتِ دیدار رہنے دیجئے

خواب میں بھی ہونے پائے گا نہ دشمن کا گزر — آپ سو رہئے مجھے بیدار رہنے دیجئے

اس سے اچھا ہے کہ میری جان لے بیمار آنکھ — آنکھ کا صدقہ مجھے بیمار رہنے دیجئے

شیخ صاحب یہ نہ دے گا پنبۂ مینا کا کام — آپ اپنا طرۂ دستار رہنے دیجئے

بن کے چلنا تن کے چلنا سادگی کے ہے خلاف — کبک کی طاؤس کی رفتار رہنے دیجئے

ایسی کیا جامہ دری ایسا جنوں بھی کیا ریاضؔ
کوئی تو اپنے کفن کو تار رہنے دیجئے

ناتواں پر ڈالئے کیوں بار رہنے دیجئے | دور مجھسے سایۂ دیوار رہنے دیجئے

نزع میں الفت کا اب اظہار رہنے دیجئے | چھوڑیئے بھی جان میری پیار رہنے دیجئے

جب کہا اس کو گلے کا ہار رہنے دیجئے | وہ جھٹک کر ہاتھ بولے پیار رہنے دیجئے

شعر سُن کر گالیاں ہر بار رہنے دیجئے | آپ سُننے کو مرے اشعار رہنے دیجئے

سربکف ہیں آپ کے کوچے میں لاکھوں سرفروش | گرم کچھ دن موت کا بازار رہنے دیجئے

لے کے دل پہلو مرا خالی کئے جاتے ہیں آپ | میرے دل کے داغ تو دو چار رہنے دیجئے

رہ کے پردے میں مجھے بیتاب کرنا کیا ضرور | آپ اپنی شوخیِ گفتار رہنے دیجئے

کیوں تعرض مجھ سے ہی اے حضرتِ واعظ مجھے | رشتۂ بندِ سبحہ و زنار رہنے دیجئے

جو اُٹھائے قبر سے مجکو وہ چلئے چال آپ | جو اُٹھائے حشر وہ رفتار رہنے دیجئے

بعد مدت کے ملی ہے رات اک برسات کی | گالیوں کی آج تو بوچھار رہنے دیجئے

برگِ گل رکھ لیں گے کچھ مسکی ہوئی محرم کی شرم | اپنے سینے پر گلے کا ہار رہنے دیجئے

آرہوں تو آرہے سر پہ مرے دیوار بھی | آپ ایسا سایۂ دیوار رہنے دیجئے

شوق ہے تو آئینہ رکھ لیجئے رخسار پر | عکس کے رخسار پر رخسار رہنے دیجئے

کیوں یہ ہے نازک کمر میں کیا یہ میرا ہاتھ ہے | چلتی پھرتی ہاتھ میں تلوار رہنے دیجئے

میری تربت غیر کا گھر غیر کا کوچہ نہیں | یہ ادا یہ ناز یہ رفتار رہنے دیجئے

شیخ صاحب سوئے میخانہ ریاضؔ آتے ہیں آج
فرشِ راہِ میکدہ دستار رہنے دیجئے

آغازِ جوانی کی ادا اور ہی کچھ ہے | اُٹھتی ہوئی کونپل کا مزا اور ہی کچھ ہے

دل اور ہی کچھ داغ مرا اور ہی کچھ ہے | چھونا نہ اسے تم یہ بلا اور ہی کچھ ہے

او بندۂ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے — بت پردہ ہیں پردے میں چھپا اور ہی کچھ ہے
شرمیلی نگاہوں کی ادا اور ہی کچھ ہے — قربان حیا کے یہ حیا اور ہی کچھ ہے
اُڑتے ہوئے میخانے چلے آتے ہیں رندو — اُٹھتی ہوئی ساون کی گھٹا اور ہی کچھ ہے
کر دیتی ہے گھر صاف لگائی ہوئی تیری — آگ اور ہی کچھ ہے یہ حنا اور ہی کچھ ہے
محفل میں بھی دیکھا ہے حسینوں کو پلاتے — خلوت میں پلانے کا مزا اور ہی کچھ ہے
کیا ہاتھ اُٹھے ہاتھ اُٹھا بیٹھے دعا سے — اُٹھ جائے تو ہاں دستِ دعا اور ہی کچھ ہے
جانے نہیں دیتے مجھے دوزخ میں فرشتے — کیا میرے گناہوں کی سزا اور ہی کچھ ہے
تو عرش نشینوں سے ذرا حالِ اثر پوچھ — او بام نشیں آہ رسا اور ہی کچھ ہے
ہم رندا سے کہتے ہیں کوثر کی اچھوتی — اے شیخ مے ہوش ربا اور ہی کچھ ہے
رندوں نے چھڑک دی ہے جو تو پوچھ رہا ہے — زاہد تری ڈاڑھی میں لگا اور ہی کچھ ہے
سجدے کے لئے سر یہ جھکا دیتی ہے میرا — اے شیخ مری لغزشِ پا اور ہی کچھ ہے
اللہ نے سنو اے اب اس درد کی آواز — ٹوٹا ہے کوئی دل یہ صدا اور ہی کچھ ہے

سرسبز ریاضؔ آپ کبھی ہو نہیں سکتے
افسوس زمانے کی ہوا اور ہی کچھ ہے

اے چرخ حسینوں کی جفا اور ہی کچھ ہے — چھیڑوں میں حسینوں کے مزا اور ہی کچھ ہے
وہ سوتے ہیں سونے کی ادا اور ہی کچھ ہے — اے بندِ قبا قصد مرا اور ہی کچھ ہے
گو جھومتے ہیں دیکھ کے ہم دخترِ رز کو — لیکن تری مستانہ ادا اور ہی کچھ ہے
نشتر سے چلے کام تو سو بار چبھو لوں — اے دردِ جگر تیری دوا اور ہی کچھ ہے
کہتا ہوں سنا کر تجھے میں او بتِ کافر — اللہ سے اب میری دعا اور ہی کچھ ہے

کچھ اور ہی وہ لطف ہی کچھ اور ہی لذت — صحبت میں حسینوں کے مزا اور ہی کچھ ہے
مستوں سے الجھنا کبھی کنجِ چمن میں — ان کی روش اے بادِ صبا اور ہی کچھ ہے
پتھر سے کچلوائے گی یہ ہاتھ ہمارے — بہکے ہوئے ہاتھوں کی خطا اور ہی کچھ ہے
قاصد یہ زباں اس کی بیاں اس کا نہیں ہے — دھوکا ہے تجھے اس نے کہا اور ہی کچھ ہے
لے بیٹھے ہیں وہ غیر کی باتیں مرے منہ پر — ان سے یہ کہے کون سُنا اور ہی کچھ ہے
جب تک نہ پئے کوئی اسے پانی ہے پانی — پی لے تو مے ہوش رُبا اور ہی کچھ ہے
اے شیخ یہ جب آتی ہے چھا جاتی ہے سب پر — برسات کی گھنگھور گھٹا اور ہی کچھ ہے
آغوش میں کھینچا سرِ محشر تو وہ بولے — یہ روزِ قیامت نہیں کیا اور ہی کچھ ہے
قربان ترے نام کے اے احمدِ مرسل — تو نامِ خدا اصل علیٰ اور ہی کچھ ہے

اچھا ہے ریاضؔ آپ کے سرکار کا مصرع
جو وقت پر اُٹھے وہ گھٹا اور ہی کچھ ہے

دل سے چھیڑیں ہیں نگاہِ ناز کی — ہو نہ افشا بات یہ ہے راز کی
کاش مل جاتی جوانی کے عوض — ایک ساعت عشق کے آغاز کی
طور کیسا اُن کے دل پر ہے اثر — اُف ری گرمی شعلۂ آواز کی
وائے قسمت جب قفس کا در کھلا — اُڑ گئی طاقت پرِ پرواز کی
جس قیامت کی ہے اتنی دھوم دھام — موج ہے ان کے خرامِ ناز کی
ڈال کر منہ میں دیکھا ظرفِ خم — بات جو کہنا تھی کہہ دی راز کی
ناوکِ صیاد کیا کہنا ترا — دل میں حسرت رہ گئی پرواز کی

سرمہاراجہ بہادر اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔

فتنہ قدِ مینائے مے کچھ ہے ریاضؔ
کچھ ادا میری بتِ طنّاز کی

نیند میں پوچھتے ہیں وہ تری حسرت کیا ہے
کھُل نہ جائے کہیں ان پر مری نیت کیا ہے

ہم نے دیکھا ہی اسے اس کی حقیقت کیا ہے
آپ کے پاؤں کی ہے خاک قیامت کیا ہے

نہ اُٹھی گرد بھی ٹھوکر سے یہ آفت کیا ہے
آخر ایسی گئی گزری مری تربت کیا ہے

صبح تک کام بنے تو ہے غنیمت شبِ وصل
شام ہی سے انھیں چھیڑوں مری شامت کیا ہے

رگِ گل کو نہ کمر بن کے لچکتے دیکھا
اے صبا ان ترے پھولوں میں نزاکت کیا ہے

آگے دو آنسو گرا لے کوئی اُمید نہیں
اب مری قبر سے لپٹی ہوئی حسرت کیا ہے

داغِ دامن نہ بناؤ اسے تم پھینک بھی دو
دلِ پُر داغ کی ایسی بھی محبت کیا ہے

بزمِ ساقی ہو مرا گھر ہو کہ میخانہ ہو
جب اُڑانے کو ملے پھول تو جنّت کیا ہے

اے حنا رنگ حسینوں میں جما ہے تیرا
تیرے آگے دلِ پُر خوں کی حقیقت کیا ہے

کس قدر شوخ حسینوں کو ستانے والی
ناز ہم کو ہے ہماری بھی طبیعت کیا ہے

آسماں ٹوٹ پڑے تو نہ اثر ہو مجھ پر
انجم افشاں مرے سر پہ شبِ غربت کیا ہے

بات کہنے کی نہیں ہے کہیں خلوت کے سوا
کیا بتاؤں سرِ محفل مجھے حیرت کیا ہے

ہم وہاں ہیں کہ جہاں دونوں برابر ہیں ہمیں
یہ شبِ وصل ہے کیا یہ شبِ فرقت کیا ہے

ہوں گے آباد یہ ویران نشیمن کب تک
اے اسیرانِ قفس قید کی مدت کیا ہے

چھیڑتی ہے تجھے کیا نجد کی دامن کی ہوا
آج اے ناقۂ لیلےٰ تجھے وحشت کیا ہے

کیا بتاؤں مجھے بے درد وہ کیوں کہتے ہیں
کیا کہوں مجھ سے حسینوں کو شکایت کیا ہے

یاد آئیں گے یہ جنّت میں مجھے اے واعظ
لطف کیا میرے معاصی میں ہے لذت کیا ہے

ہم تو جب جانیں کہ کچھ کام ہمارے آئے — دسترس جب نہ ہو تو حسن کی دولت کیا ہے

اے ریاضؔ آؤ بھی جاتے ہو کہاں زنداں سے
نہ کھلے گل نہ بہار آئی یہ وحشت کیا ہے

ساتھ سایے کی طرح وحشت میں عریانی ہوئی — مجھ سے دیوانے کے پیچھے یہ بھی دیوانی ہوئی
صدقے ان کی زلف کے میری پریشانی ہوئی — میں تو دیوانہ تھا یہ بھی آج دیوانی ہوئی
ان کی آنچل میں ادا بن کر قیامت چھپ چکی — وہ مری جانی ہوئی وہ میری پہچانی ہوئی
کس کے جلوے نے نگاہِ شوق پر ڈالا اثر — طور کے دامن میں اچھی برق جولانی ہوئی
اب جو کھل کھیلیں یہ جوبن کوئی اس کو کیا کرے — پردے پردے میں بہت ان کی نگہبانی ہوئی
مانتے ہیں وہ مجھے یہ غیر کو تسلیم ہے — مان لیتے ہیں مری یہ بات ہے مانی ہوئی
غیر ہی کے ہو رہیں اب کیا رفو کرتے ہیں وہ — چاک دامانی سہی ان کی چاک دامانی ہوئی
قحط تھا کتنے مزے کا حسن ارزاں بک گیا — اس گرانی میں مزے آئے وہ ارزانی ہوئی
زلف و رخ نے مارا تارا دیدہ و دل کیا کہیں — کس کو حیرانی ہوئی کس کو پریشانی ہوئی
زمزمی میں جامِ مے میں گر گیا پانی سوا — تھی مری قسمت میں جیسی آج سب پانی ہوئی
وعدہ دشمن سے نہ تھا تو حشر میں شرمائے کیوں — اس طرح وہ چپ ہیں گویا بات ہے مانی ہوئی
دیکھ کر سبزہ مری تربت کا بدلی وضعِ جور — آسمانی آپ کی پوشاک کیوں دھانی ہوئی
ڈھیر ہیں کتنے یہاں بامِ حسیناں ہی بلند — جنسِ دل اٹھتی نہیں اتنی فراوانی ہوئی
پاک صاف ایسی ہی جس نے پی فرشتہ بن گیا — زاہد یہ حور کے دامن میں ہے چھانی ہوئی
بند ٹوٹے مسکی محرم رنگ اڑا جوبن لٹا — غیر کے گھر جا کے ان کی خوب مہمانی ہوئی
آئیں جائیں گے عدو ہم توڑ کر بیٹھیں گے پاؤں — آپ نے دربان بنایا ہم سے دربانی ہوئی

شکل کیا کھینچی مری میں گردبادِ وحشت تھا　　گرد تصویرِ جنوں سے صنعت مانی ہوئی
پہنچتے ہی دنیا کے جھگڑوں سے ہوئے بے فکر ہم　　کس قدر دشواریاں تھیں کتنی آسانی ہوئی

دامن گلچیں میں بھی کچھ پھول برسائے ریاضؔ
کہئے کچھ اس کی زمیں میں بھی گل افشانی ہوئی

پہنچ جائے کسی کے بام تک یارب فغاں میری　　لگی لپٹی گئی ہو ساتھ جانِ ناتواں میری
مرے صیاد چھڑوائے گی گھر تجھ سے فغاں میری　　قفس میں آج کوئی تالو سے لگتی زباں میری
بتوں کے بام سے مجھ پر یہ کیوں پتھر برستے ہیں　　گرے اس طور پر بجلی لڑی قسمت کہاں میری
سمجھ کر سرگزشتِ غیر ان کو لطف آتا ہے　　سُنا کرتے ہیں پہروں منہ سے میرے داستاں میری
وہ کیا دن تھے کہ راتیں اس طرح باہم گزرتی تھیں　　دہن میرا زباں ان کی دہن ان کا زباں میری
رگِ گل کی طرح رکھا ہے تنکوں کو نشیمن میں　　پھلے پھولے مرے اللہ شاخ آشیاں میری
کیا یہ رنگ پیدا مدتوں رہ کر کلیسا میں　　حرم میں نغمۂ ناقوس بنتی ہے اذاں میری
بلا کر بام پر فریاد تم سنتے ہو ناداں ہو　　کہو کیا ہو جواب سے دور سن لے آسماں میری
حسینوں کی طرح ان کو بنایا ہے سنوارا ہے　　بلائیں بھی پری بن کر ہوئی ہیں میہماں میری
انہیں کے سب ہیں منہ دیکھے لگا دو آگ گلشن میں　　نہ گل ہمداستاں میرے نہ سوسن ہم زباں میری
دمِ آخر جو آئیں بھی تو یارب اس طرح آئیں　　مزا دیں قلقلِ مینا کا مجکو ہچکیاں میری
بلا لائے کوئی جا کر کسی سے تم ذرا کہدو　　عدو کے گھر چھپی بیٹھی ہو مرگِ ناگہاں میری
اثر اب دوڑ کر آئے نہ گردوں سے تو میں جانوں　　مجھی کو کوستی نکلی مرے لب سے فغاں میری

ریاضؔ اک عمر گزری دیر میں آئے مگر اب تک
حرم میں گونجتی پھرتی ہے راتوں کو اذاں میری

جوانی مئے ارغوانی سے اچھی
مئے ارغوانی جوانی سے اچھی

بقا جس میں ہو شئے وہ فانی سی اچھی
نہیں موت اس زندگانی سے اچھی

جوانی ہو اچھی سی اچھی کسی کی
نہ ہوگی تمہاری جوانی سے اچھی

یہ مے شیخ کو نار دوزخ سے بڑھ کر
یہ مے ہم کو جنت کی پانی سے اچھی

ہمیشہ کو اب ہوگئی آنکھ موسیٰ
صدا ہوگی کیا لنترانی سے اچھی

اگر پاسبانی ملے تیرے در کی
تو خدمت نہیں پاسبانی سے اچھی

ملا ٹوٹ کر ہم نے توبہ جو توڑی
بنھی چند دن شیخ فانی سے اچھی

نشانہ بنے دل رہے تیر دل میں
نشانی نہیں اس نشانی سے اچھی

تری خوش بیانی کا کیا ذکر واعظ
خموشی تری خوش بیانی سے اچھی

جوانی تو گزری بڑھاپے سے بدتر
گزر جائے پیری جوانی سے اچھی

جو الفت میں حاصل ہوئیں قیس تجکو
یہ ناکامیاں کامرانی سے اچھی

ریاضؔ آرہو تم جو شاہ[1] کے در پر
رہے موت بھی زندگانی سے اچھی

لپٹی ہوئی تربت سی نہ حسرت ہو کسی کی
ٹھکراتے ہوئے ڈرتے ہیں تربت ہو کسی کی

بے چین شب وصل نزاکت ہو کسی کی
ایسی بھی نہ بیتاب طبیعت ہو کسی کی

دنیا ہے مٹی اس غضب آلود نگہ پر
کیا ہو جو ان آنکھوں میں مروّت ہو کسی کی

دیکھے ہی نہیں فتنہ خرامی کے یہ انداز
ٹھکراتے ہوئے جائیں گے تربت ہو کسی کی

بیمار کے بالیں سے یہ کہتے ہوئے گزرے
دیکھی نہیں جاتی ہی مصیبت ہو کسی کی

[1] ۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد

چھائی ہوئی ہے چھاؤنی اُجڑی ہوئی گھر میں ۔ کام آئی تھی میرے شبِ فرقت ہو کسی کی
محشر ہی میں کیا دیکھ کے بگڑی ہے طبیعت ۔ پہلے سی جو بگڑی ہوئی نیت ہو کسی کی
بن ٹھن کے چمکتے ہوئے آئے ہو شبِ وصل ۔ تم آج تو چمکی ہوئی قسمت ہو کسی کی
وحشت کا بُرا ہو کہ بنانے کو گریباں ۔ لے لیتے ہیں ہم گردشِ قسمت ہو کسی کی

ہیں یوں تو ریاضؔ اور بھی دنیا میں سخنور
مشکل ہے تمہاری سی طبیعت ہو کسی کی

دلربا یا نہ ہر اندازِ سخن کس کا ہے ۔ کھینچ لے دل کو وہ بے ساختہ پن کس کا ہے
ایک سی شوخ ہے دونوں میں لہو کی رنگت ۔ ملتا جلتا ترے دامن سے کفن کس کا ہے
وہ قیامت سی سواہیں تو قیامت ان سے ۔ نہ کھلا کس نے اُڑایا یہ چلن کس کا ہے
شجرِ گل سرِ تربت یہ دکھاتے ہیں بہار ۔ پوچھ جاتی ہے خزاں آکے چمن کس کا ہے
پھر کے غربت سے نشاں ہائے کچھ ایسے معدوم ۔ بھول کر بھی نہ یہ پوچھا کہ وطن کس کا ہے
اک ہمیں ہیں کہ بہک جاتے ہیں توبہ کی طرف ۔ ورنہ رندوں میں بُرا چال چلن کس کا ہے
دل میں گھر کرنے کو ہے شوخ نگاہی کس کی ۔ چٹکیاں لینے کو بیساختہ پن کس کا ہے

چوم لیں کیوں نہ حسینانِ جہاں مُنہ میرا
اے ریاضؔ اور یہ اندازِ سخن کس کا ہے

بات دل کی زبان پر آئی ۔ آفت اب میری جان پر آئی
آرزو کیوں زبان پر آئی ۔ ان کی زلف اُڑ کے کان پر آئی
کھچتے ہی اُڑ گئی وہ بادہ فروش ۔ چوکھی ے کب دکان پر آئی
ہو گئی اونچی ان کے بام سے آہ ۔ آفت اب آسمان پر آئی

کی فرشتوں نے جب صراحتِ جرم — ہنسی ان کے بیان پر آئی

جب چلی آسماں سے کوئی بلا — سیدھی میرے مکان پر آئی

غیر کا ساز بن کے راز رہا — بات سب پاسبان پر آئی

رو کے رکتا نہیں ہے سیلِ سرشک — اب تباہی مکان پر آئی

آئی بوتل بھی میکدے سے ریاضؔ
جب گھٹا آسمان پر آئی

آرزو بھی تو کر نہیں آتی — دل میں ہے ہونٹھ پر نہیں آتی

وصل کی رات کے سوا کوئی شام — ساتھ لے کر سحر نہیں آتی

چلی جاتی ہے ان کے گھر مری نیند — جا کے پھر رات بھر نہیں آتی

وہ مجھے کوستے ہیں او تاثیر — عرش سے تو اتر نہیں آتی

پہلے آتی تھی لے قفس والو — اب صبا بھی ادھر نہیں آتی

چپ کھڑے ہیں وہ پیشِ داورِ حشر — بھولے ہیں بات کر نہیں آتی

کبھی آجاتی تھی مقدر پر — اب ہنسی ہونٹھ پر نہیں آتی

ارے واعظ ڈرا نہ تو اتنا — کیا لبے درگزر نہیں آتی

جب تک آئے نہ کوئی چاند سی شکل — شبِ مہ میرے گھر نہیں آتی

حشر کے دن بھی داغ دامن میں — شرم اے چشمِ تر نہیں آتی

کمر ان کی بہت ہی نازک ہے — زلف بھی تا کمر نہیں آتی

گم ہیں راہِ جنوں میں اہلِ جنوں — ہیں مگر کچھ خبر نہیں آتی

آپ کو اپنی آرسی کے سوا — اچھی صورت نظر نہیں آتی

شرم آتی ہے دل میں سَو سَو بار ۔۔۔ توبہ لب پر مگر نہیں آتی

وائے قسمت کہ بیکسی بھی ریاض
اب مری قبر پر نہیں آتی

ضد ہماری دعا سے ہوتی ہے ۔۔۔ ہم سے کیا اب خدا سے ہوتی ہے

نامہ بر جائے گا ہوا سے تیز ۔۔۔ شرط بادِ صبا سے ہوتی ہے

نہ جفا سے ہی میرے دل کو قرار ۔۔۔ نہ تسلی وفا سے ہوتی ہے

سینے سے جب اُڑاتی ہے آنچل ۔۔۔ کُھل کے بادِ صبا سے ہوتی ہے

نزع میں ان سے پھیر لیں آنکھیں ۔۔۔ چار آنکھ اب قضا سے ہوتی ہے

سچ تو یہ ہی کہ رنج و غم سے نجات ۔۔۔ بادۂ جانفزا سے ہوتی ہے

چارہ گر اب دعا کو ہاتھ اُٹھائیں ۔۔۔ کہ اذیت دوا سے ہوتی ہے

دونوں پسِ پس کے رنگ لاتے ہیں ۔۔۔ چھیڑ دل سے حنا سے ہوتی ہے

اے جنوں نوک جھونک کا ہی مزا ۔۔۔ خار سے نقش پا سے ہوتی ہے

بُت اُلجھتے ہیں روز مجھ سے ریاض
روز مجھ با خدا سے ہوتی ہے

جب کہا ہم باوفا کیسے ملے ۔۔۔ ہنس کے بولے غیر سے اچھے ملے

دل کے خواہاں خُلق کے پُتلے ملے ۔۔۔ جب گئی 'تعظیم کی' اُٹھتے ملے

کیا بہکتے ہوئے ہٹی رہ نما ۔۔۔ میکدے جاتے کئی رستے ملے

دل گیا ہم بھی گئے اس دل کے ساتھ ۔۔۔ اس ادا سے گیسوؤں والے ملے

خوش نہ ہو کیوں میکشوں سے میفروش ۔۔۔ جو ملے وہ گانٹھ کے پورے ملے

کھا رہا تھا جن میں چکر آفتاب — اس گلی میں ایسے بھی ذرّے ملے
ہم جہاں ان کو ملے روتے ہوئے — وہ جہاں ہم کو ملے ہنستے ملے
جام جن کے رونقِ طاقِ حرم — ہوشیار ایسے بھی متوالے ملے
خانقاہِ شیخ پر پتھر پڑیں — طاق پر رکھے ہوئے شیشے ملے
وادیٔ اُلفت میں ذکرِ خضر کیا — رہ نما ایسے ہیں کتنے ملے
بت بھی نکلے طور کے ترشے ہوئے — جو ملے آفت کے پرکالے ملے
رہ گئے تھے پاؤں میں جو ٹوٹ کر — آبلے میں دل کے وہ کانٹے ملے
جس سے ملئے ظاہر و باطن میں فرق — اس زمانے میں کوئی کس سے ملے
آشیاں کے واسطے اے برقِ طور — بجلیوں سے بڑھ کے کچھ تنکے ملے
دے رہے تھے اس گلی میں دل کا کام — خاک میں ایسے کئی ذرّے ملے
کیسے کیسے فتنہائے حشر خیز — خوابگاہِ یار میں سوتے ملے
ہم دعائیں کیوں نہ دیں سرکار[1] کو — رزقِ بے منّت جو گھر بیٹھے ملے

شیخ پیچھے خضرِ رہ آگے ریاضؔ
کعبے جاتے رہ نما اچھے ملے

دیکھوں تو تمہیں آتی ہے اب یاد کسی کی — آئی ہے ستانے اُنہیں فریاد کسی کی
رکھیں گے لگائے تجھے سینے سے ہر وقت — اب مان بھی جا اے دلِ ناشاد کسی کی
آتی ہے تو لے آتی ہے یہ ساتھ کسی کو — آآ کے ستاتی ہے بہت یاد کسی کی
تو ہاتھ بھی روکے گا تو چل جائے گا خنجر — آئی ہوئی رُکتی نہیں جلّاد کسی کی

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

گھر ابھی اتر جائے جو نشتر نہیں ہوا | ڈوبی ہوئی نبضیں بھی ہیں فصّاد کسی کی
آتا ہے تو چُپ رہتے ہیں مرغانِ نواسنج | شکوہ ہے کہ سُنتا نہیں صیّاد کسی کی
دامن میں بگولے لئے پھرتے ہیں یہی خاک | اس طرح بھی مٹّی نہ ہو برباد کسی کی
پہلے ہی سے کھل جائے ذرا بابِ اجابت | اے عرشِ خدا آتی ہے فریاد کسی کی
سر پھوڑ کے دی جان بھی کہسار میں تو کیا | ٹھوکر بھی تو کھائے سرِ فرہاد کسی کی
افسوس کہ دل ہم سے گیا ہم گئے دل سے | دل سے نہ گئی لذّتِ بیداد کسی کی
کھنچ آئے گی وہ کھینچ نہ دل کی مرے تصویر | تصویر مرے دل میں ہے بہزاد کسی کی
آوازِ دمِ ذبح یہ آئی رگِ جاں سے | رہنے دے لگی خنجرِ فولاد کسی کی

سُن کر وہ ریاضؔ آپ کے اشعار یہ بولے
سچ ہے کہ طبیعت ہے خداداد کسی کی

کام کچھ چلتا نہیں تدبیر سے | حُسن والے ملتے ہیں تقدیر سے
دن یہ دیکھے گردشِ تقدیر سے | جُھک کے ہم ملتے ہیں چرخِ پیر سے
خونِ ناحق چھوٹ سکتا ہی نہیں | ہاتھ انہیں دھونا پڑا شمشیر سے
مضطرب دل ہو نہیں سکتا ہدف | آج ترکش ہوں گے خالی تیر سے
وصل کی فرقت میں آتے ہیں مزے | لطف رہتا ہے تری تصویر سے
شمع کھل کھیلی ہے پروانوں سے آج | کچھ سُنے گی یہ لبِ گل گیر سے
پی کے اے واعظ ندامت ہے مجھے | پانی پانی ہوں تری تقریر سے
کیا ہے آہِ ناتواں میں کیا کہوں | گھٹ کے ہے مژگاں سی بڑھ کر تیر سے
ملتی جلتی ہے مری طرزِ عمل | کاتبِ تقدیر کی تحریر سے

بعدِ توبہ بھی رہے گا شغلِ جام　　کام چل جائے گا شہد و شیر سے
آگرے آنے کا حاصل تھا یہی　　دل گرفتہ مل لئے دلگیر سے

ٹیس سی رہ رہ کے اُٹھتی ہے ریاضؔ
پک گیا دل آہِ بے تاثیر سے

یہ رنگ لائے تو سب کہہ اُٹھیں گے ہاں کچھ ہے　　ابھی جوان پرانوں میں آسماں کچھ ہے
نہ سُنئے آپ کہ آنکھوں سے نیند جائے گی　　مٹے ہوؤں کی پرانی سی داستاں کچھ ہے
مجھے بلا کے کہا اہلِ بزم سے سُنئے　　اثر میں ڈوبی ہوئی آپ کی فغاں کچھ ہے
رگیں گلوں کی ہیں تنکے جو میں ہوں طائر بو　　نہ میں ہوں کچھ نہ یہ نازک سا آشیاں کچھ ہے
اُٹھا کے در سے ترے دیر میں اُسے رکھ دوں　　مری نظر میں ترا سنگِ آستاں کچھ ہے
گئے ہیں شوق سے سُننے وہ غیر کے مُنہ کی　　ضرور بزمِ عدو میں مرا بیاں کچھ ہے
یہ ہے وہم کہ دلِ مضطرب ہے گیسو میں　　تم اپنی زلف میں دیکھو ذرا کہاں کچھ ہے
ہمیں ملے تو کٹے مثلِ خواب آنکھوں میں　　مزے کی چیز اگر عمرِ جاوداں کچھ ہے
ذرا سی پھانس چبھاری ہی لاکھ پیکاں پر　　ضرور دل میں ہمارے غمِ نہاں کچھ ہے
مرے گلے سے لگا دے ذرا ترے صدقے　　کشیدہ آج تری تیغِ امتحاں کچھ ہے
یہ کیسی تلخ کوئی شئے پلائی واعظ کو　　اثر سے زہر کے اینٹھی ہوئی زباں کچھ ہے
ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں　　ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

یہ کہہ کے کس نے گلے سے لگا لیا مجھکو
ارے ریاضؔ مرا مجھسے سرگراں کچھ ہے

جب رہے صیاد کے بس میں رہے　　دام سے چھوٹے تو قفس میں رہے

کوہکن وقیس ہوئے ہم ہوئے — ایسے بہت ان کے ہوس میں رہے
کچھ جو تڑپنے کا اُٹھانا ہو لطف — طائرِ برق آکے قفس میں رہے
دستِ جنوں کام نہ کچھ آسکا — اُلجھے ہوئے تارِ نفس میں رہے
بیٹھے ذرا خونِ عدو پر مگس — رنگِ حنا پائے مگس میں رہے
ہائے یہ دنیا ہے کہ یارب سراب — کیا کوئی دنیا کی ہوس میں رہے
گھُل گئے اے قیدِ قفس کس طرح — کچھ بھی نہ ہم ایک برس میں رہے
مان لی وس غیروں میں ظالم نے بات — ہے یہ بہت بات جو وس میں رہے
کانٹوں میں گل اور نشیمن میں ہم — بلبل و گل خار میں خس میں رہے
نکلے نشیمن سے نہ ہم رات دن — رہ کے چمن میں بھی قفس میں رہے
لطف یہ ہے جلوۂ نظارہ سوز — اس نگہِ شوق کے بس میں رہے
ضَو تری اے برق تجلائے طور — روضۂ انور کی کلس میں رہے

قافلے میں ہم نہ اگر ہوں ریاضؔ
در د نہ فریادِ جرس میں رہے

ہمارے دل میں چھُبی آپ کی نگاہ رہے — مزا ہے آپ کے دل میں ہماری آہ رہے
یہ بوجھ خوب مرے سر سے حشر میں اُترا — مرے فرشتوں کے سر میرے سب گناہ رہے
نئی طرح کی ہے عاشق سے اپنے فرمائش — کہ دل میں درد بھی ہو اور ضبطِ آہ رہے
خدا کرے نہ ستائے کبھی مٹے نہ خلش — چھبی ہوئی مرے دل میں تری نگاہ رہے
کچھ ان کو قدر مرے ضبط کی ہوئے گر دوں — نکل کے دل سے مری ان کے دل میں آہ رہے
کبھی نہ جان کا لالچ کیا حسینوں سے — فقیر ہو کے بھی ہم دل کے بادشاہ رہے

تجلیاں ترے دیدار کی یہ کہتی ہیں — کسی کی آنکھ کی پُتلی نہ اب سیاہ رہے
کچھ ایسا روٹھ گیا پھر نہ من سکا ہم سے — تمام عمر ہم اس دل سے عذر خواہ رہے
جنابِ شیخ نہ نکلے کہ گت نہ بن جائے — شراب خوار بہت گردِ خانقاہ رہے
بتوں نے دَیر سے جانے دیا نہ کعبے کو — مرے لئے تو ہمیشہ یہ سنگِ راہ رہے
عجب نہیں کوئی موقع جو حشر میں مل جائے — ہمارے دل میں چھپی حسرتِ نگاہ رہے
بنی رہے مری کچھ یاد مے فروشوں کو — اُدھاریوں کے تقاضا بھی گاہ گاہ رہے
شراب خانے میں ہے رنگ میکشوں کا وہی — نہ خانقاہ نہ وہ اہلِ خانقاہ رہے

ریاض توبہ نہ ٹوٹے نہ میکدہ چھوٹے
زباں کا پاس رہے وضع کا نباہ رہے

ہمارے دل سے بھی پوشیدہ رسم و راہ رہے — وہ دور ہی سے سہی لطف کی نگاہ رہے
جو دیکھتا ہے مجھے اس کو رحم آتا ہے — خدا کرے مری حالت یونہی تباہ رہے
تمہاری موجِ تبسم جو گدگدا لے ذرا — نہ دل میں درد نہ ہونٹھوں پر آہ رہے
قریبِ میکدے میں پاؤں توڑ کے بیٹھوں — خمِ شکستہ مرا بن کے خانقاہ رہے
غش آئے طالبِ دیدار کو کہ طور جلے — لگائے آگ ہمیشہ یہ جلوہ گاہ رہے
وہ آرہا ہے عصا ٹیکتا اُدھر ناصح — بہا دے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ رہے
یہ میرے ساتھ تھے لازم بھا رو کتے مجکو — مے فروشوں کے سر میرے سب گناہ رہے
ملے ملے نہ ملے دل مجھے نہیں پروا — مری نظر سے لڑی آپ کی نگاہ رہے
گراں نہ حشر میں گزرے نہ مجکو دنیا میں — بڑے مزے سے مرے سر مرے گناہ رہے
ریاض شوقِ معاصی یہ مجھسے کہتا ہے — سفید ریش مبارک ابھی سیاہ رہے

مہندی مل کر مرے گھر آئے ہیں بن آئی ہے
یہ حنا جا کے انہیں آج لگا لائی ہے

ہم چلے پھول لیے پھول اُڑانے کے لیے
جب سُنا دھوم سے گلشن میں بہار آئی ہے

سُن کے نالے مرے منہ پھیر کے ہنسنا ان کا
ہنس کے کہنا کوئی دیوانہ ہے سودائی ہے

کیوں نہ ٹوٹے مری توبہ جو کہے تو ساقی
پی لے پی لے ارے گھنگھور گھٹا چھائی ہے

میں کہوں حشر ہے یہ حشر وفا ہوں وعدے
وہ کہیں ہائے یہ کیسی مری رسوائی ہے

میرے آغوش میں یونہی کبھی آجا تو بھی
جس ادا سے تری آنکھوں میں حیا آئی ہے

لے گیا لوٹ کے کیا طور کی رونق کوئی
نہ وہ جلوے ہیں نہ اب کوئی تماشائی ہے

نیچی ہوگی نہ تری آنکھ بپا حشر ہوں لاکھ
نہ یہ شرمائے گی ظالم نہ یہ شرمائی ہے

چھیڑ ساقی کی ہے دیتا جو نہیں جام ریاضؔ
توبہ کی ہے نہ کبھی ہم نے قسم کھائی ہے

عدم اب ہے نہ ہستی ہے عجب ہنگامہ برپا ہے
غبار ان کی گلی کا حشر بن کر آج اُٹھا ہے

عدو کی موت کا شاید پریشاں خواب دیکھا ہے
نہ اب زلفوں میں شانہ ہے نہ اب آنکھوں میں سُرما ہے

مرا کیا ذکر میرے نقش پا بھی رہ نہیں سکتے
جہاں جا کر رہا مجنوں وہ صحرا کوئی صحرا ہے

مرے دل میں ہے گھر جن کا یہ کہتی ہے ادا اُن کی
پلک کیوں شرم سے اُٹھے فقط آنکھوں کا پردا ہے

عدو کا قبر میں کالا تھا مُنہ میں جھوٹ کیوں بولوں
مجھے بھی ایک دن مر کر خدا کو مُنہ دکھانا ہے

جب آتا ہے ہزاروں حسن اس کے ساتھ ہوتے ہیں
جوانی کا زمانا بھی الٰہی کیا زمانا ہے

اثر باقی ہے کچھ بھولے ہوئے سے خواب کا دل میں
نہ محفل ہے نہ مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ مینا ہے

بڑی شورش بڑی ہل چل بڑی مجمع بڑی بھیڑیں
قیامت کی قیامت ہے تماشے کا تماشا ہے

وہ سُن سُن کر مرے نالے بھرے بیٹھے ہیں کچھ مجھ سے
لب بام آ کے کوسا ہے تو غصہ آج اُترا ہے

بنے گا بڑھ کے طوفاں ابتدائے عشق کا رونا
گذر جائے گا سر سے بھی ابھی پایاب دریا ہے

ہمارے دشتِ وحشت میں جو قیس آتا ہے آنے دو
ریاضؔ اس سے بہت اچھی نبھے گی ساتھ اچھا ہے

ارے دل طور کا جلنا تو عالم آشکارا ہے
کسی نے دل جلوں کا دور سے جلنا بھی دیکھا ہے

رنگیں گے ہاتھ اپنے، ان کی ضد کا کیا ٹھکانا ہے
وہ کہتے ہیں حنا سے شوخ کچھ خونِ تمنّا ہے

بگڑ کر کوئی بنتا ہے کوئی بن کر بگڑتا ہے
یہی دنیا کا نقشہ ہے اسی کا نام دُنیا ہے

نظر ان کی نہیں ہٹتی ہوئے ہیں لوٹ کیوں دل پر
مرا دل ہے کہ کوئی آئینہ یہ کیا تماشا ہے

مرے دردِ جگر سے کیوں اُٹھی ہے گدگدی دل میں
مرے لب پر تبسم ہے زباں پر میری شکوا ہے

کوئی میری لحد پر آکے دو آنسو بہا جاتا
ذرا یہ لہلہا اُٹھتا بہت افسردہ سبزا ہے

اسے کیوں کر نکالوں، کیا کروں، دل کو کہاں پھینکوں
مرے پہلو میں اک مدت سے کانٹا سا کھٹکتا ہے

عدو آئے گا یا خود آئیں گے وہ میری تربت پر
زبانِ نامہ بر پر یہ پیامِ شوق کس کا ہے

مرے پہلو میں دل تھا، بہہ گیا وہ بھی لہو ہو کر
نہ کوئی آرزو اب ہے نہ کوئی اب تمنّا ہے

بُرے ہوں یا بھلے، اچھے ہیں سب سے میکدے والے
نہ ان کو فکرِ عقبیٰ ہے نہ ان کو فکرِ دنیا ہے

شبِ ہجراں ہی ہے وصل کی شب سے کہیں گھٹ کر
تری فرقت میں ہم نے کس مزے کا خواب دیکھا ہے

بنائی رفتہ رفتہ میں نے بھی صورت فرشتے کی
ریاضؔ آخر مجھے بھی تو خدا کو منہ دکھانا ہے

تری دیوار کے سایے سے بھی وہ دور رہتا ہے
ترا دیوانہ اب تو زیرِ نخلِ طور رہتا ہے

برابر جلوۂ پیہم سے ہر سو نور رہتا ہے
ہمارے دم سے روشن اب چراغِ طور رہتا ہے

نہیں ملتا ہے کوئی بھی شریکِ روزِ تنہائی
یہ آفت ہے مرا سایہ بھی مجھ سے دور رہتا ہے

نیا فتنہ ضرور اُٹھتا ہی کوئی جب وہاں جائے — ہمیشہ ان کی محفل کا یہی دستور رہتا ہے
مرا دل ناز پروردہ تھا کیسا کیا ہوا اس کو — بہت غمگیں بہت محزوں بہت رنجور رہتا ہے
یہ آئینہ سکھاتا ہی اسے کیا آکے خود بینی — وہ کافر یونہی اپنے حُسن پر مغرور رہتا ہے
نہ اس کافر کے گیسو میں نہ مجھ بیکس کی پہلو میں — خدا جانے کہاں میرا دلِ مہجور رہتا ہے
سُنی ہے بے ستوں پر بارہا آواز تیشے کی — یہاں کوئی نہ کوئی کام پر مزدور رہتا ہے
زمانے میں بہت اللہ کے بندے ہیں ایسے بھی — کہ جن کے پاؤں پر تاجِ سرِ فغفور رہتا ہے

ریاضؔ احبابِ گورکھپور اکثر یاد کرتے ہیں
زباں پر میری اکثر ذکرِ گورکھپور رہتا ہے

لباسِ نور میں فانوسِ شمعِ طور رہتا ہے — تہِ دامانِ برق ان کا رخِ پر نور رہتا ہے
لحد پر شمع سی بڑھ کر ہے دودِ شمع کا جو بن — وہ بن کر حور تو یہ بن کے زلفِ حور رہتا ہے
اثر بجلی کا ہے صیاد کیا تیری نگاہوں میں — کہ ہر مرغِ چمن پرواز سے مجبور رہتا ہے
خمار آلودہ آنکھوں پہ ہزاروں میکدے صدقے — وہ کافر بے پئے بھی رات دن مخمور رہتا ہے
کشیدہ بھی ہو ناوک تو بھی رہتی ہی جگہ دل میں — کہ زخم اچھا بھی ہو جاتا ہے تو ناسور رہتا ہے
شبِ فرقت نے دھڑکا کھو دیا ہے روزِ محشر کا — سپیدہ صبح کا گھر سے مری کافور رہتا ہے
حسینوں کے حنا آلودہ ہاتھ اس سے کہیں اچھے — کہ موقع پا کے بھی دستِ ادب معذور رہتا ہے
سپاسِ لطف بن جاتا ہی شکوہ بے نیازی کا — کہ میرے دل میں رہتا ہی جو مجھ سے دور رہتا ہے
ترے صدقے تری ہاتھوں سے اتنی پی ہی اے ساقی — کہ اب تو بے پئے منہ پر ہمارے نور رہتا ہے
ادب سے واعظ کی صحبت میں وہ شے ہم نہیں پیتے — ہمارے جام میں افشردۂ انگور رہتا ہے
ہزاروں مست مے دیکھے حسیں دیکھے جواں دیکھے — کوئی اُن کی طرح نشے میں اتنا چور رہتا ہے

قیامت تک قلم پھولے پھلے ساقی کے ہاتھوں کی
ہماری قبر پر اب سایۂ انگور رہتا ہے

فرشتے مس پروں سے کرتے ہیں شاید ریاض اس کو
کہ اب ریشِ مبارک پر بہت ہی نور رہتا ہے

ہے پری خانہ کوئی شیشۂ ور ٹوٹ نہ جائے
سر نہ ٹکراؤں اس شیشے میں کہ سر ٹوٹ نہ جائے

ابرِ کہسار کے آگے نہ ہنسی ہو تیری
تار اشکوں کا کہیں دیدۂ تر ٹوٹ نہ جائے

دیکھنا ہم کو چڑھا لائی کہاں بن کے کمند
آس اک چیز ہے دنیا میں اگر ٹوٹ نہ جائے

یہ لچکنا دمِ رفتار نہ جوبن لٹو اُسے
شاخِ گل سے کہیں خوش رنگ ثمر ٹوٹ نہ جائے

مجھ سے پیماں جو ہوا ہے وہ بہت نازک ہے
دیکھنا عہدِ وفا غیر کے گھر ٹوٹ نہ جائے

ہاتھ میں دل کو مرے لے کے ذرا دیکھیں تو
خوب ہے آبلۂ دل بھی اگر ٹوٹ نہ جائے

نگہِ شوق سے کیوں لڑتی ہیں اس کی لڑیاں
کہیں نازک سی یہ زنجیر کمر ٹوٹ نہ جائے

قفسِ کہنہ تڑپنے سے نہ ٹوٹے گا کبھی
ناتواں مرغِ قفس ہی کوئی پر ٹوٹ نہ جائے

تارے ہٹتے ہی نہیں اپنی جگہ سے اے چرخ
شبِ غم میں کہیں امیدِ سحر ٹوٹ نہ جائے

گر نہ جائے مری آنکھوں سے مرا قطرۂ اشک
آتے آتے سرِ دامن یہ گہر ٹوٹ نہ جائے

اتنے بل کھاتے ہیں اے موجِ صبا وقتِ خرام
مجھے ڈر ہے کہیں نازک سی کمر ٹوٹ نہ جائے

بے پھلے پھولے جھکے پڑتے ہیں غانِ چمن
جو اُگا ہے سرِ تربت وہ شجر ٹوٹ نہ جائے

مے سرخ ابرِ سیہ سبزۂ کہسار ریاض
یہ کوئی چیز نہیں توبہ اگر ٹوٹ نہ جائے

کیوں ہٹائیں ہم یہ پتھر راہ سے
بت ہمیں ملوائیں گے اللہ سے

جو خطا ہو بندۂ درگاہ سے
بخشوا نا لے. تو اللہ سے

دل کے جانے کا قلق ہم کو نہیں — ہم اُٹھا لائے تھے گویا راہ سے

بت پرستی ہو چکی آغاز میں — عمرِ آخر میں ہے کام اللہ سے

بل جو لیتا ہوں تو اے زلفِ دراز — لے ہماری قسمتِ کوتاہ سے

ہو مبارک تجکو اے جوشِ رشک — گھُل رہے ہیں ہم غمِ جانکاہ سے

شوق سے تو بولنے جائیں مسجد کو — کانٹے ہم نے چُن لئے ہیں راہ سے

بیٹھے ہیں خاموش زیرِ بامِ یار — عرش ہل جاتا ہے جن کی آہ سے

واہ اے دستارِ شیخِ بے ریا — بڑھ گیا طرۂ دُمِ روباہ سے

کون چومے سنگِ اسود اے بتو — باز آئے عزمِ بیت اللہ سے

میرے وادی تک نہ آئی برقِ طور — فاصلہ تھا اس کی جولانگاہ سے

جنت ان کا گھر ہی گھر میں سلسبیل — شیخ واقف ہوں گے اس کی تھاہ سے

رہتی ہے لوگوں کے جیبوں پر نگاہ — کام اب چلتا نہیں تنخواہ سے

نائبِ سرکار ہیں کیا کہوں — بس خدا سمجھے حبیب اللہ سے

دامنِ سرکار کے ہوتے ہوئے — شکوہ کیا ہے قسمتِ کوتاہ سے

ہو گی جب عیشِ فراواں میں کمی — لیں گے بزمِ شاہ[1] جم جاہ سے

نام کا خود ان کو آجائے گا پاس — کام لیں گے ہم حبیب اللہ سے

رات آخر وقتِ نازک ہے ریاض
لو لگی ہے شمع کی اللہ سے

جانے والے نہ ہم اُس کوچے میں آنے والے — اچھے آئے ہیں دیوانہ بنانے والے

۱ے سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہ

تو سلامت رہے دل میں اتر آنے والے
ترے صدقے مری آنکھوں میں سمانے والے

ایک ہم لاکھ حسینوں سے عوض لینے کو
ایک دل لاکھ حسین دل کے ستانے والے

جب ملے خضر ملے ہم سی اسی وضع کے ساتھ
ہائے کیا لوگ ہیں یہ اگلے زمانے والے

تیرِ مژگاں میں چھدی کب جگر و دل دیکھے
تیری ناوک تو ہیں بے پر کی اُڑانے والے

بن گیا میرے لئے حشر کا دن وصل کی رات
مل گئے آج مجھے میرے ستانے والے

نگہِ ناز ادھر ہے نگہِ شوق ادھر
ہم تو بجلی کو ہیں بجلی سے لڑانے والے

باندھ دے گی یہ حنا ہاتھ جو رحم آئے گا
کیا بجھائیں گے لگی آگ بجھانے والے

بارِ عصیاں سے مری ساتھ پسے اور بھی چار
دب گئے ہائے جنازے کے اُٹھانے والے

ساتھ صحبت کے وہ سب حرف و حکایات گئے
سُننے والے ہیں نہ افسانہ سُنانے والے

کم سنی پر ترس آیا نہ شبِ وصل رہا حفظ
اُف رے بے درد حسینوں کے ستانے والے

گر گئے آنکھ سے کیوں طور کے آنے والے
سامنے آئیں تو بجلی کے گرانے والے

سینہ تانے ہوئے او سامنے آنے والے
نہ لگا لیں کہیں سینے سے لگانے والے

آپ ہیں آپ کا عکس آئینہ خانے والے
آج ہم سب کو گلے سے ہیں لگانے والے

اپنے دامن کا بھی رہتا نہیں کچھ تجھکو خیال
ارے پانی کی طرح خون بہانے والے

آہیں تڑپائیں گی بلبل کی تجھے کیا صیاد
اس کے نالے تو ہیں پھولوں کی ہنسانے والے

یہ بن وسال ترا اور نہ پردہ نہ حجاب
کیسے ہیں دخترِ رز تیرے گھرانے والے

ہنس کے کہنے لگے دیکھے جو مرے گرم رشک
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

پھول ہی میری نہ اُٹھیں گے جنازہ کیسا
کہہ دو بیٹھے بھی رہیں حشر اُٹھانے والے

چیخ اُٹھیں گے بتِ دیر مرے نالوں سے   منہ مرا دیکھیں گے ناقوس بجانے والے

بیٹھ جائے نہ لحد دل سے سوا نازک ہے   ترے صدقے ارے او پھول چڑھانے والے

خضر و الیاس سے بھی عمر سوا پائیں ریاضؔ
ایک باقی ہیں یہی اگلے زمانے والے

نہیں دبتے فقیر شاہوں سے   ٹیڑھے رہتے ہیں کج کلاہوں سے

ہو چکی انتہا تو کی توبہ   بھر گیا جی مرا گناہوں سے

کہہ دیا تھا نہ آئیں محشر میں   اب وہ سمجھیں گے دادخواہوں سے

کیسے فرصت کہ طور پر جائے   ان حسینوں کی جلوہ گاہوں سے

کھل چکے آج نامۂ اعمال   حشر تیرہ ہے روسیاہوں سے

کوچۂ زلف میں نہ جائے دل   بچ کے چلتے ہیں ٹیڑھی راہوں سے

آتی جاتی ہیں میکدے میں کئی   بوتلیں شب کو خانقاہوں سے

دلِ بیمار کا سنبھلنا کیا   دیکھ لو پیار کی نگاہوں سے

تیغ کی وہ زباں پکڑتے ہیں   حشر میں اُلجھے ہیں گواہوں سے

بیٹھے ہیں میکدے میں سب بے بسِ غم   جتنے آئے ہیں خانقاہوں سے

روتے ہیں اے ریاضؔ ہم پہروں
پہلے ڈرتے نہ تھے گناہوں سے

پیوستہ لب، ملے ہوئے رخسار دیکھئے   آپ آئینے میں عکس کا بھی پیار دیکھئے

جوشِ جنوں میں لختِ جگر کچھ پڑے ہیں   گوندھے ہوئے ہمارے ذرا ہار دیکھئے

نازک بھی ہے بہت تری تصویر شوخ بھی   سو بار بدلے رنگ جو سو بار دیکھئے

محشر کی سیر چھوڑیئے چلیئے جنابِ شیخ — کوثر کے گرد جمع ہیں میخوار دیکھیئے
جی چاہتا ہے جاکے لبِ بامِ میکدہ — ابرِ بہار سبزۂ کہسار دیکھیئے
کیا جانے کیا دکھائے اثر گریۂ جنوں — کیا رنگ لائے دیدۂ خونبار دیکھیئے
زنداں عجب جگہ ہے جو دو چار ہم سے ہوں — آکر خزاں میں رونقِ گلزار دیکھیئے
کہتا تھا گل رخوں سے ریاضِ شکستہ حال
مجکو نہ دیکھیئے مرے اشعار دیکھیئے

ہوتا نہیں گلے سے جدا ہار دیکھیئے — آپ اپنے ہار کا تو ذرا پیار دیکھیئے
جھوٹے کیئے تھے عہد اسی دن کے واسطے — ہنس ہنس کے آج حشر میں انکار دیکھیئے
پلکیں گستہ تارِ نظر ہیں، دمِ فنا — آکر ہجومِ حسرتِ دیدار دیکھیئے
پائے جنوں نے وقت سے پہلے دیا جواب — اب گھر میں بیٹھ کر در و دیوار دیکھیئے
ہم مست لے کے بارِ گنہ حشر میں چلے — کام آئے کب یہ لغزشِ رفتار دیکھیئے
ہے حسرتی کا رنگِ طبیعت بھرا ہوا — ناول ہے خوب کیفر و کردار دیکھیئے
ہٹ جائے کوئی تو بھی جمی رہتی ہے نگاہ — جب سوئے بام و روزنِ دیوار دیکھیئے
کیوں معتبر ریاض کو سمجھیں نہ میفروش
ریشِ دراز و جبہ و دستار دیکھیئے

محشر میں دھر اجائے نہ قاتل کہیں تو بھی — پیوستہ ہم آمین ہیں خنجر بھی گلو بھی
رکھتی ہے ہمیں مست مئے ناب کی بو بھی — افلاس میں دیتی ہے مزا دُردِ سبو بھی
پڑتی ہیں مرے ہیں دیکھنے والوں کی نگاہیں — اچھا نہیں سکے ہوئے امن کا رفو بھی
مشہور بہت ہے ترے گیسو کی درازی — نکلی نہ کم اس سے شبِ ہجراں سرِ مو بھی

کچھ دیکھ لیں موجوں کی بھی پیوستہ روانی　　　دے لطف ذرا کشتیٔ مے اب لبِ جو بھی
صدقے ترے کچھ کم نہیں تجھسے تری تصویر　　　تیری ہی سی باتیں بھی ہیں تیری ہی سی خو بھی
دریا بھی بہادوں تو بھری رہتی ہے خم میں　　　اے شیخ محالات سے ہے خم کا خلو بھی

بے وجہ زمانے کو نہیں تجھسے عقیدت
با وضع بزرگوں میں ریاضؔ ایک ہے تو بھی

یہ کیا دخت رز تک رسائی ہوئی ہے　　　جواب ریشِ زاہد حنائی ہوئی ہے
وہ کیا ہم سے ایسی برائی ہوئی ہے　　　کہ دشمن ہماری خدائی ہوئی ہے
دبائے ہیں دل کو وہ مٹھی میں اپنی　　　کفِ ناز ان کی حنائی ہوئی ہے
صبا آتشِ گل ہو یا داغِ بلبل　　　یہ سب آگ انھیں کی لگائی ہوئی ہے
اُمنڈ آئے ہیں آج قبلے سے بادل　　　یہ کیا خم کدے پر چڑھائی ہوئی ہے
کوئی بڑھ کے اب منہ کو چومے نہ چومے　　　ہنسی ہونٹھ پر ان کے آئی ہوئی ہے
جو سختی نہ ہو کم ہے خلقِ خدا پر　　　نئی اب بتوں کی خدائی ہوئی ہے
اب اس کو غرض میری پہلو سے ہے کیا　　　حسینوں میں دل کی رسائی ہوئی ہے

نہیں رخ پر اب ریشِ اقدس کا جلوہ
ریاضؔ ان سے شائد صفائی ہوئی ہے

بھلائی بھی اس کی برائی ہوئی ہے　　　یہ قسمت مری آزمائی ہوئی ہے
وہ بے بس ہوئے تو صفائی ہوئی ہے　　　مزے آئے ہیں جب لڑائی ہوئی ہے
وہ کیوں اپنے ہاتھوں سے مجکو پلاتے　　　ذریعہ مری پارسائی ہوئی ہے
نہ کھولوں گا آنکھیں یہ آرہے ہیں　　　دمِ نزع اک حور آئی ہوئی ہے

پریشانیاں اب ہوں دل کو مبارک | کہ زلف رسا تک رسائی ہوئی ہے
ٹپکتا ہے کعبے میں سجدوں سے میری | کبھی دیر میں جبہ سائی ہوئی ہے
بچائے خدا تیری تیغِ ادا سے | ارے زہر کی یہ بجھائی ہوئی ہے
لگی آگ تلووں سے کیوں منہدی کو | خدا جانے کس کی لگائی ہوئی ہے
مرے تیرہ گھر میں یہ کیوں آکے رہتی | شبِ غم فلک کی ستائی ہوئی ہے

ریاضؔ اس کو لے کر کہیں تم نہ جانا
یہ قسمت مری آزمائی ہوئی ہے

جان نکلے گی مری جان بڑی مشکل سے | ہو گی مشکل مری آسان بڑی مشکل سے
وہ مرے گھر رہے مہمان بڑی مشکل سے | رات نکلے مرے ارمان بڑی مشکل سے
آنکھیں تلووں سے ملیں لے کے قدم آنکھوں پہ | راہ پر آئے نگہبان بڑی مشکل سے
تھا بہت ان کو گلوری کا اٹھانا مشکل | دستِ نازک سے دیا پان بڑی مشکل سے
بڑھ کے درباں نے لیا آج بھی دامن میرا | کل چھڑایا تھا گریبان بڑی مشکل سے
صحبتِ بد سے بچانے کا بتایا سب حال | آج مانے مرے احسان بڑی مشکل سے
ظلم کو لطف سے تعبیر کریں گے دمِ حشر | جور سے ہوں گے پشیمان بڑی مشکل سے
کوئی کافر ہو جو کل جائے سوئے بیتاں | کہ بچا آج ہی ایمان بڑی مشکل سے
نہ رہے ہیں نے کلیجے میں جو رکھنا چاہا | دل میں ٹھہرے ترے پیکان بڑی مشکل سے
دور ابھی منزلِ مقصود ہی کالے کوسوں | کچھ ہوئے ہے قطعِ بیابان بڑی مشکل سے
مان لیتے ہیں وہ مشکل سے بھی مشکل کوئی بات | کبھی آساں سے بھی آسان بڑی مشکل سے
کے بہت رک کے مرے حلق سے اترے دمِ نزع | ابھی مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے

بے شبِ وصل یہ انداز نکلتے ہی نہیں　　زلف ہوتی ہے پریشان بڑی مشکل سے

دھار تلوار کی تھی جادہ باریک نہ تھا　　طے ہوا حشر کا میدان بڑی مشکل سے

رہتے ہیں ایسے ہی انسان فرشتے بن کر　　آدمی بنتے ہیں انسان بڑی مشکل سے

دلِ بسمل میں کچھ اس طرح ہوئے تھے پیوست　　ٹوٹ کر نکلے ہیں پیکان بڑی مشکل سے

یہی انداز یہی وضع جو رکھو گے ریاضؔ
لوگ سمجھیں گے مسلمان بڑی مشکل سے

لائی ہے یہ اڑا کے شکن زلفِ یار کی　　تیوری چڑھی ہوئی ہے شبِ انتظار کی

سیریں کریں گے آ کے دلِ داغدار کی　　لوٹیں گے وہ بہار اسی لالہ زار کی

اے ہمنشیں وصال سے بڑھ کر یہ ہجر ہے　　لذت نہ مجھ سے پوچھ مرے انتظار کی

زنجیریں شور کرتی ہیں زنداں کی خود بخود　　دھومیں مچی ہیں آمدِ فصلِ بہار کی

لذت بھی اس کی خاص ہے نشہ بھی دیر پا　　چوری کی ہو کہ مفت کی ہو یا اُدھار کی

توبہ کی طرح ٹوٹتے ہیں سر بمہر خُم　　کیا قہر ہے نگاہ کسی مے گسار کی

کس کس طرح بلائے گئی میکدے میں آج　　پہنچے بنا کے شکل جو ہم روزہ دار کی

عصیاں کا بوجھ گھٹ کے رہا بارِ شرم سے　　محشر میں دھوم ہے نگہہِ شرمسار کی

پھولوں کا زیور آج کھلا ان پر اس قدر　　تصویر بن گئے وہ عروسِ بہار کی

خم کیا ہے گھر بھی کوئی جو بھر دے شراب سے　　نیت کبھی بھرے گی نہ مجھ بادہ خوار کی

سینے سے تم نکال لو تربت میں یہ نہ جائے　　مٹی نہ ہو خراب دلِ بے قرار کی

آپ آئے لے کے غیر کو کس کے مزار پر　　یہ بجھ کے شمع رہ گئی کس کے مزار کی

ان کے ستم تو شکر کے قابل ہیں اے ریاضؔ　　مجکو شکایتیں ہیں غمِ روزگار کی

فرمائشیں شباب میں ہیں حسنِ یار کی　　محرم بنے نقاب عروسِ بہار کی
دن ہجر کا نہ رات رہی وصلِ یار کی　　کیا انتہا ہے گردشِ لیل و نہار کی
یہ شوخیاں نہیں ہیں تری اے نگاہِ شوخ　　یہ بیقراریاں ہیں دلِ بے قرار کی
بے بال و پر بھی لے کے قفس آج اُڑ گئے　　کس نے اُڑائی آمدِ فصلِ بہار کی
وہ جائیں گے جو غیر کے گھر بعدِ فاتحہ　　جائے گی ساتھ شمع ہمارے مزار کی
کچھ حد ہی لطفِ وصل کی ظالم شبِ وصال　　کلیاں بھی کھل گئیں تری پھولوں کی ہار کی
ہو دام بھی گرہ میں تو دیتا نہیں کبھی　　عادت بُری پڑی مجھے ساقی اُدھار کی
مینائے سبز اور یہ جامِ زمرّدیں　　کون ان کے ہوتے سیر کرے سبزہ زار کی
بیٹھوں جو تھک کے دستِ جنوں چھیڑتا رہے　　ایک آبلہ ہوا و خلشِ نوکِ خار کی
پانی شراب ہو گئی مینا میں خود بخود　　توبہ ہوئی قبول کسی بادہ خوار کی

ڈاڑھی کے ساتھ ہے سرِ اقدس گھٹا ہوا
اب ہے کمی ریاضؔ تو اک پشتِ خار کی

داغِ سوزاں سے مرے چند شرارے نکلے　　چاند نکلا شبِ فرقت نہ ستارے نکلے
غیر کی جان کو رونے گئے تھے غیر کے گھر　　بال کھولے تو گئے بال سنوارے نکلے
نہ ہوئی صبحِ قیامت نہ ابھی صور پھُنکا　　قبر سے پہلے ہی ہم شوق کے مارے نکلے
میکدہ بھی ہے مقاماتِ ادب سے شاید　　جو ادھر نکلے وہ دستار اُتارے نکلے
واہ رے حشر طرفدار ہمارا ہو تو ہو　　اہلِ محشر تو طرفدار تمہارے نکلے
جو کھنچے تیر و سناں آپ کی تصویر کے ساتھ　　آپ کی آنکھ کے پوشیدہ اشارے نکلے
بانس پر میکدے میں تجکو چڑھایا اے شیخ　　پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

میں بھی تھا، غیر بھی تھا، رات کو جب بات بڑھی — دونوں سے آپ کے دربان کرارے نکلے
جن کو تنکے کا سہارا بھی نہ تھا طوفاں میں — دھارے میں پڑ کے وہ دریا کے کنارے نکلے
وصل میں جان نکلتی تھی ہر ارمان کے ساتھ — رات کس لطف سے ارمان ہمارے نکلے
جان زلفوں سے بچائی جگر و دل دے کر — اِن بلاؤں کے کئی آج اُتارے نکلے
شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے — ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے
غیر ہیں قبر میں اور چین سے سونے والے — ہم بھی فرقت میں تری گور کنارے نکلے

بن گئی بگڑی ہوئی بات دمِ نزع ریاضؔ
ہم گنہگار بھی اللہ کے پیارے نکلے

بے کیف مے کو بادۂ احمر بنائیں گے — بگڑی ہوئی بھی ساقی کوثر بنائیں گے
آخر کہیں بنائیں زمیں پر بنائیں گے — ٹوٹے گا آسمان جہاں گھر بنائیں گے
آمد بہت بری ہے تمہارے شباب کی — یہ دن تمہیں ضرور ستمگر بنائیں گے
لینے کو جان، موجِ تبسم سے لیں گے کام — خوش ہیں ہلالِ عید کو خنجر بنائیں گے
زلفیں بہت ہوئی ہیں پریشاں شبِ وصال — کب تک بنائیں گے اُنھیں کیونکر بنائیں گے
ابرو کی طرح گوشۂ ابرو سے لیں گے کام — جب چاہیں گے وہ تیغ کو خنجر بنائیں گے
آرام ہو گا وحشت کا دیکھیں گے گھر میں خواب — کانٹوں کا اپنے واسطے بستر بنائیں گے
ٹکڑا ہے کوئی تاروں بھرے آسمان کا — جس کو مرے مزار کی چادر بنائیں گے
خنجر ہو بہرِ ذبح نہ محتاج ہاتھ کا — چینِ جبیں کو اپنے وہ خنجر بنائیں گے
دن رات کی بلاؤں سے گھبرا گیا ہے جی — ہم کوچۂ رقیب میں اب گھر بنائیں گے
پیدا کریں گے آپ کے پیکاں میں دردِ دل — سینے میں رکھ کے ہم دلِ مضطر بنائیں گے

شاخیں ہیں بارِ گل سے زمیں پر جھکی ہوئی — ہم آشیاں بہار میں کیوں کر بنائیں گے
مجھ کو ڈبوئیں گے جو ذرا اور بڑھ گئے — یہ طفلِ اشک خاک مرا گھر بنائیں گے
دامن میں اپنے اور نمایاں کریں گے داغ — رسوائیوں کا میری جو محضر بنائیں گے
رکھے ہیں لختِ دل بھی گلوں سے ملے جُلے — دیوانے ان کے پھولوں کا زیور بنائیں گے
کیا فائدہ گلے سے جو قسمت بگڑ گئی — ایسے نہیں ہیں وہ کہ مکرر بنائیں گے

آئیں تو سوئے خلد ذرا یارسا ریاضؔ
حضرت کو آج ہم لبِ کوثر بنائیں گے

تربت ہماری متصلِ در بنائیں گے — وہ ذرّے ذرّے کو دلِ مضطر بنائیں گے
دیوانگانِ عشق سے رہتا ہوں دور دور — پا جائیں گے تو سب مجھے رہبر بنائیں گے
ہے ہر شکن میں ایک دلِ فتنہ آفریں — دامن کو کیا وہ دامنِ محشر بنائیں گے
مے رنگِ گل کی طرح اُڑے گی بہار میں — غنچے کو شیشہ پھول کو ساغر بنائیں گے
خود بیں ہیں میرے دیدہ و دل میں رہیں گے کیا — وہ آرسی کو آئینہ کو گھر بنائیں گے
چُبھتی ہوئی مژہ کا بہت رکھ رکھاؤ ہے — میرے لئے وہ کیا اسے نشتر بنائیں گے
غیروں کے ساتھ اور بڑھائیں گے سختیاں — ہم ان بتوں کو اور بھی پتھر بنائیں گے
آنچل اُڑے ہوا میں تو بولے وہ ناز سے — اُڑنے کے واسطے انھیں ہم پر بنائیں گے
بختِ سیاہ غیر کوئی زلف تو نہیں — بگڑا ہوا نصیب وہ کیوں کر بنائیں گے
پیدا کریں گے اپنے لئے اور آسماں — تیری گلی میں زیرِ زمیں گھر بنائیں گے
میری لحد پہ آئے ہیں مہندی لگا کے آج — وہ نقشِ پا کو فتنۂ محشر بنائیں گے
نسخہ بیاضِ ساقیِ کوثر سے مل گیا — گھر بیٹھے ہم تو اب مئے کوثر بنائیں گے

دیکھیں گے بہرِ فاتحہ آتا ہے روز کون	گھر غیر کی لحد کے برابر بنائیں گے

قابو میں اب نہیں سرِ سودا زدہ ریاضؔ
دیوار جو ملے گی اُسے در بنائیں گے

زلفِ دراز اپنی وہ کیوں کر بنائیں گے	اُلجھی شبِ وصال تو دن بھر بنائیں گے
ٹھہری دعا سے ان کی دلِ مضطرب کہیں	ہم کشتیٔ مراد کا لنگر بنائیں گے
رہنے کو میکدے میں جو دیں گے مجھے جگہ	جنت میں اپنے واسطے وہ گھر بنائیں گے
لطفِ شبِ وصال مجھ آشفتہ دل کو کیا	پہروں وہ اپنی زلف معنبر بنائیں گے
کم کم سنوں گا میں تو کہیں گے مرے نصیب	ہر بات کو وہ قندِ مکرر بنائیں گے
تیری گلی میں ہو کے نہ نکلے گا اب کوئی	مظلوم بن کے تجکو ستم گر بنائیں گے
بُت بن کے رہ نہ جائے یہ مسجد میں تو بھی	واعظ کو آج ہم سرِ منبر بنائیں گے
ان کی گلی کو چھوڑ کے صحرا کو جا چکا	اب کیا مجھے وہ قیس کا ہمسر بنائیں گے
لائیں گے اس گلی کی اُڑا کر بگولے خاک	ایسی ہی تو یہ ہیں کہ مرا گھر بنائیں گے
اب داغ بن کے ٹھہرے ہے ان کے نام کا	اپنے نگیں کا نقش وہ دل پر بنائیں گے
دے گی شبِ فراق کفن صبحِ عید کا	ہم غمزدہ ہلال کو خنجر بنائیں گے

چھوڑیں گے جا کے سرورِ ساحر پر اے ریاضؔ
بگڑا ہوا ہم آج مقدر بنائیں گے

ہماری بات خدا جلوہ گاہ میں رکھے	کہ کوہِ طور کے پتھر ہیں راہ میں رکھے
ملا ہے سب کو دکھانے کو چاند سا چہرہ	چھپا کے کیوں کوئی زلفِ سیاہ میں رکھے
یہی تو ایک ذریعہ ہے رحم کا اس کے	مرا خدا مجھے حالِ تباہ میں رکھے

کسے یہ آج ہوا شوقِ جلوہ آرائی
چراغِ طور ہزاروں ہی راہ میں رکھے

مئے شراب کا برتن جو شیخ کو مل جائے
بنا کے ظرف وضو خانقاہ میں رکھے

نگاہِ شوق نے کس کی پکار کر یہ کہا
جگہ مری بھی کوئی جلوہ گاہ میں رکھے

چرائی ہیں نے ہی مئے کل لباس زاہدیں
کوئی اسے نہ مرے اشتباہ میں رکھے

بتانِ شوخ کی اُلفت بُری بلا ہے ریاض
مرا خدا مجھے اپنی پناہ میں رکھے

ضد سے نہیں ملتی کہ حیا سے نہیں ملتی
تاثیر گلے آکے دعا سے نہیں ملتی

اتراتے ہیں محشر میں کہ ہر ایک یہ جانے
یہ وہ ہیں کہ داد ان کی خدا سے نہیں ملتی

فریادِ عدو چاروں طرف ڈھونڈ رہی ہے
تاثیر کہیں میری دعا سے نہیں ملتی

دل لینے کی کچھ اور ہوا کرتی ہیں گھاتیں
یہ چیز کبھی جور و جفا سے نہیں ملتی

وہ چشم فسوں ساز دغاباز نہیں ہے
ہم سے نگہہ ناز دغا سے نہیں ملتی

تنگ آکے مری خاک لحد بیٹھ رہی ہے
اب راہ گلی میں وہ صبا سے نہیں ملتی

کاہے کو کبھی آپ کا دل ہم سے ملے گا
جب آنکھ کبھی شرم و حیا سے نہیں ملتی

کیوں تو نے ریاض ان کو شبِ وصل ستایا
اب شکل تری اہلِ وفا سے نہیں ملتی

یہ دیدہ و دل اور تو کیا کام کریں گے
جو اہلِ نظر ہیں اُنھیں بدنام کریں گے

کہہ دو یہ نکیرین سے آئیں نہ لحد میں
جاگے ہیں بہت آج ہم آرام کریں گے

کچھ جلوہ گہہ طور کی پروا نہیں ہم کو
نظارہ حسینوں کا لبِ بام کریں گے

آبیٹھے ہیں دل تھام کے ہم تیری گلی میں
ہم کیوں گلہ گردشِ ایّام کریں گے

اپنے پر پرواز سلامت ہیں تو کیا فکر　　صیاد کیسے آ کے تہہِ دام کریں گے
جس کام کو تو منع کرے گا ہمیں ناصح　　ہم چھوڑ کے سو کام وہی کام کریں گے
دامن میں چھپائیں گے نہ ہم مَے سرِ زمزم　　ناپاک نہ ہم جامۂ احرام کریں گے
تو کیا ہے، لیا نام جو واعظ کبھی مے کا　　ہم تیرے فرشتوں کو بھی بدنام کریں گے
وہ چین سے سو رہنے کو آئے ہیں شبِ وصل　　ہم پاؤں دبائیں گے وہ آرام کریں گے
رکھیں گے نہ دنیا کی بکھیڑوں سے کوئی کام　　ہم بیٹھ کے اب شغلِ مے و جام کریں گے
صیاد کے بس کے نہیں مرغانِ نواسنج　　کس کس کو اسیرِ قفس و دام کریں گے
جو کچھ ہو ریاضؔ ایسے زخود رفتہ ہوئے ہیں
ایمان بھی یہ نذرِ مے و جام کریں گے

کچھ آگے قتل گاہ میں ہم سے اجل گئی　　جانے سے پہلے جان ہماری نکل گئی
صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور　　نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی
کہتی ہے نیم وا یہ چمن کی کلی کلی　　فریادِ عندلیب کلیجہ مسل گئی
ساقی کے اُٹھتے اُٹھتے ادھر ہاتھ اُٹھ گئے　　بوتل سے کاگ اُڑا تھا کہ رندوں میں چل گئی
کہنا کسی کا صبحِ شبِ وصل ناز سے　　حسرت تمہاری جان ہماری نکل گئی
کتنا اثر ہے آمدِ فصلِ بہار کا　　رندوں کی طرح جام کی رنگت بدل گئی
انگڑائی لے کے اور بھی وہ سوئے چین سے　　پھولوں کی پنکھیاں جو نسیم آ کے جھل گئی
دامن میں دخترِ رز نے لگایا ضرور داغ　　جس پارسا کی گود میں جا کر مچل گئی
کھوئی گئی گھر آ کے مرے کیا شبِ فراق　　دیوانگی میں خوب بلا سر سے ٹل گئی
رکھتے نہ کوئی نام جوانی کو اے ریاضؔ　　مہمان ایک رات کی آج آئی کل گئی

بنتِ عنب کی جام میں صورت بدل گئی | خم سے نکل کے نور کے سانچے میں ڈھل گئی

اے شیخ کس طرح تری پگڑی اچھل گئی | مسجد میں کل منارے سے اونچی نکل گئی

قرباں اپنے اشکِ ندامت کے کیوں نہ ہوں | کیا صاف صاف حشر میں فردِ عمل گئی

تنہا گئے لحد سے تو کیا لطفِ سیرِ حشر | جائیں گے ہم جو حور کوئی ہم بغل گئی

حلقہ نشیں تھا شیخ نہ کی کچھ بزرگداشت | کیوں خانقہ میں دخترِ رز بے محل گئی

پروانہ آگ کا تھا بنا شمع موم کی | دیکھا جو بیقرار اسے یہ پگھل گئی

آجائے خود ہی جام سے منہ میں عجب نہیں | ساغر میں خود بخود جو صراحی سے ڈھل گئی

لطفِ شباب جام چھلکنے سے آ گیا | ڈھلنے لگی شراب جوانی جو ڈھل گئی

افسردہ جان کر وہ ہمیں چھیڑ لیں ریاضؔ
آجائے گا مزا جو طبیعت سنبھل گئی

چلنا مبارک آپ کو ہو سینہ تان کے | جوبن پکارتا ہے دن آئے اٹھان کے

چاہا جہاں سے جس نے فسانہ بنا لیا | ٹکڑے ہزاروں ایک مری داستان کے

مشتاقِ وصل قبر میں ہیں دسترس نہیں | راتوں کو خوب سوئے ہیں تن تن کے تان کے

ٹکرا کے آج رہ گئے دیوارِ بام سے | نالے زمین کے نہ ہوئے آسمان کے

جا جا کے ان سے غیر لگاتے ہیں جھوٹ سچ | سنتا ہوں میں یہی کہ وہ کچے ہیں کان کے

یہ مے اترتی سینے میں ہے صاف بن کے نور | وہ اور شے ہے پیتے ہیں سب جس کو چھان کے

دیں ان حسین شکلوں کو ہم دل میں کیا جگہ | یہ بھولے بھالے جتنے ہیں دشمن ہیں جان کے

کانوں میں ان کے اور دل آویز بن گئے | لیں گے ہماری جان یہ آویزے کان کے

اردو کریگی ناز ہماری زبان پر | ہیں شعر یادگار ہماری زبان کے

توبہ نہ ٹوٹی، نقد نہ جب تک شراب کی
ہیں آدمی ریاضؔ بڑے آن بان کے

ہم بدلنے کے نہیں جامِ مئے انگور سے
خوب آئیں بوتلیں سرکے کی گورکھپور سے

حضرتِ موسیٰ لڑائیں آنکھ برقِ طور سے
ہم ہیں ان میں دیکھتے ہیں جو تماشا دور سے

اُڑ کے آجائے وہ شئی کھینچی ہو جو انگور سے
کچھ نگاہِ مست سے کچھ نرگسِ مخمور سے

آفتابِ حشر، تل ہے دیدۂ مشتاق میں
تم اٹھا دو اب نقاب اپنے رُخِ پُر نور سے

اے اسیرانِ قفس آنے کو ہے شاید بہار
کچھ لہو آنے لگا پھر آنکھ کے ناسور سے

تل برابر رات ہے لیکن قیامت کا ہے حسن
وصل کی شب نے سیاہی لی ہے چشمِ طور سے

حال اُن کے دل جلوں کا کچھ نہ ہم سے پوچھئے
جب نگاہِ گرم کی شعلہ سا اُٹھا طور سے

میکدے میں آ گئے ہیں کچھ تو اضع چاہیئے
لطفِ ناصح کو بھی ہو افشردۂ انگور سے

صبح جس کی قبرِ دشمن کے لئے بنتی ہے رات
بڑھ گیا روزِ سیہ میرا شبِ دیجور سے

چارہ گر بھی اب لہو روتا ہے میرے حال پر
پک گیا اس کا کلیجا بھی مرے ناسور سے

سر پہ اپنے رکھ کے لے جا شیخ سوئے خانقاہ
کم سبوئے مے نہیں تاجِ سرِ فغفور سے

پیتے پیتے پھوٹ نکلا شیخ صاحب رنگِ مے
ریش پر بھی نور اترا چہرۂ پُر نور سے

قلقلِ مینا کے خوگر ہیں بہت نازک مزاج
حشر میں ان کو نہ چونکا نا صدائے صور سے

بزمِ محشر میں بھی وہ شئے ہے مگر مشکل یہ ہے
بادہ کش واقف نہیں اس بزم کے دستور سے

اب ریاضؔ اس طرح آجاتا ہے دو دن کو شباب
داغِ کہنہ تازہ کر لاتے ہیں گورکھپور سے

نہیں بنتا ہے اگر عاشقِ صہبا نہ بنے
پھول کر مجھ سے نہ زاہد خمِ میخانہ بنے

دیدہ و دل میں سمائیں تو بتانِ کافر — کعبہ بن جائے گا پہلے کوئی بتخانہ بنے

تخت پریوں کے نہیں آج چھلکتے ہوئے جام — لاؤ مینا یہی ویرانہ پری خانہ بنے

کج ادا اس سے سوا ہے دلِ بدخو میرا — دیکھئے زلفِ پریشاں سے بنی یا نہ بنے

روزِ محشر کے لئے اس کو لگا رکھا تھا — رہنما آج مری لغزشِ مستانہ بنے

آنے کو شوق سے سو بار قیامت آئے — ان کے کوچے میں مگر آکے تماشا نہ بنے

بل نکالے تری زلفوں کی بلائیں لے کر — لے میں صدقے دلِ صد چاک مرا شانہ بنے

کاگ بوتل کا اچھل کر دلِ مشتاق بنا — نگہِ شوق لپٹ کر خطِ پیمانہ بنے

واقفِ راز کوئی ہم سے یہ کہتا تھا ریاضؔ

جس کو اللہ بنائے وہی دیوانہ بنے

اب وہ کس منہ سے کہیں جائے بس دیکھ چکے — اس بڑھاپے میں حسیں میری ہوس دیکھ چکے

کتنے دن باغ میں آئے ہوئے گزرے ہم کو — اتنی مدت میں کئی بار قفس دیکھ چکے

کوچۂ غیر میں چھپتے ہوئے جانا ہے عبث — شرم کاہے کی ہے جب آپ کو وس دیکھ چکے

چھوٹ کر ان سے رہِ منزلِ مقصود ملی — کارواں دیکھ چکے ان کی جرس دیکھ چکے

دمِ آخر بھی رہا آپ کے آنے کا خیال — راہ ہم روک کے دو چار نفس دیکھ چکے

کس نے بے پر کی اڑائی کہ وہ آتی ہے بہار — چڑھ کے سو بار سرِ بامِ قفس دیکھ چکے

دیکھنے آئے ترس کھا کے دمِ نزع مجھے — جائیے دیکھ چکے کھا کے ترس دیکھ چکے

دیکھیں کیا پاس سے ہم زخمِ عدو مقتل میں — خون میں ڈوبے ہوئے پائے مگس دیکھ چکے

کھانے پینے کی نہ کچھ فکر نہ کھٹکا نہ خلش — رہ کے صیاد کے گھر چند برس دیکھ چکے

جا کے نزدیک سے دیکھ آئیں فراطور کو ہم — دور سے گنبدِ خضرا کا کلس دیکھ چکے

نہ بُرا دن کبھی اللہ کسی کو دکھلائے
اے ریاضؔ اپنی خزاں اب کی برس دیکھ چکے

تھکے ہم بھی اظہارِ غم کرتے کرتے
تھکے وہ بھی آخر ستم کرتے کرتے

خدا جانے کیوں ان کے دل میں یہ آئی
جفاؤں کی ٹھہری کرم کرتے کرتے

لئے خلد کو، حشر اک چیز نکلا
کہاں پہنچے سیرِ عدم کرتے کرتے

مٹائے مٹا غم نہ الفت کا تیری
ہمیں مٹ گئے ہائے غم کرتے کرتے

لہو بھی تو اب دل سے آنے لگا ہے
ان آنکھوں کو اشکوں سے نم کرتے کرتے

بھلا تھا وہ میخانہ جس میں پڑے تھے
تھکے ہم طوافِ حرم کرتے کرتے

مجھے لکھنے دو حرف اس کے لہو سے
وہ سرنامہ بر کا قلم کرتے کرتے

بہت ہم سے دشوار تھا مے کا چھٹنا
چھٹی ایک مدت میں کم کرتے کرتے

بھرے خم سے دن رات مینا پلانا
جھکی بیٹھ مینا کو خم کرتے کرتے

فرشتوں کی چلتی نہ کچھ بعدِ توبہ
گنہ ایک کے دو رقم کرتے کرتے

ریاضؔ آج جامِ گلی جا چکا تھا
رُکے ہم اسے نذرِ خم کرتے کرتے

طرفِ در ترے کوچے میں جو ہم اور بڑھے
ہم سے بھی چار قدم نقشِ قدم اور بڑھے

ترے کوچے سے سحر ہوتے یہ آتی ہے خبر
کارواں آج کئی سوئے عدم اور بڑھے

ہو مئے تلخ سے افلاس میں میری حاصل
یا الٰہی ابھی کچھ تلخیٔ غم اور بڑھے

ہر ادا تیغ بکف آئی جوانی میں نظر
نوجواں ہوتے ہی اندازِ ستم اور بڑھے

عاشقِ چشمِ بتاں سے انہیں وحشت نہ ہوئی
شوخیاں کرنے غزالانِ حرم اور بڑھے

سخت جاں ہم سے جو بن جائیں پئے مشقِ ستم — نورواں اور ہو یہ تیغ کا دم اور بڑھے
اس دعا میں شبِ فرقت ہی برابر کی شریک — یار کی زلف بڑھے زلف کا خم اور بڑھے
پاسباں خاک تری آنکھ میں جھونکی سب نے — رات کوچے میں کئی نقش قدم اور بڑھے
پہلی سی انجمنِ مے نہیں اب محفلِ مے — کے وجم اور بڑھے ساغرِ جم اور بڑھے
الھلال اور بڑھے نور فشانی تیری — چار چاند اور لگیں حسنِ رقم اور بڑھے

موجِ طوفاں کی ریاضؔ اس کو روانی مل جائے
کہ قلم بن کے ذرا تیغِ دو دم اور بڑھے

آنکھوں سے لگائے لحد آ گری ہو آئے — حسرت نہ رہی رونے کی تقدیر کو رو آئے
مٹی میں ملانے تجھے بھوپال سے لائے — اب کس سے کہے کوئی کہاں ہم کسے کھو آئے
لے راز ور ریاضؔ آئے کہ تنہا نہ رہے تو — لے خوش ہو کہ سونے کے لئے قبر میں دو آئے
کیوں آنے لگا گھر میں کوئی قبر سے اٹھ کر — کیوں کہنے لگا کوئی کہ ہم قبر میں سو آئے
بہہ کر گئے ہیں قبر میں اشکِ سرِ بالیں — ہم خوش ہیں کہ موتی ترے زلفوں میں پرو آئے
آنکھوں سے لگانے گئے کیوں دامنِ تربت — یوں پھوٹ کے روئے کفن اشکوں سے بھگو آئے

اب دل ہے ریاضؔ اور نہ وہ دل کی تمنا
منجدھار میں ہم کشتیٔ اُمید ڈبو آئے

جو ہم آئے تو بوتل کیوں الگ پیرِ مغاں رکھ دی — پرانی دوستی بھی طاق پر اے مہرباں رکھ دی
قفس پر شاخِ گل صیاد نے ای آسماں رکھ دی — بنا کر شاخِ گل ہاں تیری شاخِ کہکشاں رکھ دی
یہ کیسی آگ بھر کر جام میں پیرِ مغاں رکھ دی — جو توڑی مہرِ ساغر سے تو کچھ اُٹھا دھواں رکھ دی
ذرا چھیڑا جو اُس نے ہو گئی ایسی زخود رفتہ — کہ شمعِ بزم نے گلگیر کے لب پر زباں رکھ دی

خدا کے ہاتھ ہے بکنا نہ بکنا مے کا اے ساقی
برابر مسجدِ جامع کے ہم نے اب دکاں رکھ دی

چمن کا لطف آتا ہے مجھے صیاد کے صدقے
قفس میں لا کے اس نے آج شاخِ آشیاں رکھ دی

بنا ہے ایک ہی دونوں کی کعبہ ہو کہ بتخانہ
اُٹھا کر خشتِ خم ہم نے وہاں رکھ دی یہاں رکھ دی

یہ قیس و کوہکن کے سے فسانے بن گئے کتنے
کسی نے ٹکڑے کر کے سب ہماری داستاں رکھ دی

تعین سے منزہ شوخیاں ہیں اس کے جلوے کی
ہماری وسعتِ دل میں بنائے لامکاں رکھ دی

نظر مدت سے تھی اے شیخ جسں پہ میفروشوں کی
وہ دستارِ فضیلت رہن ہم نے مہرباں رکھ دی

یہ کیا تھا جلوہ ان کا دیکھنا تھا ہم کو پردے میں
لگا کر آنکھ سے ہم نے جو تصویرِ بتاں رکھ دی

یہ عالم ہے ریاضؔ ایک ایک قطرے کو ترستا ہوں
حرم میں اب خدا جانے بھری بوتل کہاں رکھ دی

آنکھ کے تل میں رہے یا قیس کے دل میں رہے
آتے آتے نجد تک لیلےٰ محمل میں رہے

احترامِ بزمِ ساقی شیخ کے دل میں رہے
حسنِ محفل بن کے مے ساقی کی محفل میں رہے

دستِ گلچیں تک نہ جائے یا الٰہی کوئی پھول
شاخ سے ٹوٹے تو منقارِ عنادل میں رہے

پاس میرا بھی رہا ان کو شبِ وصلِ عدو
شوخیوں سے درد بن کر وہ مرے دل میں رہے

خاک میں ملنے نہ پائے بے گناہوں کا لہو
دستِ قاتل میں رہے دامانِ قاتل میں رہے

لطف ہو بن جائے تیغِ نازِ حسرت کی نگاہ
زخمِ بسمل سے نکل کر چشمِ بسمل میں رہے

جا نہیں سکتا ہے حسن و عشق کا نازک لگاؤ
پردہ بن چشمِ قیس کا لیلےٰ کی محفل میں رہے

چال میں آئے خرامِ نازِ قاتل کا مزا
کچھ لچک نازک کمر کی تیغِ قاتل میں رہے

حلق سے اترے جو وقتِ نزع ٹپکائیں شراب
اتنی آسانی الٰہی میری مشکل میں رہے

سرخیٔ مے سے رہی محفوظ یہ ریشِ سپید
اے ریاضؔ اس طرح ہم ساقی کی محفل میں رہے

اہتمام اتنا مرے ساقی کی محفل میں رہے
مست آنکھوں سے جو ٹپکے ساغرِ دل میں رہے

ناز کیوں ہو فتنے ہی فتنے جو محفل میں رہے
حشر برپا رو زمیرے گوشۂ دل میں رہے

یہ تو ظاہر ہو کبھی تھا بوند بھر اس میں لہو
اُڑکے رنگ اتنا تو مرجھائی ہوئی دل میں رہے

اُف ری شوخی وصل کی شب ضد یہ ہے ہوئی کا اغ
چاند سے چہرے کے بدلے ماہ کامل میں رہے

ننھے ننھے ناوکِ مژگاں کے اوچھے زخم کیا
گہرے گہرے سینکڑوں ناسور اس دل میں رہے

دل میں بھی مجکو نظر آتی رہے اس کی جھلک
مختصر سی وصل کی شب آپ کے تل میں رہے

پیچ کھا کر یہ بگولا طوق گردن کا بنے
دشت کا جادہ کڑی بن کر سلاسِل میں رہے

اس طرح لوٹی جنوں میں ہم نے گلشن کی بہار
دل رہا پھولوں میں یارب ہم عنادل میں رہے

دل کے ہوتے ای جنونِ قیس محمل کچھ نہیں
پردۂ محمل تو کیا محمل یہ محمل میں رہے

ہستیِ بیداد بھی نکلی زمانہ ناشناس
خوابِ غفلت کی طرح ہم چشمِ غافل میں رہے

ہم کو رکھنے قبر میں تو ساتھ آئے تھے بہت
کیا ہوئے سب ہم اکیلے پہلی منزل میں رہے

باغ میں گلچیں کو بھی پھولوں کا دھوکا ہو گیا
اشک خوں کچھ اس طرح چشمِ عنادل میں رہے

تھے ریاض اس فکر میں یہ بت انھیں کے ہو رہیں
مردِ حق آگاہ بھی کس سعیِ باطل میں رہے

روشن کئے چراغِ لحد لالہ زار نے
اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

زلفِ سیاہ بن کے ہی اب شبِ لحد
بدلا کچھ اور رنگ شبِ انتظار نے

سینے تک آئی سوتے میں کب میری دستِ شوق
دھوکا دیا تجھے ترے پھولوں کی ہار نے

نکلی حرام پی تھی سمجھ کر لطیف شے
کیا بدمزہ کیا ہے مئے خوش گوار نے

افسردگی اب اس سے سوا ہوگی اور کیا
پروانے تک جلائے نہ شمعِ مزار نے

پیتے تھے خانہ سازِ خدا سازِ اب ملی
محشر میں بات رکھ لی کچھ آمرزگار نے

یہ سُن کے دور جاتی ہے آوازِ رات کی
بیٹھا ہے قیس نجد میں مجھکو پکار نے

مستی کے ساغروں میں بھی ہے تازگیِ گُل
ہر شیشے میں جان ڈال دی فصلِ بہار نے

بھر کر حرم کے گوشے میں رکھدی تھی زمزمی
پی لی چرا کے زاہدِ شب زندہ دار نے

وعدے کی رات حشر کا دن مجکو ایک ہے
اب آنکھ کھول دی ہے ترے انتظار نے

بوتل کے مُنہ سے آتی ہے بو شل اہلِ صوم
منہ سے لگا کے پی ہے کسی روزہ دار نے

اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں ایک آہ کی
بے آس ہو کے اس دلِ اُمیدوار نے

یہ سُن کے نصفِ شب کو درِ میکدہ کھُلا
مانگی ہے اک بزرگ تہجد گزار نے

تارے بنے جو ڈال دیئے رخنے بے شمار
ٹکرا کے آسمان سے ہمارے غبار نے

ساقی نے رات ہاتھ سے توڑی جو مہرِ خم
مشعل دکھائی برقِ سرِ کوہسار نے

صبحِ شبِ وصال سبھی مجھے منفعل کیا
تو نے تو کیا تری نگہِ شرمسار نے

بے شغل جام و بادہ جوان ہو گئے ریاضؔ
ڈالا اثر یہ آمدِ فصلِ بہار نے

نہ کام آئے جو دامن کے اشک خوں وہ کیا ہے[1]
جو کام آئے نہ آنکھوں کے وہ لہو کیا ہے

بنا ہے وعدۂ فردا سے ان کے تارِ کفن
سفید ریش کا میری ہر ایک مو کیا ہے

نہ رنگ لائے نہ بو دے اگر کریں پامال
میں کچھ نہیں ہوں مرا خونِ آرزو کیا ہے

جو توڑیے عوضِ مَے ذرا سا پانی دے
ہمارے دل کا پھپھولا ہے یہ سبو کیا ہے

بجھے گی پیاس نہ میری اگر گلا رگڑوں
نہ آب جس میں ہو وہ خنجرِ عدو کیا ہے

جو ناشناس ہیں اُن کو ریاضؔ ہو معلوم
غلامِ ساقیٔ کوثر کی آبرو کیا ہے

[1] اس غزل کے چند اشعار ضرورتاً حذف کر دیے گئے ہیں۔

چھیڑتے ہی میری زلفِ رسا ہو جائے گی ۔ یہ پری تیری لئے ای دل بلا ہو جائے گی

اے اسیرانِ قفس آنے کو ہے فصلِ جنوں ۔ چار دن میں اور گلشن کی ہوا ہو جائے گی

ساتھ اشکوں کے لہو کیا لختِ دل آنے لگے ۔ کچھ نہ کچھ بدنام اب میری وفا ہو جائے گی

موجِ طوفاں پھینک دے گی اس کو ساحل کی طرف ۔ پار اب کشتی مری اے ناخدا ہو جائے گی

لا بھی دے سوڈے کی بوتل جا کے ای شیخِ حرم ۔ آبِ زمزم کیا ملاؤں بے مزا ہو جائے گی

کون پہچانے گا مجکو حشر میں اے شامِ گور ۔ اُٹھتے اُٹھتے میری صورت کیا سے کیا ہو جائے گی

گھر سے نکلے ہیں وہ نازک ہاتھ میں نشتر لئے ۔ آگئے تو دردِ دل کی کچھ دوا ہو جائے گی

روز اجڑنے دو اسیرانِ قفس کے آشیاں ۔ اور ہی اب اس گلستاں کی ہوا ہو جائے گی

ہو گی میری ہاتھ میں میری سیہ فردِ عمل ۔ میں جو آیا تیرگی روزِ جزا ہو جائے گی

جس قدر چاہے مری تربت پر آکر سر اُٹھائے ۔ تیری کوچے میں قیامت نقشِ پا ہو جائے گی

لوٹ لو اچھی طرح لطفِ معاصی اے ریاض
ہیں بُرے آثار دنیا اب فنا ہو جائے گی

کچھ سی کچھ ہاتھوں میں جا کر یہ حنا ہو جائے گی ۔ دیکھ لینا ان کی مٹھی میں قضا ہو جائے گی

وصل کی شب خال سے زلفِ رسا ہو جائے گی ۔ ان کو ڈر ہی جان کو میری بلا ہو جائے گی

حور آتی ہو مری تربت میں کیوں ساغر لئے ۔ آگئے وہ تو قیامت ہی بپا ہو جائے گی

میری آہِ گرم جو لب سوز ہی دل دوز ہے ۔ جاتے جاتے بام تک ٹھنڈی ہوا ہو جائے گی

بس کے آئی تھی کہ آئی مرگِ دشمن کی خبر ۔ رکھتے رکھتے یونہی مٹی اب حنا ہو جائے گی

میرے آگے دخترِ رز کو لائے ہیں پہلے پہل ۔ یہ اچھوتی آج نذرِ پارسا ہو جائے گی

کنگرِ عرشِ بریں کے چوم لیتی ہے جو آہ ۔ وقت پر تقدیر بن کر نارسا ہو جائے گی

کالی کالی مے کی بوتل اُڑ چلے گی دیکھنا آتے آتے سر تک کالی گھٹا ہو جائے گی

جب ملیں گے آپ تلووں سے دل پر داغ کو یہ حنا تو اور آتش زیر پا ہو جائے گی

آ ٹل سکتی نہیں شمشیر و خنجر ہوں نہ ہوں میرے قاتل کی ادا میری قضا ہو جائے گی

جو پہ بھی بھولی صورت کا خیال آجائے گا ہونٹھ تک فریاد آتے ہی دعا ہو جائے گی

مے پرستی یہ مجھے پہنچائے گی تسنیم تک لغزش پا حشر کے دن رہنما ہو جائے گی

تیغ کو شرمائے گا قاتل تری گردن کا خم وصل کی شب جان کی دشمن حیا ہو جائے گی

مجھے دیوانے کے نالے آپ سُنئے تو کبھی قیس کی فریاد صحرا کی صدا ہو جائے گی

تاجِ زر دے گا درِ سائر[1] کا ہر ذرّہ ریاضؔ

دھوپ سر پر سایۂ بالِ ہُما ہو جائے گی

جس دن سے حرام ہو گئی ہے مے خلدِ مقام ہو گئی ہے

قابو میں ہیں ان کے وصل کا دن جب آئے ہیں شام ہو گئی ہے

افتادِ چمن یہ ہے کہ بلبل خود ہی تہِ دام ہو گئی ہے

توبہ سے گھٹی یہ قدر و قیمت مے دام کے دام ہو گئی ہے

آتی ہے قیامت اس گلی میں پامال خرام ہو گئی ہے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور کیا چیز حرام ہو گئی ہے

لب تک جو کبھی نہ آئے وہ آہ اونچی سرِ بام ہو گئی ہے

مے نوش ضرور ہیں وہ نا اہل جن پر یہ حرام ہو گئی ہے

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد علی اللہ مقامہٗ

بجھ بجھ کے جلی تھی قبر پر شمع — جل جل کے تمام ہو گئی ہے
آجائے اسے جو آئے مجھ تک — موت ان کا پیام ہو گئی ہے
ہر بات میں ہونٹھ پر ہے دشنام — اب حسنِ کلام ہو گئی ہے
سر خم ہے حرم میں سوئے طیبہ — کچھ خوئے سلام ہو گئی ہے
دولت دل کی بتو ہے محفوظ — اللہ کے نام ہو گئی ہے
پھر پھر کے نظر ہوئی ہے صدقے — جم کر خطِ جام ہو گئی ہے

ہے دور ابھی ریاضؔ منزل
دن ختم ہے شام ہو گئی ہے

مے رہے مینا رہے گردش میں پیمانہ رہے — میرے ساقی تو رہے آباد میخانہ رہے
حشر بھی تو ہو چکا رخ سے نہیں ہٹتی نقاب — حد بھی آخر کچھ ہے کب تک کوئی دیوانہ رہے
کچھ نہیں ہم دل جلوں کی بیقراری کچھ نہیں — تیری محفل وہ ہی جس میں شمع پروانہ رہے
گورے ہاتھوں میں ہے چوڑی خطِ ساغر کا عکس — تیرے دستِ ناز میں نازک سا پیمانہ رہے
کم سے کم اتنا اثر ہو جو سنے آجائے نیند — بیکسوں کی موت کا ہونٹھوں پہ افسانہ رہے
رات کو جا بیٹھتے ہیں روز ہم مجنوں کے پاس — پہلے ان بن رہ چکی ہے اب تو یارانہ رہے
حشر ہو تم شرم کے پتلے نہ بننا حشر میں — چال اٹھلائی ہوئی انداز مستانہ رہے
تاب اس کی لا نہیں سکتے کبھی نازک دماغ — بارِ سر ہے دور سر سے تاجِ شاہانہ رہے
ان کے کہنے سے کبھی یوں کہہ لئے دو چار شعر — رات دن فکرِ سخن میں کوئی دیوانہ رہے
ان بتوں کے چلتے ہم نے دل کو پتھر کر لیا — بت رہے کوئی نہ یارب کوئی بتخانہ رہے
طور پر آ میں نہ میرے سامنے یوں ہی سہی — ہاں فراطِ تکلم بے حجابانہ رہے

زندگی کا لطف ہو اُڑتی رہے ہر دم ریاضؔ
ہم ہوں شیشے کی پری ہو گھر پری خانہ رہے

دمِ آخر نقابِ رُخ نہ زلفِ عنبریں ہوتی
فدا اُس چاند سے منہ پر نگاہِ واپسیں ہوتی

نہ دامن میں شکن ہوتی نہ مسکی آستیں ہوتی
ترے صدقے تبسم کی طرح لب پر نہیں ہوتی

جو اُن کی شکل بے پردہ مرے آگے کہیں ہوتی
نگاہِ شوق اے موسیٰ نگاہِ واپسیں ہوتی

جو دل مٹھی میں وہ لیتے تو مٹتی زلفِ پُرخم پر
اُتر کر ہر شکن گیسو کی چینِ آستیں ہوتی

سرِ بزم بڑھی تھی بات ساقی میں اُبل پڑتا
مری ساغر میں تھوڑی سی جو دردِ تہ نشیں ہوتی

ترے کوچے سے جا کر موت کا تھا سامنا مجکو
قدم رکھتا جہاں وہ میری تربت کی زمیں ہوتی

سرِشک تلخ ہوتے زہر کل افعی کے تالو کے
یہ موجِ اشک آگے چل کے مارِ آستیں ہوتی

سنور کر آپ تو آئے تھے لیکن وقت نازک تھا
نگاہِ شوق کیوں کر نہ نگاہِ واپسیں ہوتی

ہنسی میں اُن سے میرے آنسوؤں کا تار کہتا تھا
لڑی ان موتیوں کی زیبِ زلفِ عنبریں ہوتی

یہ ہے افلاس میں جھوٹی پیالی دھو کے پیتا ہوں
نہ تھی سرجوش قسمت میں تو دُردِ تہ نشیں ہوتی

بناتی چودھویں کا چاند اے شبِ فرقت
جو مل جاتی تری تصویر تجھ سے بھی حسیں ہوتی

نہیں کے ساتھ ہونٹھوں پر ہنسی بھی کاش آجاتی
مزا دیتی جو پردے میں تبسم کی نہیں ہوتی

غرض گھر سے نہ پیراہن سے مر کر بھی یہی ہوتا
کفن میرا کہیں ہوتا مری تربت کہیں ہوتی

دلِ پُرآرزو میرا پیا ہی ساتھ ساتھ اس کے
حنا ہاتھوں سے میری زیبِ دستِ نازنیں ہوتی

مزا تھا عرش کی قندیل جھک کر مُہرِ خمِ مئے
ابھر کر خشتِ خم ساقی فرشتے کی جبیں ہوتی

لطافت روح کی پیدا جو ہوتی جسمِ خاکی میں
تو مر کر میں کہیں ہوتا مری تربت کہیں ہوتی

دمِ آخر جو بالیں پر سنور کر آپ آ جاتے
یہ ہوتا آپ سے باہر نگاہِ واپسیں ہوتی

سُنا ہے عمرِ زاہد اس قدر تلخی میں گزری ہے — شرابِ تلخ اسے ملتی تو شیر و انگبیں ہوتی
تمنا وصل کی جو میرے دل کو گدگداتی ہے — حسینوں کے لئے یہ بھی تبسّم آفریں ہوتی

ریاضؔ اعزاز اگر ملتا نہ یہ سرکارِ ساحرؔ سے
تو اقلیمِ سخن کیوں کر مرے زیرِ نگیں ہوتی

کچھ شبِ وعدہ عدو سے وجہ بھی انکار کی — کھائے قسمیں نہ میرے طالعِ بیدار کی
زہر باتیں پیار کی تو چال ہے تلوار کی — دھوم ہے ظالم تری گفتار کی رفتار کی
کیوں نہ چھپیں مژگاں کے سایے میں نگاہیں یار کی — خوفناک اتنی نہیں صورت ترے بیمار کی
وعدہ کر کے لطف دیتی ہے ادا انکار کی — بات کہتے پلٹے کھاتی ہے زباں سرکار کی
کچھ دنوں کھالیں ہوا ہم وحشت کی گھاس کی — سیر کی ہے خوب ہم نے حسن کے بازار کی
دام بردوش آئے بھی یارب کہیں صیاد جلد — آج کل بدلی ہوئی ہے کچھ ہوا گلزار کی
کچھ عجب عالم دکھاتے ہیں کسی کے نقشِ پا — کس نے تصویریں یہ کھینچیں شوخیِ رفتار کی
اس کی قدرت جو نہ رکھتے تھے زمیں پر کل قدم — آج انھیں بھی ہے شکایت چرخِ ناہنجار کی
جائے بھی پہلوئے بیمار سے بالائے بام — لذت اس کو لوٹنا ہے حسرتِ دیدار کی
اوس کیسی میرے چار اشکوں سے پانی پڑ گیا — مصر تک دھومیں مچی تھیں گرمیِ بازار کی
اُلٹی گنگا ہم نے یوں بہتی نہ دیکھی تھی کبھی — بے طرح ہے کاٹ پر تیزی اس اُلٹی دھار کی
کھیل دیوانوں کا بن کر رہ گئی قیدِ فرنگ — آج کل زنداں کا جانا سیر ہے گلزار کی
بات کیا ہے پی کے بھی گلرنگ چہرہ ہے سفید — پھر سفیدی وہ کہ جیسے برف ہو کہسار کی
غیر کو ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کیڑے پڑیں — بڑھ گئی حد سے مٹھاس اب شربتِ دیدار کی
وہ گئے دن آپ کہتے تھے ’چہ خفتہ‘ بار بار — اب مگس رانی ہے کیوں ہر خفتہ و بیدار کی

کیا عجب ہی میری وحشت اب نکالی ہاتھ پاؤں — میرے دل میں نوک کچھ چبھنے لگی ہے خار کی
گدگداتی ہی جوانی کچھ تجھے بھی بہرِ وصل — مسکراتی ہی کلی تیرے گلے کے ہار کی
پڑ نہیں سکتا ہی پردہ ڈالئے پردہ ہزار — چھپ نہیں سکتے چھپانے سی نگاہیں پیار کی
دخترِ رز واعظ کے آگے آئی ہو کر بے حجاب — بیٹھنے والی ہی یہ بھی کیا کوئی بازار کی
ہو گئی باہم گر پیوستگی سے اب فزوں — استواری رشتہائے سبحہ و زنار کی
مغبچو دو چار خم سے چل نہیں سکتا ہی کام — آج کل تو میکدی پر آنکھ ہے میخوار کی
کوئی بھی ہو بڑھ کے یہ سب لگا لیتا ہی ساتھ — دوڑ دھوپ ابھی نہیں ہی سایۂ دیوار کی
قسمت اس حق گو کی یہ معراج جس کو ہو نصیب — آسمان سے باتیں کرتی ہی بلندی دار کی
وہ سُلاتے ہیں اسی الفت سے یہ سوتا نہیں — ہے شکایت اُن کو میرے طالع بیدار کی
اپنے دامن سی نہ پونچھیں اشکِ خوں آلودہ آپ — خونفشانی کم نہ ہوگی دیدۂ خونبار کی
کیا ہوئے کہئے مسیحائی کے دعوے کیا ہوئے — آپ تو ڈرتے ہیں صورت دیکھکر بیمار کی

اے ریاض آ شرم میں گنگا ندھی کے جا کر آئی شرم
پھینکدی ہم نے لبِ جو سب سمندر پار کی

یہ شامِ شبِ وصل بھی کیا شام ہے کوئی — کیا بات ہی کیوں لرزہ براندام ہے کوئی
نازک سا کوئی پھول ہی یا جام ہے کوئی — یہ مے ہی کہ معشوق گل اندام ہے کوئی
پر خوب نکالے مرے سائے نے چمن میں — صیاد یہ سمجھا کہ تہِ دام ہے کوئی
سو رندیں تو نہ ہو خالی کبھی ساقی — ایسا بھی ترے میکدے میں جام ہے کوئی
کعبے میں یہ کیا آرہے سب میکدی والے — بے داغ بھی کیا جامۂ احرام ہے کوئی
اے حسن سلامت یہ جنوں خیز بہاریں — رسوا ہے کوئی عشق میں بدنام ہے کوئی

اُٹھتے ہیں کچھ اس انجمن ناز سے فتنے | میں ہوں کہ عدو مورد الزام ہے کوئی
بے روپ ہی انسان جو مٹا رنگ جوانی | جس میں مے گلگوں نہ ہو وہ جام ہے کوئی
وہ محویت قیس وہ بے صبری فرہاد | ہم لوگوں میں پختہ ہے کوئی خام ہے کوئی
سنتا ہوں کہ سننے کی حسینوں کو نہیں تاب | بوسے کا نہ لوں نام یہ دشنام ہے کوئی

بے بات ریاضؔ اس کو سناتے ہیں وہ سو سو
اس بزم میں کیا آپ کا ہم نام ہے کوئی

گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے | شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے
نہ رکیں گے در و دیوار سے زندانوں کے | خود بخود پاؤں اُٹھے جاتے ہیں دیوانوں کے
پینگ وحشت میں بڑھے ہیں ترے دیوانوں کے | اب بیاباں بھی انھیں صحن ہیں زندانوں کے
ایک کیا جن کے ہر اک ذرے میں گم ہوں سو حشر | ہم بگولے بنے ایسے کئی میدانوں کے
کعبہ و دیر میں ہوتی ہے پرستش کس کی | مے پرستو یہ کوئی نام ہیں میخانوں کے
کچھ اس انداز سے آ بیٹھے ہیں وہ شمع کے پاس | دیکھ کر دور سے پر جلتے ہیں پروانوں کے
لے گیا آپ کے دیوانوں کو سودائے بہار | در و دیوار ہیں ٹوٹے ہوئے زندانوں کے
جام ہے توبہ شکن توبہ مری جام شکن | سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے
ہاتھ کیوں کھینچ لیا چھیڑ کے خنجر تو نے | سر جگہ سے نہیں اُٹھتے ہیں گراں جانوں کے
در سے بڑھنے نہیں دیتا ہی مجھے ذوق سجود | میں ہوں نقشِ کفِ پا ہیں تری دربانوں کے
نہیں گنتی میں مگر بزم سخن ہے روشن | آج میں شمع ہوں مجمع میں سخن دانوں کے
قطرے ہیں کوثر و تسنیم کفِ ساقی میں | خمِ افلاک تو پیمانے ہیں میخانوں کے
وسعتِ ذات میں گم وحدت و کثرت ہے ریاضؔ | جو بیاباں ہیں وہ ذرے ہیں بیابانوں کے

واہ کیا نامۂ اعمال ہیں دیوانوں کے — کہ فرشتے لیے ٹکڑے ہیں گریبانوں کے
ہوش اُڑتے ہوئے دیکھے نہیں انسانوں کے — لطف میخانوں میں آتے ہیں پری خانوں کے
نقش یارہ نہیں سکتے ترے دیوانوں کے — اے جنوں صحن بہت تنگ ہیں زندانوں کے
پرِ پروانہ بنے خود شررِ شمع کبھی — شررِ شمع بنے پر کبھی پروانوں کے
اپنے کوچے میں جو دیکھا تو وہ ہنس کر بولے — چھاننے والے کہاں آئے بیابانوں کے
ذکر کیا اہلِ جنوں کا کہ جب آتی ہے بہار — وہ تو وہ رنگ بدل جاتے ہیں زندانوں کے
آج بت بیٹھے ہیں تقدیر کے مالک بن کر — اب جو لکھا ہو مقدر میں مسلمانوں کے
بام تک تیری ذریعہ ہیں رسائی کے یہی — دور سے جھک کے قدم لوں ترے دربانوں کے
ان کے بکھرے ہوئے گیسو نہیں ہٹتے رُخ سے — آج نکلے ہیں وہ جھرمٹ میں نگہبانوں کے
ساتھ والوں میں مری کوہکن و قیس بھی ہیں — میری قصے نہیں ٹکڑے کوئی افسانوں کے
چشمِ یعقوبؑ بنے حلقۂ زنجیر کی آنکھ — کبھی تقدیر سے دن پھرتے ہیں زندانوں کے
غیرتِ حق کو ہو کیا جوش جب اعمال یہ ہیں — کم ہے جو کچھ ہو مقدر میں مسلمانوں کے
دور سے دیکھ کے پھر نا وہ مرا اُلٹے پاؤں — اُف وہ بدلے ہوئے تیور تری دربانوں کے
مہ و انجم سے ٹپکتا ہے یہی راتوں کو — ان میں ٹوٹے ہوئے ساغر بھی ہیں میخانوں کے
انھیں ٹھکراتے چلو حشر میں لطف آئے گا — انھیں قبروں میں ہیں مارے ہوئے ارمانوں کے

نکلی جاتی ہے زمیں پاؤں کے نیچے سے ریاضؔ
کیوں دعا کو نہ اُٹھیں ہاتھ مسلمانوں کے

یہ جتنی دیر ہوئی شیخ کو وضو کرتے — ہم اتنی دیر میں خالی خم و سبو کرتے
شکار بھی بطِ مے کا کنارِ جو کرتے — وہیں نماز بھی پڑھتے وہیں وضو کرتے

کلیم بات بڑھاتے نہ گفتگو کرتے / لبِ خموش سے اظہارِ آرزو کرتے

حسین بھی ہوں، خوش آواز بھی، فرشتۂ قبر / کٹی ہے عمر حسینوں سے گفتگو کرتے

ہماری پھول کا ساغر اگر یہ گل بنتے / تو اور رنگ سے اظہارِ رنگ و بو کرتے

گراتے یونہی سرِ طور بجلیاں ہم پر / اگر حجاب تھا پردے سے گفتگو کرتے

یہ داغِ مے ہیں، بُرے پھیلتے سرِ دامن / جو آبِ زمزم و کوثر سے ہم وضو کرتے

ہمیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا / نکل گئے ہیں بہت دور جستجو کرتے

پڑی ہے خوئے صبوحی دراز ہے شبِ گور / اُٹھیں گے حشر کے دن ہم سبو سبو کرتے

مَسک گیا ہی کسی کا ذرا سا دامنِ گل / جگہ جگہ سے مَسکتا جو تم رفو کرتے

بقدرِ ظرفِ وضو مے جو ملتی پانی سی / سیاہ رو بھی دمِ حشر شستہ و شو کرتے

نہ تھا شباب کمر میں ریاضؔ زر ہوتا
تو دن بڑھاپے کے بھی نذرِ لکھنؤ کرتے

بہت ہی پردے میں اظہارِ آرزو کرتے / نگاہیں کہتی ہیں ہم ان سے گفتگو کرتے

شرابِ ناب سی ساقی جو ہم وضو کرتے / حرم کے لوگ طوافِ خم و سبو کرتے

وہ مل کے دستِ حنائی سے دل لہو کرتے / ہم آرزو، تو حسین خونِ آرزو کرتے

دروغ بافیِ دشمن کا حال کیا کھلتا / جو پردہ چاک بھی ہوتا تو وہ رفو کرتے

اُتار لاتے انھیں بامِ طور سے دل میں / ہم اختیار وہ اندازِ گفتگو کرتے

ڈرے وہ کیوں مرے پھولوں میں آ مل کے حنا / یہ پھول خاک تمنائے رنگ و بو کرتے

کلیم کو نہ غش آتا نہ طور ہی جلتا / دبی زبان سے اظہارِ آرزو کرتے

جو ظرفِ آب ہمیں میکدے میں مل جاتا / نماز کعبے میں پڑھتے یہاں وضو کرتے

مہِ صیام میں موقع جو شب کو مل جاتا — تو ایک سانس میں خالی خم و سبو کرتے
شراب پیتے ہی سجدے میں ان کو گرنا تھا — یہ شغل بیٹھ کے بے نوش قبلہ رو کرتے

ہر ایک قطرے سے بہتی لہر یا آص جیسے شراب
جو پی کے ہم سرِ زمزم کبھی وضو کرتے

تربت ہماری دیدۂ حسرت چمن میں تھی — محتاج چار پھولوں کی تربت چمن میں تھی
تھی فصلِ گل تو لطف کی صحبت چمن میں تھی — جو شکل تھی وہ نور کی صورت چمن میں تھی
وارفتہ آج کیسی طبیعت چمن میں تھی — صحرا سے کچھ سوا مجھے وحشت چمن میں تھی
بے دورِ جام باغ میں گزرا تمام وقت — کل ساتھ ساتھ گردشِ قسمت چمن میں تھی
اجڑا جب آشیاں تو خزاں کیا بہار کیا — تنکوں سے آشیاں کے محبت چمن میں تھی
چنتا نہ پھول پاؤں کے کانٹے نکالتا — اے جوشِ گل کہیں مجھے فرصت چمن میں تھی
آندھی کے تنکے بن گئے تھے نخلِ آشیاں — پھیلی عجیب آج مصیبت چمن میں تھی
اب جوشِ گل میں بن کے زرِ گل نکل پڑی — زیرِ زمیں گڑی ہوئی دولت چمن میں تھی
بوتل اچھالتے تھے برستا تھا اس سے نور — ہر رند پر خدا کی یہ رحمت چمن میں تھی
تنکے چُنے چمن میں رہی جب نہ فصلِ گل — اے باغباں کبھی مجھے فرصت چمن میں تھی
ہر ایک پھول باغ میں تھا عکسِ روئے یار — آئینے سے سوا مجھے حیرت چمن میں تھی
ساقی کے چشمِ لطف سے پہنچا ہے اس کو فیض — نرگس بھی آج چشمِ مروت چمن میں تھی
کھڑکی جو کھل گئی مری تقدیر کھل گئی — اب ہو وہی قفس میں جو راحت چمن میں تھی
خم لے کے کنجِ باغ میں بیٹھے تھے چھپ کے ہم — بزمِ چمن سے دور یہ خلوت چمن میں تھی
وہ آ گئے تھے آج تو کچھ ان کے سامنے — کھوئی ہوئی سی گل کی نزاکت چمن میں تھی

صیاد گھر ترا سب مجھے جنت سہی مگر — جنت سے بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی

بے ان کے تیرہ آنکھ میں تھے جلوہائے گل — کالی گھٹا نہ تھی شبِ فرقت چمن میں تھی

قیدِ قفس میں جان تھی نکلی نہ ضعف سے — رکھی ہے اب قفس میں جو طاقت چمن میں تھی

رہنا تھا ہم سے دور بہت شورِ باغباں — آزادیوں کی سچی مسرت چمن میں تھی

کچھ پی بھی لی تھی باغ میں جانے سے پیشتر — کیسی شگفتہ آج طبیعت چمن میں تھی

صحرا کی دیکھ بھال بھی کچھ تھی مرے سپرد — تنکے چنوں چمن کے یہ خدمت چمن میں تھی

اللہ اس طرح کی جنوں آفریں بہار — جوشِ بہار تھا کہ قیامت چمن میں تھی

چنگاریاں جو باغ میں پھیلی تھیں پھول تھے — بادِ بہار کی یہ شرارت چمن میں تھی

سامان سب تھے آج خدا نے بچا لیا — توبہ کے بعد کچھ مری نیت چمن میں تھی

صیاد ابر و باد بھی پتھر بھی برق بھی — ہر روز ایک تازہ مصیبت چمن میں تھی

وہ داغِ دل وہ صاحبِ معراج کا قدم — اتری اک آسمان سی جنت چمن میں تھی

کل ہم گئے تھے آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
بے شمع و گل ریاضؔ کی تربت چمن میں تھی

لذت ہزار طرح کی سیبِ ذقن میں تھی — چوسے جو لب تو اور ہی لذت دہن میں تھی

گل موجِ بادہ شمع فروزِ انجمن میں تھی — کس حسن کی بہار ہمارے چمن میں تھی

تربت کی تیرہ رات میں کام آئی کچھ وہی — اے صبحِ حشر تیری سفیدی کفن میں تھی

بے فصلِ گل لباس ہمارا تھا چاک چاک — عریانیٔ جنوں کی جھلک پیرہن میں تھی

جب سے مرے گلے یہ پڑی سیدھی ہو گئی — مشہور تیغِ یار بہت بانکپن میں تھی

کاٹے پہاڑ عمرِ دو روزہ نہ کٹ سکی — دیوانہ تھا سمجھ کی کمی کوہکن میں تھی

رقصاں تھی قتل گاہ میں عریاں عروسِ تیغ
کیوں کر کہوں کہ شرم کبھی اس دلہن میں تھی

اے حسنِ زلف دل بھی کبھی تھا اسیرِ زلف
اس کی جگہ بھی زلف شکن در شکن میں تھی

بن بن کے عمرِ رفتہ کچھ آتا تھا دورِ جام
تلخی اسی کی آج شرابِ کہن میں تھی

کم بخت رہنمائے رہِ میکدہ نہ ہو
لغزش سی آج کچھ قدمِ راہزن میں تھی

محشر میں آ کے بن گئی فردِ سیاہ جرم
بوتل وہ میرے ساتھ جو میرے کفن میں تھی

چھپ جائے خون، عکس فگن تھا حنا کا رنگ
یہ بھی تو ساتھ ساتھ کفِ تیغ زن میں تھی

ہم جان لے کے بھاگے ہیں اے آتشِ بہار
جو شاخِ گل تھی آج وہ بجلی چمن میں تھی

لو آج تیر چل نہ سکے دستِ ناز سے
منہدی لگی ہوئی کفِ ناوک فگن میں تھی

وہ بھی گئے وطن سے مری طرح اے ریاضؔ
سچی خوشی جو خندۂ صبحِ وطن میں تھی

نشۂ مے میں ذرا لطفِ شباب آتا ہے
ہم جسے بھول گئے یاد وہ خواب آتا ہے

منہ چھپانے کو وہ تھے چوم لیا منہ ہم نے
اب نقاب آئی ہو رخ پر نہ حجاب آتا ہے

بھیجتا ہوں انھیں تقدیر کا شکوہ لکھ کر
دیکھوں اب کیا مری قسمت کا جواب آتا ہے

مست بلبل کو جو دیکھا ہے کبھی گل کے قریب
باغ میں جاتے ہوئے اُن کو حجاب آتا ہے

نجد میں جا کے بٹھا آئے تھے کل قیس کو ہم
خاک اُڑاتا کوئی پھر خانہ خراب آتا ہے

روکتی ہے مجھے پینے سے مری ریشِ سفید
اب تو پیتے ہوئے مجکو بھی حجاب آتا ہے

بوسے گن کر کبھی لیتے نہیں معشوقوں کے
ہمیں گنتی نہیں آتی نہ حساب آتا ہے

اس طرح وہ مرے گھر پا بہ رکاب آتے ہیں
غیر تھامے ہوئے گھوڑے کی رکاب آتا ہے

چُوم لوں مُنہ لبِ نازک سے یہ گالی سُن کر
آپ کی بات کا مجکو بھی جواب آتا ہے

اشک ہی اب نہیں، دامن کو وہ اپنے تر رکھے — آنکھ تک دوڑ کے کیوں روز سحاب آتا ہے
کیوں کہا غیر سے ملنے کو مری تربت پر — وہ مری جان کو بن بن کے عذاب آتا ہے

تیس دن کے رمضاں کی نہیں اب فکر ریاضؔ
میرے گھر آج خمِ بادۂ ناب آتا ہے

کیا چھلکتا یہ کوئی جامِ شراب آتا ہے — لے میں قربان مرا عہدِ شباب آتا ہے
بعد توبہ جو اُدھر جامِ شراب آتا ہے — پینے والو مجھے پینے سے حجاب آتا ہے
ہائے رے شوق کہ دن کاٹتے ہیں گن گن کر — آج آتا ہے نہ کل خط کا جواب آتا ہے
ہم نئے وہ نئے ہر بات نئی رات نئی — نئی صحبت میں حسینوں کو حجاب آتا ہے
کچھ سپید ایسی ہوئی ہے یہ مری ریش دراز — ہو حنا کتنی ہی کم رنگ خضاب آتا ہے
کتنے بوسے لئے اس بت کے بتا دیں کاتب — میں تو سنتا ہوں فرشتوں کو حساب آتا ہے
اسے کیا کام نگاہوں کی نگاہیں جو لڑیں — روکنے بیچ میں کیوں تارِ نقاب آتا ہے
ہائے ہوتا ہے جوانی کا زمانہ کیا چیز — ساتھ اپنے لئے سو حسن شباب آتا ہے
پھوٹ بہنے کے سوا اور نہیں کچھ افسوس — رحم تجھ پر مجھے اے چشمِ حباب آتا ہے
فاتحہ پڑھنے اسے بھیجتے ہیں قبر پر آپ — غیر پہنچا نے مجھے روز ثواب آتا ہے
دیدۂ خشک میں شاید کوئی آنسو آیا — اوس سے پیاس بجھانے کو سحاب آتا ہے

نزع میں ساقیِ کوثر سرِ بالیں ہیں ریاضؔ
آنکھ تو کھول ابھی جامِ شراب آتا ہے

زمینِ میکدہ عرش بریں معلوم ہوتی ہے — یہ خشتِ خم فرشتے کی جبیں معلوم ہوتی ہے
پری اُڑنے میں لفِ عنبریں معلوم ہوتی ہے — یہ کالی شکل بھی کتنی حسین معلوم ہوتی ہے

مری حسرت تبسم آفریں معلوم ہوتی ہے — چھپی تیرے تبسم میں نہیں معلوم ہوتی ہے
شفق کہہ لے کوئی چاہے شفق گوں آسماں کہہ لے — ہمیں تو کوئے قاتل کی زمیں معلوم ہوتی ہے
چلی ہی تیغ تو کس ناز سے تھم تھم کے رک رک کر — یہ کچھ ان سے زیادہ نازنیں معلوم ہوتی ہے
ارے ساقی ذرا میری شرابِ تلخ تو لانا — مئے کوثر تو بالکل انگبیں معلوم ہوتی ہے
چھپی ہے وہ نگاہِ شوخ بھی مژگاں کے سائے میں — چھری بھی آج زیرِ آستیں معلوم ہوتی ہے
ابھارو تو ذرا شاید مرا ڈوبا ہوا دل ہو — کوئی شئے بحرِ غم میں تہ نشیں معلوم ہوتی ہے
نہیں اب دردِ دل لیکن ابھی تک ہے اثر کچھ کچھ — چمک رہ رہ کی پہلو میں کہیں معلوم ہوتی ہے
اثر ڈالا ہے حسرت نے نگاہِ شوق پر کتنا — کہ وہ بھی اب نگاہِ واپسیں معلوم ہوتی ہے
یہ اے صیاد رہ رہ کر چمکتی ہے کہاں بجلی — جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے
لپک اس کی چمک اس کی وہی دم خم وہی عالم — یہ بجلی کوئی آہِ آتشیں معلوم ہوتی ہے

ریاضؔ ایسی مرے دل سے لگی ہے جامِ کوثر کی
مئے انگور اب اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے

یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے — خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے
نہیں موسیٰ یہ کوئی اور ہی دیوانہ آتا ہے — تصدق ہونے شمعِ طور پر پروانہ آتا ہے
سنوارے جائیں گے گیسو الٰہی بات بن جائے — دلِ صد چاک میرا ہے جو بن کر شانہ آتا ہے
ٹھہر زاہد یہ بزمِ مے ہے دنیا کا مزا چکھ لے — تری تقدیر سے گردش میں اب پیمانہ آتا ہے
گلے ملنے جھجکی جھجک کر رک کی رک کر کھنچی قاتل — تری شمشیر کو بھی نازِ معشوقانہ آتا ہے
بلانوشوں سے شاید آگیا ہے کوئی کعبے میں — خم آتے ہیں پئے طوفِ حرم خمخانہ آتا ہے
نگاہِ شوق تم سے کہہ چکی اب میں بھی کہتا ہوں — زباں پر حرفِ مطلب آج بیتابانہ آتا ہے

پس توبہ یہ عالم ہی ترے صدقے مرے ساقی — ٹھہر جاتا ہی دل گردش میں جب پیمانہ آتا ہے
ہزاروں اس کے گاہک ہیں تو دل گھری حسینوں کا — ابھی اُٹھتے ہیں دام اس کے ابھی بیعانہ آتا ہے
فرشتے عرصہ گاہِ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں — ہمیں بھی آج لطفِ لغزشِ مستانہ آتا ہے

ریاضؔ خضرِ صورت جب سوِ میخانہ آتے ہیں
تو فوراً اُن کو بھر اک خم لئے پیمانہ آتا ہے

فروغِ مے ہی یا عرش بریں سی نور آتا ہے — کہ ساغر طاق سی بن کر چراغِ طور آتا ہے
حجاب نور میں شوخی سے وہ مستور آتا ہے — ہر اک تارِ نقاب اب بن کے شمعِ طور آتا ہے
چھلکتا میکدی میں ساغرِ پر نور آتا ہے — پری خانے میں ساقی کوئی رشکِ حور آتا ہے
مرے ساقی ترے صدقے حنائی ہاتھ سی دے دے — وہ مے پینے سی جس کے میرے منہ پر نور آتا ہے
مرا یاس اس قدر ہے میں جو سوئے نجد جاتا ہوں — غبارِ قیس لینے کو مجھے کچھ دور آتا ہے
مزا آتا ہے میخانے کا زیرِ تاک اے واعظ — لئے سو خم کا حاصل دانۂ انگور آتا ہے
بہت ہی سخت منزل عشق کی ہی جس کے رستی میں — بتوں کے بام پہلے بعد ان کے طور آتا ہے
ارے خنجر اثر یہ ہے مرے قاتل کی باتوں کا — جو دل میں زخم آتا ہے لئے ناسور آتا ہے
مرے مالک کرشمہ ہی یہ ادنیٰ تیری قدرت کا — کہ مجھ عاجز کے پہلو میں بتِ مغرور آتا ہے
جوانی جن میں کھوئی ہی وہ گلیاں یاد آتی ہیں — بڑی حسرت سی لب پر ذکرِ گورکھپور آتا ہے
بھری محفل میں شیشے پر نہ ٹوٹے اس طرح زاہد — ذرا ٹھہرے ابھی افشردۂ انگور آتا ہے
یہ سولی آپ سے باہر ہوئی جاتی ہی کیوں یارب — انا الحق کہنے شاید اس طرف منصور آتا ہے
وہ کیا شئے ہی بتا دے تو مرے ساقی ترے صدقے — کہ جس کے نام سے منہ پر ہماری نور آتا ہے
نہیں آتا ہی دل کو گدگدانا نوکِ خنجر سے — لگانا ہاتھ او ظالم تجھے بھرپور آتا ہے

سمجھتا ہے یہ زاہد باغِ جنت مل گیا اس کو — جب اس کے ہاتھ کوئی خوشۂ انگور آتا ہے
عدو کے ساتھ فتنوں کا مری تعظیم کو اٹھنا — مجھے اب یاد ان کی بزم کا دستور آتا ہے
رہِ قاتل میں کٹ جاتا ہے سایہ ساتھ سے میرے — جب آتا ہوں تو مجھسے دس قدم وہ دور آتا ہے
وہ سیدھی سادھی جنت واہی میرے کام کی ہوگی — ارے زاہد جبھی تجکو خیالِ حور آتا ہے
جو سو دل چور ہوں تو کیا کسی کی چال ہے ایسی — کوئی دیکھے تو جانے نشے میں وہ چور آتا ہے
بھر آتا ہے خم و جام و سبو کے منہ میں بھی پانی — ہمارے سامنے جب خوشۂ انگور آتا ہے
پڑے ہیں ہجر میں لالے چراغِ زندگانی کے — بہت ہی وقت نازک اے شبِ دیجور آتا ہے
کوئی دیکھے تو جانے عرش ہی پر پاؤں پڑتے ہیں — یہ کس کے کعبۂ دل میں بتِ مغرور آتا ہے
چڑھی آنکھیں اور متوالی پن کی چال مستانہ — جوانی کہتی ہے نشے میں کوئی چور آتا ہے
نقاب افگندہ روئے دخترِ زر ہی میں مانوں گا — جھلک ساغر کی لے کر دانۂ انگور آتا ہے

ریاض اب شکل ہی بدلی مذاقِ طبع بھی بدلا
یہ سن کا ہے تقاضا جو خیالِ حور آتا ہے

حشر کی اتنی حقیقت ہوگی — پاس میخانے کے جنت ہوگی
لے بہار آئے کھلی جاتی ہے — کسی دیوانے کی تربت ہوگی
پی کے آنا تھا کہ ہے یومِ حساب — میکشو دیر میں فرصت ہوگی
وصل کی شب ہے سحر ہونے دو — ہوگی شوخی نہ شرارت ہوگی
باتیں کہنے کی ہیں یہ پردہ ہے — ایک ٹھوکر کی قیامت ہوگی
پینے کی شئے تو نہیں صوم و صلوٰۃ — ہوتے ہوتے ہیں عادت ہوگی
حور میں غمزۂ معشوق کہاں — بڑھ کے دنیا سے نہ جنت ہوگی

آئینہ ان کی بلا اب دیکھے　　زلف کہتی ہے کہ وحشت ہو گی
شیخ جائے گا خدا کے گھر بھی　　گھر کے دھندوں سے جو فرصت ہو گی
نہ بڑھا ریش دراز لے ناصح　　کہ زیادہ مجھے وحشت ہو گی
آئی منہ تک مے سرجوش جو آپ　　شیخ صاحب کی کرامت ہو گی
کیا انھیں چھیڑوں شب وصل ریاضؔ
منفعل ان کی نزاکت ہو گی

عشق میں دل لگی سی رہتی ہے　　غم بھی ہو تو خوشی سی رہتی ہے
دل میں کچھ گدگدی سی رہتی ہے　　منہ پر ان کے ہنسی سی رہتی ہے
یہ ہوا ہے خدا خدا کر کے　　رات دن بیخودی سی رہتی ہے
حشر کے دن بھی کچھ گنہ کر لوں　　معصیت میں کمی سی رہتی ہے
صدقے میں اپنے غنچۂ دل کے　　یہ کلی کچھ کھلی سی رہتی ہے
اتنی پی ہے کہ بعد توبہ بھی　　بے پیے بے خودی سی رہتی ہے
عیش بھی ہو تو لطف عیش نہیں　　ہر دم افسردگی سی رہتی ہے
شب غم کی سحر میں نور کہاں　　صبح بھی شام ہی سی رہتی ہے
یہ نہیں ہے کہ پردہ پڑ جائے　　نشہ میں آگہی سی رہتی ہے
رہتے ہیں گل لحد کے پژمردہ　　شمع بھی کچھ بجھی سی رہتی ہے
ہو گئی کیا بلا مرے گھر کو　　رات دن تیرگی سی رہتی ہے
اب جنوں کی عوض ہے یاد جنوں　　ہاتھ میں ہتکڑی سی رہتی ہے
کف پا سے حنا نہیں چھٹتی　　آگ یہ کچھ دبی سی رہتی ہے

تیری تصویر ہو کہ تیغ تری   ہم سے ہر دم کھنچی سی رہتی ہے

بدلے بوتل کے اب حرم میں ریاضؔ
ہاتھ میں زمزمی سی رہتی ہے

ترے آگے مہِ نو بن گیا ہے ماہِ کامل سے   گھٹا ہی چودھویں کا چاند بھی مدِ مقابل سے
شبِ فرقت گھٹے ظالم ترے رخسار کے تل سے   تری تصویر مل جائے لگی ہے یہ مرے دل سے
جوانی میری رخصت ہو رہی ہے موت سے پہلے   الٰہی کارواں یہ لٹ رہا ہے دور منزل سے
نہ ان سا شوخ ہے کوئی نہ مجھ سا کوئی دیوانہ   بہار آتے ہی لڑوائیں گے وہ مجھکو عنادل سے
سنبھالے کیا مژہ، آفت نگہ ہے چوٹ کرنے میں   ذرا سی تیغ نکلی جا رہی ہے دستِ قاتل سے
لحد میں کہنگی نے شکل میری اس قدر بدلی   فرشتے حشر کے دن مجکو پہچانیں گے مشکل سے
ارے او قیس دیکھی بے اثر دیوانگی تیری   تری محمل نشیں لیلیٰ نے جھانکا بھی نہ محمل سے
وہ خونِ بے گنہ کو اپنے دامن تک سمجھتے تھے   نظر آیا رنگا دامانِ محشر خونِ بسمل سے
رہے قائم تمہارا عکس اس میں شرط ہے اتنی   تم اپنی آرسی دے دو بدلتے ہیں ابھی دل سے
زبانِ تیغ بھی چپ ہے دہانِ زخم بھی چپ ہے   کسی سے داورِ محشر کے آگے ہو گی قاتل سے
وہ باتیں کچھ تو ہیں حسن کا اثر ہے شمع پر اتنا   اٹھی وہ جل کے خلوت سے اٹھی وہ رو کے محفل سے
کسی کا لطفِ خضرِ راہ ہو تو راہ آساں ہو   ملے پیچیدہ جادے پاؤں جب نکلا سلاسل سے
نہ شرماؤ سکھاؤ شوخیاں ہم سن ہے کم سن ہیں   ذرا یہ منہ بندھی کلیاں ہنسیں بولیں عنادل سے
غبارِ راہ تو ہی کچھ مدد دیدے مجھے اٹھ کر   ذرا پہنچا دے منزل تک پڑا ہوں دور منزل سے

ریاضؔ آئے تو کیوں کر حشر میں آئے مرے مالک
یہ دیوانہ ترا واقف نہیں آدابِ محفل سے

کبھی آسماں سے کبھی لامکاں سے
مرے گھر وہ آتی ہے اونچی دکاں سے

حرم میں بھی پہنچا تھا ناقوس دابے
بڑا غل مچا آج میری اذاں سے

یہ پستی میں آتا ہے ہستی نہیں ہے
نہ پوچھو کہاں آرہے ہم کہاں سے

بجھے دل سے کی آہ بلبل نے شاید
دھواں سا اٹھا آج کچھ آشیاں سے

گلی میں یہ کیا نقش پا ہیں عدو کے
بہت ملتے ہیں دیدۂ پاسباں سے

ہوئے چپ ہم ایسے چمن اب قفس ہے
قفس کل چمن تھا ہماری فغاں سے

یہ کس کے قدم آئے میری لحد پر
زمیں باتیں کرنے لگی آسماں سے

مرے کان ناقوس نے کچھ بھرے تھے
حرم میں کھٹکے آج شورِ اذاں سے

کبھی ہم بھی حلقے میں جا بیٹھتے ہیں
ہمیں بھی ہے کچھ لطف پیرِ مغاں سے

وہ دل ہی نہیں لے ہجوم تمنا
جدا ہو گیا ہے جرس کارواں سے

اٹھے گر کے تو پاؤں اٹھتا نہیں ہے
بچھڑنا ہی قسمت میں ہے کارواں سے

اٹھانے نہیں دیتے سر ہم کو سجدے
کہاں جائیں اٹھ کر ترے آستاں سے

ریاض ان حسینوں نے دولت لوٹ لی
مروت نہ کی کچھ شفیق الزماں سے

یہ کیا اثر ہے جو اپنے بھی اب پرائے ہوئے
کہ دل کو دیکھئے ہم پر ہی زہر کھائے ہوئے

وہ بولے حشر میں پہنچے جو سب ستائے ہوئے
شکار سامنے آئے ہیں چوٹ کھائے ہوئے

گئے کلیم کے بھی کچھ حواس آئے ہوئے
یہ کون حشر میں آیا نقاب اٹھائے ہوئے

ہمارے خون سے دامن رنگیں گے آج یہی
جو قتل گاہ میں ہیں آستیں چڑھائے ہوئے

پلا کے چھوڑیں گے ہم کو ضرور اے ساقی
یہ ٹکڑے ابر کے سر پر ہمارے چھائے ہوئے

ستم گروں میں ہوا ہے جو روزِ حشر شمار
خدا کے سامنے آئے ہیں منہ چھپائے ہوئے

دمِ خرام وہ کہتے ہیں اپنی ٹھوکر سے
دبیں نہ حشر سی فتنے ترے اٹھائے ہوئے

پکار ہے کہ جگہ لیں کنارِ رحمت میں
جو آبِ شرم سے محشر میں ہیں نہائے ہوئے

کبھی یہ نکلے بھی تو بن کے آہ نکلیں گے
ہمارے دل میں ہیں ناوک ترے لگائے ہوئے

بنائے جاتے ہیں کیا کیا بگاڑ کر نقشے
بگاڑے جاتے ہیں نقشے بنے بنائے ہوئے

شہیدِ ناز کو دیکھا تو حشر میں بولے
یہ کون آئے ہیں خونِ جگر نہائے ہوئے

ہنسے جو چھونے سے میرے شگوفے ہاروں کے
یہ سب نسیمِ سحر کے ہیں گدگدائے ہوئے

بنیں گے اٹھ کے نہ اب ہم غبارِ دامنِ حشر
پڑے ہیں کنجِ لحد میں دبے دبائے ہوئے

جلیں ہم اور تو جلنا ہے مثل بجھنے کے
چراغ صبح کے ہیں شام کے جلائے ہوئے

وہی ریاضؔ جو تھے بت پرست بادہ پرست
خدا کی یاد میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

دیکھ کر چاند کوئی چاند سی صورت دیکھی
صدقے اللہ کے اللہ کی قدرت دیکھی

بن سنور کر کہیں جانے کی مسرت دیکھی
آئینے میں کوئی سو بار تو صورت دیکھی

ہم نے سانچے میں ڈھلی نور کی صورت دیکھی
پی اِدھر اور اُدھر آنکھ سے جنت دیکھی

نہ کبھی گورِ غریباں کی خدارات دکھائے
جب گھروں میں برستی ہوئی حیرت دیکھی

کچھ خبر ہے تجھے او شام سے سونے والے
رات بھر بیٹھ کے ہم نے تری صورت دیکھی

ہم نے بھی میکدے میں جام لگایا منہ سے
جب برستے ہوئے اللہ کی رحمت دیکھی

آبلہ دل کا دکھایا انھیں تو یہ کہہ کر
آپ نے آرزوِ مردہ کی تربت دیکھی

آئی زمزم سے ابل کر مرے لب تک ای شیخ
آج تو آپ نے رندوں کی کرامت دیکھی

بیٹھے دیکھا کئے وہ مہندی لگی پاؤں کے نقش
قبر کے پھول نہ شمع سر تربت دیکھی

نام سے بوسے کے سو رنگ بدلتے دیکھا
ہم نے اس پھول سی چہری کی نزاکت دیکھی

قبر تیرہ میں بھی کافر نہ ملی تجھسے نجات
پھر تری آج جھلک اے شب فرقت دیکھی

تھی وہ بکھری ہوئی زلفوں کی بنائی ہوئی رات
ہم نے جس رات تری چاندسی صورت دیکھی

بت پرستی میں کہاں وہ کسی کافر کو نصیب
ہم نے اس بادہ پرستی میں جو لذت دیکھی

روز یہ تیری گرج صور کی آواز بنی
ہم نے آتے ہوئے واعظ نہ قیامت دیکھی

کبھی صرصر کبھی آندھی کبھی پانی کبھی برق
آشیانے میں نئی روز مصیبت دیکھی

اپنی آنکھوں میں سمائے وہ کچھ ایسے سر بزم
آرسی میں کوئی سو بار تو صورت دیکھی

سوز دل تونے دیا اس تری رحمت کے نثار
لطف سے تیرے جہنم میں بھی جنت دیکھی

تیغ کی طرح نگہ اب نہیں اوپر اٹھتی
حشر والو مرے قاتل کی ندامت دیکھی

بس توبہ بھی دیئے مے کے چھلکتے ہوئے جام
آج ساقی تری آنکھوں کی مروت دیکھی

بات کیا ہی کہ بجھائے نہیں بجھتی صیاد
تونے دل سوختہ بلبل کی حرارت دیکھی

بیٹھ بھی راہ سفر کوئی تو رہتا ہشیار
دیدہ و دل کی ریاض آپنے غفلت دیکھی

مرے ساتھ محشر کا جھگڑا نہیں ہے
محبت میں امروز فردا نہیں ہے

وہاں جلوہ ہی جلوہ فرما نہیں ہے
مرا دل مدینہ ہے کعبا نہیں ہے

جو ڈالوں نگہ طور سے اٹھے شعلہ
مری آنکھ کچھ چشم موسیٰ نہیں ہے

یہاں آ کے اٹھتے ہیں آنکھوں سے پردے
مدینہ ہی یہ طور سینا نہیں ہے

مبارک اسے ہو وہ رسوائے لیلےٰ
مجھے قیس کی طرح سودا نہیں ہے

نہ چشمِ بصیرت نہ ہم کو بصارت — کہے کون وہ کیا ہے وہ کیا نہیں ہے
نشیمن نہ جبریل اس پر بنائیں — یہ نخلِ مدینہ ہے طوبیٰ نہیں ہے
نہ تنکا بنے آنکھ کا دشتِ ایمن — ترا جلوہ برقِ تجلّیٰ نہیں ہے
گئے کہتے شیدائے قامت کسی کے — یہ وہ راہ ہے جس میں سایا نہیں ہے
مدینے میں رہتی ہیں نیچی نگاہیں — ادب گاہ یہ ہے تماشا نہیں ہے
بہارِ لحد خلد میں یاد آئی — گھٹا وہ نہیں ہے وہ سبزا نہیں ہے
نہیں ہے کوئی دوسرا میرے دل میں — ارے تو ہی تیری تمنا نہیں ہے
بہت کچھ ان آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے — وہی ایک ہے جس کو دیکھا نہیں ہے
حرم کی اذاں پہنچے کیا میکدے میں — کسی کی وہاں کوئی سنتا نہیں ہے

ریاضؔ اس کو رہتا ہے اک خم کا نشہ
ادب سے حرم میں جو پیتا نہیں ہے

دلِ پر داغ دیا بزم میں کس دل سے مجھے — خوب گلدستہ ملا آپ کی محفل سے مجھے
دے کے دل روزِ ازل یہ ملی مشکل ہے مجھے — جان پیاری نہیں کچھ آرزوِ دل سے مجھے
خار سے آبلے کو چھیڑ کے آہیں کرنا — کام گلشن سے نہ گل سے نہ عنادل سے مجھے
گوشۂ قبر میں بد مست پڑا تھا کب سے — حشر میں لائے فرشتے بڑی مشکل سے مجھے
مددِ اے دستِ جنوں کچھ مدد اے پائے جنوں — داغ لیتا ہے اُچک کر مہِ کامل سے مجھے
بوئے حسرت سرِ تربت کہ نکلنا ہی پڑا — دلِ بسمل سے مجھے دیدۂ بسمل سے مجھے
چیخ اٹھیں گے مری آواز سے سب اے صیّاد — دور رکھنا قفسِ افتادہ عنادل سے مجھے
ہو نہ ہوان میں ہے کچھ کوہکن و قیس کی خاک — لینے آئیں گے بگولے کبھی منزل سے مجھے

بو بھی تلخی بھی بُری چیز بھی توبہ توبہ
کسی کافر نے پلائی بڑی مشکل سے مجھے

مجھسے فرمائشِ فریادِ جنوں گلشن میں
آپ سنوائیں گے کچھ آج عنادل سے مجھے

پاؤں سو جاتے تھے پہلے مری گاہی گاہے
نیند اب آجاتی ہی آوازِ سلاسل سے مجھے

گزری جب نجد سے لیلیٰ تو کہا چلّا کر
کھینچتا ہی کوئی دل سینے سے محمل سے مجھے

حشر کچھ اور ہے کیا انجمنِ ناز نہیں
ڈر ہے واعظ تری اندیشۂ باطل سے مجھے

ہاتھ بھر کی ہی زباں اس کی وہ جو چاہے کہے
ہوتے قاتل کے گلا خنجرِ قاتل سے مجھے

کسی کافر سے ریاضؔ آپ نے کس دل سے کہا
آپ کے کام کا ہے کام نہیں دل سے مجھے

خانقہ ہی میں ہوں میناہی سبو ہے جام ہے
ہاتھ میں تسبیح ہے لب پر خدا کا نام ہے

صبح ہی خم سے نکلتا آفتابِ جام ہے
آج سورج کی کرن موجِ مے گلفام ہے

میں ہوں وہ ہیں رات ہی دن ہی سحر ہی شام ہے
صدقے میری دورِ مے پر گردشِ ایام ہے

گل سے نازک تر وہ شے ہی پھول جس کا نام ہے
گل رخ و گل پیرہن گل پوش و گل اندام ہے

ان کا یہ کہنا سحر ہوتی ہی چھوڑو جان بھی
اور میرا ان سے یہ کہنا ابھی تو شام ہے

توبہ کرتے ہی بنا داغِ گنہ کوثر کا جام
لے میں صدقے میری توبہ کا ذریعہ جام ہے

آسماں طے کر چکی میری تڑپ اے شوقِ یار
اب نظر کے سامنے اک عرشِ رفعت بام ہے

جوشِ گل میں پھونک دی صیاد ہم میں تازہ روح
اور تیرا سو برس کا یہ پرانا دام ہے

جاؤں کعبے تو لگائے آنکھ سے شیخِ حرم
میکدے میں صافیِ مے جامۂ احرام ہے

باغ خالی کر دیئے پھر بھی نہیں بھرتا ہے جی
دوش پر صیاد کے ہر وقت اب بھی دام ہے

اگالبوں کا سلسلہ یارب رہے یوہی مدام
چوم کر منھ کوئی محوِ لذتِ دشنام ہے

مرگیا دل آرزو میں کس کی ہو کر اب ہے ہیں ایک ٹیس سی پڑی ہے رات دن کہرام ہے
وصل کی شب تیرے قربان صدقے تیری شام کے صبح کا ان کو گمان ہے کتنی روشن شام ہے
زورِ بازو دیکھ کر تعداد اسیروں کی بڑھا ایک جھٹکے کا ارے صیاد تیرا دام ہے
صحنِ زنداں سے ہمیں لے جائے صحرا ایک جست پختہ کارانِ جنوں یہ تو خیالِ خام ہے
او لحد بیمار کی تو نے بدلوا دی جگہ آج تو اس کو سکوں ہے آج تو آرام ہے
شوق میں دیدار کے پڑتی ہے کس کس پر نگاہ جس کے نیچے سینکڑوں ہوسی امیرا تیرا بام ہے
رفتہ رفتہ آپ ہی یہ عشق بن جاتا ہے عشق کچھ عجب انداز اس کا ہے عجب انجام ہے
جس میں برسوں مے رہی ہو نور کا ساغر ہے وہ جس میں برسوں میں نے پی ہے وہ سفالیں جام ہے
میں ترے قربان تجھ سے کوئی ہو کیوں ناامید میرے مالک سن چکا ہوں تیری رحمت عام ہے
وقتِ آخر یاد فرمایا مجھے کس حسن سے ہچکیاں یہ کہتی آئیں وصل کا پیغام ہے

حضرتِ ساحر[1] یہ فرماتے ہیں خسروِ بے ریاض
ہم یہ کہتے ہیں غزل کہنا اسی کا کام ہے

دشمن ہزار بزمِ مسرت سے دور ہے آئے نہ یاد ان کی طبیعت سے دور ہے
وحدت پکارتی ہے وہ کثرت سے دور ہے ہر انکشافِ راز حقیقت سے دور ہے
دونوں میں ایک میرے لئے عیش ہو کہ غم میرا مقام دوزخ و جنت سے دور ہے
ہل چل میں حشر کی نہیں موقع وصال کا وقتِ وفائے عہد قیامت سے دور ہے
آئینہ مثال میں ہوں حسنِ بے مثال لیکن وہ عکس ہوں جو کہ صورت سے دور ہے
میں نے کریم جان کے تجکو کئے گناہ بخشے نہ تو مجھے تری رحمت سے دور ہے

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہٗ

بنتے ہیں خارِ نجد عبث استخوانِ قیس
اُلجھا ہو میرے دامنِ وحشت سے دور ہے

توبہ کے بعد بھی مجھے پہنچے نہ تجھ سے فیض
ساقی یہ تیری چشمِ مروّت سے دور ہے

میں گام زن ہوں بن کے سراپا خیالِ یار
ہر خار میری راہِ محبت سے دور ہے

اے شیخ اس کی چھاں بھی نہیں خلد کو نصیب
یاروں کا میکدہ تری جنت سے دور ہے

اس کی بلا سے چاہے قیامت کبھی نہ آئے
ہو جائے صبح یہ شبِ فرقت سے دور ہے

جانِ حزیں کو چھوڑ کے جاتا ہے تو کہاں
اے دل یہ تیری بات تخافت سے دور ہے

قابو کی چیز بن گئے عہدِ وفا سے آج
پیماں وہ توڑ دیں یہ نزاکت سے دور ہے

رحمت کا جوش دیکھوں گا یہ کہہ کے حشر میں
بندہ کوئی ترا تری رحمت سے دور ہے

پینے کے تو نہیں پسِ توبہ کبھی ریاضؔ
ساغر سے ہاتھ اُٹھائیں یہ حضرت سے دور ہے

بتوں کو شب میں بڑی فکر اس صدا کی ہے
کسی نے دردِ محبت کی بھی دوا کی ہے

شکستِ توبہ بھی اس کو قبول توبہ بھی
یہ کچھ نہیں ہے کرم ہی مرے خدا کی ہے

چھلکتے جام کے ساتھ ایک جامِ مے کورا
یہ آنکھ مست کی یہ آنکھ پارسا کی ہے

کسی کلی کی نہ پھوٹی تھی بو کبھی بلبل
چمن میں سب یہ اُڑائی ہوئی صبا کی ہے

سمجھ کے چور پسِ خم مچا دیا کیوں شور
یہاں نمازِ تہجد ابھی ادا کی ہے

برس رہی ہے مہِ صوم میں جو میرے گھر
ہمیشہ میکدے میں یہ گھٹا اُٹھا کی ہے

کسی حسیں کی طرح تھوڑی دیر کو مل جائے
مرے شباب نے مجھ سے بڑی دغا کی ہے

نثارِ عمرِ خضر ہے ایک ایک ساعت پر
بہت ہی مجھ سے مری عمر نے وفا کی ہے

گلے پر اس نے یہ پھیری ہیں دور سے خنجر
کہ قتل گاہ میں دھوم آج اس دوا کی ہے

غرض گناہوں سے یہ تھی کہ جاؤں دوزخ میں — مجھے جو بخش دیا یہ مری سزا کی ہے

یونہی سہی وہ کسی طرح کچھ زباں تو دیں — غلط ہے وعدے کی سو بار التجا کی ہے

سنگھا کے گیسوئے مشکیں وہ غش میں کہتے ہیں
ریاضؔ ہوش کی اپنے کبھی دوا کی ہے

نہ شبستاں ہے نہ اب شمعِ شبستاں کوئی — گھر کا یہ حال ہے جیسے ہو بیاباں کوئی

بن کے پیکاں رہے ایسا نہیں ارماں کوئی — بن کے ارمان رہے ایسا نہیں پیکاں کوئی

ہے شبِ وصل کہاں ہائے یہ کافر انداز — ہو رہا ہے مری چھیڑوں سے پریشاں کوئی

جان پڑ جائے مری آرزوِ مردہ میں — جھوٹا سچا لبِ جاں بخش سے پیماں کوئی

نہ اٹھوں دل میں لئے یادِ ستم حشر کے دن — اس ادا سے سرِ تربت ہے پشیماں کوئی

کہہ گئے نیند گئی رات کا آرام گیا — اس کی تقدیر جو ہو آپ کا مہماں کوئی

شررِ سنگ سے اچھی ہے پری شیشے کی — ان بتوں کا نہ بنے بندۂ احساں کوئی

کسی جنگل میں بسے جا کے گلی سے تیری — نظر آتا نہیں اب چاکِ گریباں کوئی

جھانکنے کو ادھر آئی نہ کبھی بادِ بہار — جب سے ہم آئے نہ آیا سوئے زنداں کوئی

چھو گئی گوشۂ دامن سے تو چھا جائے گی — خاک سے میری بچائے ہوئے داماں کوئی

غیر کے سر کی قسم ہنس کے دمِ وعدۂ وصل — لے میں صدقے ترے کیا یہ بھی ہے آساں کوئی

گل کتر جائے کوئی پائے حنائی سے ذرا — میرے مدفن کو بنا جائے گلستاں کوئی

رہیں سوتے میں الجھیں نہ لٹوں کی یونہی زنجیر — نہ ہٹائے نہ چھوئے زلفِ پریشاں کوئی

بات رہ جائے مری اس کے گنہگاروں میں — نہ بچے نامۂ اعمال سے عصیاں کوئی

دختِ رز کو نہ زیاں دی نہ کبھی توبہ کی — عہدِ ناصح سے نہ پیمانے سے پیماں کوئی

بے جبیں کے کوئی بوسے نہ کہیں سوتے ہیں — چُن نہ لے ہونٹھوں سے سب آپ کے افشاں کوئی
ابھرے جوبن کے لئے آپ کو آخر نہ ملا — خمِ گردن کے سوا اور نگہباں کوئی
جو جلاتا ہے مجھے اس سے عوض لینے کو — دے دے اک چاند کا ٹکڑا شبِ ہجراں کوئی
گھر کا کیا ذکر ہے ہم دل میں اٹھا کر رکھ لیں — ہم کو مل جائے جو چھوٹا سا بیاباں کوئی
آرسی آئینہ اب دونوں نظر سے اترے — دلِ حیراں ہے کوئی دیدۂ حیراں کوئی
دور سے کیا نگہِ شوق نے چھیڑا ہے انھیں — اپنی زلفوں کی طرح کیوں ہو پریشاں کوئی

حشر کے روز لیے ہے لطفِ شبِ وصل ریاضؔ
عاقبت کے لئے اب چاہیے ساماں کوئی

کیا کہا دل میں بنا آ کے تو ارماں کوئی — ادھر آیا ہی نہیں ٹوٹ کے پیکاں کوئی
پھر نکل جائے گا رہ جائے جو ارماں کوئی — نیند اڑ جائے نہ اتنا ہو پریشاں کوئی
ارے صیاد ہمیں گل ہیں ہمیں بلبل ہیں — داغِ دل ہیں کہ قفس میں چمنستاں کوئی
اے حیا تو بھی نہ ہو تو بھی نڈر ہیں شبِ وصل — کہ نہیں ان کی نزاکت سا نگہباں کوئی
کہہ گئے پھیر کے منہ ظلم کی آخر حد بھی — آپ کے گھر آ کے نہ اب ہو کبھی مہماں کوئی
بخشنے والے کی رحمت کا تقاضا جو ہو — مجھ گنہگار سے رہ جائے نہ عصیاں کوئی
آرسی چور ہوئی آئینے ٹوٹے پھر بھی — ہر گھڑی سامنے ہے دیدۂ حیراں کوئی
حسرتِ وصل کا پہلے تو سنا شوق سے حال — پھر کہا یہ بھی ہے ارمانوں میں ارماں کوئی
رند پیاسے ہوں تو ہو دینے سے پانی کے دریغ — زاہدِ خشک سا دیکھا نہیں انساں کوئی
جو ہوئے غیر سے وعدے رہے قائم تا حشر — ایسے نازک ہیں نہ ٹوٹا کبھی پیماں کوئی
دیکھ لے تیر فگن دل میں ذرا دے کے شگاف — یہ بجھا زہر کا پیکاں ہے کہ ارماں کوئی

انھیں مے خانوں میں ہیں پیرِ مغاں ایک سے ایک　　قبلۂ دیں ہے کوئی کعبۂ ایماں کوئی
دل میں آباد تھی ارمانوں کی دنیا کیسی　　اب تو بھولے سے بھی آتا نہیں ارماں کوئی
اے جنوں اب کی بہار آئے گی تو کیا ہوگا　　غل ہے دیوانوں میں خالی نہیں زنداں کوئی
کون دے دادِ سخن حضرتِ ساحرؔ کے سوا　　اب سخنور ہے کوئی اب نہ سخنداں کوئی

اب مجھے پیرِ خرابات کا ہے حکم ریاضؔ
جا کے آباد کرو مسجدِ ویراں کوئی

تا عمر مزے دورِ مے و جام کے اُٹھے　　ہم قبر سے پیاسے مئے گلفام کے اُٹھے
جب ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مے و جام کے اُٹھے　　میخانے سے کچھ ڈھیر مرے نام کے اُٹھے
ہم جا کے تہِ دام دبے پاؤں نکل آئے　　قسمت سے کنارے تھے کچھ اس دام کے اُٹھے
کل اس کی گلی میں کوئی سو بار گئے آئے　　تا صبح نہ بیٹھے کہیں ہم شام کے اُٹھے
میخانے میں جا کر عوضِ زر دل گا آئے　　جب دام نہ کچھ جامۂ احرام کے اُٹھے
یہ کہہ کے شبِ وصل ہمیں چھیڑ رہے ہیں　　پہلو سے ہمارے کوئی دل تھام کے اُٹھے
اس قصد سے موسیٰ کو غش آیا ہی اُٹھا لائیں　　کچھ شاہ نشیں آج ترے بام کے اُٹھے
بیتاب کیا لذتِ دشنام نے ایسا　　منہ چومنے عاشق ترے دشنام کے اُٹھے
فرہاد سے کوئی نہ بڑھا تیشہ زنی میں　　اُٹھنے کو کئی آدمی اس کام کے اُٹھے
ہم سائلِ میخانہ جم و کے سے نہیں کم　　چلو سے اگر پی تو مزے جام کے اُٹھے
جنبش بھی نہ ہو کتنے ستم پیشہ ہیں صیاد　　پر کاٹنے مرغانِ تہِ دام کے اُٹھے

جب کہہ کے ریاضؔ اس نے پکارا سرِ محفل
بن بن کے کئی آدمی اس نام کے اُٹھے

کہاں سے میکدے میں آئی کیوں آئی کہاں آئے
یہی شیخِ حرم ہیں بن کے جو پیرِ مغاں آئے

چلے ساغر، سبو اُچھلے کہے مینا کہاں آئے
مزا آئے اِدھر واعظ اُدھر پیرِ مغاں آئے

پُرانے یار بچپن کے ہیں قیس و کوہکن دونوں
سُنانے آج ہم کو اپنی اپنی داستاں آئے

جگہ دی تھی فلک نے سایۂ دیوارِ دشمن میں
یہاں بھی جان لینے تم نصیبِ دشمناں آئے

یہ میخانہ ہے سنتا کون ہے پنبہ بگوشوں میں
بنے وہ قلقلِ مینا اگر شورِ اذاں آئے

مقام ایسے پڑے رستے میں جس میں ہُو کا عالم تھا
چلے تو سامنے آنکھوں کے کتنے لامکاں آئے

بکے اتنے کہ آئیں جو رہے پورے خمکدے لدکر
حرم کی راہ میں کوئی اگر مے کی دکاں آئے

کسی کی یاد آتے ہی مرے لب پر ہنسی آئی
فرشتے قبر میں لینے جو میرا امتحاں آئے

کہیں صیاد دل سے آرزو جائے رہائی کی
ہوا ایسی چلے اُڑ کر قفس تک آشیاں آئے

مجھے واماندگی میں بھی بہت اتنا سہارا ہے
مرے کانوں میں آوازِ جرس اے کارواں آئے

یہ ہم سے ناتواں کو سایۂ دیوار نے پیسا
ہوا معلوم ہم کو آج زیرِ آسماں آئے

گلی سے اُن کی ہٹ کر کون راتوں کو یہ کہتا تھا
کہ تجھکو نیند جیتے جی کبھی اے پاسباں آئے

جھکے خم بھی، سبو بھی، جام بھی، مینا بھی اے ساقی
ریاضؔ آئے یہ میخانے میں یا پیرِ مغاں آئے

طورِ سینا مرے اللہ یہ سینا ہو جائے
طور کیا جلوۂ پیہم سے مدینا ہو جائے

سختیِ نزع سہی، موت نہ آئے نہ سہی
شوقِ دیدار میں مشکل مجھے جینا ہو جائے

لے لو دم اور گھنی چھاؤں سے اُٹھنے والو
ہم بھی چلتے ہیں ذرا خشک پسینا ہو جائے

دیکھنا ہی لبِ توبہ کا تبسم ساقی
تلخ اتنی ہو کہ مشکل تجھے پینا ہو جائے

طول کھینچے یہ مری عمر درِ اقدس پر
ہر پہر میرے لئے ایک مہینا ہو جائے

پھول برسائے عوض صاعقے کے مے کا فروغ | شجرِ طور تری بزم میں مینا ہو جائے
دل کا کیا ذکر جگہ بھی نہ ہو تل دھرنے کی | اس قدر نور سے معمور یہ سینا ہو جائے
یوں خمِ گنبدِ خضرا کی طرف روح کھنچے | میکدہ کوئی بھی ہو وہ مجھے پینا ہو جائے
رات دن تیری تجسس میں تگ و دو یہ رہے | خون جتنا ہے رگوں میں وہ پسینا ہو جائے
ہائے وہ مے کہ جو دو گھونٹ گلے سے اترے | نور واں رخ سے خجالت کا پسینا ہو جائے

سایۂ تاک میں ہی دعوتِ زہاد ریاضؔ
کہیں ہر دانۂ انگور نہ مینا ہو جائے

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے | کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہو جائے
وہ چمک درد کی ہو دل میں کہ بجلی چمکے | دامنِ طور ذرا آج یہ سینہ ہو جائے
تو جو چاہے ارے او مجکو بچانے والے | موجِ طوفانِ بلا اٹھ کے سفینہ ہو جائے
دیکھ کر بزم نشیں تیرے یہ ہنگامۂ حشر | چاہتے ہیں تری محفل کا قرینہ ہو جائے
ظلمتِ کفر سے بڑھ کر ہے سیاہی دل کی | دور کیوں کر دلِ اغیار سے کینہ ہو جائے
آنکھ میں برقِ سرِ طور ہو گنبد کا کلس | شرف اندوزِ زیارت یہ کمینہ ہو جائے
پی لے بھولے سے کبھی دو گھونٹ جو میرے خم کی | سینۂ شیخ معارف کا خزینہ ہو جائے
دل لئے ہے ہاتھ میں تیرے مرے پہلو کے عوض | چاہتا ہوں ترے خاتم کا نگینہ ہو جائے
اس کی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر | اس کی تقدیر ہی جو خاکِ مدینہ ہو جائے

جان کی طرح تمنا ہے یہی دل میں ریاضؔ
مروں کعبے میں تو منہ سوئے مدینہ ہو جائے

غروب حشر کا اب آفتاب ہوتا ہے | نقاب اٹھتی ہے وہ بے نقاب ہوتا ہے

بس ایک رات کا مہماں شباب ہوتا ہے ... غروب صبح کو یہ آفتاب ہوتا ہے

بلند خم سے وہ جامِ شراب ہوتا ہے ... طلوع میکدے میں آفتاب ہوتا ہے

جب ان کے ہاتھ میں جامِ شراب ہوتا ہے ... حرام شئے کا بھی پینا ثواب ہوتا ہے

جو ساتھ دے تو یہ دنیا سوا ہے جنت سے ... مزے کی چیز الٰہی شباب ہوتا ہے

کچھ اس سے بڑھ کے نہیں ہے بساط انساں کی ... ہوا میں بھر کے جو قطرہ حباب ہوتا ہے

پناہ مانگے گی دوزخ بھی ایسے مجرم سے ... کہ دل میں شرم سے جو آب آب ہوتا ہے

خراب ہی ہی رہ جائیں دن جوانی کے ... سنا تو ہے یہ زمانہ خراب ہوتا ہے

عجیب حال ہے اس کارگاہِ ہستی کا ... ہر ایک پل میں نیا انقلاب ہوتا ہے

غضب ہے وصل میں ہنگامہ آفرینئ شوق ... کچھ اضطراب سا وہ اضطراب ہوتا ہے

بنا حجاب نگہ برقِ طور کا دامن ... وہ حسن کیا ہے جو زیرِ نقاب ہوتا ہے

لحد میں رہ کے مجھے حشر کا ہے اب دھڑکا ... کہیں وہ جائیں علو ہم رکاب ہوتا ہے

ضرور رند بنا کوئی جو کہہ گیا لے شیخ ... یہ خانقاہ میں کیا لے جناب ہوتا ہے

نقاب اٹھے بھی مگر رخ سے یہ نہیں اٹھتا ... حجابِ شرم بھی زیرِ نقاب ہوتا ہے

یہ حشر جس سے ڈرے تھے عجیب دن نکلا ... حساب ہو کے کرم بے حساب ہوتا ہے

نکل کے زلف سے بنتا ہے زلف کا فر دل ... عجب طرح کا اسے پیچ و تاب ہوتا ہے

نہ پوچھتا وہ ہمیں حشر میں تو کیا ہوتا ... ہم ایسے ہیں کہ ہمارا حساب ہوتا ہے

جنابِ شیخ کی دعوت میں وہ ضرور رہے ... مزے کی شئے بطِ مے کا کباب ہوتا ہے

بڑا مزا ہے ترے ساتھ بادہ نوشی میں ... کلیجا غیر کا جل کر کباب ہوتا ہے

تری نقاب بھی اس کو چھپا نہیں سکتی ... جو رنگ چہرے کا وقتِ عتاب ہوتا ہے

مزے کی ہوتی ہیں مشتاق دید سے باتیں ۔۔۔ کلیم ہوتے ہیں ان سے خطاب ہوتا ہے
ہمارے دیدہ و دل میں سمائے رہتے ہیں ۔۔۔ ہمیں سے پردہ ہمیں سے حجاب ہوتا ہے

یہ عمر وہ ہے کہ جا کر حرم میں بیٹھ رہے
ریاضؔ میکدے میں کیوں خراب ہوتا ہے

میرے ساقی ترے تبسم سے ۔۔۔ جام چھلکے چھلک پڑے خم سے
پھول برسائیں وہ تکلم سے ۔۔۔ بجلیاں بھی کبھی تبسم سے
تو اگر چاہے تو مری کشتی ۔۔۔ کرے اٹکھیلیاں تلاطم سے
آئے مینا سے جام میں جب تک ۔۔۔ ہم نے پی لی کھڑے کھڑے خم سے
ڈال دے جان قلقل مینا ۔۔۔ قل کے بدلے یہ کام لے قم سے
تم ذرا حشر میں الگ سن لو ۔۔۔ مجھے کہنا ہے آج کچھ تم سے
بڑھ کے کوثر سے ہے یہ مئے ساقی ۔۔۔ پھول برسے ترے تبسم سے
لن ترانی سنوں تری سر طور ۔۔۔ برق چمکے ترے تکلم سے
طے کئے ہیں یقین کے درجے ۔۔۔ ہم بہت دور ہیں توہم سے
ایسی کیا چیز خم میں تھی ساقی ۔۔۔ نہ فلاطوں نکل سکا خم سے
اے صبا دل بھی گل بھی گلشن میں ۔۔۔ کھلتے ہیں موجوں کی ترنم سے
اٹھے اس کوہ سے پھر ابر سیاہ ۔۔۔ جھک کے پی جائے کچھ مرے خم سے
ان کو پایا بھی یوں تو کیا پایا ۔۔۔ حشر میں بیٹھے ہیں وہ کچھ گم سے
چھوٹی الجھن سے نزع کے مری جاں ۔۔۔ نکلی کشتی مری تلاطم سے
رحم مجھ پر عذاب میں بھی رہے ۔۔۔ ہے امید آپ کے ترحم سے

خوب کعبے سے دیر میں آئے
ہم ریاضؔ آج خوش ہوئے تم سے

بوسے کے بدلے گالی بھی دے تو کبھی کبھی — کچھ اس سے بڑھ کے اے بت بدخو کبھی کبھی
کیوں کر نہ یاد آئے بھری بزمِ ناز میں — کہنا کسی کا ہائے مجھے تو کبھی کبھی
دیکھوں گلے پہ اپنے انھیں چلتے دور سے — خنجر بنے کھنچے ہوئے ابرو کبھی کبھی
زاہد ترے لئے ہی بہت اتنی بات بھی — ظرفِ وضو شراب کی دے بو کبھی کبھی
گنتی میں کم پڑیں تری نازک کمر کے بل — لہرائیں یوں کھلے ہوئے گیسو کبھی کبھی
ڈھلتی ہے ساتھ خضر کے سبزی کے فرش پر — جمتے ہیں وہ بھی آ کے لبِ جو کبھی کبھی
اٹھتی رہیں نگاہیں ادھر بزمِ ناز میں — ہوتے رہیں جو تیر ترازو کبھی کبھی
موقع ہو تو مزے کی ہے رندانہ یہ ادا — اے بادہ نوش باندھ کے چلو کبھی کبھی
جیسے ہمارے زخمِ جگر کے لہو کی بوند — ایسے بھی آئے آنکھ میں آنسو کبھی کبھی
برگشتہ دل سے ہی جو مژہ نو زبان سے — گھر پر ہمارے پھرتی ہے جھاڑو کبھی کبھی
جنگل میں رہنے سہنے سے مانوس ہو گئے — ملتے ہیں آنکھ تلووں سے آہو کبھی کبھی
کچھ کچھ انھیں بھی آئی ہنسی رو کنا پڑی — پینا پڑے ہیں بھی کچھ آنسو کبھی کبھی

جا کر جناں میں کچھ لبِ کوثر جھجک نہ ہو
اڑتی رہے ریاضؔ لبِ جو کبھی کبھی

چمن میں بوئے گل رہتے کسی پر کیوں گراں ہوتے — نہ شاخیں ہم سی بل کرتیں نہ دشمن باغباں ہوتے
بھلے کو چپ رہا میں ورنہ کوئی بات اٹھ رہتی — سرِ محفل ترے منہ پر مرے لاکھوں بیاں ہوتے
ارے واعظ کہاں کا لامکاں عرشِ بریں کیسا — چڑھی ہوتی جو کچھ تو ہم خدا جانے کہاں ہوتے

خدایا مجھ حریصِ جور کا کچھ کام چل جاتا — زمیں پر جتنے ذرّے ہیں جو اتنے آسماں ہوتے
تمہارے بام سے نالے جو ہم کرتے تو یہ ہوتا — کبھی وہ تارے بن جاتے کبھی وہ کہکشاں ہوتے
بتانِ سنگ دل کو موم ہوتے ہم نے دیکھا ہے — جو وقت آیا دکھا دیں گے خدا کو مہرباں ہوتے
مقدّر میں جو مرغانِ چمن برباد ہونا تھا — تو کیسی شاخِ گل موجِ ہوا پر آشیاں ہوتے
نہ چھیڑا میں نے سوتے میں جھی ایسا پاک طینت ہوں — خدا ناکردہ مجھسے یہ حسیں کیوں بدگماں ہوتے

ریاضؔ اس سن میں دنیا سے نرالے تم نظر آئے
تمھیں کو ایک دیکھا ہے بڑھاپے میں جواں ہوتے

ہاں گنہ جان کے یہ کام روا رکھا ہے — اس کے جلوے کے سوا جام میں کیا رکھا ہے
گھر خدا کا اُسے کہنے کو بنا رکھا ہے — جا کبھی زاہد کہیں کعبے میں خدا رکھا ہے
سامنے جامِ مئے ہوش رُبا رکھا ہے — مگر اے شیخ مصلّے سے جدا رکھا ہے
میرے ساغر میں یہ صنعت ہے اے شیشہ گرو — ہو جو خالی بھی تو سمجھوں کہ بھرا رکھا ہے
زخم ہی زخم ہوں دل میں تو نہیں کچھ وہ بھی — درد میں اور ہی کچھ اس نے مزا رکھا ہے
بے طرح ٹوٹتے ہیں دیکھتے ہی دور سے وہ — تم نے اچھا سگِ دربان کو لگا رکھا ہے
رنگ یوں محفلِ ماتم کا جما تا ہے کوئی — ہاتھ میں آپ کے اب رنگِ حنا رکھا ہے
اسی اُمید پر آجاؤں میں اس میں شاید — اُڑ گیا ہوں تو قفس کر ہے کُھلا رکھا ہے
گُل کھلاتے ہیں ترے نقشِ قدم رستے میں — نامہ بر نام ترا اس نے صبا رکھا ہے
لاکھ فتنے ابھی اُٹھیں گے گلی میں تیری — میرے جلتے ہی ابھی حشر بپا رکھا ہے
چین آتا ہی نہیں پاس نہ جب تک تم ہو — اے حسینو ہمیں اس دل نے ستا رکھا ہے
بار ہم کو ہیں یہ کاندھے کے فرشتے ہر چند — نیک بد کیسی پڑے ساتھ لگا رکھا ہے

بزمِ جم میں مجھے جانا ہے ذرا لانا تو — بے کھنگالا جو مرا جام نیا رکھا ہے
میں نہیں تو مرے گھر پیاس بجھانے آؤ — کانٹو اب دشت میں کون آبلہ پا رکھا ہے
اس دل آزار کو تو آ کے مرے دل سے نکال — کہ تمنا نے مری تجکو ستا رکھا ہے
خم لنڈھاتے مگر اے شیخ تری پینے کو — ایک چھوٹا سا سبو ہم نے لگا رکھا ہے
کوڑی کوڑی تجھی دیدیں گے ہم ای بادہ فروش — ہاتھ پھیلاتے ہی سب قرض ادا رکھا ہے
اے جنوں غم نہیں کچھ جائے جو جاتی ہے بہار — کہ کفن پہلے سے پھولوں میں بسا رکھا ہے
جتنی پیتا ہوں نکل جاتی ہے آنسو بن کر — یہ گنہ اپنے لئے میں نے روا رکھا ہے
جا بسے بھی وہ اثر کرکے مرے دل میں پہنچا — قبر پر اب کہیں نقشِ کفِ پا رکھا ہے
ڈھونڈے ملتا نہیں دل میں انھیں پیکاں اپنا — جان کی طرح اسے ہم نے چھپا رکھا ہے
کہہ گیا کون مبارک شبِ فرقت تجکو — کس کی تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے
ڈھونڈے دنیا اسے ہم راز بتانے کے نہیں — صدقے اس کے جسے اس دل میں چھپا رکھا ہے
مجکو جنت تو ہو دوزخ دلِ کافر کو نصیب — فیصلہ روزِ جزا پر یہ اٹھا رکھا ہے
آج اٹھائیں اسے بھی حشر اٹھانے والے — وہ بھی ہیں اور جنازہ بھی مرا رکھا ہے

ڈر ہی کیا حشر کا دن رات پیو خوب ریاض
دیر توبہ کی ہے سب کام بنا رکھا ہے

آب زیادہ کس میں ہے باہم چشمک ہوتی ہے — میری آنکھ میں آنسو ہے ان کے کان میں موتی ہے
شمع فسردہ بجھتی ہے سونی محفل ہوتی ہے — حسرت بیٹھی دل میں اب میری جان کو روتی ہے
موتی سو وہ اشک بنیں آنسو کالا موتی ہے — شاید میری ہجر کی شب منہ کی سیاہی دھوتی ہے
میری آنکھ کا تارا ہے آنسو میری قسمت کا — قسمت کو میں روتا ہوں قسمت مجکو روتی ہے

زخم جگر کی بخیہ گری اب ہے مژہ کی سوزن سے
حق میں ہمارے بڑھ بڑھ کر اور یہ کانٹے بوتی ہے

ساحل تہہ سے دور سوا تہہ ساحل سے دور سوا
قسمت قصرِ سمندر میں کشتی آج ڈبوتی ہے

دل پہ نقشِ مہر و وفا دو دن کی تو بات نہیں
کوئی بھی ہو دل میں جگہ ہوتے ہوتے ہوتی ہے

گردوں ہی دو پشت اُدھر ہے یہ معجزہ سنتا ہوں
دنیا جس کو کہتے ہیں پیرِ فلک کی پوتی ہے

نام نہ لے پھر جانے کا کعبے کو یہ شیخِ حرم
آؤ بھگت میخانے میں زاہد ایسی ہوتی ہے

جان چھڑانا مشکل ہے ظالم آج قیامت کو
تیری چال کے فتنوں نے کیسی آفت جوتی ہے

ہر خم زلف کو سودا ہے بل کم ہوتے جاتے ہیں
سب کے دل لے لے کر کچھ اور گرہ سے کھوتی ہے

پی پی کر میں روتا ہوں رو رو کر میں پیتا ہوں
داغ جو کوئی پڑتا ہے تو یہ دامن دھوتی ہے

ہاتھ پر اپنے ہاتھ دھرے حشر کے دن چپ بیٹھا ہوں
اشکِ ندامت اُمڈے ہیں تو یہ دامن دھوتی ہے

حد سے بڑھی تاثیرِ جنوں سرتاپا تصویرِ جنوں
شکلِ ریاضؔ اب دیکھیں کیا دیکھ کے وحشت ہوتی ہے

سن کے اس کو خواہشِ دیدار کچھ یونہی سی ہے
ہنس کے بولے نرگسِ بیمار کچھ یونہی سی ہے

وقتِ آخر حسرتِ دیدار کچھ یونہی سی ہے
آنکھ میں اٹکی یہ جانِ زار کچھ یونہی سی ہے

بوسۂ لب پر بڑھی ہے بات ان سے روزِ وصل
بات کیا ہے بات کی تکرار کچھ یونہی سی ہے

اتنے کس بل پر وبالیتے ہیں کیوں لب ہائے زخم
آپ کی نازک سی یہ تلوار کچھ یونہی سی ہے

خون پانی ایک کر دے ڈوب کر اتنی نہیں
آبلے میں ڈوبی نوکِ خار کچھ یونہی سی ہے

پستے ہیں لیکن حنا بن کر نہیں بستے ہیں دل
آپ کی بھی شوخیِ رفتار کچھ یونہی سی ہے

مر کے ہم دادِ وفا دیں تو بھی کچھ پرسش نہیں
یونہی سی ہے حسن کی سرکار کچھ یونہی سی ہے

جب کبھی دیکھا تو دیکھا ٹکٹکی باندھے اسے
نرگسِ بیمار بھی بیمار کچھ یونہی سی ہے

پے بہ پے جرعۂ وہ آبِ آتشیں کے اب کہاں — یہ بھی تو اب گرمئ گفتار کچھ یونہی سی ہے

اے قیامت اس گلی میں جا کے تجکو کیا ہوا — سیدھی سیدھی بات تیری رفتار کچھ یونہی سی ہے

لطفِ گلگشتِ چمن تھا ساتھ جن کے وہ کہاں — خواہشِ سیرِ گل و گلزار کچھ یونہی سی ہے

اُڑنے والی شئے یہ سب کے ہاتھ آجاتی ہے کیوں — ہے مگر یہ دخت رز ہشیار کچھ یونہی سی ہے

اُٹھ گیا سایہ نشیں تھا غیر بھی میرے ہی پاس — اب گرانی سایۂ دیوار کچھ یونہی سی ہے

جا چکے دوزخ میں جانا تھا جنھیں باقی نہیں کچھ — حشر کی اب گرمئ بازار کچھ یونہی سی ہے

طور پر کچھ دیکھ کر بھی ہم کو غش آتا نہیں — برق جولانی سرِ کہسار کچھ یونہی سی ہے

کیا سبو کے بدلے اچھلے کچھ سبو پہ اے ریاضؔ
مے سے رنگیں شیخ کی دستار کچھ یونہی سی ہے

اچھی پی لی خراب پی لی — جیسی پائی شراب پی لی

پی لی ہم نے شراب پی لی — آگ تھی مثلِ آب پی لی

تشنہ تھا جب شباب پی لی — بھیگیں جو مسیں شراب پی لی

عادت سی ہے نشہ ہے نہ اب کیف — پانی نہ پیا شراب پی لی

اب روزِ حساب کا ہے دھڑکا — پینے کو بے حساب پی لی

خم کے خم آج کیوں ہے خالی — ساقی کو ملا جو اب پی لی

مکتب میں پڑھے قیس اب کیا — جب گھول کے سب کتاب پی لی

یہ جان کے کہ چیز خلد کی ہے — پینا سمجھے ثواب پی لی

میں مست ہوں رند صائم الدہر — ڈوبا جب آفتاب پی لی

کالی گوری کوئی نہ چھوڑی — افیون کھالی شراب پی لی

توبہ کے بعد اب یہ ہے حال — بھولے سے کبھی شراب پی لی
چھوڑے کئی دن گزر گئے تھے — آئی شبِ ماہتاب پی لی
تے ہے تیری کہ ہے کفِ بحر — کتنی تو نے حباب پی لی
ہے اس سے نبض ملتی جلتی — نکلا نہیں آفتاب پی لی
منہ چوم لے کوئی اس ادا سے — سرکا کے ذرا نقاب پی لی
ہم نے کو بھی آج زہر سمجھے — تھی ہجر کی شب عذاب پی لی
اتنی کہ نہ آئے نزع تک ہوش — توبہ کا ہوا سدِ باب پی لی
منظور تھی شستگی زباں کی — تھوڑی سی شرابِ ناب پی لی

ڈاڑھی کی نہیں ریاضؔ اب شرم
جب پا گئے بے حساب پی لی

یہ سُن کے بزمِ واعظ ہی کچھ دل میں آ گئی — حجلہ نشین خم بھری محفل میں آ گئی
لیلےٰ کچھ اس ادا سے ترے دل میں آ گئی — اے قیس جیسے اپنے ہی محمل میں آ گئی
موت آئے یا نہ آئے مزا آ گیا ہمیں — جاتے ہی نیند کوچۂ قاتل میں آ گئی
اب رات دن کہاں سرِ خم جرعہ نوشیاں — کیا جانے کیوں کمی سی مشاغل میں آ گئی
یوں آئی آج آئی جو تقدیر راہ پر — اس کی کجی بھی جادۂ منزل میں آ گئی
جب کام ہم نے ناخنِ تدبیر سے لیا — سختی کچھ اور عقدۂ مشکل میں آ گئی
بیٹھی کچھ اس طرح کہ نہ کشتی اُبھر سکی — منزل ہماری دوریٔ ساحل میں آ گئی
آئے صبا شگفتہ نہ آئے تو انقباض — خو بو کچھ ان گلوں کی عنادل میں آ گئی
صدقے ادائے ناز کے قاتل نے بعد ذبح — دیکھا جو مڑ کے جان سی بسمل میں آ گئی

شاید مرض جنوں کا ہی اب انحطاط پر
کچھ نیند آج شورِ سلاسل میں آگئی

اس طرح بجلیوں کی لپک شب میں پے بہ پے
رونق سی کشتِ زار کے حاصل میں آگئی

وہ حشر ہے کہ خلد میں اب اُٹھ کے جا چکے
ہم کو تو موت کوچۂ قاتل میں آگئی

سجادہ خانقہ سے پس خم جو آرہا
یہ کیا ہوا ریاض یہ کیا دل میں آگئی

اب وہ شب وصال نہ روز وصال ہے
دن ہو کہ رات میں ہوں کسی کا خیال ہے

کوئے مغاں ہے ہاتھ میں جامِ سفال ہے
میں چپ ہوں اِس فقیر کی صورت سوال ہے

مل جائے جس کسی کو وہی لالوں لال ہے
کیا چیز ان حسینوں کے منہ کا اُگال ہے

جانے سے میرے آتشِ دوزخ نہ سرد ہو
میری جبین پر عرقِ انفعال ہے

کس لطف سے شباب کی ہوتی ہے بازگشت
خلوت ہے میں ہوں اور مئے کہنہ سال ہے

نقشِ قدم انھیں کے ہیں آنکھوں میں پتلیاں
پھرتے ہیں وہ دلوں میں یہی اُن کی چال ہے

غفلت جو ہو تو کچھ بھی نہیں روز و ماہ و سال
غفلت نہ ہو تو دن بھی مہینہ ہے سال ہے

جس طرح لطف چاہیں تصور میں ہم اُٹھائیں
بے پردہ جو حسین ہے اپنا ہی مال ہے

دوڑے گی خون بن کے اترتے ہی حلق سے
جو کالی کالی بوتلوں میں لال لال ہے

بے پردہ جو حسین ہیں اُنھیں یہ سمجھ نہیں
ستر ہزار پردوں میں کس کا جمال ہے

بلبل میں گل میں عاشق و معشوق کا ہی فرق
گل پات پات اگر ہے تو وہ ڈال ڈال ہے

کہتی ہے مجھ سے روز مری لذتِ گناہ
توبہ گنہ کے بعد پرانا خیال ہے

صیاد کے سہارے کو بے پر سے ایک ہم
ٹوٹا سا اک قفس ہے پرانا سا جال ہے

موئے مژہ چھپا لے جسے وہ نگاہِ شوق
طے کر سکے حجاب ہزاروں محال ہے

وحشت ادائے خاص ہے حسنِ شباب کی | آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ وحشی غزال ہے
آئے اسیرِ زلف کے قابو میں کیا پری | شیشے میں کیا اتارے کہ شیشے میں بال ہے
ٹھکرائیں بھی نہ پائے حنائی سے وہ اسے | دل مجھ غریب کا ہے کہ مفلس کا مال ہے
محشر میں اٹھ رہے گا نہ کچھ میرے واسطے | باتیں بنانے میں تجھے ظالم کمال ہے
چھیڑے گا گدگدائے گا تم کو ستائے گا | یہ دستِ شوق کیا کوئی دستِ سوال ہے
دنیا سے اٹھ رہی ہے مروت ہی جس کا نام | آنکھوں میں ان حسینوں کے بس خال خال ہے

احباب بھی مجھی سے ملے مجکو اے ریاض
آشفتہ دل کوئی کوئی آشفتہ حال ہے

میخانے میں کیا صبح نہیں شام نہیں ہے | جنت میں ہوں دونوں سے مجھے کام نہیں ہے
پینے سے ہے پلانے سے ہمیں کام نہیں ہے | وہ دن گئے اب شغلِ مے و جام نہیں ہے
دنیا میں سوا شغل کے کچھ کام نہیں ہے | غافل کوئی مے نوش مے آشام نہیں ہے
بوتل تو چھپائے نہ چھپائے مری عیب | ایسا تو مرا جامۂ احرام نہیں ہے
ہے صبحِ شبِ وصل عدو کوئی بلا اور | اے گورِ غریباں وہ تری شام نہیں ہے
تھی یہ بھی کفِ ناز میں سانی گئی یہ بھی | اے تیغِ حنا قابلِ الزام نہیں ہے
ہم دو میں برابر ہی ہیں جنت و دوزخ | ہم ایسوں کا محشر میں کوئی کام نہیں ہے
گھبرائے ہیں گردش کے جھلانا ہی مجھے چرخ | صورت تو ہے آرام کی آرام نہیں ہے
ہاتھ آئے تو صیاد ترے ہاتھ نہ آئے | سایہ ہے مرا مرغِ تہہِ دام نہیں ہے
دن رات وہی ہیں مگر اللہ رے تغیّر | خلوت میں بھی اب شغلِ مے و جام نہیں ہے
جانے کو بہت ہے نفسِ سرد چمن تک | تو بادِ صبا جا کوئی پیغام نہیں ہے

بوسے تو نہیں غیر نے شب کو لبِ شیریں — جو کل تھی وہ اب لذّتِ دشنام نہیں ہے
چبھتی ہوئی اک پھانس سا ہے ہر سانس سکوں کی — دنیا میں کسی کے لیئے آرام نہیں ہے
اب گوشۂ دامن کو ترے بار نہ ہوگا — دل میں وہ ہجومِ غم و آلام نہیں ہے
وہ لاکھ خدا ان کے ستائیں بتِ کافر — ان باتوں کا اچھا کبھی انجام نہیں ہے
تجھسے بھی گئے گزرے ہیں کتنے مگر اے قیس — فہرست میں یاروں کے مرا نام نہیں ہے
گھر غیر کے جاتے ہوئے ڈرتی ہے شبِ غم — اے جان وہ اتنا تو سیہ فام نہیں ہے
اے طور مرے کعبۂ دل کی ہی عجب ساخت — کہتے ہیں جسے عرش یہ وہ بام نہیں ہے
واقع میں یہ ہی نائبِ سرکار کی تعریف — اسلوبِ بیان قابلِ الزام نہیں ہے

سرکار عطا کرتے ہیں تو بھی نہیں ملتا
قسمت میں ریاضؔ آپ کی انعام نہیں ہے

پردہ تو ہے پردے سی جلوہ نظر آتا ہے — جلوہ ہی ترا سب کو پردہ نظر آتا ہے
خم عرش سے بھی اونچا اونچا نظر آتا ہے — دو گھونٹ اترتے ہی کیا کیا نظر آتا ہے
نازک سی کلی سوکھا کانٹا نظر آتا ہے — مجنوں مرے صحرا میں لیلےٰ نظر آتا ہے
کوچہ ہو ترا ظالم یا دل ہو مرا ظالم — اک حشر بپا ہر دم برپا نظر آتا ہے
مژگان نے مرے حق میں بوئے ہیں یہی کانٹے — تا حدِ نظر مجکو صحرا نظر آتا ہے
میں ضبط جو کرتا ہوں ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں — بند آنکھ کے کونے میں دریا نظر آتا ہے
اٹھتی نظر آتی ہے ساون کی گھٹا شاید — جھکتا ہوئے پیمانہ مینا نظر آتا ہے
دامانِ زمیں تر ہے گو خون سے دنیا کے — خنجر ابھی ظالم کا پیاسا نظر آتا ہے
صدقے کفِ رنگیں کے ساقی کفِ رنگیں میں — ٹوٹا سا مرے دل کا شیشہ نظر آتا ہے

ڈھایا ہے ستم کس نے تصویر خیالی پر　　　نازک سا ترا چہرا اُترا نظر آتا ہے
محفل سے گیا نور اب وہ ہم سے گیا دور اب　　　جام سرِ خم ساقی تارا نظر آتا ہے

اچھے رہے گھر سے بھی تربت میں ریاضؔ آکر
دن رات حسینوں کا میلا نظر آتا ہے

جب گنبدِ خضرا کا سایا نظر آتا ہے　　　جنت میں مدینے کی طوبیٰ نظر آتا ہے
ذرّے ہیں جبیں پر کچھ خاکِ درِ انور کے　　　اونچا مری قسمت کا تارا نظر آتا ہے
پونچھے گئے محشر میں اشک اہلِ معاصی کے　　　ہر ہاتھ میں اک کاغذ سا وا نظر آتا ہے
اللہ کی قدرت ہے جس کو وہ شرف بخشے　　　ہر ذرّہ مدینہ کا کعبا نظر آتا ہے
کثرت سے معاصی کی اعمال کی شامت سے　　　عالم مری آنکھوں میں تیرا نظر آتا ہے
اللہ بصارت دے اللہ بصیرت دے　　　سمجھے تھے جسے بینا اندھا نظر آتا ہے
ہر قلب میں سینے میں کعبے میں بلے نے ہیں .　　　صدقے ترے اے مولا یہ کیا نظر آتا ہے
تھیں اس کی غلط باتیں تھے اس کے غلط وعدے　　　یہ قبہ شکن کیا تھا اب کیا نظر آتا ہے

تھوڑی سی بصارت ہو تھوڑی سی بصیرت ہو
ہر شے میں ریاضؔ اس کا جلوہ نظر آتا ہے

تیرے فاقے ہمیں دانۂ انگور سے ملے　　　ہم یہ سمجھے کہ بھرے ساغرِ بلور سے ملے
کتنے کعبے ملے رستے میں کئی طور ملے　　　ان مقامات سے ہم کو وہ بہت دور ملے
درِ جنت کھلے تسنیم ملے حور ملے　　　نیم وا مجکو تری نرگسِ مخمور سے ملے
نشہ ان کو ہے جوانی کا ہمیں نشۂ مے　　　ہم انھیں اور وہ نشے میں ہمیں چور سے ملے
ایسے بھی کتنے ہیں اللہ خدا کے بندے　　　اس خدائی سے الگ سب سے جو منخور سے ملے

نہ سہی جلوہ ترا جلوۂ محبوب سہی — یا خدا دیکھنے کو وہ رخِ پُرنور ملے

دست و پا چاروں حنا بستہ ہیں تیرے اے شوخ — کیوں نہ کھل کھیلے کوئی جب کوئی مجبور ملے

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ — آج جنت میں ہمیں ناصحِ مغفور ملے

مجھے کاوش تھی اسے تیری مژہ نے ڈالے — گہرے گہرے مجھے دل میں کئی ناسور ملے

متصل خلد کے خلوت کدۂ قبر بھی ہے — جاتے جاتے ہمیں اک جام بکف حور ملے

یہ بھی قسمت نہ ملے دیر میں ناقوس کوئی — اے سرافیل تمہیں پھونکنے کو صور ملے

آئے جنت وہیں خود جام شکن جنت میں — ایسے بھی تیری گلی میں کئی معذور ملے

خاک ہو کر نہ رہی خاک بھی باقی ان کی — خاک میں یوں کئی جم قیصر و فغفور ملے

دعوتِ شیخ بھی تھی انجمنِ ساقی میں — آ کے جنت میں بھی کھٹے انھیں انگور ملے

ہے شبِ گور وعدہ بھی مگر اس میں سو حسن — زلف سی رنگ ترا اے شبِ دیجور ملے

عرش کو طور کو کعبے کو وہیں سے دیکھوں — دیکھنے کو مجھے وہ روضۂ پرنور ملے

آئی غربت میں اجل شام کو اے دامنِ صبح — اب کفن اور کفن کے لئے کافور ملے

عید تک راہ پر آجائیں گے ناصح رندو — رمضاں میں انھیں افشردۂ انگور ملے

تیشہ بر دوش وہاں جاؤں کہ وہ کہتے ہیں — کوہکن سے کوئی اچھا ہمیں مزدور ملے

دور سے دل کو تجلی تری روشن کر دے — یہ سیاہ خانہ ہمیں نور سے معمور ملے

چور تھے نشہ میں ہم پاسِ توبہ یہ ہوا — جن سے پیتے تھے وہ شیشے ہمیں سب چور ملے

اب خدائی میں بتوں کی ہوں بپا جتنے حشر — مجھکو ہر دیر میں ناقوس لئے صور ملے

نام جو کچھ ہو انھیں کہتے ہیں سب لوگ ریاض
آج ہم کو وہ بڑے شاعرِ مشہور ملے

نالۂ نغمہ بنے فریاد نہ فریاد رہے — کوئی چاہے کہ یہ ناشاد مراشاد رہے

ہو کے آزاد تہہِ دامنِ صیاد رہے — گھر میں صیاد کے جب تک رہے آزاد رہے

نگہِ لطف اس انداز سے صیاد رہے — لب تک آ کر مری فریاد نہ فریاد رہے

کبھی خالی نہ ہو یہ گھر یونہی آباد رہے — کم سے کم تیری طرح دل میں تری یاد رہے

نقش چھوڑے ہوئے تیری نہیں دیکھے جاتے — عمر رفتہ مرے دل میں نہ تری یاد رہے

صدقے اے نیر فگن آئے نہ اُلٹے دل میں — تیری چٹکی میں یونہی ناوکِ بیداد رہے

ہر گھڑی ساتھ ہی کیوں ابروِ قاتل کا خیال — میرے سر پہ لئے تلوار نہ جلاد رہے

میں وہ بلبل ہوں کروں دامِ محبت میں اسیر — چار ہی روز میں صیاد نہ صیاد رہے

کہیں گلشن سے سوا ہے ہیں الفت اس کی — ہم نہ ہوں تو بھی الٰہی قفس آباد رہے

کیجئے کیا اسے رفتارِ زمانہ ہے یہی — پا بگل سرو رہے اور بھر آزاد رہے

کوئی کہتا یہ گزرتا ہی اُدھر سے ہر روز — ہم رہیں یا نہ رہیں میکدہ آباد رہے

کس قدر ہیں اثر اندازِ بتانِ کافر — اس زمانے میں بہت ہی جو خدا یاد رہے

لالے کا پھول بنے داغ بنے رنگ بنے — دامنِ کوہ میں خونِ سرِ فرہاد رہے

چوڑیاں کیسی حنا کیا یہ زمانہ وہ نہیں — گورے ہاتھوں میں ترے خنجرِ فولاد رہے

ڈر ہے محشر میں دمِ پرسشِ اعمال ریاضؔ
اس کی رحمت کے سوا کچھ نہ مجھے یاد رہے

نہ افشاں نہ لب پر مسی سوجھتی ہے — جو تم ہو تو کچھ اور ہی سوجھتی ہے

گھٹا کالی کالی یہ رات اور یہ رُت — شبِ زلف میں چاندنی سوجھتی ہے

جوانی کے نشہ میں کچھ سوجھتا تھا — بڑھاپے میں اچھی بُری سوجھتی ہے

یہ چلو ہمارا ہمیں جامِ جم ہے — گدائی میں شاہنشہی سوجھتی ہے
نہ پینے کو خم میں نہ کھانے کو گھر میں — کہیں ایسے میں شاعری سوجھتی ہے
ترے صدقے اے زلف تیرے جنوں میں — بلا کوئی بھی ہو پری سوجھتی ہے
یہ کافر لئے ساتھ آتی ہے بوتل — گھٹا آتے ہی میکشی سوجھتی ہے
یہ عالم ہی کچھ اور ہے جس میں ہم ہیں — کہیں اب خودی بیخودی سوجھتی ہے
میں رندِ مدینہ ہوں اے طور والو — پڑھی ہے مجھے دور کی سوجھتی ہے
اثر رکھتی ہیں کیا مدینے کی گلیاں — شہی کیسی شاہنشہی سوجھتی ہے
بڑھاتی ہے سرکار ہمت ہماری — ہمیں بھی سواراج کی سوجھتی ہے
عجب کیا ہے یہ طوق و زنجیر ٹوٹے — کہ اب خود روی خودسری سوجھتی ہے
ہٹے جاتے ہیں جادے سے اہلِ قبلہ — کب اپنی انھیں کج روی سوجھتی ہے
بتانِ فرنگ اب ہیں ترکانِ کابل — ہر اک طرز اب مغربی سوجھتی ہے
بدل دیں گے کافر برائی خدائی — جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے

ریاض ان حسینوں سے محشر میں چہلیں
یہاں بھی تمہیں دل لگی سوجھتی ہے

کسے بتائے کوئی خونِ آرزو کیا ہے — انھیں یہ ضد ہے کہ دیکھیں گے رنگ و بو کیا ہے
ہمارے پاس جو ہے اس کی جستجو کیا ہے — لگی ہے اُن کی ہماری رگِ گلو کیا ہے
میں آئینہ ہوں ترا کیا بتاؤں میں تجھکو — میں جلوہ گاہ میں ہوں میرے روبرو کیا ہے
نہ گدگدا کے مجھے مجھسے پوچھ خلوت میں — جو لب تک آ نہ سکے ایسی آرزو کیا ہے
لگا کے کان ذرا ہم بھی دور سے سُن لیں — کلیم سے یہ سرِ طور گفتگو کیا ہے

چبھو رہے ہیں وہ سوئی مرے کلیجے میں — ہر ایک بات میں دشمن کی یہ رفو کیا ہے

حیاتِ خضر کا سربستہ راز سنتا ہوں — بتا دے کوئی مجھے یہ مرا سبو کیا ہے

کبھی وہ رکھ کے ہتیلی پر اپنی دیکھیں تو — ذرا سا دل کا مرے بوند بھر لہو کیا ہے

جو میرے جام میں ہیں پھول یہ چمن میں کہاں — اب اس کے سامنے پھولوں کا رنگ و بو کیا ہے

بتائے کوئی انہیں حیرتی ہوں میں کس کا — بتائے آئینہ کیا میرے روبرو کیا ہے

بنی ہے قلقلِ مینا صدائے قمری سرو — یہ شورِ صبح کو ساقی کنارِ جو کیا ہے

کھنچی وہ پھول جو پھولوں کے رنگ و بو ہو کر — بہارِ خلد کا حاصل ہے رنگ و بو کیا ہے

ہزاروں جام بھرے لاکھ خم کرے خالی — مزے کی شئے ہے ذرا سا مرا سبو کیا ہے

عجیب چیز ہے مینا و قلقلِ مینا — اب اس کے سامنے معشوقِ خوش گلو کیا ہے

یہ رنگ و بو ہے سوا رنگ و بو سوا اس سے — یہ رنگ کیا ہی یہ مے کیا ہی اس کی بو کیا ہے

زبان پر ہے عبث تجکو نازِ یکتائی
ریاضؔ تجسے ہزاروں ہیں ایک تو کیا ہے

حضرتِ محسن علی اپنی نشانی دے چلے — خضر بن کر چشمۂ حیوان کا پانی دے چلے

نام کے صدقے مئے کوثر کی لہریں کیوں اس — زندگانی دے چلے لطفِ جوانی دے چلے

دانہ موتی کا بنے گا دانہ دانہ کھیت کا — بڑھ کے جو آبِ گہر سے ہی وہ پانی دے چلے

اپنے کھیتوں کی طرح سرسبز کیسے ہیں کساں — دھان بونے والوں کو پوشاکِ دھانی دے چلے

نشہ ہی یونہی انھیں کھینچیں وہ کیوں جو کی شراب — گاؤں والوں کو شرابِ ارغوانی دے چلے

اپنے جامے میں نہیں پھولے سماتے ہیں کساں — غم نصیبوں کو نشاطِ جاودانی دے چلے

ان سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دیں دعائیں ہم غریب — ہم غریبوں کو نویدِ کامرانی دے چلے

پانی کیسا سینچیں گے ہم سب اسی پانی سے کھیت — اپنی ہم سب کو شرابِ ارغوانی دے چلے
روڑے اٹکائے بُرے رُکی نے چلتے کام میں — بہتے پانی کو وہ پتھر کی گرانی دے چلے
بعد جانے کے بھی کام آئے ہر اک محکوم کے — جانشیں کو اپنے اپنی جہر بانی دے چلے
نوعِ انساں کے لئے تفریقِ مسلک کچھ نہیں — خود نمونہ بن کے پیغامِ زبانی دے چلے

جو نہ مرجھائے دیا وہ پھول ہم کو اے ریاضؔ
اپنی فرقت کا ہمیں داغ نہانی دے چلے

کوئی شباب یہ ہو دیکھنے کی تاب نہ آئے — شباب آئے مگر اس طرح شباب نہ آئے
نئی بلا کوئی مجھ پر دمِ عتاب نہ آئے — تمہارے گیسوؤں کا تم میں پیچ و تاب نہ آئے
کئے ہوئے ہیں توبہ ہوئی ہے کتنی دیر — ہمارے سامنے ساقی ابھی شراب نہ آئے
جو دن دکھائے حسینوں کو نیم عریاں حسن — یہی وہ ہیں کہ خدا سے جنھیں حجاب نہ آئے
مرے گناہ مرے بوسے گالیاں تیری — خدا کرے مجھے ان کا کبھی حساب نہ آئے
نہیں ہے خلد میں کیا کچھ مگر مجھے واعظ — مزا نہ آئے گا جب تک مری شراب نہ آئے
پکار دوں میں قیامت میں بس چلے میرا — کوئی حسین سرِ حشر بے حجاب نہ آئے
تمام عمر یونہی انتظار میں گزرے — خدا کرے مرے خط کا کبھی جواب نہ آئے
شراب تو نے چھڑائی بُری طرح واعظ — اسی طرح ترے آگے کبھی کباب نہ آئے
بہت ہی شوخ ہی نازک سے شوخ رنگ نقاب — جو تو بھی چاہے تو رخ پر تری نقاب نہ آئے
بُری نظر سے اسے دیکھتا ہوں کوئی ہو — کسی کے سامنے آتے جسے حجاب نہ آئے
خدا کے آگے مری بات لے بتو رہ جائے — جو پوچھوں حشر کے دن کچھ انہیں جواب نہ آئے
مرے لئے ہی کڑی دھوپ یہ سفیدی ہو — خدا کرے مرے سر پہ یہ آفتاب نہ آئے

تہی تھا کیسہ و کاسہ مگر نصیب کی بات کہ جا کے ہم درِ دولت[1] سے کامیاب نہ آئے
غضب یہ ہی کہ عطا جو ہوا انہیں رملتا کسی کے دن نہ برے ہوں گھڑی خراب نہ آئے
ملے نہ پینے کو جس گھر میں گھر وہ مسجد ہے وہ کوئی گھر ہے جہاں میں تو ں شراب نہ آئے
محبِّ ساقی کو ٹرا دھر بھی نیم نگاہ جھلک شباب کی آجائے گو شباب نہ آئے
ریاض ابر تھا سبزہ تھا لطفِ صحبت تھا
دبائے شیشہ بغل میں مگر جناب نہ آئے

بڑھی ہے ہجر میں اس طرح تیرگی گھر کی ہماری رات خبر لے گی روزِ محشر کی
بتاؤں کیا میں تجھے خوبیاں مقدر کی کہ ٹھوکریں مجھے کھانا پڑیں ترے در کی
تری گلی کی قیامت دبائے کیا فتنے دبی کچھ ایسی نہ آنکھ اس نے پھر برابر کی
ذرا سی ٹھیس میں کم بخت اس طرح ٹوٹا ہمارے شیشے نے دی ہم کو چوٹ پتھر کی
بنے وہ شرم کے پتلے جو آئینہ آیا نہ اپنے عکس سے آنکھ اپنی پھر برابر کی
ہمارے میکدے میں آ کے دیکھ لے واعظ ہمارے خم سے چھلکتی ہی حوضِ کوثر کی
وہ میرے بعد گلے پر کسی کے چل نہ سکا روانیاں بھی گئیں آج ان کے خنجر کی
کلیم سے بھی میں اچھا رہا ترے صدقے یہ مجھی ہے دھوم ترے جلوہ مکرر کی
وہ جانتے ہی نہیں دل میں چٹکیاں لینا وہ مسکرا کے چبھوتے ہیں نوک نشتر کی
بتوں کے دل سے ملے دل نکالی ہم نے راہ مٹائے مٹ نہیں سکتی لکیر پتّھر کی
نہ پڑتے نارِ جہنّم میں ہم تو اچھا تھا بھڑک اٹھی ہی لگی آج آتشِ تر کی
کلیم بن کے پری اترے شیشۂ دل میں مزا دے ہم کو سرِ طور آگ پتّھر کی

[1] ۔ درِ دولتِ محمود آباد ۔

جو بیٹھی کشتیٔ اُمید پھر اُبھر نہ سکی
ہمارے دل میں ہیں گہرائیاں سمندر کی

قفس بھی مرغِ قفس لے کے اڑ گئی صیاد
بہار آئی اُڑائی یہ ہم نے بے پر کی

یہ تن کے ناز سے یوں کون باغ میں آیا
یہ کس کے پاؤں سے چوٹی دبی صنوبر کی

قفس سے دل میں لئے نکلے حسرتِ پرواز
قفس میں رہ گئی حسرت ہمارے شہپر کی

گلی میں اُن کے اُبھرنا نہ تھا قیامت کو
بڑی جو حد سے ہوئی بڑھ کے ایک ٹھوکر کی

مٹائے کیوں اسے کوئی پڑے رہے یونہی
یہ ہم ہیں یا سرِ بستر شکن ہے بستر کی

لگاتے آنکھ سے ہیں لوگ میرے ساغر کو
ریاضؔ آج تبرک ہے میرے ساغر کی

تری گلی میں نشانِ مزار باقی ہے
غبارِ راہ مری یادگار باقی ہے

ابھی کچھ آرزوئے وصلِ یار باقی ہے
ذرا سی مجھ میں ابھی جانِ زار باقی ہے

یہ کتنی پی کے گئے تھے لحد میں ہم سونے
کہ آج حشر کے دن بھی خمار باقی ہے

جگہ ہی آنکھ میں مینا کی اور مینا میں
نہ دُرد ہے نہ مئے خوش گوار باقی ہے

مرا یہ خم ہے پرانا خمِ فلاطوں سے
پرانے وقت کی یہ یادگار باقی ہے

مرے ستانے کو بنتے ہیں آسمان نئے
کسی کے دل میں ابھی کچھ غبار باقی ہے

ہمیشہ غنچہ و گل اپنے جام و مینا ہیں
شراب خم میں ہے جب تک بہار باقی ہے

ذرا چھپا کے حرم تک یہ زمزمی لے جائے
چڑھا کے کوئی گیا ہے اتار باقی ہے

پرانی چیزوں میں ہے یہ خمِ گلی میرا
پرانے لوگوں میں یہ خاکسار باقی ہے

اٹھاؤ پھول کے بستر بنے گا بسترِ مرگ
نہ رات کچھ ہے نہ اب انتظار باقی ہے

کوئی بھی اشک سا دُکھ درد کا شریک نہیں
یہی تو اب مرے بچپن کا یار باقی ہے

بنوں نہ بادہ فروشوں میں جاکے بادہ فروش — کہ بات کا مری کچھ اعتبار باقی ہے
کریں گے کعبے کا ہم خم بدوش جاکے طواف — اگر یہ زندگی مستعار باقی ہے
مرے حضور کے اس شعر کا جواب نہیں — بہت ہی خوب کہا ہے خمار باقی ہے
جو آج پی ہو تو ساقی حرام شے پی ہو — یہ کل کی پی ہوئی مے کا خمار باقی ہے

رہا نہ کوئی بھی یارانِ رند مشرب میں
بس اک ریاضؔ تہجد گزار باقی ہے

اسی پر خدایا پڑے میری ہائے — حسینوں کے ہوتے فلک کیوں ستائے
مئے ناب سے توبہ میں کر چکا — مرے آگے مینا نہ اب سر جھکائے
پڑا کام اب آکے قصرِ لحد سے — کنویں ہم کو پیری نے کیا کیا جھکائے
خطا کیا جو بوسہ لیا دور سے — نہ ایک ایک منہ میں وہ سو سو سنائے
دعا اپنے محسن کو میں کیوں نہ دوں — وہ دولت لٹائے خزانے لٹائے
کئے وصف واقف نے اس کے بیاں — وہ محسن جو ہر ایک کے کام آئے

بڑی بات زیبا نہیں چھوٹے منہ کو
ریاضؔ اور وصفِ جر بخیت رائے

جو آفتِ جاں ہو وہ تمنا نہ کریں گے — آباد نئی اب کوئی دنیا نہ کریں گے
اے رازِ جنوں ہم تجھے افشا نہ کریں گے — دیوانے کبھی حسن کو رسوا نہ کریں گے
کھوئیں گے نہ ہم جبہ و دستار کی عزت — ان کو کبھی نذرِ مے و مینا نہ کریں گے
ٹھکرائیں دلِ زار کو وہ پائے نظر سے — نازک ہیں یہ تکلیف گوارا نہ کریں گے
اب وعدۂ فردا ہے نہ ہی وعدۂ امروز — وہ خواب میں بھی وصل کا وعدہ نہ کریں گے

ان کے لئے کم بخت میں کچھ رنگ کچھ بو
کہتی ہے حنا خونِ تمنا نہ کریں گے

مل جائے اگر ہم کو جگہ سایۂ خم میں
پروائے مے و ساغر و مینا نہ کریں گے

ہم خاک اُڑائیں گے نہ اے دیدۂ پُرجوش
بہتے ہوئے دریاؤں کو صحرا نہ کریں گے

اتنا تو ہوا فائدہ اس توبۂ مے سے
اب بادہ فروش آکے تقاضا نہ کریں گے

اے دل وہ کوئی ہو کہ پری ہو کہ بلا ہو
شیشے میں کسی کو بھی اُتارا نہ کریں گے

شرمائیں گنہ جس کے خدائی کو دمِ حشر
وہ ایسے یہ کار کو رسوا نہ کریں گے

یہ کہہ کے حیا ہوتی ہے اس عکس سے رخصت
اب پردہ نشیں غیروں سے پردا نہ کریں گے

کھل کھیلیں گے جو پردہ نشیں گھر سے نکل کر
ہم آنکھ اُٹھا کر انھیں دیکھا نہ کریں گے

ہیں جلوہ گہہ ناز کے آئین نرالے
کیا کچھ نہ کیا اور ابھی کیا نہ کریں گے

بجلی کی ہے جب ان کو شبستاں میں ضرورت
وہ رات کو اب شمع جلایا نہ کریں گے

لعنت کا کوئی طوق ہے یا سارا دہ بل ہے
ہم مذہب و ناموس کو رسوا نہ کریں گے

موجود نہ تھے آپ یہاں آرزوئے افسوس
کیا درد کا اب آپ مداوا نہ کریں گے

اس ملک کے ہیں سب سے سوا نبض شناس آپ
ہیں آپ مسیحا ہمیں اچھا نہ کریں گے

سنّے میں مزا ہے نہ سنانے میں مزا ہے
ہم بزمِ سخن میں کبھی لب وا نہ کریں گے

جو کچھ سفرِ حج سے ریاض ابکی نہ بچے گا
ہم آکے وہ نذرِ مے و مینا نہ کریں گے

اب دورِ نوکشید ہر اک انجمن میں ہے
میری شرابِ کہنہ سبوئے کہن میں ہے

یارب نصیب ہو مری طبعِ حزیں کو بھی
جو انبساط خندۂ صبحِ وطن میں ہے

احساس ہی نہیں مجھے کچھ اپنے حال کا
یہ میں ہوں پیرہن میں کہ مردہ کفن میں ہے

حاصل شبِ وصال ہی قابو کچھ اس طرح
گویا زبان ان کی ہمارے دہن میں ہے

آغوش میں ہی زخمِ گلو کی عروسِ تیغ
آئے گا یا د لطف جو دولہا دولھن میں ہے

خنجر کو تیغ کو مہِ نو کو نہیں نصیب
جو بات آج تجھ میں ترے بانکپن میں ہے

یہ رنگ تیری زلف کا یہ رخ کا تیرے نور
غربت کی شام میں ہے نہ صبح وطن میں ہے

وحشت یہ مجھ سے کہتی ہے دیوانگی تری
کچھ قیس میں ہی یونہی سی کچھ کوہکن میں ہے

واقف محاورے سے نہ واقف زبان سے
یہ وہ ہیں امتیاز جنھیں اہلِ فن میں ہے

ملکِ سخن ہے زیرِ نگینِ شہِ دکن
یہ قدر ہے جہانِ سخن اب دکن میں ہے

امید ہی نہیں کہ کبھی یہ نکل سکے
مدت سے دل مرا ترے چاہِ ذقن میں ہے

واعظ نے بزمِ وعظ میں چھلکائی جس کے جام
وہ نوش شید میں نہ شرابِ کہن میں ہے

دل میں بسی ہی میرے بری طرح بوئے زلف
مشکِ تتار میں ہے نہ مشکِ ختن میں ہے

مجھ میں کہاں یہ کہتی ہے ہر چینِ آستیں
جو حسن تیرے گیسوؤں کی ہر شکن میں ہے

وقتِ وصال کچھ بھی شبِ وصل کی جھلک
جلوہ کسی کا آج ہمارے کفن میں ہے

ناآشنا ہر ایک مرا گھر نہ در کہیں
غربت کی زندگی کا مزا اب وطن میں ہے

ہونا ہے جس کو خاک وہ دنیا کی کائنات
دو گز کفن ہے یا اسی دو گز کفن میں ہے

فردوس میں بنے گی یہ جا کر شبابِ حور
یہ کہنگی جو میرے شرابِ کہن میں ہے

مانے نہ مانے کوئی مگر یہ کہیں گے ہم
جانِ سخن ریاضؔ جہانِ سخن میں ہے

بن کے مہمان آج کوئی روزہ دار آنے کو ہے
شام ہونے کو ہی میری گھر اُدھار آنے کو ہے

خم بدوش اک مست سوئے سبزہ زار آنے کو ہے
ہو نہ ہو یہ آج ابرِ کوہسار آنے کو ہے

کس پری کا تخت سوئے سبزہ زار آنے کو ہے
میکشوں میں دھوم ہے ابرِ بہار آنے کو ہے

عشق میں ہوتا نہیں ہی مرحلہ طے موت کا
بار بار آنے کو ہی یا ایک بار آنے کو ہے

جلوۂ بنت عنب کی ہی شرارت جوشِ خم
ایک شعلہ بن کے برقِ کوہسار آنے کو ہے

چودھویں کا چاندلے کر ہنستی آتی ہی جو شام
رات ہی وعدی کی وہ بے اعتبار آنے کو ہے

رفتہ رفتہ رنگ لائی روز کی دریا دلی
نقد آتی تھی ہمیشہ اب ادھار آنے کو ہے

کم ہے ساقی میکدی میں ہو تکلف جس قدر
بہرِ افطار آج کوئی روزہ دار آنے کو ہے

آئے ہیں محشر کے فتنے خیر مقدم کے لئے
کوچۂ جاناں میں کوئی بیقرار آنے کو ہے

ہے یہی افتاد تو وہ آچکا بس ہو چکا
سنتے رہئے اب یونہی روزِ شمار آنے کو ہے

سو گیا ہوں دھوپ میں تو میری جاگے ہیں نصیب
آج مجھ تک سایۂ دیوارِ یار آنے کو ہے

جیب سے غافل حرم والو نہیں رہنے کا وہ
آنے والا کچھ بہت ہی ہوشیار آنے کو ہے

پڑ گئی ہے شام سے مدفن کے پھولوں پر کچھ اوس
ہنسنے والا آج شاید اشکبار آنے کو ہے

بے طرح یہ بھی بھری بیٹھے ہیں سیں گے ضرور
منہ ہمارے آبلوں پر نوکِ خار آنے کو ہے

حشر زا فتنے خرامِ ناز پر اس کے نثار
بن سنور کر اک حسیں سوئے مزار آنے کو ہے

بابِ ساقی کھٹکھٹاتے شیخ سے میں نے کہا
صبح روزہ ہی مجھے شب سے بخار آنے کو ہے

رہ نہیں جائے گی او میکش اگر آیا ریاضؔ
میکدے میں وہ پرانا بادہ خوار آنے کو ہے

جماعت میں بھی پانچوں وقت شامل دیکھنے والے
ہمیں کو شیخ میخانے میں غافل دیکھنے والے

ارے او قیس اپنا جذبِ کامل دیکھنے والے
بیاباں کے ہر اک ذرے میں محمل دیکھنے والے

عجب عالم تھا مقتل میں نیا عالم تھا قاتل کا
دمِ قتل آج تھے اندازِ قاتل دیکھنے والے

نہیں محمل میں لیلیٰ ہاں وہ پہنچی قیس کے دل میں
بگولے کون اُٹھا کر پردہ محمل دیکھنے والے

خدا محفوظ رکھے چشمِ بد سے دستِ قاتل کو
سوئے قاتل نہ دیکھیں زخمِ بسمل دیکھنے والے

تجلی گاہ میں کیا وہ بنے کیوں برق کا دامن
نہیں پیشِ نظر ہم پردہ حائل دیکھنے والے

یہ بزمِ حشر ہے آداب و آئین اور ہیں اس کے
یہ کیوں سب دم بخود ہیں اہلِ محفل دیکھنے والے

ہوا ہو کیسی ہی بادِ مراد اس کو سمجھتے ہیں
ہمیشہ قعر میں دریا کے ساحل دیکھنے والے

بڑھائیں گے ابھی پیچیدہ جادے بعدِ منزل کو
نہ خوش ہوں دور سے آثارِ منزل دیکھنے والے

ذرا فصلِ جنوں میں کڑے ہوتے بھی انھیں دیکھیں
ہماری پاؤں میں بھاری سلاسل دیکھنے والے

وہ ہنس مکھ شکل کیوں دیکھیں وہ اس کا حسن کیوں دیکھیں
جو ہیں سوز و گدازِ شمعِ محفل دیکھنے والے

تجھے تھا دیکھنا مجھکو کہ ہیں ہم کتنے پانی میں
بہا کر خون میرا اور مرا دل دیکھنے والے

زمانے نے نہ رکھا امتیازِ نیک و بد باقی
نہ اب حق دیکھنے والے نہ باطل دیکھنے والے

قیامت ہے مسلماں ہو کے بھی آنکھیں نہیں رکھتے
پسندیدہ نظر سے سار و ابل دیکھنے والے

ریاضؔ اب وہ چہکنے والے بلبل ہیں نہ وہ نغمے
نہ وہ اب رنگِ فریادِ عنادل دیکھنے والے

لو دل کا داغ وہ اٹھے ایسا نہ کیجیے
ہے ڈر کی بات آگ سے کھیلا نہ کیجیے

لوں قرض آپ کیوں کہ تقاضا نہ کیجیے
وہ شئے ہے مے کہ مفت بھی سودا نہ کیجیے

کہتا ہے عکس حسن کو رسوا نہ کیجیے
ہر وقت آپ آئینہ دیکھا نہ کیجیے

روکے گا کون کس کو تصور میں وصل ہے
بے پردہ ہو کے حسن کو رسوا نہ کیجیے

کہتی ہے میفروشوں سے میری سفید ریش
دے دیں گے دام ان سے تقاضا نہ کیجیے

کیا جانے بات پہنچی یہ کس کس کے کان تک
مجکو دبی زبان سے کوسا نہ کیجیے

دنیا یہی کہے گی بُری سے لڑی ہے آنکھ — اچھا نہیں ہے آئینہ دیکھا نہ کیجیے

بدلا ہے رنگ ایک گلابی نے کس قدر — اب التفات جانبِ مینا نہ کیجیے

اچھی نہیں یہ آپ کی محشر خرامیاں — دنیا کو اس طرح تہ و بالا نہ کیجیے

سب نقشِ پا چراغ بنے میری قبر کے — یوں سوتے فتنے آپ جگایا نہ کیجیے

میں سمجھوں وعدہ کل کا وفا ہوگا آج ہی — شرما کے مجھ سے وعدۂ فردا نہ کیجیے

ہے زیرِ بحث فرق سفید و سیاہ کا — بندِ نقاب اپنے ابھی وا نہ کیجیے

اُٹھنے کو اُٹھے آپ کے کوچے سے روزِ حشر — ایسے کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ کیجیے

اپنی حنا کو دیکھیے نازک سے ہاتھ کو — وہ ڈر رہی ہے خونِ تمنا نہ کیجیے

آئے گی خم میں غیب سے وہ دے گا اے ریاض
تلچھٹ بھی کچھ ہو تو غمِ فردا نہ کیجیے

ہے مرقدِ تیرہ میں سیاہی سی کفن کی — وہ شامِ غریبی یہ جھلک صبحِ وطن کی

رکھ دے کوئی حسرت زدہ گُل کے قفس میں — سوکھی ہوئی اک شاخِ خزاں دیدہ چمن کی

رسوا ہوئی کھوئی گئی اے نکہتِ گیسو — آگے ترے کُھل کھیلی تھی بو مشکِ ختن کی

دے پیرِ مغاں، دخترِ رز عمر رسیدہ — بوڑھا ہوں ملے نورِ نظر چرخِ کہن کی

کیوں چھیڑتی ہے غنچوں کو منقارِ عنادل — غنچوں میں کہاں بات مرے غنچہ دہن کی

تیغ ان کی پسِ ذبح بنی ہار گلے کا — دیکھے تو محبت کوئی دولھا سے دلھن کی

بھولے سے بھی مے نوش اسے منہ نہ لگائیں — ٹوٹی ہوئی توبہ ہے جو مجھ توبہ شکن کی

ساقی مری نازک سی گلابی میں ہے جو پھول — تولا اسے کانٹے میں تو نکلی کئی من کی

منصور سے حق گو نظر آتے ہیں ہزاروں — کچھ تھی کبھی اب بات گئی دار و رسن کی

پوشیدہ مرے ساتھ حرم میں یہ رہے گی ― نازک سی گلابی ہو مے زہد شکن کی
وہ رنگ نہ وہ گل نہ وہ بلبل نہ وہ خُو بُو ― بدلی نظر آتی ہے ہوا آج چمن کی
ڈوبے ہیں ہزاروں ابھی ڈوبیں گے ہزاروں ― ملتی ہی نہیں تھاہ ترے چاہِ ذقن کی
مل جائے گئی عمرِ جوانی نہ مجھے ساقی ― دے ایسی صراحی کوئی صہبائے کہن کی
سب دل میں چھپیں تیری مژہ تیر کے ہمراہ ― جھپکی نہ پلک آج مرے تیر فگن کی
میں شاد ہوں چمکیں نہ مرے مصرعِ روشن ― گل شمع نظر آئے گی ہر بزمِ سخن کی
مل جائیں تو وہ دل میں جگہ آنکھوں میں رکھوں ― غربت میں ہوئی قدر مجھے خارِ وطن کی

دُربار ہمیشہ رہے سرکار کا دربار
ہے قدر ریاضؔ آج یہیں اہلِ سخن کی

یہ ہوتا تر زباں ہونے کو تر اپنی زباں کرتے ― پڑے بیٹھے حوضِ مے میں شکر کے سجدے کہاں کرتے
کہاں کا بامِ میخانے میں گلگشتِ جہاں کرتے ― کچھ اونچے ہم اگر جاتے تو سیرِ لامکاں کرتے
لہو تھوکا ہی برسوں آہ کیا ہم ناتواں کرتے ― یہ عالم ہے کلیجا منہ کو آتا ہے فغاں کرتے
پس توبہ کھنچے رہتے اگر ہم دخترِ رز سے ― یہ ہوتا خود ہماری آرزو پیرِ مغاں کرتے
غمِ دل شئے نہیں ایسی کہ جو جنت میں مل جائے ― نہیں ملتا تو ہم صدقے نشاطِ جاوداں کرتے
کبھی آتے تو مل جاتے سلامت کچھ ہمیں تنکے ― ہم اپنے ہاتھ سے برباد اپنا آشیاں کرتے
ہماری زندگی بے شغلِ عصیاں کس طرح کٹتی ― حیاتِ خضر لے کر عمر اپنی رائیگاں کرتے
بچھڑ کر قافلے سے دیکھ لیں بیدردیاں ان کی ― تھکے ماندوں کا کچھ تو پاس اہلِ کارواں کرتے
تمہارا ذکر کیا ہے تم بھی نازک تیغ بھی نازک ― عدو کے ہاتھ سے بھی اُف نہ ہم سخت جاں کرتے
وہ سُنتے ہم سُناتے غیر کے گھر موت اس دن کو ― اُڑاتے نیند ان کی ختم اپنی داستاں کرتے

وہ دے کر طول شوخی سے بتاتے رات فرقت کی — مزے آتے شبِ خلوت جو ہم سے شوخیاں کرتے
جو چھو جاتی ہماری خاکِ تربت اُن کے دامن سے — ہر اک ذرّے میں لاکھوں گردشیں سات آسماں کرتے
کھڑے ہیں آج شرمائے ہوئے کیسے سرِ محشر — یہ وہ ہیں جن کی گزری عمر یارب شوخیاں کرتے
غزل کہنے میں نیرنگِ خیال آیا تو جی چاہا — ہم اپنے یوسفِ معنی کو نذرِ کارواں کرتے
مرے دیواں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے مجھ سے بھی بڑھ کر — دکن میں کیتی میری قدر میرے قدرداں کرتے
لگا ہر نسخہ اہلِ ذوق ہی کے ہاتھ دیواں کا — بنا کر نقدِ جاں دیواں نذرِ دوستاں کرتے
حضوری ہوتی جس دم بارگاہِ صدرِ اعظم میں — ہمارے پاس کیا تھا نذرِ جانِ ناتواں کرتے
شرف کچھ کم نہ تھا یہ صدرِ اعظم ہاتھ رکھ دیتے — دعا سو جان سے ہم بہرِ عمرِ جاوداں کرتے
نئے سر سے جوانی پاتے جانِ تازہ مل جاتی — غمِ فردا نہ رہتا شادؔ[1] اتنا شادماں کرتے
یہ رتبہ شاہ شاہاں نے دیا ہے صدرِ اعظم کو — کہ صدقے شان اپنی طرۂ تاجِ کیاں کرتے
ہمارے درد کا درماں ہمیں گھر بیٹھے ہو جاتا — ہماری چارہ سازی چارہ سازِ بیکساں کرتے

ریاضؔ آساں ہو جاتا ہمیں گھر بیٹھے حج کرنا
کوئی دن اور بھی ہم خدمتِ پیرِ مغاں کرتے

شعروں میں مرے نکہتِ گیسوئے علیؓ ہے — ہر شعر مرا شانہ کشِ موئے علیؓ ہے
کعبے میں خیالِ رخِ نیکوئے علیؓ ہے — اللہ کے گھر میں بھی نظر سوئے علیؓ ہے
یہ مے نہیں عکسِ رخِ نیکوئے علیؓ ہے — میخانۂ عرفاں میں رواں جوئے علیؓ ہے
موزونیِ قامت یہی کہتی ہے پکارے — اللہ کا الف قامتِ دلجوئے علیؓ ہے
جس میم سے بنتا ہے احد صورتِ احمد — میں کھل کے یہ کہہ دوں گرہِ موئے علیؓ ہے

۱؎ تخلص صدر اعظم دکن۔

آتے ہی مہک اٹھے گا سب حشر کا میدان — لاکھوں میں جو چھپتی نہیں وہ بوئے علیؓ ہے
اے عرش بلندی میں ذرا کم نہیں تجھ سے — وہ مسندِ دیں جو تہہِ زانوئے علیؓ ہے
کیسا سگِ لیلےٰ کہ یہ ہے اور ہی وادی — اس نجد میں لیلےٰ بھی سگِ کوئے علیؓ ہے
ہر خوئے علیؓ بوئے نبیؐ کرتی ہے پیدا — خوبو جو نبیؐ کی ہے وہی بوئے علیؓ ہے
قدرت نے یہ بخشا شرفِ خاص علیؓ کو — خاتونِ جناں فاطمہؓ بانوئے علیؓ ہے
کہتا ہے کسے آج یداللہ زمانہ — پردے میں نہاں قوتِ بازوئے علیؓ ہے
حوریں بھی ہیں غلماں بھی نہیں خلد میں کیا کچھ — با اینہمہ فردوس نظر سوئے علیؓ ہے
خو جس کی یہ ہو خلق میں بو پھیلے گی اس کی — رحم و کرم عفو و عطا خوئے علیؓ ہے
کھنچنے میں کبھی تننے میں بھی تصویر ہے اس کی — یہ تیغ دو پیکر ہے کہ ابروئے علیؓ ہے

کہتے ہیں مہک کر گلِ مضمونِ مناقب
پھولوں میں ریاضؔ آپ کے خوش بوئے علیؓ ہے

اللہ نما روئے نبیؐ روئے علیؓ ہے — رخ سوئے خدا سوئے نبیؐ سوئے علیؓ ہے
اس وقت نظر میری ہے خاقانِ دکن[1] پر — کس پائے کا دریوزہ گرِ کوئے علیؓ ہے
بوبکرؓ کے فاروقؓ کے عثمانؓ کے بھی اوصاف — عثمانِ علیخاں میں اگر خوئے علیؓ ہے
دم خم یہ ہے نے زیر اثر ایک جہاں کو — تلوار میں اس کے خم ابروئے علیؓ ہے
ہے سہل اسے بارِ خلافت کا اٹھانا — بازو میں نہاں قوتِ بازوئے علیؓ ہے

کیوں ناز نہ مجکو ہو ریاضؔ آئی ہے مجھ تک
پھیلی ہوئی دادِ دستؒ[2] سے جو خوشبوئے علیؓ ہے

---

[1] حضور تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ
[2] پیر و مرشد حضرت سیدنا حاجی وارث علی شاہؒ

یہ جھوٹ ہے جو کہوں میں کبھی خراب نہ پی — یہ وہ کہے گا کہ جس نے کبھی شراب نہ پی
نہ ہِ نقاب تو پی، ہو کے بے نقاب نہ پی — کسی نے کھل کے مرے آگے بے حجاب نہ پی
بڑی کمی رہی اب پی نہ پی برابر ہے — شراب ہم نے کبھی جان کر ثواب نہ پی
کباب کھانے سے زاہد کو اجتناب نہ تھا — نہ جب تک آ گئے مرے سامنے کباب نہ پی
ستا رہا ہے ہمیں تو خیالِ روزِ شمار — وہ ہم نے پی بھی تو کیا پی جو بے حساب نہ پی
گناہ کوئی نہ کرتے شراب ہی پیتے — یہ کیا کیا کہ گنہ تو کئے شراب نہ پی
لگی جو منہ سے رہے گا مدار چوری پر — یہ مفلسی میں بنے جان کا عذاب نہ پی
اُتر کے تھی یہ مئے خلد سے یونہی واعظ — شرابِ ناب بھی تو آپ نے جناب نہ پی

چڑھی تھی کچے گھڑے کی ریاض کچھ ایسی
شرابِ خلد سمجھ کر شرابِ ناب نہ پی

جان نکلے وقت سے پہلے، یہ حسرت دل میں ہے — آ گئے گورِ کھپور میری جان کس مشکل میں ہے
شمع بھی محفل میں ہے پروانہ بھی محفل میں ہے — تم بھی ہو، ہم بھی ہیں، لیکن بات دل کی دل میں ہے
کارفرما ایک چنگاری سی میرے دل میں ہے — برقِ خرمن سوز بھی اس کشت کے حاصل میں ہے
کیف آور اک مُصفّا شے سی ہے میری سرشت — بادہ نوشو روح کس کی میرے آب و گل میں ہے
یا فتادہ مُجسا بے جاں کھینچتی ہے خاکِ گور — کھینچ رہے ہیں قافلے کیسی کشش منزل میں ہے
قدر و قیمت کیا لہو کی پانی پانی ہے لہو — سُرخیِ رنگِ حنا کتنی کفِ قاتل میں ہے
پہلی منزل ہے جو آساں مشکلیں آساں ہیں سب — حشر کا ہنگامہ کیا خطرہ اسی منزل میں ہے
پردہ دارِ عشق ہے یا ارتباطِ حُسن و عشق — قیس جس کے دل میں ہے وہ پردۂ محمل میں ہے
مصرعۂ واقف یہ ہے یا دلنشیں ناوک کوئی — اس کی چٹکی میں ہے جب تک تیر سب کے دل میں ہے

پردۂ وحدت میں وہ یوں ہے کثرت آفریں — محفل آئینہ میں ہے یا آئینہ محفل میں ہے

بزمِ گورکھپور میں سب ہیں نہیں لیکن رِیاضؔ

یہ کمی پوری ہوئی ہیوہ مارٹ[1] اس محفل میں ہے

کس کا ہے بام اور یہی کچھ اس کی شان ہے — یہ آسمان کوئی نیا آسمان ہے

جو اس بہشت زار میں ہو وہ جوان ہے — یہ میکدہ نہیں ہے نیا اک جہان ہے

اے بامِ یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے — اے بامِ یار عرش کا تجھ پر گمان ہے

کوثر کی ہو کہ گھر کی ہو پینے کا ہے اثر — پاکیزہ شستہ صاف ہماری زبان ہے

یہ وہ نہیں جو دیدہ و دل میں سما سکیں — فتنے بھی کہہ رہے ہیں قیامت اٹھان ہے

گر و اس کے ہاتھ اٹھائی ہیں مے نوش رات دن — جو خم ہے میکدے میں وہ اونچی دکان ہے

آتا ہے یاد وصل میں کہنا کسی کا ہائے — موت ایسی رات کو مری آفت میں جان ہے

نادان دل ہے میرا انھیں لطف ہے بہت — اس دوستی میں جان کا اپنی زیان ہے

ہو مان کا جو پان تو ٹکڑا ابھی ہے بہت — اب وہ گلوریاں ہیں نہ وہ خاصدان ہے

قسمت کی بات کوئی نہیں پوچھتا نہیں — اُردو کا آج ملکِ دکن قدردان ہے

سنتا ہوں یاد کرتے ہیں مجکو جنابِ شادؔ[2] — کیا میرے دوستوں کا غلط یہ بیان ہے

دو چار سال کے لئے ہو جائے روک تھام — کوئی سنبھال لے اسے گرتا مکان ہے

جب آرہے زمین پر اپنا یہ قصرِ تن — کیا اس کا اعتبار پرانا مکان ہے

اس میں پڑی ہے جان مری بس خدا بچائے — یہ جان اور چند نفس میہمان ہے

میں سخت جاں ہوں جان عجب کشمکش میں ہے — جب تنگ ہے جان روز مرا امتحان ہے

1۔ کمشنر گورکھپور۔ 2۔ صدر اعظم دکن

دنیا میں رہوں نہ رہوں وہ رہے ضرور ‏ ‏ ‏ دنیا میں شادؔ[۱] ہی تو مرا قدرداں ہے
اس کے قدح کی خیر منانا ہے اس لئے ‏ ‏ ‏ یہ آسمان پیر ابھی تک جوان ہے
میں بھی دعائے خیر سے رکھوں گا واسطہ ‏ ‏ ‏ جب تک مرے دہن میں یہ میری زبان ہے

پی لوں جو میں بڑھاپے میں تھوڑی سی اے ریاضؔ
محفل پکار اٹھے کوئی رعنا جوان ہے

قسمت میں ہماری اب پینا ہے نہ کھانا ہے ‏ ‏ ‏ انگور کا پانی ہے انگور کا دانا ہے
انگوروں کو مینا کو اب کام میں لانا ہے ‏ ‏ ‏ کھانا ہے کھلانا ہے پینا ہے پلانا ہے
کیا پوچھتے ہو باتیں پیری میں جوانی کی ‏ ‏ ‏ وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانا ہے
دفتر ہے ہر اک صفحہ اس عمرِ دو روزہ کا ‏ ‏ ‏ تاریخ ہے دنیا کی دنیا کا فسانا ہے
وہ پونچھتے ہیں آنسو کیا دستِ حنائی سے ‏ ‏ ‏ یہ آگ بجھانا ہے یا آگ لگانا ہے
نقشِ کفِ پا سی بھی جو دب نہ سکے در پر ‏ ‏ ‏ اس بیٹھے ہوئے دل کو فتنہ وہ اٹھانا ہے
گزری ہے جو دنیا پر وہ گزری ہے سب مجھ پر ‏ ‏ ‏ جو سن لے یہی جانے میرا ہی فسانا ہے
وہ صبح کو آئے تھے اب شام کو آئیں گے ‏ ‏ ‏ منہدی بھی لگانا ہے سرمہ بھی لگانا ہے
بینا نہ رہا کوئی اس صاعقہ تابی میں ‏ ‏ ‏ ہر آنکھ ہوئی خیرہ کیا تیرہ زمانا ہے
تلوار کے دھاروں میں اڑتے ہیں شراروں میں ‏ ‏ ‏ باریک ہیں سب جادے تاریک زمانا ہے
دورِ مے و ساغر ہو وہ جامے سے باہر ہو ‏ ‏ ‏ جو عیب ہو کھل کر ہو تاریک زمانا ہے
ہر بات کبھی الٹی سیدھی بھی رہی الٹی ‏ ‏ ‏ گنگا بھی بہی الٹی الٹا یہ زمانا ہے
ہر دوست ہی دشمن بھی گلشن بھی ہے گلخن بھی ‏ ‏ ‏ تیرہ بھی ہے روشن بھی نازک یہ زمانا ہے

۱۔ صدر اعظم دکن۔

جلووں کی فراوانی یہ حسن یہ عریانی — دنیا ہوئی نورانی کیسا یہ زمانا ہے
کیا ذکر ہے عقبیٰ کا چرچا ہے سینما کا — یہ رنگ ہے دنیا کا کیسا یہ زمانا ہے
فحاشی و عیاشی زرپاشی و شب باشی — پھر یہ ہمہ یہ کاشی نیکی کا زمانا ہے
کیا پوچھتے ہو باتیں پیری میں جوانی کی — وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانا ہے

اشکوں سے ریاضؔ اپنا یہ روئے سیہ دھولو
اللہ کو اپنے بھی منہ تم کو دکھانا ہے

لبِ خاموش کی تصویر تو کچھ کہتی ہے — آپ کی چاند سی تصویر تو کچھ کہتی ہے
اُن کی تصویر نے اُن پر بھی اثر یہ ڈالا — بول اُٹھے وہ مری تصویر تو کچھ کہتی ہے
مجھ سے گو چاند سی تصویر نہ اُن کی بولی — میری چمکی ہوئی تقدیر تو کچھ کہتی ہے
تم کہو یا نہ کہو اپنے شبِ وصل کی بات — صدقے تصویر کے تصویر تو کچھ کہتی ہے
تیرے صدقے یہ تبسم ہے بہت معنی خیز — مسکراتی ہوئی تصویر تو کچھ کہتی ہے
اے سرشارِ محبت خطِ ساغر کو سمجھ — دستِ ساقی کی یہ تحریر تو کچھ کہتی ہے
خاک آنکھوں میں نہ ڈالو کہیں تم جاؤ گے — آنکھ میں سرمہ کی تحریر تو کچھ کہتی ہے
جب کہا۔ کیا یہ زباں شمع کی منہ میں لے گا — بولے وہ صورتِ گلگیر تو کچھ کہتی ہے
آپ مجھ سے نہ کھلیں لے کے گرہ میں دل کو — آپ کی زلفِ گرہ گیر تو کچھ کہتی ہے

منہ کھلے جاتے ہیں کڑیوں کے ریاضؔ آپ ہی آپ
یہ مرے پاؤں کی زنجیر تو کچھ کہتی ہے

پہلو میں تو رہے ترے لب پر نہیں رہے — ساغر آئینے میں عکسِ ادا آفریں رہے
ہوں فاقہ مستیاں تو بس انداز کام آئے — تلچھٹ ہمارے خم میں یونہی تہ نشیں رہے

میخانے میں کنشت میں کعبے میں۔ دیر میں
محوِ خیالِ یار رہے گو کہیں رہے

عاجز بگولے ہم سے ہوئے پیش رفت میں
صحرا نوردیوں میں نکلتے ہمیں رہے

مجھ سخت جاں کے سینے میں جب تک رواں ہے سانس
مقتل میں وہ چڑھائے ہوئے آستیں رہے

رندانِ پاکباز کو پہنچائیں گے ثواب
کورے گھڑے میں شیر رہے انگبیں رہے

او رہنے والے دل کے تجھے دل سے کام ہے
میری نگاہ کیوں سوئے عرشِ بریں رہے

زورِ جنوں ملا ہے یہاں آ کے خاک میں
دیکھ نہ آسماں سے لحد کی زمیں رہے

بے قید شاعری سے یہ امید اب کہاں
ملکِ سخن ریاضؔ کے زیرِ نگیں رہے

اے بامِ یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے
اے بامِ یار۔ عرش کا تجھ پر گمان ہے

جو اس بہشت زار میں ہے وہ جوان ہے
یہ میکدہ نہیں ہے نیا اک جہان ہے

کس کا ہے بام اور ہی کچھ اس کی شان ہے
یہ آسمان کوئی نیا آسمان ہے

ہو مان کا جو پان تو ٹکرا ابھی ہے بہت
اب وہ گلوریاں ہیں نہ وہ خاصدان ہے

یہ وہ نہیں جو دیدہ و دل میں سما سکیں
فتنے بھی کہہ رہے ہیں قیامت اُٹھان ہے

پینے کا یہ اثر ہے وہ کوثر کی ہو نہ ہو
پاکیزہ شستہ صاف ہماری زبان ہے

آتا ہے یاد وصل میں کہنا کسی کا ہائے!
موت ایسی رات کو مری آفت میں جان ہے

نادان دل سہی میری اُنھیں لطف ہے بہت
اس دوستی میں جان کا اپنی زیان ہے

قسمت کی بات کوئی ہیں پوچھتا نہیں
اُردو کا آج ملکِ دکن قدردان ہے

سُنتا ہوں یاد کرتے ہیں مجکو جنابِ شادؔ[1]
کیا میرے دوستوں کا غلط یہ بیان ہے

[1] مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب شادؔ وزیر دکن بالقابہٗ

دو چار سال کے لئے ہو جائے روک تھام ‏ ‏ کوئی اسے سنبھال لے گرتا مکان ہے

جب آ رہے زمین پر اپنا یہ قصرِ تن ‏ ‏ کیا اس کا اعتبار پُرانا مکان ہے

پی لے اگر بڑھاپے میں تھوڑی سی یہ ریاضؔ

دنیا پکار اُٹھے کوئی رعنا جوان ہے

او کوسنے والے اب دعا دے ‏ ‏ اتنا کہہ دے خدا شفا دے

قطرہ خمِ بادہ کا مزا دے ‏ ‏ شبنم مری پیاس تو بجھا دے

درماں کی طرح تڑپ مزا دے ‏ ‏ یارب مجھے دردِ لادوا دے

صیاد نہ باغ کی ہوا دے ‏ ‏ وہ دور سے آشیاں دکھا دے

یارب کیا شئے ہے دشتِ غربت ‏ ‏ اس کو مرے گھر کی تو فضا دے

سب میکدے میں ہیں اس سے خالی ‏ ‏ دل کو مرے بیخودی خدا دے

انگارے نہیں ہیں داغ دل میں ‏ ‏ دامن کی انھیں نہ تو ہوا دے

یہ دولتِ حسن و دولتِ عشق ‏ ‏ بس کی نہیں ہے جسے خدا دے

جنت میں بھی حشر میں بھی کام آئے ‏ ‏ تو ہاتھ سے جام اک پلا دے

سینہ یارب ہو طورِ سینا ‏ ‏ بجلی مرے دل کو تو بنا دے

میری شبِ غم کی صبح ہو جائے ‏ ‏ تو رُخ سے ذرا نقاب اٹھا دے

وہ تارِ نفس کہاں سے لاؤں ‏ ‏ ٹوٹے ہوئے دل کی جو صدا دے

گائیں وہ اسے ریاضؔ شرمائیں

تو رو کے یہی غزل سُنا دے

جامِ حق بیں میں مے ہوشربا دیتا ہے ‏ ‏ کوئی موسیٰ نہ ملے تجکو خدا دیتا ہے

ابھی جھوٹی جو کبھی مجھکو پلا دیتا ہے — لبِ ساغر لبِ ساقی کا مزا دیتا ہے

دل تو کیا مے در و دیوار ہلا دیتا ہے — بھیگتی رات میں کون آکے صدا دیتا ہے

کیفِ مے پیرِ مغاں اور بڑھا دیتا ہے — پینے والے کو وہ جب راہِ خدا دیتا ہے

شوخ نقشِ کفِ پا رنگِ حنا دیتا ہے — بن کے وہ مشعلِ راہ آگ لگا دیتا ہے

عکسِ رخ ہے کہ مے ہوشربا دیتا ہے — مے ساقی مجھے تو جام میں کیا دیتا ہے

جامِ گلگوں میں مے ہوشربا دیتا ہے — جو میسر نہیں "جم" کو وہ خدا دیتا ہے

میں سوئے طورِ کلیم اب جو کبھی جاتا ہوں — کوئی دل پر مرے بجلی سی گرا دیتا ہے

دل تو کیا ہے در و دیوار بھی ہل جاتے ہیں — کون آکر ترے کوچے میں صدا دیتا ہے

شوخ ادا بت کا تصور ہی کوئی اور نہیں — کعبۂ دل میں جو ناقوس بجا دیتا ہے

خون پانی کی طرح تو نے بہایا پھر بھی — خاک میں مل کے وہی بوئے وفا دیتا ہے

دل میں گھر کیوں نہ کرے مہندی لگی پاؤں کا نقش — سرِ تربت یہی وہ پھول چڑھا دیتا ہے

آشیاں پر مرے کیا گزری، مجھے کیا معلوم — کہیں صیاد گلستاں کی ہوا دیتا ہے

یاد آتی ہیں مجھے شوخ ادائیں تیری — کوئی آکر مجھے پیغامِ قضا دیتا ہے

رندِ درویش صفت ہی انھیں رندوں میں ریاضؔ

جو ملے اس سے، خدا سے وہ ملا دیتا ہے

رند قانع متواضع ہے خدا دیتا ہے — جب وہ پاتا ہی تو پیتا ہے پلا دیتا ہے

وسعتِ دل میں ہی اس کی یہ فراوانیِ لطف — مے کے دریا مے صحرا میں بہا دیتا ہے

میں سوئے طورِ کلیم اب جو کبھی جاتا ہوں — کوئی دل پر مرے بجلی سی گرا دیتا ہے

یادِ مے آئی مجھے اور سنا دوں اک شعر — کیفِ مے سے جو مجھے لطف سوا دیتا ہے

بیعت پیر مغاں کی ہے جو توبہ کرکے
یہی پانی مے گلگوں کا مزا دیتا ہے

صدر اعظم شعرا کو جو صلا دیتا ہے
شہ[1] کے صدقے میں وکیھوں مجھے کیا دیتا ہے

جود شہ ذیل میں ہو درج کہ جبریل کہیں
کوئی شاعر یہ گدا ہے جو صدا دیتا ہے

قدرت حق کا کرشمہ ہے سخاوت شہ کی
جس کو دیتا ہے مقدر سے سوا دیتا ہے

وہ خدائی کے لٹائے جو خزانے کم ہے
میر عثمان علی خان کو خدا دیتا ہے

وہ تو وہ شاد[2] جسے صدر بنایا شہ نے
جب وہ دیتا ہی سوا سے بھی سوا دیتا ہے

میں بلانوش ہوں پی جاؤں جو دریا پاؤں
مجھے گھر بیٹھے مے ہوش ربا دیتا ہے

قدرداں آج زمانے میں دکن ہے ورنہ
کون اب کس کو زمانے میں صلا دیتا ہے

شاد کے نام سے ہر رنج خوشی ہو کے ریاض
صدر اعظم کو شب و روز دعا دیتا ہے

جو پتھر ہو دل اس میں گھر کرنے والے
و نالے کہاں اب اثر کرنے والے

وہ سو کر الگ شب بسر کرنے والے
جگا کر انھیں ہم سحر کرنے والے

قفس سے یہ کہتی ہوئی نکلی بلبل
اڑیں مجکو بے بال و پر کرنے والے

یہ کیوں اشک آنکھوں کے تارے بنے ہیں
مژہ کو نہ دامن کو تر کرنے والے

نہ ہوں طور پر جا کے نیچی نگاہیں
سنبھل کر ذرا او نظر کرنے والے

جلائیں گے صیاد تیرے بھی گھر کو
قفس نذر برق و شرر کرنے والے

---

[1] ۔ شہر یار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

[2] ۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد دام اقبالہٗ

مجھے دیکھ کر بولے اُٹھ جائیں ڈرے — یہ دیوارِ زنداں کو در کرنے والے
ترا اک گنہگار بندہ ہوں میں بھی — کرم بھی ہے او درگزر کرنے والے
مصیبت شبِ غم کی آسان کردے — مری شامِ غم کو سحر کرنے والے
پسِ توبہ ساقی لبِ تر سے تیرے — لبِ خشک ہم بھی ہیں تر کرنے والے
شکن گیسوؤں کی نہیں، تیغ ہے یہ — کسے ہیں وہ زیبِ کمر کرنے والے
ریاضؔ اب تو مسجد میں گوشہ گزیں ہیں
وہ راتیں بتوں میں بسر کرنے والے

مئے کہن میں جھلک سی ہے کچھ جوانی کی — بہت ہی قدر ہی یاروں میں اس پرانی کی
گری ہے لے کے مجھی شاخِ آشیاں صیاد — خبر کسے تھی اس افتادِ ناگہانی کی
سنی ہیں ہم نے بھی موسیٰ سے جو ہوئیں باتیں — سنی ہے ہم نے بھی آوازِ لنترانی کی
زیادہ عمر سے دوں طولِ فردِ عصیاں کو — ملے تو قدر کروں عمرِ جاودانی کی
چھلکتا ساغرِ گلگوں ہوا یہ بھری بوتل — وہ دن شباب کا یہ رات ہی جوانی کی
کسی کے نقشِ قدم پر جبیں کا بوجھ پڑا — ہمارے سجدے ہوئے وجہ سرگرانی کی
مرا شباب یہ سنوار رہا ہے مرنے پر — ارے یہ موت نہیں نیند ہے جوانی کی
نہ ابر ہو تو گزر جائیں سایۂ خم میں — وہ دن شباب کے راتیں وہ ہیں جوانی کی
شرابِ تند کا خوگر ہوں کیا کیا ساقی — مری شراب بھی پانی ملا کے پانی کی
چھلکتے جام میں ساقی ذرا نمایاں کر — جو کھینچ کے آئی ہی تصویر ہے جوانی کی
ریاضؔ رات کو مسجد میں اب نہیں ملتے
بتوں کے کوچے میں خدمت ہی پاسبانی کی

سودائے علیؓ ہے مجھے سودائے علیؓ ہے — گم جس میں ہوں اے خضر وہ صحرائے علیؓ ہے

ہیں جہر بلب ہر بُنِ مو بہرِ اناالحق — کس ضبط کا کس ظرف کا دریائے علیؓ ہے

ہیں کوثر و تسنیم رواں سائے میں جس کے — یہ طوبیٔ جنت ہے کہ مینائے علیؓ ہے

قسمت مری کس نور سے روشن ہے مری آنکھ — پُتلی نہیں یہ نقشِ کفِ پائے علیؓ ہے

دیکھا جو مجھے سب نے کہا دل میں دمِ حشر — یہ کون ہے کوئی نہیں جویائے علیؓ ہے

ملتا ہوں تصور میں ہر اک تلوے سے آنکھیں — آنکھیں ہیں مری اور کفِ پائے علیؓ ہے

کیوں والہ و شیدا ہے جہاں نام پر اُس کے — عثمانِ علی خاں کوئی شیدائے علیؓ ہے

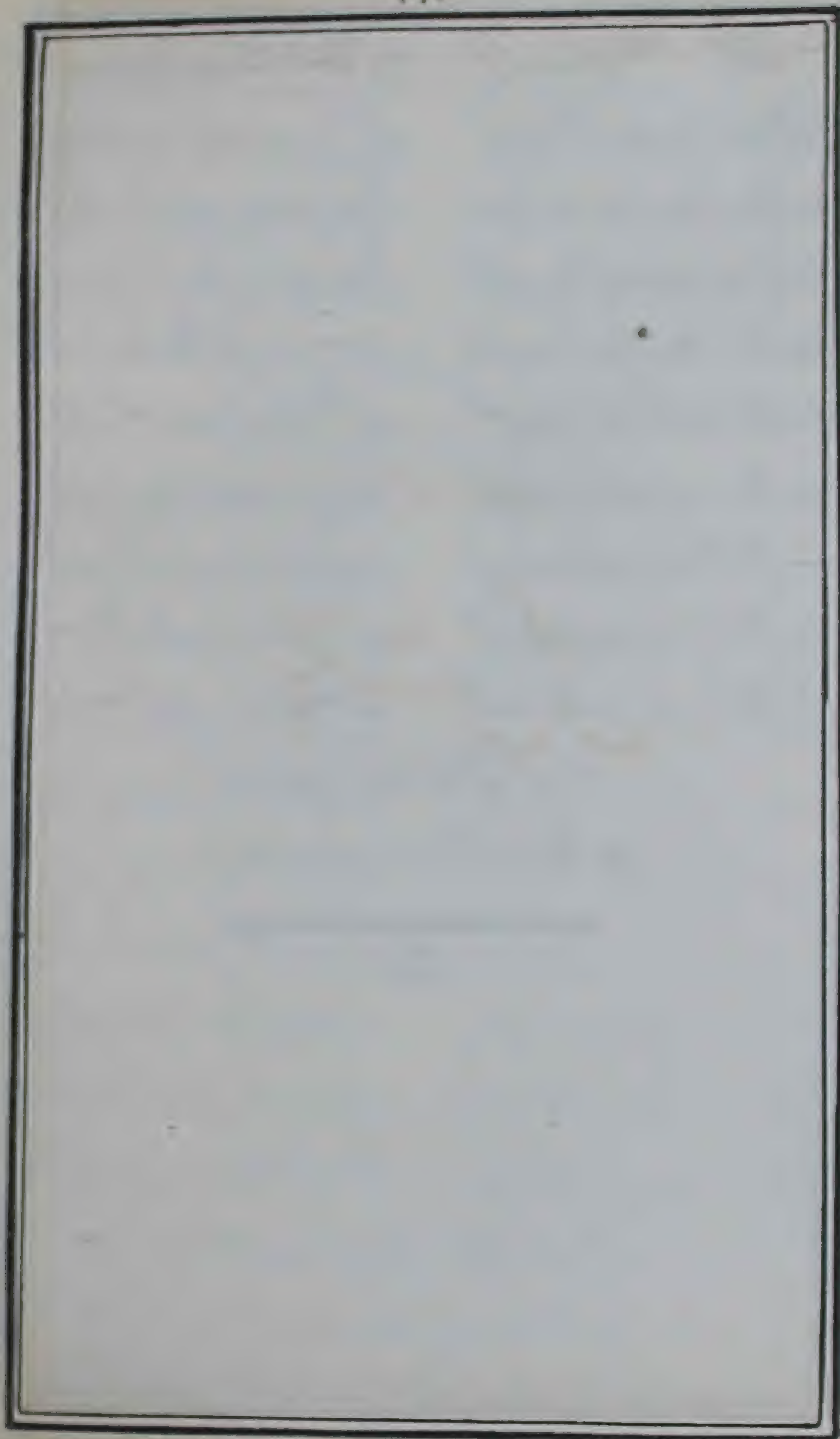
تاج سرِ عثمان ہے اللہ کا سایہ — اس کے لئے کچھ اور ہی منشائے علیؓ ہے

ہو سایہ فگن تاجِ خلافت ترے سر پہ — عثمانِ علی خاں یہی ایمائے علیؓ ہے

ایسا ہے تو کیا چیز ہے یہ تختِ خلافت — نہ کرسیٔ افلاک تہِ پائے علیؓ ہے

آئینۂ وارثؒ ہے ریاضؔ آپ کا سینہ
دل سینہ میں ہے دل میں تمنائے علیؓ ہے

تمت



حصّہ دوم

آتشِ گُل

باسمہٖ سبحانہٗ

آغازِ کلام

بنام

ذوالجلالِ والاکرام

ترانۂ حمد

مثنوی

مالک مرے! بے نیاز ہے تو　　مالک مرے! کارساز ہے تو
سب سے بالا ہے بات تیری　　ہے شرک سے پاک ذات تیری
طاقت تیری ہے زور تیرا　　ملتا نہیں اور چھور تیرا
ذرے میں سما جائیں حکم پاکے　　چودہ طبق ارض کے سما کے
قدرت کے کرشمے ہیں یہ سارے　　ایک آنکھ کے تل میں لاکھ تارے

اُٹھے جو پلک تو سب نظر آئیں — جھپکے جو پلک تو پردے پڑ جائیں
گر کر نہ سمائیں بحر و بر میں — گردش کرتے ہیں سب نظر میں
بیروں ز قیاس حالت ان کی — اللہ اللہ جسامت اُن کی
با ایں ہمہ گم ہیں وہ فضا میں — ذرے اڑیں جس طرح ہوا میں
تارے چھوٹے ہیں یا بڑے ہیں — کیسے چکر میں سب پڑے ہیں
ظاہر میں وجود کچھ نہیں ہے — بے شب کے نمود کچھ نہیں ہے
ہر رنگ کا تو ہے چہرہ پرداز — اسباب و علل ہیں سب ترے راز
کیسی کشش؟ اور کیسا چکر؟ — کیسا مرکز؟ کہاں کا محور؟
ہلتے بھی نہیں جگہ سے اپنی — اقطابِ جنوبی و شمالی
قطبین نے کس طرح ہیں دابے — اس عرضِ وسیع کے کنارے
پھولی ہوئی بیچ میں ہے پھولے — ہے جھول رہی زمین، جھولے
تحقیقِ قدیم پیچ در پیچ — تحقیقِ جدید بھی ہے سب ہیچ
جو تو نے کیا وہ ہو رہا ہے — جو حکم دیا وہ ہو رہا ہے
سب کی ہے بساط کُن کے دو حرف — حیران ہے عقل سُن کے دو حرف
تو چاہے تو ہر حبابِ دریا — کوزے میں بھرے سب آبِ دریا
تو چاہے تو سنگ پھول پھل دے — ہو حکم ترا تو لعل اُگل دے
خاک اُڑتے ہی موجِ آب بن جائے — دریائے رواں سراب بن جائے
ہو جائے اگر ترا اشارہ — ہو جائے زمین پارہ پارہ
خود پھینک دے ثقلِ اندرونی — نیچر کی رہے نہ رہنمونی

ہو اور ہوا، ہوا بدل جائے — فطرت کا بھی اقتضا بدل جائے

گلزار ہو، گُل ہو، رنگ و بو ہو — بے قوتِ نامیہ نمو ہو

جو ہے یہی روز و شب نظر آئے — کچھ بھی نہ ہو اور سب نظر آئے

تو چاہے تو اور طور ہو جائے — دنیائے عناصر اور ہو جائے

بیکار ہے فکر و سعیٔ اثبات — ظاہر ہیں امورِ فوقِ عادات

قدرت تو تیری ہے تیری حکمت — معلول کوئی، نہ کوئی علت

جلوے سے ترے جہاں ہے معمور — ذرّے ذرّے میں ہے ترا نور

پنہاں رہ کر بھی تو عیاں ہے — ہر شئے سے عیاں ہی پھر نہاں ہے

آنکھوں سے یہاں جو تجھ کو دیکھیں — آنکھیں وہ کہاں، جو تجھ کو دیکھیں

پردوں میں ہے نور، نور میں تو — جلووں میں ہی تو ظہور میں تو

وہ نور کے بے شمار پردے — کیسے ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) پردے

گو پردوں میں لاکھ تو نہاں ہے — جلوہ پھر بھی ترا عیاں ہے

اے پردہ نشینِ پردۂ نور — تو پردہ نما ہوا سرِ طور

تو نور جو ہر نگاہ میں ہے — پردہ تری جلوہ گاہ میں ہے

خود نور کے ہیں حجابِ عارض — خود نور کی ہے نقابِ عارض

ہر شئے کو محیط ہے تری ذات — جو پا گئے، پا گئے تری بات

جو پا گئے تجھکو کھو گئے وہ — بیدار ہوئے تو سو گئے وہ

شاہد یہی بے خودی ہے "تیری" — جب پردے اٹھے "خودی" ہے تیری

یہ دونوں جہاں طلسم بندی — سب کون و مکاں طلسم بندی

اک "تو" ہے دوسرا "نہیں" ہے "کوئی" تیرے سوا "نہیں" ہے
ہم ہیں منصور کا ترانہ فصلِ "من و تو" غلط فسانہ
ہو جائے نہ اعتراض کوئی
بات اب نہ کہو ریاضؔ کوئی

قطعہ

محتاج ترا ہوں کیسۂ زر دیدے مدّاح ترا ہوں لعل و گوہر دیدے
کچھ کم نہیں میکدے سے تیرے ساقی! تھوڑی سی مجھے شرابِ احمر دیدے

بہ تقریب تشریف آوری اعلیٰحضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

دھوم ہے دھوم کہ سلطانِ دکن آتے ہیں شور ہے شور کہ خاقانِ دکن آتے ہیں
لکھنؤ خسروِ ذی شانِ دکن آتے ہیں اس پرستان میں سلیمانِ دکن آتے ہیں
شہپرِ چتر ہما سایہ فگن ہے سر پہ
کس تکلف سے ہما سایہ فگن ہے سر پہ
آئینہ دار سکندر گئے و دارا دربان بوسہ لینے کو جھکے سوئے قدم تاج کیاں
دیکھے نیچا، جو کرے دعوئے رفعت کیواں کرّ و فر وہ ہے کہ ہو فرِ فریدوں قرباں
جھومتا، سایہ کناں ابرِ کرم آتا ہے
ہاتھ میں جام لئے ساتھ وہ جم آتا ہے
کچھ ثریا سے بھی اونچا نظر آتا ہے نشاں عکس پرچم ہی جسے کہتے ہیں سب کاہکشاں

وسعتِ چرخ میں پھیلا ہی جلوسی ساماں — اونچے اونچوں میں ہی ماہی و مراتب کا بیاں
جگمگاتے ہیں پڑے چتر میں سورج کتنے
نظر آتے ہیں جڑے چتر میں سورج کتنے

زلزلے میں ہی زمیں جس سے وہ صولت ہمراہ — کانپے مریخِ فلک جس سے وہ سطوت ہمراہ
شان ہر وقت بڑھے جس سے وہ شوکت ہمراہ — نہ لٹانے سے کبھی کم ہو وہ دولت ہمراہ
سب جلو میں اثر انداز ہیں تا حدِ کمال
خدم و جاہ و حشم شان و شکوہ و اقبال

فرشِ راہ بننے کو ہیں خاک کے ذرّوں میں نہاں — اخترِ بختِ شہاں تختِ شہاں تاجِ شہاں
رنگ لانے کو ہی گل رنگِ شفق کا داماں — رتی تاروں کی چمک جانے کو ہی آج کہاں
بادپا پر یہ ہوا کے جو سوار آیا ہے
آبپاشی کے لئے ابرِ بہار آیا ہے

صاف آوازیں ہیں نقاروں کی دھوکے کیسے — کیسی پُر شور ہوا زور کے جھونکے کیسے
کیسے فراٹے نشانوں کے پھریری کیسے — کیسی گنبد کی صدا چرچے ہیں اُس کے کیسے
بولتا یوں جو ہے دوں دوں کوئی نقارہ ہے
کہکشاں چوب ہی گردوں کوئی نقارہ ہے

بج رہا ہے شہِ ذیجاہ کا ڈنکا کیسا — چونک اُٹھتے ہیں سرافیل یہ دھوکا کیسا
منہ کو آتا ہے یہ دشمن کا کلیجا کیسا — دوستوں میں ہی ہر اک چوب کا چرچا کیسا
یہ وہ آواز ہے جو عرشِ بریں تک پہنچے
نیل گاوِ فلک و گاوِ زمیں تک پہنچے

ایسی سرکار نہیں کوئی بھی سرکاروں میں — ایسا دربار نہیں کوئی بھی درباروں میں
اونچے اونچے ہیں یہاں غاشیہ برداروں میں — گنتی ہی چودھویں کے چاند کی بھی تاروں میں
نظر آتے ہیں بنائے ہوئے سج دھج کتنے
ایسے گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں سورج کتنے

آمد آمد ہے عجب ولولہ انگیز آمد — کبھی دیکھی نہ ریاضؔ ایسی اثر خیز آمد
کیسی دُرپاش و درافشاں و گہر خیز آمد — کاش ہو بہرِ اودھ مصلحت آمیز آمد
لطف ہو بخت اودھ بختِ دکن ہو جائے
سیر ہو تختِ اودھ تختِ دکن ہو جائے

غزل

متعلق بہ نظمِ مسطورہ بالا

عثمان علی خاں کو جو سودائے علیؑ ہے — دل ہر بُنِ ہو وسعتِ دل جائے علیؑ ہے
سودائے علیؑ ہے اُسے سودائے علیؑ ہے — ہوں خضر بھی گم جس میں وہ صحرائے علیؑ ہے
ہیں کوثر و تسنیم رواں سائے میں جس کے — وہ طوبیٔ جنت نہیں مینائے علیؑ ہے
کیا آنکھ ہے؟ کس نور سے روشن ہوئی یہ آنکھ — پتلی نہیں یہ نقشِ کفِ پائے علیؑ ہے
دیکھا جو اسے سب نے کہا دل میں دمِ حشر — یہ کون ہے؟ کوئی نہیں اجیائے علیؑ ہے
کیوں والہ و شیدا ہے جہاں نام پر اُس کے — عثمان علی خاں کوئی شیدائے علیؑ ہے
تاجِ سرِ عثمان رہے اللہ کا سایہ — اُس کے لئے کچھ اور ہی منشائے علیؑ ہے

آئینۂ وارث ہے ریاض آپ کا سینہ
دل سینے میں ہے دل میں تمنائے علیؑ ہے

ہو سایہ فگن تاجِ خلافت ترے سر پر
عثمان علی خاں! یہی ایمائے علیؑ ہے

ایسا ہے، تو کیا چیز ہے، یہ تختِ خلافت
نہ کرسیٔ افلاک، ترِ پائے علیؑ ہے

انتخاب

میری دیوان کو ہاتھوں ہاتھ لیتی مجھ سی بھی بڑھ کر
دکن میں کتنی میری قدر میری قدرداں کرتے

جلیل و جوش و ہوش و حضرتِ اختر سے ہم ملتے
بنا کر نقدِ جاں دیوان نذرِ دوستاں کرتے

حضوری ہوتی جس دم بارگاہِ صدرِ اعظم میں
ہمارے پاس کیا تھا نذرِ جانِ ناتواں کرتے

شرف کچھ کم نہ تھا یہ صدرِ اعظم ہاتھ رکھ دیتے
دعا سو جان سے ہم بہرِ عمرِ جاوداں کرتے

نئے سر سے جوانی پاتے، جانِ تازہ مل جاتی
غمِ فردا نہ رہتا شاد اتنا شادماں کرتے

ہمارے درد کا درماں ہمیں گھر بیٹھے مل جاتا
ہماری چارہ سازی چارہ سازِ بیکساں کرتے

ریاض آسان ہو جاتا ہمیں گھر بیٹھے حج کرنا
کوئی دن اور بھی ہم خدمتِ پیرِ مغاں کرتے

غزل

جو اس بہشتِ زار میں ہے وہ جوان ہے
یہ میکدہ نہیں ہے نیا اک جہان ہے

قسمت کی بات کوئی ہمیں پوچھتا نہیں
اردو کا آج ملکِ دکن قدردان ہے

سنتا ہوں یاد کرتے ہیں مجھ کو جنابِ شاد
کیا میرے دوستوں کا غلط یہ بیان ہے

دو چار سال کے لئے ہو جائے روک تھام
کوئی اسے سنبھال لے گرتا مکان ہے

جب آرہے زمین پر اپنا یہ قصرِ تن
کیا اس کا اعتبار؟ پرانا مکان ہے

پی لی اگر بڑھاپے میں تھوڑی سی لے ریاضؔ
دنیا پکار اُٹھی کوئی رعنا جوان ہے

قطعۂ تاریخِ وصالِ پر ملالِ خدائے سخن حضرت امیرِ مینائی رحمۃ اللہ علیہ

اُستادِ تاجدارِ رام پور خلد اللہ ملکہٗ

یہ آج ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں کیسا؟
کہ دیکھنے میں پرانا تھا یہ چرخِ کہن

نہ کہنگی تھی، نہ بوسیدگی کہیں سے عیاں
کہ میں کہوں کسی بیکس کا گنبدِ مدفن

نہ میں نے نالہ کیا تھا کوئی فلک فرسا
نہ آہ نکلی تھی منہ سے کوئی سپہر شکن

مری فغاں سے پڑا تھا کبھی نہ اس میں شگاف
نہ میں نے کھولے تھے اپنے لب و زبان و دہن

ضرور پیش اسے آئی کچھ نئی اُفتاد
خمیدہ تھا ہی، بری طرح ڈال دی گردن

نگاہِ یاس کو بھی کچھ کرید تھی نہ خلش
گرے ہیں ٹوٹ کے تارے، پڑے ہیں کیوں روزن

نہ مہر و ماہ سے ان بن تھی چشمِ حسرت کو
یہ کیا ہے پھوٹ بہے اس کے دیدۂ روشن

بہت ہی خون بہایا ہے پھوٹی آنکھوں سے
شفق ہی یا ہے لہو سے رنگا ہوا دامن

شکستِ چرخ کی آواز ہے کہ رعد کا شور
چمک ہے درد کی یا صاعقہ ہے شعلہ فگن

یہ کشت زارِ فلک ہے کہ شعلہ زار کوئی
کہاں کا خوشۂ پروین؟ کہ پھنک گیا خرمن

یہ کہکشاں ہے کہ بامِ فلک سی بم پھوٹی
لپک یہ آگ کی ہے یا شفق کا ہی دامن

لپک ہے شعلوں کی ہی اور آسماں کا سماں
ہزاروں اختر دنبالہ دار ہیں روشن

یہ چھینٹے ابر کے جلتے توے کی بوندیں ہیں
کہ بڑھ کے آگ نے اب تھام لی ہے سقفِ کہن

یہ سیر کیا ہے کہ سیارے سب ہیں چکر میں — رہے نہ نام کو ثابت، ثوابتِ روشن
نہیں ہیں تارے، دہکتے ہوئے ہیں انگارے — یہ کیا ہوا! طبقِ چرخ بن گیا گلخن
بجائے خود یہ فلک ہے کہ راکھ کا کوئی ڈھیر — نہیں ستارے یہ چنگاریاں ہیں کچھ روشن
یہ کیسی پھر گئی جھاڑو فلک کی صورت پر — ضیائے ماہ نہ سورج کی زرنگار کرن
نہ لالہ زارِ شفق ہے نہ اب وہ رنگ نہ روپ — نہ کہکشاں میں حسینوں کی مانگ کا جوبن
جلے ہوئے پرِ پروانہ ہیں کہ پرویں ہے — یہ ماہِ ہالہ نشیں ہے کہ گل ہے شمعِ لگن
عجیب ہے یہ تغیرِ فلک کی حالت میں — اسی کے جسم کے روئیں اسی کے ہیں دشمن
دھنک کے قوسِ قزح نے یہ رکھ دیا اس کو — کہ بن کے روئی کے گالے اڑا ہے چرخِ کہن
زمین میں ہو سمائی سما کی، ناممکن — نئی زمین یہ ڈھونڈھے کہیں نئے مدفن
نہ تیرہ ابر کا ٹکڑا، نہ تیرہ غار کوئی — رہے ہمیشہ یونہی اب بغیرِ گور و کفن
خراب چرخِ بد اختر کی کیوں نہ ہو مٹی — برائیوں کا ہی پتلا، برا ہے چال چلن
اسی کے چلتے قیامت کا سامنا تھا آج — نہ تھا یہ دور کہ ہو صورِ حشر شور فگن
فلک کا ٹوٹ کے گرنا نہیں، تو یہ کیا ہے! — ہمارے سر سے اٹھا سایۂ خدائے سخن
نہ ہوگا اس سے سوا حادثہ قیامت خیز — زمین شق ہوئی، ٹکڑے ہوا ہے چرخِ کہن
یہ چپ جہانِ سخن ہے، کہ جیسے جان نہیں — امیرِ جانِ سخن تھا امیرِ جانِ سخن
نظامِ عالمِ تکویں میں پڑ چکا تھا فرق — ہوئے نظامِ جہاں کا سبب نظامِ دکن
یہ کس کا نام الٰہی زبان پر آیا — فدائے نامِ مبارک لب و زبان و دہن
شہِ شہانِ جہاں خسروِ فریدوں فر — بہ فرقِ تاج، و نگہباں پئے زمین و زمن
اسی کا نامِ مبارک جہاں میں ہے محسن — فدائے نامِ دل و جان و کام و نطق و دہن

یہ ہے اثر کہ اگر لے ذرا قدم جھک کر
جواں ابھی نئے سر سے ہو پیرِ چرخِ کہن

جو چاہیں اُس کے ہوا خواہ مرتبۂ دنیا
غبارِ راہِ فلک ذرہ ہو مہِ روشن

وہی نبی کا ہے نائب وہی ہے ظلِ اللہ
اُسی کے سائے سے چودہ طبق ہوئے روشن

اُسی کی ذات سے ظلمت ہے کفر کی کافور
اُسی کے ہاتھ سے ہے شمع دین کی روشن

اسی کے نام کے ڈنکے بجے ہیں عالم میں
اُسی کے نام کے سکے کا ہر طرف ہے چلن

اسی کے نور سے ہر ذرہ تابناک ہے آج
اُسی کے نور سے گھر گھر چراغ ہے روشن

اثر یہ جود کا شرق و شمال و غرب میں ہے
کہ کھینچ رہا ہے دکن کی طرف ہر اک دامن

لکیریں ہاتھ کی جود و سخا کی نہریں ہیں
ہمیشہ آبِ گہر جوش زن ہے موج فگن

رہی نہ قدر زمانے میں ابرِ نیساں کی
رہا نہ بحرِ عدن میں اب ایک دُرِّ عدن

لٹائے گنجِ زر اتنے بلند ہاتھوں سے
نہیں ستارے پُر آور ہے چرخ کا دامن

لٹائے درہم و دینار جس قدر اُس نے
نہ ذرّے اتنے نہ قطرے نہ دانۂ خرمن

اسی سے کوڑیوں کے مول اب جواہر ہیں
نہ قدرِ لعلِ بدخشاں نہ قدرِ لعلِ یمن

زمیں کا پیٹ خزانوں سے بھر دیا اُس نے
کہ لے کے نکلے زرِ گل جو نکلے نخلِ چمن

زمین لعل و گہر اُگلے وہ جدھر گزرے
جہاں ہو نقشِ قدم وہ جگہ بنے معدن

یہی نہیں کہ پہاڑوں کی جھولیاں بھر دیں
دُرِ خوش آب سے دریا کا بھر دیا دامن

میں وہ کہ عار ہر اک سے مجھے خدا کے سوا
عجب نہیں کفِ سائل بنے مرا دامن

اسی کی مملکتِ نظم میں بھی شاہی ہے
وہی ہے آج زمانے میں قدردانِ سخن

نظر سے گزریں جو یہ بے بہا دُرِ اشعار
بھرے وہ لعل و گہر سے ابھی مرا دامن

اُسی نے داغ کو اُستاد کا دیا رتبہ
اُسی کا بندۂ احساں بنا خدائے سخن

اُسی کی قدر شناسی نے یہ اثر ڈالا — ہوا امیرؔ سا استاد رہ نوردِ دکن
اثر نہ ضعف کا، پروانہ عمرِ آخر کی — نہ شکوہ سنجئ غربت، نہ دل میں یادِ وطن
پہنچ گیا درِ محبوب پر تو پھر کیا تھا ؟ — بنی تھی موجِ تبسم، جبیں کی تھی جو شکن
حضورِ شادؔ کی بیتابیاں وہ بادلِ شاد — جنابِ داغؔ کے قبضے میں، یار کا دامن
ہجومِ خلق نے کیا کیا جگہ دی آنکھوں پر — جھکا کوئی کہ جبینِ نیاز ہو روشن
امیرؔ، وجوشِ طرب اور ہنستی پیشانی — وہ نور چہرے کا، وہ انکسار، خُلقِ حسن
وہ جانتے تھے کہ رہنا پڑے گا محشر تک — کہ مجھکو کھینچ کے لائی ہے خاکِ پاکِ دکن
مآل پر تھی نظر اپنی جان ہی دے دی — کہ ہو دیار میں محبوبؔ کے مرا مدفن
وہی دیار وہی کوچۂ درِ محبوب — چھٹا نہ دامنِ محبوب و سایۂ دامن
لگی ٹھکانے دکن میں امیرؔ کی مٹی — عجب نہیں سرِ گردوں ہو گنبدِ مدفن
کلس نہ ڈوبکے رہے مہر و مہ سے گنبد کا — جہاں میں اور بھی نامِ امیرؔ ہو روشن
نہیں امیرؔ تو کیا اخترؔ و جلیلؔ تو ہیں — سروں پر ان کے رہے شہ کا سایۂ دامن
خدا کرے کہ امیر اللغات چھپ جائے — ادا زبان کرے شکرِ شہر یارِ دکن
تمام عمر رہے گا امیرؔ کا ماتم — مٹائے مٹ نہیں سکتا کبھی یہ رنج و محن
تڑپ رہا ہوں کہ قبرِ امیرؔ تک پہنچوں — دکن سے دور ہوں میں اور دور مجھ سے دکن

رہے یہ سال سرِ قبرِ بے دیارِ امیرؔ
فقیر کوچۂ محبوب امیرِ ملکِ سخن
۱۰ ھ ۱۳

تاریخِ انتقالِ پُرملال جناب نواب فصیح الملک بلبلِ ہندوستان

نوابِ میرزا خان داغؔ دہلوی شاگردِ ذوقؔ مرحوم

ہے قیامت داغؔ کا مرنا ریاضؔ
شورِ ماتم آج ہر محفل میں ہے

گوشۂ محمل بنا ہے کُنجِ گور
بند لیلائے سُخن محمل میں ہے

اُٹھ گیا شاہنشہِ ملکِ سُخن
خامشی بزمِ شہِ عادل میں ہے

غم سے گویا بن گئی ہے جان پر
غم زدوں کی جان کس مشکل میں ہے

دل کو بھی دیکھو! جگر کو دیکھ کر
اور بسمل پہلوئے بسمل میں ہے

پھیر لائے اس مسافر کو کوئی
وہ ابھی تو پہلی ہی منزل میں ہے

آئی ہے کس کو مٹانے؟ داغؔ کو؟
لطف اجل کو سعیٔ لاحاصل میں ہے

زندہ جس کا نام ہے، مرتا نہیں
راستی اس دعویٔ باطل میں ہے

داغ مٹتا ہے مٹانے سے کوئی
وہ فروغِ شمع ہر محفل میں ہے

اے لحد! تو چاند پر ڈالے گی خاک
داغ آغوشِ مہِ کامل میں ہے

کیا چھپانے سے تری چھپ جائے داغؔ
وہ نہاں تجھ میں عیاں دل میں ہے

وقت پر آنکھیں چرانا اے لحد!
یہ بُرائی تیری آب و گل میں ہے

مر کے بھی پیشِ نظر ہے شکلِ داغؔ
آنکھ کہتی ہے "وہ میرے تل میں ہے"

کہہ رہا ہے مصرعِ سالِ وفات

اے لحد! اب داغؔ لاکھوں دل میں ہے

۱۳ ھ ۲۲

تاریخِ طبعِ دیوان موسوم بہ "تاجِ سخن" مؤلفہ جنابِ جلیل القدر حافظ

جلیل حسن صاحب جلیل شاگردِ حضرت امیر مینائی اُستادِ اعلیٰحضرت میر عثمان علی خان بہادر

سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ

جلیل اُستاد کے تم جانشیں ہو تمہیں کہتے ہیں ہم استادِ فن بھی
طبیعت میں وہی استاد کا رنگ وہی شوخی وہی لطفِ سُخن بھی
عجب بندش، عجب ترکیبِ اشعار وہی اشعار میں ہے بانکپن بھی
اثر انداز ہے نکھرا ہوا رنگ عنادل بھی فدا صدقے چمن بھی
مسلسل نظم کی لے گی بلائیں جھکی پڑتی ہے زلفِ پرشکن بھی
امارت بھی ملی ملکِ سُخن کی ہوئے اب صاحبِ تاجِ سُخن بھی
سمجھتا ہے تمہیں سرمایۂ ناز ریاضِ خوشنوا شیریں سُخن بھی
تمہیں یکتا سمجھتا ہے زمانہ تمہارے معتقد ہیں اہلِ فن بھی
تمہیں سب جانتے ہیں، مانتے ہیں نہ اہلِ لکھنؤ، اہلِ دکن بھی
تمہارے قدرداں ہیں آصفِ شاد وزیرِ ملک بھی شادِ زمن بھی
مبارک ہو درِ آصف کے سجدے مبارک ہو تمہیں تاجِ سُخن بھی

۱۰ ۶ ۱۹

تاریخ طبع دیوان موسوم بہ "جانِ سُخن" تصنیف جناب جلیل القدر حافظ جلیل حسن صاحب بہادر

شاگردِ خدائے سُخن حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ استادِ اعلیٰ حضرت

میر محبوب علی خاں مرحوم سلطانِ دکن

خوب چھپا تازہ کلامِ جلیل کیوں نہ کہیں سب اسے "جانِ سُخن"

مستند اس کے لئے قولِ ریاضؔ — جانِ سخن، جانِ جہانِ سخن
فیض رساں ساقیٔ مینا پرست — مغبچے ہیں پیرِ مغانِ سخن
لیں اسی میخانے سے اب خم کے خم — بادہ فروشانِ دکانِ سخن
جانِ سخن! تجھ میں ہے شانِ امیرؔ — جانِ سخن! تجھ میں ہے شانِ سخن
جانِ سخن! تو نے بچایا اسے — ورنہ مٹا ہی تھا نشانِ سخن
جانے کو تھی باغِ سخن کی بہار — جمنے کو تھا رنگِ خزانِ سخن
داغوں کے تھے باغ کھلے بعدِ داغؔ — کس سے کہوں؟ دردِ نہانِ سخن
کس سے کہوں؟ کون بنا؟ بعدِ داغؔ — چارہ گرِ دردِ نہانِ سخن
رہ گئے ہم گردِ پسِ کارواں — نقشِ کفِ راہروانِ سخن
نقشِ کفِ پا بھی نہیں نقشِ آب — خاک سرِ آبِ روانِ سخن
آنکھ میں دے کون جگہ؟ خاک کو — کوئی نہیں مرتبہ دانِ سخن
جھوٹ ہے یہ کوئی نہیں رتبہ دان — ہیں ابھی کچھ مرتبہ دانِ سخن
پیشِ نظر قدرِ جنابِ جلیلؔ — دے گا ترقی ابھی جانِ سخن
لطفِ بیاں شاہدِ معنی کی جان — جانِ سخن کیوں نہ ہو جانِ سخن
جانِ سخن نے نئی پھونکی ہے روح — بڑھ گئی ہے تاب و توانِ سخن
وصف میں اشعار کے تاریخ ہے — ہیں وہ سبھی روحِ روانِ سخن

جن لئے چبھتے ہوئے شعر اسے ریاضؔ
دل میں ہے اب نشترِ جانِ سخن

۱۶ ۶ ۱۹

حسب فرمائش افتخار الملک مضطر مرحوم

آنجہانی مہاراجہ گوالیار کے ولی عہد جانشین مہاراجہ حال بالقابہ کی ولادت تہنیت میں

وہ پو پھوٹی کھلا ہر میکدے کا در مبارک ہو
طلوعِ صبحِ عشرت اے شہِ خاور مبارک ہو

نظر کیونکر نہ خیرہ ہو وہ چمکے سینکڑوں سورج
وہ چھلکے جامِ پُر زر جلوۂ ساغر مبارک ہو

وہ بھڑکی آتشِ تر موج مے اُٹھی شرر بنکر
نئی آتش نیا شعلہ نیا اخگر مبارک ہو

لگی ایسی اُٹھی لو بن کے سورج بامِ گردوں سے
خمِ گردوں نیا تجھ کو یہ جامِ زر مبارک ہو

شفق کا دامنِ رنگیں لپیٹ ہی آتشِ تر کی
مبارک ہو فروغِ بادۂ احمر مبارک ہو

زمیں! تجھ کو مبارک ہو بہارِ لالۂ احمر
فلک! تجھ کو شفق گوں نور کی چادر مبارک ہو

یہ ساغر ہے کہ سورج ڈوب کر نکلا خمِ مے سے
کرن سورج کی تجھ کو اے خطِ ساغر مبارک ہو

ابل کر خمکدے میں مے خمِ گردوں سے آئی گی
خمِ مے! تجھ کو جوشِ بادۂ احمر مبارک ہو

شفق مے چرخ مینا آفتابِ صبح ساغر ہے
نئی صہبا نیا مینا نیا ساغر مبارک ہو

وہ تارے جھلملائے وہ سپیدہ صبح کا چمکا
تجھے اے صبح! خوابِ دیدۂ اختر مبارک ہو

یہ کیا ہے خسرو و پرویز و جم اُٹھ اُٹھ کے آئے ہیں
تجھے اعجازِ عیسیٰ اے لبِ ساغر مبارک ہو

اری او قلقلِ مینا! یہ تو نے صور پھونکا ہے؟
درِ میخانہ پر ہنگامۂ محشر مبارک ہو

یہ دخترِ رز نے پائے موج سے ٹھکرا دیا شاید
عدم والو! قیامت کی تمہیں ٹھوکر مبارک ہو

یہ حشر اُس کے خرامِ ناز کا ادنیٰ کرشمہ ہے
مبارک ہو تمہیں یہ فتنۂ محشر مبارک ہو

بہت ملتی ہے موجِ مے نگاہِ مستِ ساقی سے
اتر جائے جو خود ہی دل میں وہ نشتر مبارک ہو

روانیِ موجِ مے کی میکشوں سے صاف کہتی ہے
جو پھر جائے گلے پر خود ہی وہ خنجر مبارک ہو

وہ خنجر ہو کہ نشتر ہو حیاتِ جاوداں بخشے
اثر ہو جس کے موجِ مے میں وہ ساغر مبارک ہو

بطِ مے نے پرِ پرواز یہ کیسے نکالے ہیں؟
ابھر کر موجِ مے کہتی ہے بال و پر مبارک ہو

زمیں سے آسماں تک جلوہ گاہِ دخترِ رز ہے
مہ و خورشید کو بھی گردشِ ساغر مبارک ہو

حرم بھی دیر بھی ہے جلوہ گاہِ دخترِ رز میں
نیا عالم نیا جلوہ، نیا ساغر مبارک ہو

جو آئے پاک جلوہ آکے دیکھے چشمِ ساغر سے
جو آئے شکلِ مینا کے جھکانا سر مبارک ہو

ذرا آنکھوں سے چن لے سنگِ رہ شیشے کے ٹکڑے ہیں
تجھے زاہد خدا کا گھر حرم کا در مبارک ہو

پرستش بتکدے میں ہو جو پہنچے دستِ میکش سے
عوض شیشے کے پتھر جائے تو پتھر مبارک ہو

یہ کیسی مے ہے؟ کیسا میکدہ ہے؟ صبح کیسی ہے؟
کہ ہر سو شور برپا ہے مے و ساغر مبارک ہو

یہ مے وہ ہے کہ جس سے غم غلط رہتا ہے دنیا کا
نشاط و عیش نے دل میں کہا یہ گھر مبارک ہو

لگی دل کی بجھا لے آج وہ بھی دن ہی ایسا ہے
پئے سوزِ دروں دشمن کو چشمِ تر مبارک ہو

ہر اشکِ تلخ دے گا لطف اس کو تلخیِ مے کا
اسے پینے کو آنسو آنکھ کا ساغر مبارک ہو

نہیں موقع جو "خاک اندر دہن" اس کو کہے کوئی
بہت پھانکی ہے خاک اس کو بھی اب شکر مبارک ہو

فراوانی نشاط و شادمانی کی یہ کہتی ہے
خوشی ہر ایک کو ہر ایک سے بڑھکر مبارک ہو

درِ دولت سے فیضِ عام کے چشمے ہوئے جاری
مے عشرت کا گھر بیٹھے ہوئے ساغر مبارک ہو

جو ذرہ کیسۂ زر ہے تو پارس در کا پتھر ہے
یہ خاکِ در مبارک ہو یہ سنگِ در مبارک ہو

ستارہ تاج کا چمکا ستارہ راج کا چمکا
مہاراجہ کو فرزندِ نکو اختر مبارک ہو

بڑھیں سن کی طرح اوصافِ عدل و جود بھی اس میں
مبارک ہو مبارک اور تا محشر مبارک ہو

یہ وہ فرخندہ اختر ہے جو قسمت کا سکندر ہے
دھرم باپ اس کا بنا ہند کے قیصر مبارک ہو

مبارک لفظ "میری" ہے کہ یہ ہے نام ملکہ کا — مبارک ہو کہ "میری" اب بنی مادر مبارک ہو
عموماً "میری مادر" اس کو اہلِ ہند کہتے ہیں — یہ تخصیص اس کو ہے طفلِ بلند اختر مبارک ہو
رہے اب جارج بھی پیارے جیاجی راؤ کے سر پہ — خدایا جارج پنجم کو بھی یہ دلبر مبارک ہو
بہت چبھتے ہوئے مژگاں بہت چلتے ہوئے ابرو — دلِ دشمن کو زخمِ ناوکِ خنجر مبارک ہو
نویدِ فتح و نصرت ساتھ اپنے لے کے آیا ہے — ہمارے تیغِ براں کو عدو کا سر مبارک ہو
مبارک ہو قدم اس کا قدم اٹھ جائیں دشمن کے — ہمیں جرمن تری پامالیٔ لشکر مبارک ہو
ہمارے سر رہیگا فتح کا اس جنگ میں سہرا — مبارک ہو ہمیں تیغِ ظفر پیکر مبارک ہو
قریب اب ہے کہ پائے تختِ برلن سے دھواں اٹھے — تماشائے شرار و آتش و اخگر مبارک ہو
پھٹیں جب بم کے گولے آئے یہ آواز گولوں سے — شکستِ گنبد و دیوار و بام و در مبارک ہو
ہوا پر ہر طرف ایروپلین اڑتے نظر آئیں — فضا میں آلۂ پرواز کو چکر مبارک ہو
یہ غل ہو آسمان پر زیپلن کے اڑ گئے پرزے — زمیں پر شور ہو ٹکڑے ہوا فوکر مبارک ہو
وہ سب میرین ڈوبے اور وہ بیڑا جہازوں کا — ہوئے ٹکڑے وہ نو ایجاد ہو ٹیٹر مبارک ہو
سمندر موجزن ہو تختگہ کا تختہ یوں الٹے — ڈرڈناٹ و کروزر کو وہاں لنگر مبارک ہو
فضائے چرخ تک موجِ ہوا میں گونج ہو اس کے — کہیں قعرِ سمندر سے ارل کچنر مبارک ہو
سوئے یورپ گئیں کس شان سے توپیں رئیسوں کی — چڑھائی رئیسوں کی ہم کو یورپ پر مبارک ہو
مبارک ہو حکومت جارج پنجم تیری برلن پر — حکومت جارج پنجم تیری برلن پر مبارک ہو
مبارک انجمن آرائیاں ہم کو مسرت کی — مبارک ہو ہمیں دورِ مے و ساغر مبارک ہو
پری پیرس سے آئے بن کے ساقی بزمِ عشرت میں — تجھے ای بزم ہے ساقی پری پیکر مبارک ہو
کہے ساقی لبِ نازک سے لطفِ دورِ مے کیسا! — نشاطِ دورِ شاہِ معدلت گستر مبارک ہو

مبارک قیصرِ ہندوستاں کا ہند کو سایہ　　مبارک ہو یہ جامِ صحتِ قیصر مبارک ہو
مبارک جامِ صحت ہو مہاراجہ کا سبھی ہم کو　　مکرر دورِ ساغر ہو، کہو پی کر مبارک ہو
کہوں کیا بادۂ شیراز سے لبریز ساغر ہے　　کہوں کیوں پرتگالی بادۂ احمر مبارک ہو
بھرا آبِ حیات اس جام میں ہے جامِ مے کیسا　　جو بخشے جاودانی عمر وہ ساغر مبارک ہو
ترے صدقے مری ساقی! مرے ساقی ترے صدقے　　اُڑے بھی کاگ بوتل کا کہے اُڑ کر مبارک ہو
زبانِ موجِ شیشے کا دہن ساغر کے لب ساقی!　　ذرا سنو ادے، کہتے ہیں یہ سب کیونکر مبارک ہو
نوائے نغمۂ رنگیں ہوا میں ہر طرف گونجے　　رسائی نغمۂ رنگیں کی گردوں پر مبارک ہو
کہے سب سے طرب افزا اثر اس خوش نوائی کا　　نشاطِ رقص موجِ شیشہ و ساغر مبارک ہو
جبیں پر لطف دے او دخترِ رز افشاں ستاروں کی　　مبارک ہو ثریا کا تجھے جھومر مبارک ہو
جو بجلی بن کے برق آئے تو شعلے بالیاں بن کر　　تجھے او دخترِ رز انور کا زیور مبارک ہو
جو بالا ہالۂ مہ ہو تو پروین کان کے پتّے　　مہِ نو کا گلے میں تیری طوقِ زر مبارک ہو
گلے میں موتیوں کا ہار ڈالے کہکشاں جھک کر　　کہے ہر ہفت ہونے پر فلک جھک کر مبارک ہو
ادائے رقص میں رنگیں شفق منہ پر ہی آنچل　　شفق لے دخترِ رز پھولے تری منہ پر مبارک ہو
مسرت کی یہ موجیں ہیں شفق بن کر جو پھولی ہے　　تجھے لطفِ بہارِ لالۂ احمر مبارک ہو
سلامت بزمِ مے ساقی، سلامت بادہ کش ساقی　　یہ دورِ بادۂ گلرنگ تا محشر مبارک ہو

ریاضؔ اشعار سن کر آپ کے ہم بھی یہ کہتے ہیں
صلے میں آپ کو گنجینۂ گوہر مبارک ہو

تہنیت خطاب بحضور نواب حمید اللہ خاں بہادر

حالِ فرمانروائے دار الاقبال بھوپال خلد اللہ ملکہٗ

کیا بیاں ہو رتبۂ حاجی حمید اللہ خاں
سایۂ حق فرق پر زیرِ قدم نُہ آسماں

سنگ سے اُس کے کفِ پا نے کیا پیدا لعل
آفتابِ آسماں ہے لعلِ سنگِ آستاں

اس کے خاکِ آستاں کے ذرے اختر آفریں
اس کے ہر نقشِ قدم پر بدرِ کامل کا بیاں

رہگزر اُس کی ہے گویا نور کے دریا کی موج
دن میں سورج کی کرن کا تارِ شب کو کہکشاں

چاند سورج آنکھ سے اپنے لگاتے ہیں قدم
ذرہ ذرہ نقشِ پا کا تاجِ فرقِ فرقداں

انجم افروزِ فلک ہے ہر چراغِ انجمن
کہکشاں بنتا ہے اُٹھ کر شمعِ محفل کا دھواں

چرخِ اطلس فرشِ پا انداز اس کے واسطے
سر پر اس کے راہ میں ابرِ کرم چترِ رواں

اللہ اللہ جس کی رفعت قربِ حق کی خواستگار
کس قدر رب سے الگ ہے اس کی خلوت کا مکاں

انجمن میں دورِ ساغر گردشِ دوراں سے تیز
مے وہ مے ادنیٰ اثر جس کا نشاطِ جاوداں

لذت ایسی جس کے آگے پھیکے دنیا کے مزے
قوت ایسی ایک کر دے جو زمین و آسماں

دور سے آتی ہے یہ مے بزمِ عالی کے لئے
اس کے ملنے کی جگہ ہے اک بڑی اونچی دکاں

حق شناسی ہر شریکِ انجمن کا کام ہے
بزمِ عالی کے سوا دورِ مئے عرفاں کہاں؟

گوشے گوشے میں نظر آتا ہے عالم نور کا
قدِ آدم آئینوں میں جلوۂ کون و مکاں

گوشۂ خلوت میں حق آگاہ عبدِ حق شناس
اور بزم و رزم میں وہ اک امیرِ حکمراں

بزم میں موجِ تبسم جامِ مے کی موج ہے
رزم میں بہرِ عدو چینِ جبیں نوکِ سناں

بزم میں مے کا چھلکتا جام اس کی چشمِ لطف
رزم میں بہرِ عدو ابرو کے بل تیر و کماں

بزم میں تیغِ کمر گویا ادائے حسنِ وضع
رزم میں تیغِ کمر پر برقِ خاطف کا گماں

اصفہاں تک نام ہے بھوپال کی تلوار کا — اس کا لوہا مانتی ہے آج تیغِ اصفہاں

دیکھنے کی شے ہیں دونوں رزم کے میدان میں — تیغ تو زیبِ کمر ہے بادپا ہے زیرِ راں

دونوں آفت چال میں، دونوں قیامت چال میں — وہ چمک دونوں میں، چمکیں جیسے دُہری بجلیاں

رخش بن سکتا نہیں ہے تیز گردش سے فلک — شوق سے بن جائے چرخِ نیل گوں پیلِ دماں

کم نہیں یہ فخر اس کے سر اٹھانے کے لئے — فیل خانے میں جگہ پا جائے نیلی آسماں

فیل سے سرکار کے ٹکرائے یہ ممکن نہیں — سر اُٹھا کر لاکھ سر ٹکرائے پیلِ آسماں

ہاں! ہزیمت خوردہ جنگاہ ہے پیلِ فلک — پیل گردوں کا شکستہ دانت ہے یہ کہکشاں

رخش ہو یا پیل ہو یا تیغ ہو سرکار کی — کوئی ہو قربان میری طبع کی جولانیاں

ایسے بھائی کو لگائے کیوں نہ ہر بھائی گلے — ایسے بیٹے کو جگہ دے کیوں نہ اپنے دل میں ماں

تا قیامت افتخار الملک کے سر پر رہے — یا الٰہی سایہ سرکار و الا دودماں

تونے دیکھا ہے زمانہ عمر ہے تیری بہت — تونے بھی دیکھے ہیں اے پیرِ فلک ایسے جواں

عمر پوچھے کوئی تو گنتی کے ہیں چھبیس (۲۶) سال — قابلیت وہ سبق لے جس سے بوڑھا آسماں

ہے انھیں سے اے علیگڈھ ناز کالج کو ترے — پاس بی۔ اے، دوسرا کوئی رئیسوں میں کہاں

سال نو آیا ہے لیکر سی، ایس، آئی کا خطاب — ہو مبارک آپ کو حاجی حمید اللہ خاں

اس تعلق کا رہے سرکارِ عالی کو خیال
پیش کرتا ہے قصیدہ یہ ریاضِ مدح خواں

ستائشِ شہر و شہریارِ رام پور

مقام مٹکاف ہوس دہلی

حور کو فردوس سے لائے بہارِ رام پور
قاف سے پریوں کو کھینچے سبزہ زارِ رام پور

لالہ و گل سے ہمیشہ ہے بہارِ رام پور
مٹ نہیں سکتے کبھی نقش و نگارِ رام پور

کان کو آویزہ دے عکسِ زمرد آفریں
سبزۂ خطِ بتاں ہے سبزہ زارِ رام پور

ہم قد و ہم رنگ ہیں ترشی ہوئی سب ایک ڈال
ساغرِ یاقوت بر کف لالہ زارِ رام پور

کس کی آنکھوں میں نہیں ہے لطف مینی تال کا
قاف کی پریوں کا گھر ہے کوہسارِ رام پور

موتیوں کے ہار میں اٹھتی ہوئی موجیں نہیں
آبِ گوہر سے بھری ہے جوئبارِ رام پور

آسماں کی آنکھ کے تارے ہیں، ذرے راہ کے
کہکشاں سے بڑھ کے ہے ہر رہگزارِ رام پور

اختر افشاں، دامنِ گردوں میں ذرے خاک کے
خوشۂ پرویں کا خرمن ہے غبارِ رام پور

آنکھ میں چبھ چبھ کر ہر اک دل میں یہ پاتا ہے جگہ
یار کی چبھتی ہوئی مژگاں ہے خارِ رام پور

یاد رکھنا بات میری جانے والو خلد کے!
خلد میں بھی یاد آئے گا دیارِ رام پور

کوئی بھی مستِ مئے عرفاں نہیں، کوثر پرست
کیا کرے جنت میں جا کر بادہ خوارِ رام پور

حور بھی لائے چھلکتے جام کوثر کے اگر
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے میگسارِ رام پور

بیخودی میں ہو نہیں سکتی کبھی یادِ خدا
ہو نہیں سکتا ہے بیخود ہوشیارِ رام پور

نام لے حورانِ جنت کا تو دوزخ میں پڑے
کوئی پا جائے جو واعظ گلعذارِ رام پور

مصطفےٰ آباد پر سو بار ہو دہلی فدا
لکھنؤ سو بار ہو آ کر نثارِ رام پور

ہر گھڑی ساتوں فلک ہیں صدقے کس کے چتر پر
تاجداروں میں ہے کیسا؟ تاجدارِ رام پور

دولتِ دنیا ملی، عزت ملی، رتبہ ملا
بن گیا جو ہو گیا امیدوارِ رام پور

آج ہے سرکارِ انگلش میں زمانے سے سوا
اعتبارِ شہر یار و اعتبارِ رام پور

رحم کا موقع بھی ہے ہیوٹ بھی ہیں ٹلر بھی ہیں
میں بھی ہوں دہلی میں ساتھ اے شہر یارِ رام پور

فیضِ شہ سے یا خدا میری بھی بر آئے مراد
عمر بھر میں بھی رہوں خدمت گزارِ رام پور

یا الٰہی جان نثاروں میں ہو میرا بھی شمار
انگلیاں اُٹھیں، وہ آیا جاں نثارِ رام پور

کون دے شہ کے سوا مجھ کو صلا اشعار کا
ہے شہِ ملکِ سخن بھی تاجدارِ رام پور

پائے عمرِ خضر و اقبالِ سکندر رائے ریاض
حضرتِ حامد علی خاں شہر یارِ رام پور

ستائش جناب نواب حامد علی خاں بہادر بالقابہ شاکؔ فرمانروائے رامپور

(جب ملک معظم پورے جلوس کے ساتھ دہلی میں بہ تقریب دربار گزر رہے تھے مہاراجہ گوالیار و شہریارِ رام پور شمشیر عریاں بدست طنّاز گھوڑوں پر عجب شان سے ملک معظم کے جلو میں رواں تھے جو ہر مرحوم نے مٹکاف ہاوس میں قطعہ ذیل سنکر جو صلہ آفریں داد دی۔ مہاراجہ گوالیار کے متعلق دوسرا قطعہ نہیں ملا)

موج در موج وہ افواج وہ ترتیبِ جلوس
شاہ کے آگے رواں حضرتِ شاکِ ذیجاہ

کہتی جاتی تھی برابر یہ زبانِ شمشیر
تو سلامت رہے اے پیش روِ شاہنشاہ

بہ تقریب عیدِ قربان مقامِ رام پور

اللہ بڑھائے رتبہ و شانِ حضور
ہو خلقِ خدا اتنے ہیں احسانِ حضور

کہتی ہوئی آئی ہے یہ عیدِ قرباں
وہ کون ہے جو نہیں ہے قربانِ حضور

ہاتھ آئیں گے کیا کیا درِ شہوارِ ریاض
سرکار کا دامن ہے گہربارِ ریاض

نیساں کو نہیں ہے کوئی نسبت اس سے
ہے ابرِ کرم دامنِ سرکارِ ریاض

این ماتم سخت است کہ گویند "جواں مرد"

کیوں جہاں میں تیرگی پھیلی ہے آج
کیا ہوئے اے چرخ تیرے مہر و ماہ

آفتابِ حشر گم ہے خوف سے
ہے مہیب اس درجہ یہ روزِ سیاہ

رک گئے سیارے اپنے دور سے
پھر رہے ہیں کارواں گم کردہ راہ

کالے کالے غم کے بادل چھائے ہیں
کھولے ہیں لاکھوں حسیں زلفِ سیاہ

کیسے اہلِ شہر؟ کیسا رامپور
سچ تو یہ ہے آج دنیا ہے تباہ

ذاتِ اقدس سے ملی تعلیمِ صبر
کام آیا سایۂ ظلِ الٰہ

عمرِ خضر اللہ دے سرکار کو
روز افزوں ہو الٰہی عز و جاہ

میں کہوں تو کیا کہوں؟ تاریخِ غم
رنج سے خود ہے مری حالت تباہ

قسمت عالم میں لکھا تھا ریاض
داغ ہوا اس چاند کا عالم کو آہ

۲۹ ھ ۱۳

عرضداشت

بحضور اعلیحضرت حضور پرنور ہز ہائینس نواب حامد علی خاں بہادر رشک بالقابہ دام ملکہ والی رامپور

جنابِ رشک کا لب پر ہمیشہ نام آئے
یہ نامِ پاک وہ ہے وقت پر جو کام آئے

نظر کے سامنے خالی کبھی نہ جام آئے
ہلال بھی ہو تو بن کر مہِ تمام آئے

غلامِ ساقیٔ کوثر ہے خسرو جم جاہ
نصیب جم کو نہیں بزم میں وہ جام آئے

شراب کیسی؟ ملے بزم شہ میں آب حیات
کسی کی قید نہیں، کوئی تشنہ کام آئے

گئے جو روتے لہو پھول لائے جنت کے | غمِ حسینؑ کے خوگر بھی شاد کام آئے
عجیب بندہ نوازی، عجیب شانِ کرم | ایاز سے وہ بڑھے بن کے جو غلام آئے
دمِ مصاف عدو اپنے خود گلے کاٹیں | جو دستِ شاہ میں شمشیر بے نیام آئے
شرارِ نعل کو بجلی بنائے طوقِ گلو | چمک کے شہ کا اگر رخشِ خوش خرام آئے
چھپائے سایۂ خرطوم سب کی نظروں سے | ذرا سمٹ کے اگر فیل تیز گام آئے
جو شوق ہے کہ بنے حشر نقشِ پائے حضور | ادب سے لینے کو بوسہ دمِ خرام آئے
بلند سب سے رہا مثلِ بخت شہ کا مقام | نظر کے سامنے کتنے ہی اونچے بام آئے
بہت بجا ہے جو بزمِ ادب میں پیشِ حضور | کلامِ میرؔ کے بدلے مرا کلام آئے
گئی ہیں پیشتر اس سے رباعیاں میری | مرا کلام عجب کیا؟ جو میرے کام آئے
پسند ہیں شہِ والا کو زمزمے میرے | مرے چمن میں نہ صیاد لے کے دام آئے
نگاہِ لطف سے یوں دن پھریں کہ میرے گھر | مزے کی صبح ہمیشہ، مزے کی شام آئے
بڑا مزا ہو جو دوں نقد میفروش کو میں | مجھے یہ شور کہاں سے گرہ میں دام آئے
ملا صلہ یہ خبر ہو گئی حسینوں کو | ہم آج رات کو آئیں گے، یہ پیام آئے
مجھے لبھانے جو بل کھاتے نازنیں پہنچے | تو دل کو پھانسنے زلفِ سیہ کے دام آئے
بڑا مزا ہو امرا اعتبار اور بڑھے | کہ ان کے حسن کی دولت بھی میرے کام آئے

امیدِ کیسۂ زر تھی مزے کی چیز ریاضؔ
یہ انتظار رہا صبح آئے شام آئے

رباعیاں

در ستائش اعلیحضرت حضورِ پُر نور ہز ہائینس نواب حامد علی خان بہادر بالقابہ فرمانروائے رامپور

اے رشک! ہر اک غنی ہے محتاج ترا
ثانی نہیں اے شاہِ زمن آج ترا
ذرے ذرے کو نور بخشے دن رات
بن کر مہ و مہر سایۂ تاج ترا

محتاج ترا ہوں کیسہ زر دیدے
مدّاح ترا ہوں لعل و گوہر دیدے
کچھ کم نہیں میکدے میں تیرے ساقی!
تھوڑی سی مجھے شرابِ کوثر دیدے

میخانۂ رام پور اللہ اللہ!
اللہ کا جس میں نور اللہ اللہ!
اللہ رے! ترقیاں فروغِ مے کی
ہر موج ہے برقِ طور اللہ اللہ!

مینا میں ہے رنگ امیرِ مینائی کا
قُلقُل میں مزا صریرِ مینائی کا
کیوں جام کرے نہ دست بوسی میری
میں بھی ہوں مرید پیرِ مینائی کا

ساقی ہے میکدے کا رشکِ ذیجاہ
کیا عالمِ نور ہے زماہی تا ماہ
ہے توبہ شکن یہاں صدائے قلقل
آوازِ شکستِ توبہ اللہ اللہ!

دورِ مینا ہے جو رقصِ طاؤس
پیری میں ہو نزع کی نہ تلخی محسوس
صدقے ساقی کے نقش پا جس کا ہے
تاجِ سرِ پرویز و جم و کیکاؤس

تو چاہے تو غم ہو شادمانی مجھکو | زہر، آبِ بقا ہو، مے ہو پانی مجھکو
تو وہ [illegible] ہے مٹا دے جو بڑھاپا میرا | تو وہ ہے جو بخش دے جوانی مجھکو

ہو قابلِ رشک بادشاہی تیری | شاہوں میں رہے یہ کج کلاہی تیری
تو حامیٔ دیں ہے، دیں پناہ ہے تو | دنیا میں رہے یہ دیں پناہی تیری

قصیدۂ مدحیہ عالی جناب حضور شری منت سوبھاگ وتی پربھاوتی پوار

مہارانی صاحبہ ریاست دواس پانتی دام اقبالہا

ماہ میں مہر کی ہے تابانی | صبح سے بڑھ کے شام نورانی
ماند ہے جس کے آگے دن کی دھوپ | چاندنی رات کی وہ تابانی
تارے جو ڈوبتے ابھرتے ہیں | دامنِ مہ کی ہے گل افشانی
کہکشاں کو ہے ناز ہیں بھی ہوں | کسی مہوش کی ہنستی پیشانی
گل بہ داماں حسیں جیسے کوئی | شفقِ شام و گل بہ دامانی
نوجواں بن گیا ہے چرخِ کہن | کچھ نہ تھا، ایک پیر تھا فانی
بڑھ کے سج دھج تھی کچھ جوانوں سے | شفقِ شام اس کی دیوانی
انجم اس کے ہیں انجمن آرا | واہ ری بزم کی فروزانی
آسماں میں ہو جیسے آگ لگی | ہر طرف ہے وہ شعلہ افشانی
آسماں کی لگی بجھانے کو | لے کے دوڑا ہے ابرِ تر پانی

دور سے یوں ہیں دھوکے دینے کو　　رنگ لائی ہے گل بداماںی
آسمان اب وہ آسمان نہیں　　نوجواں ہے جو پیر تھا فانی
جام برکف ہر ایک کوکب ہے　　کوئی دیکھے تو عیش سامانی
مہ و خور بھی ہیں جامِ آتش تر　　آتشیں آب و آتش افشانی
گردشیں اس کی دورِ ساغر ہیں　　مئے عشرت کی ہے فراوانی
نجم و اختر حباب ہیں اس کے　　مے کے دریا کی ہے یہ طغیانی
شفق سرخ کا نہیں دامن　　ہے وہ دامانِ موج طوفانی
دیکھنا جوشِ آبِ آتش رنگ　　دیکھنا بحرِ مے کی طغیانی
فلکِ پیر نے نہ دیکھا تھا　　کبھی اپنے گلے گلے پانی
چشمۂ فیض ہے دو اس کا راج　　فیض یاب اس سے ابرِ نیسانی
ابر دامن ہو گردِ دامن کا　　کریں ایما اگر مہارانی
نظرِ فیض اثر سے ان کے اٹھے　　موج' آبِ گہر سے طوفانی
سجدگاہِ فلک ہیں نقشِ قدم　　جھکی ہے آسماں کی پیشانی
مہ و خورشید کو، کواکب کو　　نقشِ پا سے ملی درخشانی
سرزمینِ دو اس سے تا چرخ　　بادۂ عیش کی فراوانی
اسی دربار کی جھلک ہے ریاض　　بزمِ گردوں کی سب فروزانی
آئینہ خانہ چرخ، عکس فگن　　شمعِ بزم و چراغِ ایوانی
دور سے دیکھ لے عطاردِ چرخ　　آج میرے قلم کی جولانی
کیوں نہ ہوں شوق سے ستائش گر　　فخر میرے لئے ثنا خوانی

قدر دانِ سخن کہاں ؟ ایسا ؟ — ختم ہے آپ پر سخن دانی
قابلیت حضور کی مشہور — نظم میں نثر میں نہیں ثانی
دست گہ مختلف زبانوں میں — ہر طرف شہرتِ زبان دانی
اُردو، انگریزی، سنسکرت میں طاق — مرہٹی میں نہیں کوئی ثانی
فکر عالی، خیال پاکیزہ — برق کی ہے قلم میں جولانی
ہمہ داں جیسے ہیں مہاراجہ — ہمہ داں ویسی ہی مہارانی
ناز ہے مجھ کو اپنی قسمت پر — کہ ملی خدمتِ ثناخوانی
نسبتِ خاص سے نہیں ہے عجب — ناز مجھ پر کرے سخن رانی
راج مجھکو پہنائے تاجِ سخن — میں بھی ہو جاؤں رشکِ خاقانی
میری شہرت کو چار چاند لگیں — انوری بھی کرے ثناخوانی
ہو نہ مدّاح کا بھی مثل کوئی — جیسے ممدوح کا نہیں ثانی
رہے یوہیں ریاضؔ مدح طراز — رہے اس پر یوہیں زر افشانی
بھریں وہ جیب، آستیں، دامن — یوں ہو زر پاشی و زر افشانی
موج اُٹھے موتیوں کے پانی سے — موج وہ موج ہو جو طوفانی
سَیلِ آبِ گہر نصیبِ ریاضؔ — کم سے کم ہو گلے گلے پانی
دے اُسے جنبشِ لبِ لعلین — لعلِ رومانی و بدخشانی
وقت ہے، دل سے میں دُعائیں دوں — دے خدا عیش کو فراوانی
ہو فزوں جاہ دولت و اقبال — ہو فزوں سطوتِ جہانبانی
چتر پر واز مہر و ماہ رہیں — اور کیواں کرے مگس رانی

سایہ افگن رہے رعایا پر　　تا ابد یوں ہی تاجِ سلطانی

خوش ہمیشہ رہیں مہاراجہ

خوش ہمیشہ رہیں مہارانی

نظمِ تاریخی تقریبِ ولادت دخترِ خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر خلد ملکہ، دام اقبالہٗ

موسومہ بہ

"رنگ و بو"

اے محمد امیر احمد خاں　　رتبہ دانِ ریاضِ خانہ زاد
آپ ہیں وجہِ نازشِ ابّ و جد　　نقشِ پا تاجِ سر ہے بہرِ قباد
ذرّے خاکِ قدم کے اختر ہوں　　پیش آئے جو چرخ کو افتاد
آنکھ سے خاکِ آستاں جو لگائے　　ابھی بینا ہو کورِ مادر زاد
آج کیا ہے؟ کہ شادماں ہے خلق　　کون ہے؟ دل نہیں ہے جس کا شاد
درِ دولت سے ہو رہے ہیں بلند　　ہر طرف نغمۂ "مبارک باد"
ہر طرف کیوں جلیں نہ گھی کے چراغ　　کی عطا حق نے دختِ نیک نہاد
مثلِ دستِ دعا ہیں آج بلند　　ہر طرف نعرہائے زندہ باد
آج پھیلا ہے ایسی شمع کا نور　　جس کی پروانہ شمعِ بزمِ قباد
مہر و مہ بھی ہیں جس کے پروانے　　پیش آئی انھیں نئی افتاد
بڑھ کے ہے لعلِ شب چراغ سے وہ　　لائی جو پھول آج شاخِ مراد
دن دکھایا خدا نے یہ مجھکو　　اپنے آقا کو دوں مبارک باد

ہم نوا اشناقب و عزیز بھی ہوں
دونوں ہیں اپنے رنگ کے اُستاد

ناتواں میں ہوں، دور بٹلر قصر
پیش آئے نہ راہ میں اُفتاد

دور ہی سے نکالوں حسرتِ دل
نکلے حسرت جو دوں مبارک باد

چاہتا ہوں کہ مجھ میں طاقت آئے
طاقت آئی تو جاؤں بادلِ شاد

بادِ پیمانہ بن ارے ناصح!
بادہ پیتا ہوں ہر حبہ بادہ باد

اُمڈی کالی گھٹا جو قبلے سے
آگئی پھول سی گلابی یاد

میں ہوں اب اور میری کشتی مے
کشتیٔ مے ہے اور بادِ مراد

محو ہیں عالمِ خیال میں ہوں
بے اثر پند گو کا ہر ارشاد

بند ہے آنکھ سب ہے پیشِ نظر
آئینہ ہر مقام کی روداد

بے پیئے اور ہی ہوا میں ہوں
ہر طرف میں فضا میں ہوں آزاد

مرکبِ آبی نہ مرکبِ بادی
کہیں طوفاں ہے نہ ابر نہ باد

سامنے سبزہ زارِ "بٹلر قصر"
سامنے قلعہ خلق سے آباد

درِ دولت کا دل کشادہ صحن
قصر ایسے کہ گردِ قصرِ قباد

چمن ایسے کہ جانِ تازہ آئے
چمن ایسے کہ آئے جنت یاد

خندہ و نغمہ و گل و بلبل
سبزہ و سرو و قمری و شمشاد

لبِ گل پر، زبانِ بلبل پر
نہ گلہ ہے نہ شکوۂ بے داد

کھلے جاتے ہیں یہ خوشی سے آج
واد ہن ہے سپئے مبارک باد

نے غمِ دزد نے غمِ کالا
غمِ گلچیں نہ اب غمِ صیاد

گل چھوا کیوں؟ ہی جو گلشن پر
رگِ گل ہے کہ بازوِ بیداد

بن گیا، لو خوشی میں خود بلبل — آ گیا اپنے دام میں صیاد
کھلی باچھیں ہیں پتے پتے کی — تالیاں بج رہی ہیں بادلِ شاد
دوڑی رگ رگ میں ہے خوشی کی لہر — گدگداتی ہے ان کو موجِ باد
ہر طرف دھوم ہر طرف ہے ہجوم — گوشے گوشے میں اک جہاں آباد
توپ پر توپ سر خوشی میں ہوئی — فیر کتنے ہوئے نہیں تعداد
اُڑ گیا ابر بھی دھواں بن کر — شعلۂ ابر ہو گیا برباد
رزم کے بعد رنگِ بزم ہے گرد — جشنِ جمشید اور جشنِ قباد
یہ اثر بادۂ نشاط کا ہے — تلخیٔ غم کبھی نہ آئی یاد
میرے لب پر جو بھولے سے آئی — بن گئی نغمۂ طرب فریاد
مئے عشرت سے مست ہے ہر ایک — ٹوٹے پڑتے ہیں شیشوں پر زہاد
میں نے آنکھوں سے یہ سماں دیکھا — ہو گیا شاد یہ دلِ ناشاد
خوش ہوں فردوس میں مہاراجہ — مہارانی کو دوں مبارکباد
میرے سرکار امیر ابنِ امیر — رہے دل پر حضور کے مری یاد
مجھے گھر بیٹھے کچھ پہنچتی رہی — رہے ساقی کا خمکدہ آباد
یا مجھے کوئی باغِ تاک ملے — ہو مرا مشغلہ خدا کی یاد
دانہ پانی جو تاک دے تو رہوں — کھانے پینے کی فکر سے آزاد
آبِ انگور دانۂ انگور — دونوں دلوائینگے خدا کی یاد
ہو مبارک سلامتی کے ساتھ — ثمرِ اوّلینِ نخلِ مراد
نذر ہے یہ دعائیہ تاریخ — نذر ہے قطعۂ مبارکباد

آپ سے خاص اس کو نسبت ہے

رنگ لائے ہمیشہ باغِ مراد

۱۹ ۶ ۳۲

عرضِ حال و دعائے دولتِ اقبال

موسومہ

دامنِ دعا

ہے نمایاں رفعت و اقبال و عزّ و جاہ ہے ۔ کم نہیں ہیں آپ دونوں بھائی مہر و ماہ ہے
نام اب وجد کا ہو روشن ای امیر ابن امیر! ۔ شان و شوکت ہو فزوں ہر شاہ شاہنشاہ ہے
دیکھ کر نقشِ قدم کھل جائیں آنکھیں چرخ کی ۔ آسماں تاروں بھرا شرمائے خاکِ راہ ہے
خاکِ رہ کو نقشِ پا ایسے لگائے چار چاند ۔ کہکشاں کاہیدہ ہو کر منفعل ہو کاہ ہے
چشمِ انجم میں بنے ہر خارِ رہ تارِ نگہ ۔ ان کی جاروبِ مژہ کانٹے ہٹائے راہ ہے
خلق کو ہو ابرِ رحمت سایۂ دستِ حضور ۔ مانگتا ہوں یہ دعا دن رات میں اللہ ہے
میں گدا ہوں ناز ہے اپنی گدائی پر مجھے ۔ کم نہیں ہوں میں کسی کے رتبہ و جم جاہ ہے
مانگتا ہے رات دن میری قدح کی خیر جم ۔ کے ملائے آنکھ کیا؟ مجھ بندۂ درگاہ ہے
کس درِ دولت سی ہی مجھکو تعلق کیا کہوں؟ ۔ میں کبھی جامِ تہی بدلوں نہ تاجِ شاہ ہے
میکدہ میر اسلامت مے اُبلتی ہی جہاں ۔ میں ہوں واقف میکدی میں حوضِ مَے کی تھاہ ہے
سلسلہ تسنیم و کوثر سی ہی جس کا خلد میں ۔ واسطہ ہی خاص اسی مجھ مستِ حق آگاہ ہے
مے ہے اک رازِ نہفتہ مجھ سی پوچھو رازِ مے ۔ پوچھو رازِ ساقیٔ کوثر حبیب اللہ ہے
ہیں نقابِ جام میں کیا جلوہ ہائے رنگ رنگ ۔ یہ تگ و دو برق کی ہی کس کی جولانگاہ ہے

جم حشم کے مرتبت ہیں میکدے میں اور بھی
کم نہیں ہیں وہ بھی گویا شاہ شاہنشاہ ہے

ہو مبارک میکدے کو اب نئے ساقی کا دور
نور بنکر بادہ چھلکے جامِ مہر و ماہ ہے

میکدہ میرا سلامت جس میں ہے سو رات دن
پھول لے ابرِ بہار اٹھ اٹھ کے گردِ راہ ہے

تھوڑی سی پنشن یہ ہے پینے پلانے کو بہت
کام کیا مجھ کو؟ ترقی کن زرِ تنخواہ ہے

کیا نہائے، کیا نچوڑے جب ہو عریانی لباس
کام ہے جامِ تہی سے دامنِ کوتاہ ہے

پی کے بھی تشنہ رہوں اللہ رے میرا ذوقِ شوق
مجھ میں ہیں گہرائیاں، واقف ہوں اپنی تھاہ ہے

مے گری نظروں سے خوش ہوں خواب میں مجھ کو ملے
موگرے کے پھول دستِ بہادر شاہ ہے

دن پھرے عہدِ شباب آیا، ملی تعبیرِ خواب
جام نکلا ڈوب کر خم سے کہ یوسف چاہ ہے

خضرِ راہِ میکدہ یونہیں رہیں یارب حبیب
ان سا واقف کون ہے؟ پست و بلندِ راہ ہے

نائب ابنِ نائب و آقا امیر ابنِ امیر
کے کو نسبت ہی نہیں کچھ ایسے کیوں جاہ ہے

ساقیِ میخانہ! آقا ہے مرا، مالک مرا
میکدے میں پھول برسائے جو گردِ راہ ہے

جامِ جم بختِ سکندر سطوتِ کے، عمرِ خضر
مل چکا سب کچھ اسے اللہ کی درگاہ ہے

اور کچھ باقی ہو تو مسجد کے گوشے کے عوض
میکدے میں شب کو ہٹ کر میکشوں کی راہ ہے

قبلہ رو ہو کر بس خم اے ریاض اس کے لئے
عادتاً اب بھی دعائیں مانگئے اللہ سے

سہرا

موسوم بہ قصیدۂ نوبہار

بہ تقریبِ شادیِ کتخدائیِ راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر ولیعہد والیِ محمود آباد دام اقبالہٗ

گزرانیدۂ ریاضؔ

بحضورِ مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی اعلیٰ اللہ مقامہٗ والیِ ریاستِ عالیہ محمود آباد

ابرِ رحمت جو بن گیا سہرا — غل ہے نوشہ کے سر رہا سہرا
بنی شوخی سے دوسرا سہرا — زلف کھل کھیلی جب بندھا سہرا
رگِ ابرِ بہار ہے ہر تار — ہر طرف آج چھا گیا سہرا
نئے ساماں ہیں بزمِ عشرت کے — نئی دنیا دکھائے گا سہرا
جلوے جوہرِ حسنِ مایۂ ناز — آنکھ کے آگے لائیگا سہرا
اس کی رگ رگ میں شوخیاں ہیں بھری — سو حسیں ایک چلبلا سہرا
ساتھ ہے کِن نکیلی پلکوں کا — چھیڑ پر ہے تُلا ہوا سہرا
دل میں چبھتی ہے ہر ادا اُس کی — شوخ کتنا ہے شوخ ادا سہرا
عجب انداز سے ہے چہرے پر — لئے سو حُسنِ جانفزا سہرا
کچھ یہ پھولا نہیں سماتا آج — ہے خوشی میں بھرا ہوا سہرا
کلی دل کی ضرور کھلی — کھِل اُٹھے پھول کھُل اُٹھا سہرا
کان میں کہہ گئی نسیم یہ کیا؟ — کچھ ہنسے پھول کچھ ہنسا سہرا
نہیں کہتا، کچھ اپنے منہ سے کہے — نہیں دیتا، نہ دے ہوا سہرا
کوئی گلچیں یہ باغِ حسن کا ہے؟ — دامِ صیاد کیوں بنا سہرا

کیوں نہ قوسِ قزح کو شرمائے　　نئی سج دھج لئے نیا سہرا
شفق آئی جو صدقے ہونے کو　　شفقی رنگ ہو گیا سہرا
افقِ چرخ پر شفق پھولی　　رخ پر اس طرح چھا گیا سہرا
گلِ رخسار پر یہ بار نہ ہو　　پھولوں میں آج خود تُلا سہرا
آنکھ پر لی جگہ پلک کی طرح　　پنکھڑی پھول کی ہے یا سہرا
ملیں باہم نزاکتیں کیا کیا؟　　پھول سا چہرہ پھول سا سہرا
یہ نزاکت بھی اس کا حصہ ہے　　رنگِ گلگونہ بن گیا سہرا
دیکھ کر چہرے پر شباب کا رنگ　　کس ادا سے گلے ملا سہرا
نگہِ لطف اس پر لے نوشاہ　　تارِ جوہر ہیں آئینہ سہرا
گل بکف کیا ہوا کی موجیں تھیں　　بن گیا دامنِ صبا سہرا
بھر دئے کہکشاں نے دامن میں　　تاروں سے ہی گُندھا ہوا سہرا
تاجِ سر سایۂ خدا و رسول　　سایۂ پنجتن ترا سہرا
سایہ سہرے کا تاج بخشِ جہاں　　پر و بالِ ہما ہے کیا سہرا
حوریں جنت سے قاف سے پریاں　　دیکھنے آئی ہیں ترا سہرا
نگہِ شوق اُٹھا دے تو بڑھ کر　　بار ہو گا نہ پھول سا سہرا
دیکھ کر آنکھ، دیکھنا وہ پلک　　دیکھ کر چہرہ دیکھنا سہرا
برسے مے چشمِ مستِ نوشہ سے　　ابر ادھر اور اُدھر اُٹھا سہرا
تار ٹوٹے نہ بارشِ مے کا　　دامنِ دخترِ رز بنا سہرا
لڑی اس سہرے پہ اک جہاں کی نظر　　ہے زمانے کا آسرا سہرا

گندھی اس میں پھولوں کی کلیاں ہیں — چہرے پر آ کے کھل اٹھا سہرا
کج ادا زلف سے کہیں بڑھ کر — بانکپن کے لئے ادا سہرا
ایک سانچے کے ہیں ڈھلے دونوں — خوشنما زلف، خوشنما سہرا
ایک کانٹے کے ہیں تلے دونوں — شوخ ادا زلف شوخ ادا سہرا
زلف چھائی ہوئی تھی چہرے پر — زلف پر آج چھا گیا سہرا
قدِ نوشہ سے گھٹ گیا پھر بھی — تھا قیامت سے کچھ سوا سہرا
سہرے کی رات نے جو کھینچا طول — بن گیا صبحِ دلکشا سہرا
شوق سے اب گلے کا ہار بنے — کھائے دنیا کی اب ہوا سہرا
گنے جاتے ہیں دن اسی دن کے — یہی دن ہیں کہ دے مزا سہرا
چشمِ ظاہر میں ہے سراپا دام — ہوگا باطن میں بے ریا سہرا
دور اس سے ہے بہت نگاہِ بلند — دام میں لائے گا ہما سہرا
کوئی دیکھے تو سیدھا سادھا سا — ہے بہت ہی بنا ہوا سہرا
جانتے ہیں ادا شناس اسے — کرے ظاہر نہ مدعا سہرا
ہے غضب ڈورے ڈالنا اس کا — زلف سے بڑھ کے ہے رسا سہرا
راز رہتے ہیں پردے پردے میں — کچھ سے کچھ ہے تہِ ردا سہرا
سن کے مجھ سے یہ چھیڑ کی باتیں — رخِ نوشہ سے دیکھتا سہرا
نگہِ شرم بن گیا ہر تار — بن گیا سر بسر حیا سہرا
اس سے وابستہ میرے تارِ نفس — دردِ دل کی مرے دوا سہرا
کوئی مطلع سناؤں برجستہ — کہے خوش ہو کے "واہ وا" سہرا

پیروِ شرعِ مصطفےٰ سہرا
جلوۂ عرشِ کبریا سہرا

جادۂ راہِ ثواب کا ہر تار — خضر کی طرح رہنما سہرا
پڑھے دامن پر اس کے شیخ نماز — پاک دامن ہے پارسا سہرا
صاف دل، صاف طبع، صاف نہاد — صوفیِ باصفا ہے کیا سہرا
تارِ تسبیح تار تار اس کا — حق سے رکھتا ہے سلسلا سہرا
سب کے آگے جھکا ہی رہتا ہے — نہ ہے خود بیں نہ خود نما سہرا
چمن آرائے خلق اس کی بہار — آفرینش کا واسطا سہرا
آنکھ کا نور ہے دلوں کا سرور — مہر کی ضو ماہ کی ضیا سہرا
مرتبہ میں سوا یہ کیواں سے — ہے ثریا سے بھی سوا سہرا
پاؤں رکھے نہ چرخِ اطلس پر — جان کر نقشِ بوریا سہرا
ہے بہت ہی بجا اگر سمجھے — عقدِ پرویں کو نقشِ پا سہرا
بند ہے دامن سے دولت و اقبال — طرّہ شاہوں کے تاج کا سہرا
درِ مولا سے مرتبہ یہ ملا — ہے بڑی ورک کا جبہ سا سہرا
باغِ جنّت کے پھول داغِ جبیں — گلشنِ خلد کی فضا سہرا
زلفِ حور اس کی مروحہ جنبان — بخت رکھتا ہے کیا رسا سہرا
کیوں نہ لائیں لگا کے کشتی میں — سب کی کشتی کا ناخدا سہرا
نام کشتی کا آ گیا لب پر — درِ میخانہ نہ کردے وا سہرا
اس کی لڑیوں سے اٹھے موجِ شراب — دستِ ساقی کا دے مزا سہرا

وقتِ آخر ہے پیرِ نائب ہوں　　بوئے مُی کا دے آسرا سہرا
ہلکی مے اپنے رنگ سے بڑھ کر　　دستِ نازک سے دی ذرا سہرا
ہوگئی میری آرزو پوری　　آرزو تھی کہ دیکھتا سہرا
کر دے مجھکو جواں ہوائے بہشت　　اپنے دامن کی دی ہوا سہرا
رنگ چھا جائے بزمِ عالم پر　　رنگ دی جائے یہ نیا سہرا
پھلیں پھولیں ریاض کے اشعار　　پھلے پھولے یہ جانفزا سہرا
دھوم مچ جائے بزمِ نوشہ میں　　شور اُٹھے خوب ہی کہا سہرا
کہہ رہی ہے لطافتِ معنیٰ　　پھولوں میں ہی بسا ہوا سہرا
موجِ کوثر ہر ایک مصرعِ تر　　سطحِ کوثر بنا ہوا سہرا
کیسے موتی پروئے ہیں انمول　　کس قدر ہی گراں بہا سہرا
سہرے کا شعر شعر سلکِ گہر　　موتیوں سی گندھا ہوا سہرا
پھولوں نے رنگ بدلے ہیں کیا کیا؟　　ہے یہ باغِ طلسم کا سہرا
کہیں بیساختہ مہاراجہ　　ہے نئی طرز کا نیا سہرا
سرِ محمد علی محمد خان　　کہتے ہیں یہ سب سے بڑھ گیا سہرا
سُن کے سہرے کو باچھیں کھُل جائیں　　سو زبانوں سی دی دعا سہرا
ہے یہ اعجازِ حضرتِ ساحرؔ　　شور اُٹھے کہ بول اُٹھا سہرا
خود سخن دان و قدر دانِ سخن　　مدح میں ہو سخن سرا سہرا
جانتا ہے یہ نقشِ پا کو تاج　　جبہ سائی کو جھک گیا سہرا
کیا ٹھکانا ہے اُن کی رفعت کا　　جن کے سائے سی ہی ہما سہرا

کہے لیکر بلائیں نوشہ سے | ترے سہرے کے سر رہا سہرا
تھی تعلی سخن سرایا نہ | ورنہ میں کیا ہوں اکیا مرا سہرا
اور سہروں سے ہوگی کیا نسبت | کہیں گے سب سخن سرا سہرا
پنکھڑی سے بھی کم یہ سہرا ہے | خرمن گل ہر ایک کا سہرا
یہ بہت ہے کہ میرے آقا نے | لطف سے اپنے سن لیا سہرا
وقت یہ ہے کہ ہو پئے نوشاہ | اب مرا وامن دعا سہرا
اے محمد امیر احمد خان | ہو مبارک تجھے ترا سہرا
یونہی لہرائے پرچم اقبال | یونہی لہرائے یا خدا سہرا
تیری زلفوں سے یونہی اے نوشاہ! | کرے اٹھکھیلیاں ترا سہرا
رہے یونہیں ہمیشہ تیرے سر | سایۂ والدین کا سہرا
سہرا تیرا اُٹھائے یونہیں گھر | ابر نیساں سے ہو سوا سہرا

مصرع سالِ تارِ ابرِ کرم
کہ ہے ابرِ کرم ترا سہرا
۱۳۴۵ھ

سہرا
موسومہ

عقدِ ثریّا

رخ آتے ہی بنا عرش کا تارا سہرا | نور اللہ کا اللہ کا سایا سہرا

آنکھ کا نور ہے یا نورِ نظر کا سہرا — بن کے تا حشر رہے باپ کا سایا سہرا

دور سے اے نگہِ شوق بلائیں لے لے — کس ادا سے ہی نقابِ رخِ زیبا سہرا

زجر و مد کے لئے رخسار ہیں دونوں مہ و مہر — موج ہے سلکِ گہر حسن کا دریا سہرا

لگی آنکھیں ہیں حسینوں کی ادھر آ مالن — خوب تو نے گلِ نرگس کا بنایا سہرا

رخِ نوشہ کی طرف کیوں نہ بڑھائے سو ہاتھ — ہے بہت شربتِ دیدار کا پیاسا سہرا

چھیڑنے کو نگہِ شوق کی بنتا ہے حجاب — کوئی دیکھے تو ذرا شوخ ہے کتنا سہرا

آج پھولوں کی طرح تاروں کی حسرت نکلی — ضو فشانی سے بنا عقدِ ثریّا سہرا

تیرے چہرے سے یہ ہٹنے کا نہیں اے نوشاہ — رہ گیا بن کے تری زلف کا سایا سہرا

دیکھنے میں یہ قیامت سے سوا ہے دو ہاتھ — ابھی سمٹے تو بنے آنکھ کا تارا سہرا

ہیں ہر اک تار سے سو تارِ نظر وابستہ — حسنِ تزئیں سے بنا آج تماشا سہرا

پر خمار آنکھ کا نوشاہ کے نظارہ ہو — صبح ہوتے درِ میخانہ کرے وا سہرا

لے بلائیں رخِ نوشہ کی الٰہی دن رات — بن کے گیسو یوہیں لہرائے خدایا سہرا

ایک وزدیدہ نظر ہنس کے ادھر بھی نوشہ — آج لایا ہے دکھانے نئی دنیا سہرا

نوشہ کی مست نگاہوں سے نہ لے کام ریاضؔ
نہ بڑھائے اثرِ نشۂ صہبا سہرا

سہرا

موسوم بہ

عقدِ پروین

گھر سے اللہ کے لایا ہے مقدر سہرا
کیا ولی عہد بہادر کے رہا سر سہرا

کتنے اختر لئے دامن میں ہے پر زر سہرا
کہکشاں لائی ہے تاروں کا بنا کر سہرا

سادہ انداز ہیں سہرے کے لئے مایۂ ناز
زیب و زینت کا رہے گیسووں کے سر سہرا

چاند سورج کے ہوئے تارِ شعاعی سب صرف
جب بنا ہے کہیں نوشاہ کا گز بھر سہرا

کوئی اس طرح بھی مستِ مئے دیدار نہ ہو
نظر آتا ہے بہت آپ سے باہر سہرا

خطِ ساغر ہو رگِ گل ہو کہ سورج کی کرن
سب سے بڑھکر ہے نوشاہ کا پُر زر سہرا

سہرے کی رات ذرا زلف نہ اُلجھے اس سے
نہیں رکھنے کا لگی بال برابر سہرا

تار داماں قیامت کے ہوئے ہیں سب صرف
جب بنا ہے قدِ نوشہ کے برابر سہرا

شب ہے تاروں بھری یا موتی پروئی ہوئی زلف
ضوفشاں عقد ثریا ہے کہ پر زر سہرا

نیچی نظروں میں ہے نوشاہ چھبن سہرے کی
رُخِ ساغر کے لئے ہے خطِ ساغر سہرا

ہر لڑی آج رگِ لعلِ بدخشاں ہے بنی
کون کہتا ہے نہیں معدنِ جوہر سہرا

فرد دونوں نگہۂ شوق کے الجھانے میں
زلف سہرے سے سوا زلف سے بڑھکر سہرا

چاہتی ہے کہ جو ہو ساقیٔ کوثر کی نگاہ
اپنی موجوں کا بنائے مئے کوثر سہرا

سایۂ تاج ترا تاجِ ثریا کے لئے
اوج و رفعت کا ہے نوشاہ ترے سر سہرا

پنجتن کا رہے نوشاہ ترے سر سایہ
یونہی لہرائے ہمیشہ ترے سر پہ سہرا

بزم میں دھوم مچی سہروں کی ہے آج ریاضؔ
میرے سہرے سے کہیں بڑھ کے رہا ہر سہرا

سہرا

نوطرز

۱

آسماں پہلے بچھا بزم میں سایا بن کر — چمکی تقدیر بنا فرش وہ دیبا بن کر
چاند سورج جھکے جیسے ہی بلائیں لینے — رہ گئے خود رُخِ نوشاہ کا سہرا بن کر

۲

کس کا سہرا ہے نوشاہ کا یہ سہرا ہے — آسمانِ شرف وجاہ کا یہ سہرا ہے
رتی تاروں کی چمک جائیگی اُٹھتے تو حجاب — آنکھیں کھل جائیں گی کس ماہ کا یہ سہرا ہے

۳

دیکھ کر چاند تری چاند سی صورت دیکھی — صدقے نوشاہ کے اللہ کی قدرت دیکھی
سہرے کے عکس سے تسنیم کے چشمے اُبلے — گوشے گوشے میں ترے بزم کی جنت دیکھی

۴

لڑیاں سہرے کی ہیں کیا کچھ نظرِ طوبیٰ میں — عکس نے لعل جڑے تاجِ سرِ طوبیٰ میں
کہہ رہی ہے رُخِ نوشہ سے پھبن سہرے کی — نئی پھوٹی ہے یہ کونپل شجرِ طوبیٰ میں

۵

کوئی دیکھے تو کئے کتنے سنگار آئی ہے — سرخ لالے کے محافے میں سوار آئی ہے
غنچہ وگل ہیں سرِ شاخ کہ نکلی ہے برات — باغِ نوشہ میں دلھن بن کے بہار آئی ہے

۶

سہرا بننے کو اسی شوخ کا آنچل آئے — بجلیاں چمکیں ذرا جھوم کے بادل آئے

رندا دھر گاتے ملار آئیں سُو بزم ریاض — اس طرف کاگ اُڑاتی ہوئی بوتل آئے

بہ سلسلہ تقریب جان ہارکورٹ بٹلر بموقع دعوت عید

۱

عید با عشرتِ جاوید مبارک ہو حضور — اور جشن کے وجمشید مبارک ہو حضور
رات جو آئے وہ آئے سحرِ عید لئے — ہم کہیں روز نئی عید مبارک ہو حضور

۲

روز تو رنگ نئے لائی مبارک تقریب — تو نے ہر رنگ کی بلوائی مبارک تقریب
رسم دیرینہ تھی سرکار سے تو بعدِ ڈنر — عید بھی کہتی ہوئی آئی مبارک تقریب

ایک خاص کام کے لئے

در پر سرکار کے ہے بستر اپنا — پھر بھی نہیں جین یہ مقدر اپنا
سر رکھ تو دیا سنگِ درِ دولت پر — اب پھوڑنے کو جاؤں کہاں سر اپنا

پوچھیں مجھکو یہ میری پرسش فرمائیں — بگڑی بن جائے اتنی کوشش فرمائیں
سرکار کے لب میں ہے مسیحی اعجاز — میرے لئے بھی ذرا سی جنبش فرمائیں

قصیدہ جو راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر بابت تقریب کے چھلّے کی تقریب میں مہاراجہ بہادر اعلی اللہ مقامہ کے حضور میں پیش کیا گیا

بننے کو شمعِ بزم نہیں بے شمار چاند — ساحر کی انجمن کو لگا نا ہیں چار چاند
اللہ اہے یہ کس شہِ انجم خدم کی بزم — بے گنتی اس میں تارے ہیں تو بے شمار چاند
ہے فرش اس میں تاروں بھری آسمان کا — ٹوٹا طلسمِ چرخ، گیا سحر کار چاند
یہ دیکھ کر کہ ہے فلکِ اطلس آج فرش — زرکار مسند آ کے بنا زرنگار چاند
کیواں جناب کون ہے رونق فروزِ بزم — کس آسماں حشم کا ہی آئینہ دار چاند
ہے کس ادب سے باندھے ہوئے ہاتھ کہکشاں — مجرے کو جھک رہا ہے یہ کیوں باربار چاند
یہ انجمن ہے یا کوئی باغِ طلسم ہے — لالے کا جس میں پھول بنا داغدار چاند
پھولا ہوا ہے آج بہت اپنے حسن پر — ہے باغ باغ دیکھ کر اپنی بہار چاند
گنتی تھی اس کی شعبدہ بازانِ چرخ میں — سب تارے اُن میں چاند تھا یہ سحر کار چاند
شمع و چراغ بن کے ہوئے بدرِ انجمن — انجم شرارہ ریز نہ اب شعلہ بار چاند
کیسی فروغِ بزم سے پھیلی ہے چاندنی — گل ہے چراغِ چرخ تو کھاتا ہے خار چاند
ہر ذرۂ زمیں کو وہ حاصل فروغ ہے — شرمندہ آفتاب ہے تو شرمسار چاند
اب شوق ہے بنے شررِ شمعِ انجمن — پھرتا ہے گرد شمع کے پروانہ وار چاند
پروین نے پر نکالے کہ پروانہ وہ بنے — ہالہ یہ کہہ رہا ہے کہ ہوگا نثار چاند
سیارے بھی ہیں گرد کچھ ایسی لگی ہے آج — یہ بھی ہیں بیقرار جو ہے بیقرار چاند
پروانے کے وصال پر آتا ہے رشک اُسے — دیکھے ہوئے ہے ہجر کے لیل و نہار چاند
سب جانیں دودِ شمع اُسی انجمن کا ہے — آیا ہے بن کے دامنِ ابرِ بہار چاند
شوخی سے دودِ شمع بھی دامن کشیدہ ہے — ٹکرائے جا کے سر کو سرِ کوہسار چاند
دستِ شجاع قطع ہوں آئے اگر قریب — لے کر بلائیں دور سے ہو لے نثار چاند

فانوسِ شمع، شمع کا دھوکا نہ کھائے گا — ایسے پڑے ہیں جیب میں ستر ہزار چاند
اس انجمن میں ہو اُسے درخور یہ دور ہے — آنے کو آئے روپ بدل کر ہزار چاند
آیا ہو فورِ شوق سے ہے بن کے بدر آج — کل تک ہلال تھا غمِ دوری سے زار چاند
نسبت اُسے ہی کیا درِ دولت کی خاک سے — ہوگا کسی جبیں کی گلی کا غبار چاند
کیوں اہلِ بزم نقشِ کفِ پا اسے بنائیں — آیا ہے آج بن کے بہت خاکسار چاند
اس پر نہیں ہے آبلہ پائی کا کچھ اثر — پھرتا ہے دشتِ چرخ میں دیوانہ وار چاند
اپنے پرائے کا نہیں جوشِ جنوں میں ہوش — تاروں کو آسماں کے سمجھتا ہے خار چاند
دیوانگی میں طوقِ گلو بھی گراں نہیں — ہالے کو جانتا ہے گریباں کا تار چاند
دستِ جنوں بنائے نہ دستِ شعاع کو — دامن کو چاہتا ہے کرے تار تار چاند
دھوکا بُرا دیا اِسے تنویرِ عکس نے — جُھک جُھک کے دیکھتا ہے سوئے جوئبار چاند
زندانِ آسماں سے نکالا ہے اس نے پاؤں — لوٹے گا آج کُھل کے چمن کی بہار چاند
آئینہ بندیاں ہیں جو تقریبِ جشن میں — یہ چاند کیا ہے! ایسے سمائیں ہزار چاند
گردش میں عمر گزری ہے اس کے بھی دن پھریں — آئے جو انجمن میں لگیں اس کو چار چاند
آنکھوں میں راتیں کاٹی ہیں اس دن کے واسطے — برسوں سے کر رہا ہے یہی انتظار چاند
یہ دن بھی اُس نے دیکھ لیا اپنی آنکھ سے — کیوں پھر بزمِ جشن نہ ہو بیقرار چاند
وہ کون ہے جو کہہ نہ اُٹھے اہلِ بزم میں — ہاں وقت ہے ضرور ہو آکر نثار چاند
ہاں ہاں یہ بزمِ ساحرِ کیواں جناب ہے — جس کو مرے خدا نے دیا گلعذار چاند
اور آفتابِ دولت و اقبال ہو بلند — وجہ فروغ اور ہو یہ ہونہار چاند
قربان جم بھی جام بھی اس بزمِ جشن پر — ساقی اب اُٹھ بھی تو، تری صدقے ہزار چاند

اُترے بھی آسمان سے مینائے آفتاب — آئے بھی بن کے ساغرِ زرنگار چاند
گلگوں شفق ہو ساتھ گلابی لئے ہوئے — خود مہر ہو سرِ خُمِ ابرِ بہار چاند
آغوش جس کے واسطے موجِ مئے نشاط — آئے ہیں دیکھنے وہ نیا بادہ خوار چاند
گہوارہ جس کے واسطے کشتی ہلال کی — وہ چاند جس کو گود میں لے بار بار چاند
کھیلے گا کل یہ چاند سی شب کو اٹھا کے ہاتھ — اٹھیں گی اُنگلیاں کہ ہے بچپن کا یار چاند
دیکھا تھا ایسا کاہے کو منہ چاند نے کبھی — کس کس ادا سے چاند کو کرتا ہے پیار چاند
دستِ شعاعِ مہر نہ بہت اس کو گدگدائے — نادان ہے یہ چاند وہ ہے ہوشیار چاند
مُنہ پر ہنسی ہے دونوں کے اللہ رے ذوق شوق — یہ اس کو دیکھتا ہے اسے بار بار چاند
تلوں سے آنکھ مل کے بنا بدر ماہِ نو — ہے چودھویں کا چاند لگا اس کو چار چاند
اے چاند! تو بھی ساتھ تھا چھلے کے غسل میں — نکھری ہے چاندنی، یہ غضب کا نکھار چاند
شوقِ ادائے رسم تو دیکھے ذرا کوئی — کرتا شفق ہے، کُلہِ زرنگار چاند
ایسے ہوں جشن روز مبارک حضور کو — دیکھے بہار روز نئی گلعذار چاند
پائے یہ والدین کے سائے میں عمرِ خضر — دیکھے یہ چاند میرے خدا سو ہزار چاند
جو دیکھے چاند، چاند وہ ہو عید کا ریاضؔ — ہر سال دیکھے عید کے یہ بار بار چاند
تاریخ ہے یہ نور کی اس چاند کے لئے — مہ روئے رشکِ ماہ کے صدقے ہزار چاند

منہ دیکھ کر یہ میں نے کہا ہر سالِ جشن
ہے اچھے اچھے چاند سے مُنہ پر نثار چاند

۱۳۳۲ ہ

قطعۂ تاریخ تولّد فرزندِ ارجمندِ حضور پُر نور آنریبل

سر راجہ محمد علی محمد خاں بہادر والی ریاست عالیہ

محمود آباد دام اقبالہٗ

ساحرِ کیواں حشم پر کیوں نہ کے کو رشک ہو — مرتبہ کیسا دیا اس کو خدائے پاک نے
نعمتیں کیا کیا عطا کی دین و دنیا کی اُسے — کیا کہوں کیا کیا دیا اُس کو خدائے پاک نے
بھر دیا مینائے دل میں بادۂ گلرنگِ عشق — کیا مئے و مینا دیا اس کو خدائے پاک نے
ساتھ جس کے کارفرما ساقیٔ کوثر کا ہاتھ — وہ خمِ صہبا دیا اس کو خدائے پاک نے
گو لٹائے گنجِ قارون لاکھ اس کا دستِ جود — کم نہ ہو اتنا دیا اس کو خدائے پاک نے
حق و باطل کے لئے بخشی نگاہِ امتیاز — دیدۂ بینا دیا اُس کو خدائے پاک نے
طبعِ عالی کی رسائی دور از وہم و قیاس — ذہن بھی کیسا دیا اس کو خدائے پاک نے
قوم کے دکھ درد پر آنکھوں میں آجاتے ہیں اشک — دردِ دل کتنا دیا اس کو خدائے پاک نے
ہو گیا حصّہ وہ ہو صورت کا یا سیرت کا حُسن — حُسن دینا تھا دیا اس کو خدائے پاک نے
آفتاب آئینہ بن جاتا ہے جس کے عکس سے — وہ رُخِ زیبا دیا اس کو خدائے پاک نے
کچھ نہ پوچھو اور کیا دیگا اسے ربِّ کریم — کچھ نہ پوچھو کیا دیا اس کو خدائے پاک نے
رحمتِ حق سے ملا فرزندِ مہ پارہ بھی اب — آنکھ کا تارا دیا اس کو خدائے پاک نے

نام ہوگا اور روشن میرے آقا کا ریاض
چاند سا بیٹا دیا اس کو خدائے پاک نے
۳۳۲ ھ ۱۳

بہ تقریبِ مسند نشینی مہاراجہ محمد علی محمد خان بہادر اعلی اللہ مقامہٗ

یہ کیسی بزم ہے کیسی خوشی کیسی مسرت ہے
یہ کیسا جشن ہے کیسا یہ ہے دربار شاہانہ

یہ کیسی حسن آرائش نے پیدا کی ہے صورت
یہ کیسا عالم ہے ہر ذرہ بنا ہے آئینہ خانہ

یہ بزم آرائیاں کیسی چمن پیرائیاں کیسی
جہاں پروانہ بلبل ہے جہاں بلبل ہے پروانہ

یہ ہے دودِ چراغِ بزم یا ہے حور کا گیسو
یہ شمعِ نور ہے یا حور او جس کی ہے مستانہ

یہ پرواز ہر برگِ گلِ تر نے کئے پیدا
یہ کلیاں ہیں کہ پریاں ہیں چمن ہے یا پریخانہ

یہ ہے وہ انجمن چھایا ہوا رنگِ چمن جس پر
چمن بھی وہ کہ بھولے جس میں بلبل غم کا افسانہ

یہ ہے وہ انجمن ہر بات ہے جسمیں سلیقے کی
ادب آموزیاں کرتی ہے ہائے و ہوئے مستانہ

یہ ہے وہ انجمن جو آئے یہ کہتا ہوا جائے
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

یہاں تک بڑھ گیا ہے دورِ دورِ بادۂ عشرت
بنا لی شیخ و زاہد نے بھی اپنی وضع رندانہ

یہ کیسی انجمن ہے کیسے کیسے لوگ آئے ہیں
کوئی ایسا نہیں ہے جو نہ ہو مہمان کاشانہ

تری صدقے مے ساقی اٹھے بوتل چلے ساغر
بہار آئی گھٹا چھائی کھلے در ہائے میخانہ

مزا ہو موجِ مے چنوائے تنکے بزمِ ساقی میں
پری شیشے کی زاہد کو بنائے آج دیوانہ

دمِ طاؤس مینا ہو عمامہ آج واعظ کا
جو آئے بزمِ عشرت میں دکھائے رقصِ مستانہ

بھرے ہیں کس ہوا میں ظرفِ مے کھاتا نہیں ساقی
یہ ٹکڑے ابر کے ہیں میکشو یا ظرفِ میخانہ

زبانِ موج دیتی ہے دعا سرکارِ عالی کو
لبِ ساغر یہ کہتا ہے مبارک جشنِ شاہانہ

صدائے قلقلِ مینا یہ ہے نالے کرے دشمن
پری شیشے کی کہتی ہے عدو ہو جائے دیوانہ

مبارک ہو مے سرکار کو یہ جشنِ جمشیدی
مبارک ہو مے سرکار کو یہ جشنِ شاہانہ

بہ تقریب ہوم ممبری

آفتابِ فلک ہے پُر زر تاج — عرش پر طُرّۂ آسماں پر تاج
جستجو ہے اسے کسی کی ضرور — صبح سے کھا رہا ہے چکر تاج
کچھ اِسے ہے تلاش موقع کی — پھر رہا ہے جو اوپر اوپر تاج
نہیں یہ تو شعاعِ مہر نہیں — ڈالتا ہے نگاہ سب پر تاج
بھانتا کچھ ہے دور دور سے یہ — نہیں آتا قریب جھک کر تاج
چاہتا ہے یہ زیبِ سر ہونا — اسی کوشش میں ہے برابر تاج
شکل ہے تاج کی یہ تاج نہیں — نہ پھرے بن کے مہر انور تاج
کھو جائے بھی اب تو شام ہوئی — آگیا ماہتاب بن کر تاج
نہیں گرد اس کے انجم و اختر — ہے لئے ساتھ لعل و گوہر تاج
تارے کیا کیا ابھر کے آتے ہیں — شوق یہ ہے بنے ہر اختر تاج
اے فلک رُتبہ حضرتِ سحر — سایۂ اللہ کا ہو سر پر تاج
تہِ پا ہو ہمیشہ پر زر تخت — زیبِ سر ہو ہمیشہ پر زر تاج
ذرّۂ خاکِ پا بھی تو یہ نہیں — بنتے ہیں مہر و ماہ و اختر تاج
خاکِ در تک یہ جھک کے آئیں تو — سو کو دے ایک ذرّۂ در تاج
یوں سواراج آسماں کو ملے — ہو بروجِ فلک میں گھر گھر تاج
تیرے در پر رہوں سر افگندہ — میرے سر کو ہو تیری ٹھوکر تاج
لطف تیرا مرے لئے خلعت — سایہ تیرا ہو میرے سر پر تاج

سر محمد علی محمد خان

وہ بھی دن ہو کہ رکھیں سر پہ تاج
آئے اس طرح حکم شاہنشاہ
کہ پہنائیں انھیں گورنر تاج
فرقِ اقدس پہ اپنے ہاتھوں سے
رکھیں سرہارکورٹ بٹلر تاج
ہوم ممبر ہوں پھر گورنر ہوں
یوں ہیں پھر دے خدائے برتر تاج
پیش کرتا ہوں مصرعِ تاریخ
دیں صلہ مجھکو خلق کے سرتاج

تھا مقدر ریاضؔ یہ سپے سال
رکنِ کونسل ہوں خلق کے سرتاج

تہنیت در بارہ حکم ضرب سلامی وزرا

نوٹ:۔ غلط طور پر یہ افواہ تھی کہ حضور گورنر کے لئے (۱۷) ضرب توپ سلامی اور وزرا کے لئے ۱۲ اشلک تجویز ہوئی۔ تاریخ کہنے پر معلوم ہوا وزرا کے لئے شلک سلامی غلط۔ تاریخ صحیح خبر غلط تھی اس لئے بطورِ یادگار سلامی کے فیر کی طرح مندرجہ ذیل اشعار ضائع نہیں کئے گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیندہ کسی زمانے میں ایسا موقع آئے

ادب سے ہے سرکارِ ساحر میں عرض
سلامی کی توپوں نے پھونکا ہے صور
ہوئے زندہ ہم سے بھی اب مردہ دل
ہوا روح افزا طرب کا وفور
رعایا کے سرتاج یوں ہیں تھے آپ
بنے آج بھی رکنِ کونسل حضور
جو ہز اکسلنسی ہیں وہ آپ ہیں
کہ یک جاں و دو قالب ہیں دونوں حضور

رعایا کو یکساں ہیں دونوں عزیز　　یہ ہے دونوں پر فضلِ ربِّ غفور
شُلک کی سُنی گنتی میں نے ریاضؔ　　یہ آواز جائے گی نزدیک و دور
کُھلا ستّرہ[۱۷] اور بارہ[۱۲] کا فرق　　کمی پانچ کی میں نے پائی ضرور
اضافہ اسی کا ہے تاریخ میں
سلامی کی توپیں مبارک حضور

قطعہ تہنیتِ خطابِ راجہ سر محمد علی محمد خاں بہادر دام اقبالہٗ والیٔ محمود آباد

[میری جرأت دیکھیے کہ آفتاب کو آئینہ دکھانے، اور دریا کے سامنے قطراتِ ابر و لولوئے شاہوار کی حقیقت بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں یعنی میں چاہتا ہوں کہ حضرتِ ریاضؔ کے اشعارِ شاہوار، روکشِ سحر و اعجاز کی توصیف کروں۔

آج اُردو کی دنیائے شاعری میں جتنے قصر و ایوان ہیں وہ اس آفتابِ کمال کی جلوہ آرائی سے مستغنی نہیں ہو سکتے' آج ادب کی کوئی بزمِ سخن ایسی نہیں جو اس جگمگاتے ہوئے فانوسِ روشن کی محتاج نہ ہو' آج جذبات و انشار کا کوئی باغ ایسا نہیں جس میں اس بہارِ روح پرور کی حاجت نہ ہو' اسی طرح ملک کا ہر شخص ادب و انشا کا ہر شیدائی شعر و شاعری کا ہر دلدادہ لسان الملک حضرتِ ریاضؔ کی جنبشِ دست و قلم کے اعجاز کا معترف ہے۔

مجھے یہ کہنے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں ہے کہ صہبائے مینائی کے متوالے تو بہت ہیں لیکن اس پیمانہ کشِ بلانوشِ مست و سرشارِ جذبات کا کوئی ہمسر نہیں، ساقی کی نگاہیں میخانے میں اُسی طرف جاتی ہیں جو مینے سے پہلے جھومتا ہے جس کا اعتراف ایک موقع پر خود حضرتِ ریاضؔ کی

زبان سے سن لیجئے ؎

ہے سہا یا صؔ اک جوان مست خرام　　نہ پیئے اور جھومتا جائے

آج تغزل میں جو مستی کن اور ہوش رُبا رنگ پیدا ہو گیا ہے وہ اسی "حافظ ہند" کی للچائی ہوئی نگاہ اور جذبات کی موجوں سے بھری ہوئی طبیعت کا نتیجہ ہے۔ افسوس ہے کہ مجھکو حضرت سہا یاصؔ کی شاعری پر تفصیلی بحث کرنا نہیں ہے ورنہ خدا جانے مبالغے سے دور بیجا مدح وستائش سے علیحدہ صرف حقیقت کے اظہار میں قلم کتنی جولانیاں دکھلاتا۔

اس وقت جس قطعۂ تاریخ پر میں اظہار خیال کر رہا ہوں اس کو بنظر غور ملاحظہ کر لیجئے، تو تشبیب، استعارات، تشبیہات، تلمیحات، تخلیل و محاکات و دیگر اصنافِ شاعری کے پھولوں کا غیر فانی لہلہاتا ہوا باغ نظر آئے گا، حضرت سہا یاصؔ کا یہ بے بدل کمال ہے کہ اس قطعے میں لازوال عذوبت پیدا کر دی ہے۔ اگر بیانِ حقیقت منظور ہوا ہے تو شعروں کے ذریعے متحرک تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ممدوح کے تعریف کی باری آگئی ہے تو شان وشوکت کا ایک طلسم باندھ دیا ہے۔ قطعہ کیا ہے کرشمہ ہائے لطفِ سخن کا طلسم کدہ ہے یا بولتی تصویروں کا ایک مرقع دلکش ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ اشیاء کی عزت کسی نسبت کی وجہ سے بلند ہو کر آسمان پر پہنچ جاتی ہے، اگر یہ صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے تو نور راجہ صاحب بہادر والی مجھوا آباد کے ایسے گوہر شناس، قدر دان علم وفن کی ہمت افزائی کا انتساب اس قطعے میں چار چاند لگا دے گا۔

حضرت سہا یاصؔ نے اس قطعے میں جو کچھ کہا ہے وہ عام طور پر شاعرانہ حسنِ طلب سے بہت بلند ایک چیز ہے جس کا نام "اقرارِ حقیقت" ہے، بس اسی سے سمجھ لیجئے کہ حضرت سہا یاصؔ کا قطعۂ تاریخ ایسے باکمال ممدوح کی نسبت کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور خود حضرت ممدوح کی شان اس انداز بیان میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔

ان آنکھوں نے بہت سی نظمیں اس موقع پر دیکھی ہیں لیکن اثر و حقیقت کو ملا لیجئے تو اس قطعے کے مدِ مقابل شاید ہی کوئی نظم ٹھہر سکے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا کرے حضرت ریاضؔ قدر و قیمت کے ساتھ جولانیٔ طبع کا جوہر دکھانے کے لئے عرصے تک دنیا میں اپنے ممدوح کے زیرِ سایۂ عاطفت رہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرتِ ریاضؔ کی بڑی بڑی ریاستوں کو تمنا ہے مگر وہ اعلیٰحضرت سر مہاراجہ صاحب بہادر کی آستانے کی جبیں سائی کے فخر کو ترک کرنا نہیں چاہتے اور سر راجہ صاحب بہادر کی مدح سرائی کو حاصلِ زندگی تصور کرتے ہیں۔

[حکیم برہم ایڈیٹر "مشرق" گورکھپور۔ ۲۷۔ جولائی ۱۹۲۲ء]

آج کیوں روشن ستارے قمقمے ہیں عرش کے جگمگا اُٹھی ہے کیسی نیلگوں گردوں کی چھت
آج کیوں جوشِ کواکب میں ہے جوشِ انبساط وجد میں آئے فرشتے مشتری ناچی وہ گت
دے گیا سو لطف، وقتِ رقص، دورِ پیشواز کہکشاں جس میں بنی تھی گھو کھرو جیسی بنت
دیکھ کر یہ رنگ، ساقی بھی اُٹھا ساغر بکف اور ہی کچھ ہو گئی اب ہم سے متوالوں کی مت
میکدے سے شوقِ کوثر آسماں پر لے چلا جو نتیجہ ہو بری ہوتی ہے مینوشی کی لت
رہنے دے نقش و نگارِ قصرِ جنت کا بیان جا بھی اے واعظ یہاں سے ہے یہ تیرے ہی گر جھت
دور ایسے کیا ہیں یہ انگور شاخِ تاک پر عرش کے ہم تارے توڑیں اور وہ بھی ان گنت
آئے تھے سمجھانے کچھ رندانِ میکش کو جناب سر سے ناصح کے گری دستار کھائی وہ چپت
خوف تھا چادر نہ اُترے سر سے محفل میں کہیں میکدے والے دعا کرنے لگے، رہ جائے پت
موجِ مے نے پینے والوں کی بلائیں بڑھ کے لیں جامِ ساقی نے کیا دستِ کرم سے مرحمت

آسمان سے بادۂ گلرنگ لائی ہے بہار ... ابر سے ٹکرا رہی ہے آج کاشانے کی چھت
ہم بغل مینا سے میکش ہو رہے ہیں عید ہے ... آئیں واعظ کے فرشتے تو ابھی بجائے گت
پھول ہو ٹھرا ہوئے لندن کی بو کوثر کی ہو ... کوئی بھی ہو اس خوشی میں آج سب کی ہے کھپت
ہے خوشی رتبہ بڑھا سرکار سے سرکار کا ... کے سی ایس آئی ہوئے آقائے عالی منزلت
اے مرے آقا ترے سب غاشیہ بردار ہیں ... مال و دولت ہو کہ ہوں اقبال و عز و مرتبت
آئینہ بردار تیرے سطوت و جاہ و جلال ... اے فریدوں فر، سکندر رتبہ، دارا منزلت
لیں بلائیں مہر و مہ گردوں بلا گرداں رہے ... اختر افشاں، کوکب افشاں، ذرۂ خاک درت
از کفِ پائے تو باشد مہر و گردوں استیز ... لعل افشاں باد سنگِ آستانِ درگہت
بٹلر ریڈنگ کے بازو کی قوت تو ہے آج ... تیرے سر پہ سایہ افگن آج تاج سلطنت
ناخنِ تدبیر سے سلجھائیں کیا کیا گتھیاں ... ہو گئے آسان، مشکل کارہائے مملکت
عہد میں تیرے نظر آتے ہیں کیسے کامیاب ... صیغہائے انتظام و صیغہائے معدلت
پست میرا بختِ بد بن کر مری فکرِ بلند ... ہو نہیں سکتی ادا مجھ سے کوئی ادنی صفت
اس کمی پر کیا ہوں میں طالب صلے کا داو کا ... منفعل ہوں جانتا ہوں اپنی قدرِ منزلت
گھر بھی رہنے کو نہیں سرکار کے در کے سوا ... اور نہ ہی زیرنگیں میرے سخن کی مملکت
ڈھونڈھنے سے اب لغت میں بھی مجھے ملتا نہیں ... میری قسمت سے ہوا معدوم لفظِ منفعت
اور بھی الفاظ اب ایسے مجھے ملتے نہیں ... دیکھ ڈالے چھان ڈالے میں نے جتنے تھے لغت
زر کہاں کیسے میں، دامن میں زرِ گل بھی نہیں ... اس گرانی نے مٹا دی تھی جو کچھ بھی مقدرت
ذات بیتی کیا کہوں میں؟ رات بھی برسات کی ... ابرِ باراں بن گیا ہے جھک کے میری گھر کی چھت
عمرِ آخر میں ہے دوبھر پرورش اولاد کی ... ہو سکے تعلیم کیونکر؟ کس طرح ہو تربیت

بھول بیٹھے مفلسی میں ہم مے و معشوق کو ‏ ‏ شوق عصیاں کے عوض دل میں ہی خوفِ معصیت

ایک دن زاہد کی دعوت کر کے پچھتانا پڑا ‏ ‏ وقت پر کرنا پڑی بے مائگی سے معذرت

سوئیاں کچھ میں نکل جائیں مری آنکھوں سی کاش ‏ ‏ ہیں یہ زد دیدہ نگاہیں اب بھی نذرِ معصیت

جان کر مردہ مجھے مجھ سے کوئی ملتا نہیں ‏ ‏ میرے گھر آتا نہیں کوئی بہ رسمِ تعزیت

شکر ہے ورد و وظائف میں بسر ہوتی ہی خوب ‏ ‏ شکر ہے گھر بیٹھے ہوتا ہے وظیفہ مرحمت

یہ وظائف ہیں وظیفے کی ترقی کے لئے ‏ ‏ کچھ وظیفہ اب بڑھے ای شاہِ عالی مرتبت

چھوٹے بچے دیں دعا تھم جائے گھر گرتا ہوا ‏ ‏ ہاں ذرا میری طرف اٹھ جائے دستِ مکرمت

پاؤں لٹکائے ہوئے ہوں قبر میں پروا نہیں ‏ ‏ کیسی دنیا فکر ہی بن جائے میری آخرت

مست ہوں پی کر پیالہ ساقیٔ کوثر کا میں ‏ ‏ جوش زن ہی مے کے ہر قطرے میں بحرِ معرفت

دورِ جامِ سلسبیل و کوثر و تسنیم ہے ‏ ‏ اب زباں پر رات دن ہی حمد و نعت و منقبت

چاہتا ہوں اہلِ فن سی میں سخن کی داد آج ‏ ‏ واقعی میرے لئے ہی یہ خراجِ سلطنت

آسماں پر غل ہو جاگا طالعِ خفتہ مرا ‏ ‏ کم سے کم ہو شورِ تحسیں اس قدر اُڑ جائے چھت

یہ ہے ناممکن نہ چمکے اب مری تقدیر بھی ‏ ‏ کے سی ایس آئی ہوئے سرکارِ عالی منزلت

ہے بجا بالیدہ ہو اعزاز پر اپنے خطاب ‏ ‏ آسماں پر اس کو لے جائے غرور و تمکنت

نام نے سرکار کے اس کو لگائے چار چاند ‏ ‏ چار حرفوں کی نہ تھی کچھ ورنہ قدر و منزلت

زر سے دامن جو بھرے ذرّے کو کر دی آفتاب ‏ ‏ یہ مرے سرکار کے خاکِ قدم کی ہے صفت

ابرِ نیساں سی سوا دستِ کرم سرکار کا ‏ ‏ سب لکیریں ہاتھ کی ہیں جوئے جود و مکرمت

مصرعِ تاریخ یہ ہے بہر القابِ حضور

کے سی ایس آئی لقب سرراجہ کیواں مرتبت

تاریخ تہنیت

ممبری کونسل آف اسٹیٹ وائسرائے ہند مہاراجہ محمد علی محمد خان بہادر
والی محمود آباد کے سی ایس آئی بالقابہ اعلی اللہ مقامہ

کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر مہاراجہ ہوئے — اور بھی اب ممبری کی ملک میں وقعت ہوئی
نبض جو پہچانتے ہیں ملک کی بےچین تھے — آپ کی شرکت سے اُن کو کس قدر راحت ہوئی
آپ کا کونسل میں آنا اقتضائے وقت تھا — آپ کے آنے سے حاصل قوم کو عزت ہوئی
آپ کے دورِ گزشتہ کا دلوں پر نقش ہے — دورِ حاضر کو میسر پھر نئی دولت ہوئی
ایسی شخصیت حکومت کو بھی جس پر اعتماد — ایسی وقعت اعتبارِ قوم کو وقعت ہوئی
عہدِ والا میں وہ آئے وقت سُن لیں کان بھی — اختیارات و حقوقِ ملک کو وسعت ہوئی
دے یہ مژدہ انتخابِ نو مٹا کر اختلاف — اب زمیں ہندوستاں کی آسماں رفعت ہوئی
یہ بھی نظارہ دکھا دے آنکھ سے دورِ جدید — مٹ گئی تفریقِ قوم ایسی بہم الفت ہوئی
قوم پر شرکت سے اپنی آپ نے احساں کیا — قوم کو راحت ہوئی گو آپ کو زحمت ہوئی
ہوں گے آساں آپ کے آنے سے اب دشوار کام — آپ آئے یہ بڑی اللہ کی رحمت ہوئی
آپ سا اب مل گیا یارانِ کونسل کو رفیق — جو نہ تھی پہلے وہ حاصل اب طمانیت ہوئی

مصرعِ تاریخ برجستہ کہا میں نے ریاضؔ
کونسل آف اسٹیٹ کی اب آپ سے زینت ہوئی

۲۶ ۶ ۱۹

بہ تقریب غسلِ صحت سرمہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہٗ

مہاراجہ سر آنریبل بہادر — مبارک ہو یہ غسلِ صحت مبارک
یہی ہر طرف سے صدا آرہی ہے — یہ صحت ہو اب تا قیامت مبارک
ہمیشہ ترقی کرے شادمانی — فراوانیٔ عیش و عشرت مبارک
وقار و جلال و حشم روز افزوں — زر و مال و اقبال و دولت مبارک
بڑی چیز ہے تندرستی کی نعمت — یہ نعمت، خداوندِ نعمت مبارک
مرا مصرعِ سال کہتا ہے مجھ سے — ریاضؔ آج تجھ کو بھی خلعت مبارک
خدا ہو کر آقا پر آقا سے کہدوں — بمجھے اپنے آقا کی خدمت مبارک

جناب آج یہ دن خدا نے دکھایا
جناب آج یہ غسلِ صحت مبارک

۱۹ ۶ ۲۶

قطعۂ تاریخ تہنیت ممبری ایکزیکیٹیو کونسل ممالک آگرہ و اودھ بہ جناب

او، بی، ای شیخ حبیب اللہ صاحب مدار المہام ریاست عالیہ محمود آباد دام اقبالہٗ

حسب فرمائش مہاراجہ بہادر اعلی اللہ مقامہٗ

بلا مقابلہ کونسل کے ہو گئے ممبر — مجال کیا تھی جو بنتا کوئی جوابِ حبیب
اُسی شراب کا یارانِ انجمن میں ہو دور — کہ رواستی و وفا ہے شرابِ نابِ حبیب

چمن نئے نظر آئیں گے، ہی روش ایسی | بنے گا کوئی نہ خارِ رہِ صواب حبیب
انھیں کے سر رہی کونسل کے کام کا سہرا | بڑا مزا ہو بڑھاپا بنے شباب حبیب
عجیب رنگِ طبیعت ہے آپ نے پایا | عجیب چیز زمانے میں ہیں جناب حبیب
رہیں ہمیشہ مہاراجہ کے حبیب جناب | رہیں حبیب مہاراجہ کے جناب حبیب
حبیبِ قوم ہوں پائیں حبیب ملک خطاب | اب او، بی، ای کے سوا اور ہو خطاب حبیب
نگاہِ لطف و کرم میرے کارساز رہے | نہ اپنی آنکھ سے دیکھوں کبھی عتاب حبیب
یہ فرض ہیں کبھی پاؤں جوابِ تلخ اگر | مزا شراب کا دے تلخی جوابِ حبیب
ہمیشہ میرے لئے بارشِ سحابِ کرم | ہمیشہ میرے لئے لطفِ بیحسابِ حبیب
ہمیشہ غاشیہ بردارِ عز و جاہ و جلال | ہمیشہ دولت و اقبال ہمرکابِ حبیب

کہا ریاض نے کیا خوب انتخاب کا سال
بلا مقابلہ کیا خوب انتخابِ حبیب
۲۹ ۶ ۱۹

(سلام مندرجۂ ذیل مطبوعہ بتعداد کثیر سر مہاراجہ بہادر اعلی اللہ مقامہ نے کربلائے معلّٰی میں تقسیم فرمایا)

غلام کا پیام
آقا کے ذریعے سے

امام ہر دوسرا کو سلام لیتا جا | پیام بر ترے صدقے پیام لیتا جا
تو التجائے دلِ تشنہ کام لیتا جا | ملے جواب مئے لالہ فام لیتا جا
مجھے بھی تھوڑی سی مل جائے دستِ ساقی سے | دلِ شکستہ کا ٹوٹا سا جام لیتا جا

مجھے ہی شوق کہ تیری ہی ہاتھ سے پہنچے — یہ جان تو پئے نذرِ امام لیتا جا

نہیں ہوں ساتھ، تو میرا خیال اپنے ساتھ — سوئے حسین علیہ السلام لیتا جا

بنا کے لااِ سے صبحِ وطن ترے صدقے — حضور میں مری غربت کی شام لیتا جا

علیؑ کے نام سے ہوتی ہیں مشکلیں آساں — قدم قدم پہ انھیں کا تو نام لیتا جا

ازل کے روز سے پایا ہے جس نے حسنِ قبول — وہ پیش کرنے کو اپنا کلام لیتا جا

نسیمِ فکر نے تیری کھلائے ہیں جو پھول — حضورِ سرورِ عالی مقام لیتا جا

بلند عرشِ بریں تک ہے غلغلہ جن کا — مراثی اپنے وہ اپنے سلام لیتا جا

ضرور روضۂ اقدس سے آئیگی آواز — یہ بے بہا ترے موتی ہیں دام لیتا جا

صلہ ہے مدحِ شہیدانِ کربلا کا یہی — یہاں سے صحت و عمرِ دوام لیتا جا

پئیں جو لاکھ تو ہوگا کبھی نہ یہ خالی — جو آ گیا ہے تو کوثر کا جام لیتا جا

مبارک اے مرے آقا ہو یہ سفر تجھ کو — غلام کا دمِ رخصت سلام لیتا جا

ریاض ہاتھ اٹھائے ہے آسماں کی طرف

دعائے بندۂ شاہِ انام لیتا جا

- رباعی بسلسلۂ سلام و پیام

فارسی مصرع ہے۔ ع اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید۔ رباعی مندرجۂ ذیل میں باعتبار تشنگی دو خائے شمشیر کا ثبوت دیا گیا ہے۔

رباعی

وہ دھوپ کہ سبزہ لبِ جو خشک ہوا — وہ لو کہ نہالِ آرزو خشک ہوا

پیاسی رہی تیغ بھی برنگِ شبیر — ہر وار پہ اعدا کا لہو خشک ہوا

نظم متعلق اخبارِ برہم

بہ سلسلۂ وابستگانِ مہاراجہ صاحب محمود آباد اعلی اللہ مقامہٗ

دھوم ہے برہم بدایوں کی
ہے ابھی تو یہ ہفتہ وار اخبار

منظرِ لطفِ سر عزیز الدین
پئے برہم ہوئی ہے وجہِ وقار

رنگ لائے یہ نو دمیدہ گل
دیکھیں مزمل اللہ خاں بھی بہار

قدرداں اس کے والیٔ بھوپال
قدرداں رام پور کی سرکار

باغ گھر کا ہے باغباں گھر کا
ہوں زمیندار یا تعلقہ دار

دیکھ لو پیار کی نگاہوں سے
کہ سنبھل جائے یہ دلِ بیمار

خضرِ رہ کاش کوئی پیدا ہو
وقت نازک ہے مرحلہ دشوار

قدردانوں سے ہے امید یہی
سہل فرمائیں عقدۂ دشوار

جلد روزانہ ہو دعا ہے یہی
بلکہ ہر روز یہ چھپے دو بار

شفقِ صبح بن کے نکلے صبح
شفقِ شام شام کا اخبار

شام کو یہ بنائے شامِ وصال
صبح کو یہ بنائے صبحِ بہار

اس کے ایجنٹ ہوں بہار فروش
بنے خود اس کی گلفروشِ بہار

اب بھی کوزے میں بند ہے دریا
ہر ورق اب بھی ہے ارم بکنار

اشک خونیں سی سرخیاں ہیں لکھی
حرف ہر ایک زخمِ دامن دار

خود ایڈیٹر ہیں خود ہی مالک ہیں
قاضیٔ جرنلسٹ سحر نگار

نام مقبول ہے حسین کے ساتھ قوم کے ہیں یہی علم بردار
دل میں ان کے ہے اپنے ملک کا درد قوموں کا اتحاد اِن کا شعار
کعبۂ دل میں ہے بتوں کی جگہ اُن کے سُبحے میں رشتۂ زنار
خالِ ہندو ہو زلف کافر ہو دونوں پر جان و دل ہی ہیں نثار
سخت کافر یہ حق پرستی میں حق ہی نکلے گا مُنہ سے بر سرِ دار
ایک ہیں سب نگاہ میں اُن کی گبر و ترسا و کافر و دیندار
سب ہیں اعضائے یکدگر باہم دردمندی اگر ہو سب کا شعار
استخوان کتنے ایک رشتۂ جاں رشتۂ سُبحہ ایک دانے ہزار
نیک دل ہو ہر ایک نیک روش دور از کبر و نخوت و پندار
گاندھی، آزاد، شوکت و حسرت چاہتا ہے کہ حق ہو ان کا اشعار
نہ ریا ہو نہ زور ہو نہ فریب سیدھی رفتار سچی ہو گفتار
امتحاں پہلے میل جول کا ہو نہ رہے انتخاب میں تکرار
نہیں یاروں کے دل میں چور اگر کیوں بناتے ہیں سہل کو دشوار
اس میں رازِ نہاں جو ہو کوئی کاش چپکے سے اُس کا ہو اظہار
غیر شوکت نہ غیر حسرت ہیں ایک ہیں سب مہاجر و انصار
کچھ کہے کوئی یوں نہ ہونگے کبھی ظفر اپنی شکست پر تیار
ہو تحفظ پئے کثیر و قلیل صاف دستور پہلے ہو تیار
رنگ بدلے نہ دھوپ چھاؤں کی طرح ابھی اقرار تھا ابھی انکار
راستی موجبِ رضائے خداست بند اب ہر طرف ہے راہِ فرار

دَورِ قاضی ہے آردن تو گئے — راضی آئے بہت ہی دوراز کار
آج کچے گھڑے کی پی ہے کیا — ہے یہ قاضی ہمیشہ کا میخوار
وقت سے پہلے نقد کچھ کم دو — کبھی اچھے نہیں ہیں تیرا دھار
کبھی راضی نہ ہوں گے یوں قاضی — گاندھی ٹوپی اُدھر، اِدھر دستار
رہنِ مے ہوں تو ساتھ دونوں ہوں — نہ وہ ٹوپی بچے نہ یہ دستار
بنیں دونوں گرہست کی چادر — دونوں ساتھ اُتریںگی سرِ بازار
مل کے بجتی ہے خوب یاد رہے — مل کے دیگی مزا یہ جیخ پکار
متحد ہوں یہ کون سنتا ہے — رہے گی انتخاب پر تکرار
سعی فرما کے وہ بھی دیکھ چکی — نہیں ملتے، تو کیا کرے سرکار
ایسے دیوانوں کا یہی ہے علاج — رہیں آپس میں برسرِ پیکار
جھنڈیاں ہیں کہ برچھیاں، بلم — اسلحہ بھی تو کر لئے تیار
نہ ملے کچھ ہمیں یہ ہے منظور — اپنے مذہب سے ہم کو ہے سرکار
فرق محمود اور شوکت میں — دلوں میں کس نے بو دئے ہیں خار
گوشت ناخن سے ہو رہا ہے جُدا — دل جگر کا، جگر کا دل ہے شکار
ٹٹی کی آڑ بھی نہیں باقی — اُف رے صیادِ پُرفن و عیار
پانی لاٹھی سے کب ہوا ہے جدا — اے فریبِ نظر یہ ہے دشوار
نیشن کِتنے دم نہیں ہیں نیشنلسٹ — قوم پر جان و دل سہی ہیں یہ نثار
دور رس ہے نظر تو فکرِ بلند — رائے صائب، فریس، تجربہ کار
مانیں گاندھی کی مفتی و قاضی — بے سبب قوم سے نہیں اصرار

اثر انداز نہ ہو نہیں سکتے — نہ لنگوٹی نہ طرۂ دستار

باتیں قاضی کی ہیں خدا لگتی — جن سے ممکن نہیں کبھی انکار

اپنی ڈفلی ہو اپنا اپنا راگ — ہے بجا انتخاب پر اصرار

ہے بہت ہم کو قلقلِ مینا — ہم کو واعظ سے کچھ نہیں سرکار

فکر پینے کی فکر جینے کی — اب اسی پر ہے زندگی کا مدار

بہکی باتیں ریاض اب نہ کرو — عمر آخر ہے نشے کا ہے اُتار

رند تم اور رسم قاضی سے — یہ نہ ہوں گے کبھی تمہارے یار

تم تو اپنے قدح کی خیر مناؤ — کہ ملیں روز بوتلیں دو چار

خود پیو دوستوں کو پلواؤ — جو پئے گا وہ ہوگا شکر گزار

ثاقب و محشر و عزیز و ریاض — ایک ہی میکدے کے ہیں میخوار

ابرِ میخانہ رحمتِ باری — ساقیٔ میکدہ مری سرکار

وہ سلامت رہیں ہزار برس — ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

صبح پر صدقے روز شامِ اودھ — شام پر روز صبحِ عید نثار

تاریخِ انتقال راجہ محمد علی احمد خاں بہادر برادر خورد مہاراجہ بہادر

اعلی اللہ مقامہٗ والیٔ ریاستِ محمود آباد

چھوٹے راجہ نے دیا داغ جوانی میں ریاض — جب بہار آنے کے دن آئے ہوئی برگِ خزاں

ہائے نکلے گی نہ اب خاک سے وہ چاند سی شکل — چاند سو بار نکلتا ہی جو ہوتا ہے نہاں

کوئی سرکار سے پوچھے کہ وہ کیوں ہیں خاموش — نہ تڑپنا ہے نہ فریاد نہ آہیں نہ فغاں
دیکھنے والوں کا منہ دیکھ کے رہ جاتے ہیں — وہ سکت ہے نہ وہ طاقت ہے نہ وہ تاب و تواں
بھائی کے واسطے ہے "قوتِ بازوئے بھائی" — راجہ صاحب تو سمجھتے تھے انھیں روحِ رواں
زورِ بازو تھے، نہ ہونا تھا جدا بھائی سے — ڈھونڈھنے جائیں وہ اب قوتِ بازو کو کہاں
گھر میں رہ کر نہ بڑھانا تھی محبت ان کو — گو وہ ان سے الگ رہتے تھے جو مرنا تھا جواں
صبر کیسا نہ رہا صبر کا دینے والا — واقعہ سخت ہے دے صبر خداوندِ جہاں

دستِ ماتم سے صدا یہ ہے "تاریخ آئی"
جان گسل ہے الم مرگِ علی احمد خاں
۱۳ ھ ۲۳

تاریخِ انتقال جنابِ والدہ محترمہ حضور سر راجہ محمد علی محمد خاں کے سی آئی ای بہادر بالقابہ والیِ ریاست عالیہ محمود آباد دام اقبالہٗ

بھلایا تھا غمِ مرگِ پدر ماں کی محبت نے — جدا سرکار کے سر سے ہوا اب ماں کا بھی سایا
الٰہی آسماں نے کیوں نئی یہ سر اٹھائی ہے — ستم تو ڈھا چکا تھا اب پھر اس نے کیوں ستم ڈھایا
ہزاروں پرورش پاتے تھے دستِ جود سے ان کے — یہ ایسا حادثہ ہے جس نے اک عالم کو تڑپایا
فغانِ بیوگاں نالے یتیموں کے غریبوں کے — اجل نے اپنے دامن کو کہاں کانٹوں میں الجھایا
وہی نالے اجل کے دل میں ناوک بن کے جب آئے — تو دل کے گھر کے گہرے زخم بولے ہم نے بھر پایا
یہ وہ غم ہے پڑے ناسور جس سے موت کے دل میں — یہ وہ غم ہے اجل کا بھی کلیجا منہ اب آیا

خلش دل سے اجل کی مٹ نہیں سکتی قیامت تک یہ کیوں آئی کہاں آئی یہ اس کی جی میں کیا آیا
ادائے شکر کی توفیق دی سرکار کو حق نے لیا صبر و سکوں سے کام غم کو ضبط فرمایا
اٹھایا داغ ماں کا باپ کا بھائی کا سینے پر کیا نذرِ غمِ مولا سرِ مژگاں جو اشک آیا
بہا کر اشک سچے موتیوں سے آستیں بھر لی گہر باری بڑھی حد سے تو پھر دامن بھی پھیلایا
اٹھا جب دردِ دل تو سینہ کوبی کی مجالس میں بڑھا جب جوشِ غم تو کربلا کا ذکر فرمایا
عجب کیا آستیں ابرِ شفق گوں کا بنے ٹکڑا عجب کیا انجمن والوں کا دامن رنگ اگر لایا
دکھایا صبرِ ایوبی ہمیشہ راجہ صاحب نے جب آیا شکر بن کر نالۂ دل منہ پر آیا
یہی وہ حادثہ ٹکڑے کئے جس نے کلیجے کے نہ تھا ممکن کہ صبر آ جائے لیکن صبر فرمایا
لٹائے گنج زر جس نے اسی ہاتھوں سے مٹی دی پلے تھے گود میں جس کی اُسے ہاتھوں سے دفنایا
پکار اٹھی زمینِ قبر میں ٹکڑا ہوں جنت کا اُگا اُگتے ہی سبزہ بن کے زلفِ حور لہرایا
بلائیں بڑھ کے لے لیں حور کے گیسوئے سبزی کی جب اتراتا ہوا جھونکا ہوائے خلد کا آیا
ہوئی موجِ ہوائے خلد صدقے لوٹ سبزی پر زمیں پر بچھ کے سبزہ نخلِ طوبیٰ کا بنا سایا
لٹانے پھول اٹھلاتی سرِ مدفن بہار آئی ادھر برسانے موتی جھوم کر ابرِ کرم آیا
قصورِ خلد و طوبیٰ سلسبیل و چشمۂ کوثر اُترتے ہی لحد میں کچھ عجب عالم نظر آیا
کفِ پا مہر و مہ تھے گوشہ گوشہ ہو گیا روشن زمیں کے اخترِ قسمت کو ہر ذرے نے چمکایا
ہزاروں آسمانِ نور میں فرقوں کی وسعت میں یہ عالم دیکھ کر نیلوفری چرخ اور چکرایا
غمِ سبطِ نبیؐ کا داغ چمکا خوب مدفن میں چراغِ نور اُتر کر عرش کی قندیل سے آیا
ہوئی طوبیٰ نشیمن روح کے پرواز کرتے ہی کنیزِ فاطمہؑ زہرا نے کیسا مرتبہ پایا
رہے اللہ کا سایہ مرے سرکار کے سر پر طبیعت کو غمِ سبطِ نبیؐ نے خوب بہلایا

ریاضؔ اس حادثے کی یہی تاریخ تم کہہ دو
سراقدس سے اب دامانِ مادر کا اُٹھا سایا

۱۳ ھ ۳۹

غمِ ہاتف

تاریخ انتقال جناب سید احمد حسین ہاتفؔ بی۔ اے، ایل ایل بی، مرحوم اسسٹنٹ منیجر

ریاست عالیہ محمود آباد برادر زادہ میر مظفر حسین مرحوم نامور وکیل سیتاپور

کھا گئی تم کو آہ کس کی نظر — سید احمد حسین ہاتف ہائے
تم میں تھے سب خصائلِ سادات — یاد کے ساتھ کیوں نہ رونا آئے
نیک دل، نیک طبع، نیک نہاد — کس طرح دل سے کوئی تم کو بھلائے
درِ دل پر ہزار پہرے ہوں — نہیں ممکن، تمہاری یاد نہ آئے
قبر کو ہم لگائیں آنکھوں سے — آنکھ کی پتلی قبر تم کو بنائے
اپنے پیارے چچا کی جان تھے تم — رنج سے کیوں نہ جان لب پر آئے
کیوں نہ جان ان کی کشمکش میں پڑے — جان تو جائے اور جان نہ جائے
اب مظفر حسین ہی وہ نہیں — کیا ہوئی وہ شگفتہ صحبت ہائے
شکل آنکھوں سے کیوں نہیں ہٹتی — دل سے بڑھ کر تم آنکھ میں ہو سمائے
دن نہ تھے یہ تمہارے مرنے کے — دن یہ دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے
بچیوں کو بلکتے دیکھے کون — بی بی آنکھوں سے کیوں نہ خون بہائے

غم زدہ ہے تمام سیتاپور / میر صاحب کو کیا کوئی سمجھائے
متاثر ہوئے مہاراجہ / کتنے محزوں حضور خود نظر آئے
ایسے اُستاد زادے کا مرنا / زیبِ ظلِ عاطفت میں جو پائے
پاس بی، اے کے ساتھ ایل ایل بی / قابلیت نے چار چاند لگائے
کیا قیامت ہے ایسے چاند کا داغ / چاند سینے سے اس کو کیوں نہ لگائے
کیوں نہ افسوس ہو ریاست کو / کام کے جب ہوئے تو کام نہ آئے
لا رہا تھا شگوفے نخلِ مراد / ہم سمجھتے تھے دن بہار کے آئے
ہو نہ اہلِ چمن کو کچھ بھی عجب / آگ ابرِ بہار اگر برسائے
سیرِ گلشن میں احتیاط یہ تھی / کبھی نرگس ادھر نہ آنکھ اُٹھائے
دمِ گل گشت اہتمام یہ تھا / آتشِ گل جو بھڑکے آنچ نہ آئے
کہتا تھا سایۂ مہاراجہ / گھنے پتّوں سے چھن کے دھوپ آئے
نہ دکھائے اثر تمازتِ مہر / رنگِ ہاتف نہ دھوپ سے سنولائے
کم ہے جتنا اثر ہو آغا پر / یوں الٰہی کسی کو موت نہ آئے
ایک دانے نے زہر یہ بویا / کہ زمانے نے اشکِ تلخ بہائے
رونے والوں میں ایک ہم بھی ہیں / بیٹھے ہیں دل پہ اپنے داغ اُٹھائے
مٹ گئی اب بہارِ باغِ سخن / رونقِ بزمِ شعر کون بڑھائے
آج آزاد ہیں نہ ہاتف ہیں / جا کے کس کو کوئی کلام سُنائے
داغِ آزاد ہو گیا تازہ / ساتھ ہاتف کے یاد وہ بھی آئے
مجھ سے کتنا تھا لطف ہاتف کو / مجھ سے تھی کس قدر عقیدت ہائے

مضطرب ہتے چھپے مرادیوان | یہ تقاضہ نہ دیر ہونے پائے
سہرے دیکھے تو ہنس کے بول اُٹھے | کوئی کچھ کہہ کے خاک رنگ جمائے
رتبہ دانِ ریاض و قدر شناس | اس طرح ہائے آنکھ سی چھپ جائے
فاتحہ پڑھ کے بار بار کہوں | ہاتف اللہ مغفرت فرمائے

خوب مصرع یہ ہے پئے تاریخ
گل ہوا اب چراغِ بزم اے وائے

۱۲ ھ ۴۶

تاریخِ وصالِ عالی جناب سر مہاراجہ محمد علی محمد خان بہادر بالقابہ اعلی اللہ مقامہٗ

نذر

بہ عالی جناب خان بہادر محمد امیر احمد خان بہادر بالقابہ والی محمود آباد (اودھ)

عاشقِ صادقِ نبیؐ و علیؑ | اے محمد علی محمد خان
آپ کی ذات رازِ قدرت تھی | آپ کی ذات میں تھے رازِ نہاں
ہے یہ قدرت کی کارفرمائی | وہ پسِ پردہ آج بھی ہے عیاں
مظہرِ ذاتِ حق ہوں جس کے صفات | کیوں رہیگا حجاب میں وہ نہاں
چھپنے پر بھی ہے دیدہ و دل میں | کیا ہو اُس کا بیاں جو شئ ہو عیاں
چشمِ تربت میں جلوہ رنگیں | سر تربت بہارِ باغِ جناں
جان دی عشرہ محرم میں | کھلے سربستہ رازہائے نہاں
عشق کے واسطے ہوں مایہ ناز | ایسے اب عاشقِ امام کہاں

دردِ اسلام خونچکاں دل میں — اثرات اُس کے رنگِ رخ سے عیاں
دل کی گہرائیاں وہ کیا ہوں گی — جن میں ہو اک جہاں کا درد نہاں
کیوں نہ دل کو جہانِ درد کہوں — اس قدر ہو ہجومِ دردِ جہاں
قوم کے واسطے سراپا درد — ہمہ تن ملک کے لئے رگِ جاں
ہائے وہ آنکھ اشک سے لبریز — موج در موج جیسے بحرِ رواں
دل وہ دل بہرِ چشم باعثِ فخر — جس کا حصہ ہو صبر و ضبطِ فغاں
ہائے وہ شیوۂ رضا جوئی — ہائے وہ خوئے عجزِ بے پایاں
جس کا سایہ ہو تیرگی میں نور — جس کے پرتو سے کفر ہو ایماں
خاکساری میں وہ عروج وہ اوج — لیں قدم طرہ ہائے تاجِ کیاں
کھل کے داد و دہش میں حاتم طے — اور پوشیدہ دستِ رزق رساں
ہاتھ کی ہاتھ کو نہ کچھ ہو خبر — دسترس تک وہ دستگیرِ جہاں
موجِ آبِ گہر اُٹھے جس سے — ہاتھ کی ہر لکیر جوئے رواں
وہ تدبر جو فہم سے باہر — وہ فراست کہ عقل ہو حیراں
وہ سیاست ملے نہ جس کی مثال — وہ ذہانت نہ پہنچے وہم و گماں
کہئے قوتِ انھیں حکومت کی — کہئے پبلک کی ان کو روحِ رواں
تھے سراپا وہ لطف و مہر و کرم — حصہ اُن کا تھا لطفِ بے پایاں
عجب انسان باعتبارِ شرف — یا فرشتہ بصورتِ انسان
تھا یہ ادنیٰ اسا فیضِ مدحِ امام — کہ نہ تھا ان سا شاعرِ ہمہ داں
ہمہ داں ایسے دیکھے ان کو اگر — تہ کرے زانوئے ادب سحباں

مرثیہ پڑھنے میں خود اپنی نظیر — اور کہنے میں بے عدیلِ جہاں
نازشِ خاندانِ میر انیس — قابلِ رشک ان کی شستہ زباں
نور افزائے دیدۂ عارف — نور افزائے دیدۂ عرفاں
صاحبِ علم ان کے رتبہ شناس — فن کے نقاد ان کے مرتبہ داں
کم ہے تعریف کیجیے جتنی — اف ری تاثیرِ مدحِ شاہِ زماں
لاکلام آپ کا کلامِ نفیس — ایسے اب صاحبِ کلام کہاں
آفریں ناخدائے خلقِ خدا — حبذا بندۂ شہِ مرداں
کیسے سکے جمے تھے عالم میں — اک خدائی تھی تابعِ فرماں
کشتیٔ قوم کے محافظ تھے — ملک کا تھا سفینہ اُن سے رواں
قبر پر نور کا وفور ہے آج — ذرّہ ذرّہ ہے نیّرِ تاباں
سایہ گستر ہے دامنِ زہراؑ — کہہ رہی ہے یہ پاکیٔ داماں
ہر طرف عشرۂ محرم ہے — ایک عالم ہے آج نوحہ کناں
بعد رحلت بھی زندۂ جاوید — چھپ کے زیرِ زمیں بھی جلوہ عیاں
پائے جو زندگانیٔ جاوید — زندگی اس کی موت پر قرباں
نسبتاً خلد کربلا کی زمیں — نسبتاً گور چشمِ حورِ جناں
نہ رہا قدرداں مرا نہ رہا — اے ریاض آج میں ہوں اور خزاں
عمرِ رفتہ کو کون واپس لائے — اپنے آقا کو پاؤں آج کہاں
کون آقا ریاض کے حامی — اور جس پر ریاض تھا نازاں
زندگی تھی ریاض کی جس سے — بعد اس کے ریاض ہی بےجاں

نہیں ہے کچھ ریاض پر موقوف — ایک عالم کے ہے یہ وردِ زباں
مٹ گئیں جو اُمیدیں باقی تھیں — رہ گئے دل کے دل میں سب ارماں
لکھنؤ ہائے لکھنؤ نہ رہا — اب وہ صحبت کہاں وہ لطف کہاں
قدر افزائی ہنر نہ رہی — نہ رہا کوئی باکمال انسان
وضعداری اُٹھی زمانے سے — وضعداری کا نام ہے نہ نشاں
جود و بخشش کا سلسلہ نہ رہا — اب کہاں کوئی حاتمِ دوراں
بیکسوں کا ہی چارہ ساز اب کون — اب غریبوں کا دل نواز کہاں
اک جہاں مبتلائے ماتم ہے — قوم کیا اک جہاں ہے گریہ کناں
وہ رئیسانہ شان ہی نہ رہی — اب نہیں کوئی شان کے شایاں
مردمِ دیدہ دستِ مژگاں سے — کریں ماتم بہ ضبطِ آہ و فغاں
اپنے ہاتھوں سے اپنا ماتم ہے — دل کے غم میں جگر ہے نوحہ کناں
انقلابوں کے دیکھنے والو — یوں بھی دیکھا تھا انقلابِ جہاں
ایک زمانہ مرقعِ غم ہے — کیا ہوا تھا جو سب کی روحِ رواں
کون ہے جو کرے مسیحائی — جاں کی طرح لب پہ آئی فغاں
کیا کہوں آہ اپنے دل سے میں — دل ہے خود آج خانۂ ویراں
آہ، جیسے کسی میں جان نہیں — جس کو دیکھو وہ ہے تنِ بےجاں
خاک ہوں گے شگفتگی کا سبب — دامنِ دل میں غنچۂ پیکاں
مضمحل ہیں دل و دماغ و جگر — اب وہ بالیدگیٔ روح کہاں
یادِ ایامِ لطفِ شعر و سخن — اب وہ ساحر کہاں ریاض کہاں

آسماں دور ہے زمیں ہے سخت
قرب سے بدلے خاک بعدِ مکاں

کس طرح جاؤں کس طرح پہنچوں
ہیں بہت دور عیسیٰ دوراں

دے خدا صبر سب کو آپ کے ساتھ
اے محمد امیر احمد خان

اے فلک مرتبت فلک شوکت
ناخدائے حوادث و طوفاں

میرے راجہ! امیر ابنِ امیر
میرے راجہ! وحید و فخرِ جہاں

میرے آقا کی ہو بہو تصویر
میرے آقا کی جس سے شان عیاں

آپ پر آج مرتبت صدقے
آپ پر آج شوکتیں قرباں

آپ کے خلق پر فدا عالم
اور ایثار پر نثار جہاں

اخترِ بخت اوج پرون رات
اور اقبال نیّرِ تاباں

ناتوانوں کی آپ قوت ہیں
ناتوانوں کی آپ تاب و تواں

کشتیٔ قوم کو ہے بادِ مراد
ایک ادنیٰ سی جنبشِ داماں

دے خدا زورِ دست و بازو میں
بارِ کشتی ہے آج کوہِ گراں

میں ہوں اب اور حلقۂ گرداب
بحرِ غم اور شدتِ طوفاں

بنے لنگر جو پائے استقلال
ابھی ہو جائیں مشکلیں آساں

میرِ ساماں خدا ہے خود اُن کا
جو توکل پر اپنے ہیں شاداں

آپ کی ذات پر مدار اُن کا
آپ کی ذات پر وہ ہیں نازاں

آپ کی ذات پر جہان کو ناز
آپ کی ذات افتخارِ جہاں

روز افزوں ہو آپ کا اقبال
روز افزوں ہو دولتِ ایماں

نورِ ایماں کی طرح عمر بڑھے
دے بزرگی خدا بہ عمرِ جواں

دستگیر آپ کے رسولِ خدا	دستگیر آپ کے شہِ مرداں
سایہ افگن رہیں مہارانی	جن کا سایہ ہے رحمتِ یزداں
وہ مہارانی صاحبہ ذی جاہ	وہ مہارانی صاحبہ ذی شاں
جن کا ثانی نہیں زمانے میں	جن کے اوصاف بیحد و پایاں
ساتھ دیں آپ کا صدوسی سال	آپ کے بھائی مثلِ روحِ رواں
کفِ پا چو میں رفعت و اجلال	کفِ پا چو میں جاہ و شوکت و شاں
جان ہیں آپ ایک زمانے کے	آپ ہیں اک جہاں کے روحِ رواں
ثاقب و محشر و عزیز و ریاض	اور کتنے ہیں بستۂ داماں
چھپ گیا ہے جو چشمِ ظاہر سے	ہیں اسی کے یہ جلوہائے عیاں
زندہ نامِ نکو کے ساتھ مدام	ہیں محمد علی محمد خاں
کہوں ہجری میں کیا سنینِ وصال	نہیں کھلتے مرے لب اور دہاں
کچھ شگافیدہ کچھ تراشیدہ	پہلے سے ہے مری قلم کی زباں
ہاں مگر وہ ہے واقفِ اسرار	ہاتفِ غیب کھولے اپنی زباں
بڑھ کے روح القدس نے مجھ سے کہا	ہے یہ فیضِ مدیحِ شاہِ زماں
کہیں ہوتی ہے ایسی بھی تاریخ	کہ جناں میں ہے سب کے وردِ زباں
سرِ تربت بہ صنعتِ منقوط	ہے یہ شعر شمعِ نور افشاں

دھوم ہے دھوم خلد میں آئے
سر محمد علی محمد خان

۱۳ھ ۵۰

قطعۂ تاریخ طبع دیوان تصنیف امیر الحرم نصیر الملت والدین

دی آنریبل امیر الدولہ سعید الملک خان بہادر راجہ محمد امیر حسن خان

ممتاز جنگ کے' سی' آئی' ایف' سی' وی'

اعلی اللہ مقامہ والیٔ محمود آباد اودھ

سحر کا دیوان ہے باغِ طلسم — سحر کا گلزار ہے گلزارِ سحر
خالِ رخ ہر نکتہ حسنِ طبع سے — سطرِ زلفِ شاہدِ گفتارِ سحر
شاعری ہے سحر کی یا ساحری — کس قدر ہیں سحر کار افکارِ سحر
نقطہ نقطہ گوہرِ شہوار ہے — صفحہ صفحہ دامنِ دُربارِ سحر
نکتہ چینی کیا کرے گا اب کوئی — کیسی جدول کھینچ گئی دیوارِ سحر
سحر کی ہر بات ہے جادو بھری — کرتی ہے ہر بات گویا کارِ سحر
بات وہ کافر بتوں میں اب کہاں — بت بنے ہیں سُن کے سب گفتارِ سحر
ساحری فن سر جھکائے ہیں وہاں — کچھ عجب سرکار ہے سرکارِ سحر
سینکڑوں کافر کے پتلے جمع ہیں — کچھ عجب دربار ہے دربارِ سحر
سب سے بالا سحر کی فکرِ بلند — اس سے بالا طرۂ دستارِ سحر
کٹ گئے دشمن طبیعت جب لڑی — کہیئے اس کو تیغ جوہر دارِ سحر
برق سے طبع رواں کی کیا مثال — برق ہے نعلِ سمِ رہوارِ سحر

روشنی پھیلی ہوئی ہے ہر طرف مِٹ گئی ظلمت زہے انوارِ سحر
عرش کے تارے ستارے تاج کے چاند سورج دامنِ زرتارِ سحر
دامنِ دولت سے وابستہ تھی خلق رشکِ دامن تھے کفِ دربارِ سحر
ورنہ تک آکر گھر کوئی جاتا نہیں ہے عجب حاجت روا دربارِ سحر
کیا مری تاریخ کیا میں ای ریاضؔ قدردانی جو کرے سرکارِ سحر
پیشکش یہ مصرعِ تاریخ ہے سحر ہیں اعجاز ہیں اشعارِ سحر
دوستوں کو ہو مبارک ای ریاضؔ چھپ گیا[20] دیوانِ گوہر بارِ سحر[13]
دشمنوں کے آنکھ میں کانٹے چھبے کی جو سیرِ گلشنِ افکارِ سحر

بن کے نکلے خار الف اشعار کے
سحر ہیں اعجاز ہیں اشعارِ سحر

۲۰ ھ ۱۳

ایضاً

طبع کا سحر کے دیوان نے پہنا ہی لباس دخترِ رز کی نہیں جلوہ گری شیشے میں
میں نے برجستہ کہا مصرعِ تاریخ ریاضؔ دیکھ تو سحرؔ اتاری ہے پری شیشے میں
۲۰ ھ ۱۳

(غزل نہیں ملی صرف ایک شعر منقبت ملا جو خاص طور پر حضورِ سحر میں بھیجا گیا تھا)

بند اگر بندۂ در پر درِ توبہ ہو جائے
توڑ ڈالیں ابھی مثلِ درِ خیبر حیدر

بیل کی سرگزشت

[بیل کی سرگزشت جناب نواب خان بہادر سر عزیز الدین احمد بالقابہ دیوانِ دتیا کے اسم گرامی سے معنون ہو کر ممدوح کی تصویر کے ساتھ کافی تعداد میں بخط جلی و واضح کتابی تقطیع پر شائع ہو چکی ہے۔ اب ترتیب دیوان کے موافق ذیل میں درج ہے۔ اور اسی کے ساتھ کی دو نظمیں جن کا تعلق قاضی صاحب و عزیزان قاضی صاحب سے ہے۔ افسوس ایسی زیادہ نظمیں محفوظ نہ رہ سکیں۔]

بیل بن کر کس مصیبت میں پھنسے ہم بے زباں
سرگزشت اپنی بیاں کس سے کریں ہم جاں نثار

دودھ میں ماں کے ہوئے ہر قوم کے بھائی شریک
بھائی بن کر بھی نہ یہ سمجھے کہ ہیں ہم شیر خوار

رکھ کے بھوکا ہم کو اپنا پیٹ سب بھرتے رہے
کہہ کے ماتا دھو کے دیتے تھے اسے بھی بار بار

اس کو آتی تھی محبت منہ ہمارا دیکھ کر
چاٹتی تھی پیار سے کس طرح وہ الفت شعار

دودھ اترے ماں کا وہ منہ ہم نے مارا اس لئے
ورنہ یہ منہ تھا ہمارا دودھ کرتے زہر مار

ہاں بندھے رہتے تھے نفس کے پاس ماں کے پاؤں سے
منہ کے بدلے ہاں کھلی رہتی تھی چشمِ انتظار

دور تھا منہ سے ہمارے نفس بھی ظرفِ شیر بھی
ظرف سے باہر نہ جانے پاتی لیکن کوئی دھار

ساتھ ماں کے جب چلے منہ پر چڑھی جالی ضرور
اب ترس آتا ہے کس کو لاکھ ہوں ہم بیقرار

بعض کو آیا ترس بھی کچھ تو آیا اس طرح
پی چکے تھے دودھ ماں کا ہم سے اُن کو تھا عار

پھر بھی دونوں ایک تھے بیدرد بھی ہمدرد بھی
کام لینے میں رہیں بیدردیاں سب کا شعار

آنکھ پر سب کے چڑھے جب کچھ نکالے ہاتھ پاؤں
سینگ بھی آنے نہ پائے ہو گئے نظروں میں خار

نوجوانی رنگ بھی لائی تو کس آفت کا رنگ
کیا کہیں اپنی خزاں ہم کیا کہیں اپنی بہار

ایک آفت جوتنے کو ہل میں ہم جوتے گئے ‌ ‌ ‌ ہر طرف ہل چل گئے کیا ہو گئے وہ سبزہ زار
کھینچنا وہ ہل جو چلتے ہوں زمیں کو پھاڑ کر ‌ ‌ ‌ گو زمیں پتھر سی بھی ہو سخت ایسے نوکدار
ایک حالت پر گزر جانے لگے دودھ بھر ‌ ‌ ‌ ماں کے تھن کا دودھ آیا ہو تو ٹھہرا فرے ی نثار
آگیا بھاری جو اگاڑی کا گردن پر کبھی ‌ ‌ ‌ ہم نے گو میدان جیتے پھر بھی سمجھے اپنی ہار
چھکڑے کیسے کیسے ہم نے کھینچے دلدل کے پھنسے ‌ ‌ ‌ بوجھ ہم نے یوں اٹھایا جس طرح عصیاں کا بار
کھانے پینے کا نہ کوئی وقت تھا آرام کا ‌ ‌ ‌ ٹھوکریں کھا کھا کے گرنا اور چلنا بار بار
موسمِ گرما میں دن کی دھوپ کیسی سخت و تیز ‌ ‌ ‌ موسمِ سرما میں شب کی اوس کیسی ناگوار
ہم اگر تھک کر کبھی بیٹھے تو منہ جلتا رہا ‌ ‌ ‌ تھا ہماری زندگانی کا جگالی پر مدار
خون سوکھے دیکھ کر کھانے کو ایسی خشک گھانس ‌ ‌ ‌ جس کو پی کر خون پانی ہو وہ آبِ ناگوار
جیسے جی گویا بھرا جاتا تھا بھوسا کھال میں ‌ ‌ ‌ سوکھے ڈنٹھل بھوک کی شدت میں کرنا زہر مار
اپنی چربی سے جو نکلا ہو کھلی اس تیل کی ‌ ‌ ‌ وہ بھی قسمت سے مہینے میں کبھی دو چار بار
دانہ بن جائیں تو بن جائیں ان کی بھنیاں ‌ ‌ ‌ اس کا بدلہ بھی بھگتنا ہم کو تا روز شمار
آندھی آئے پانی برسے ہم کو چلنا رات دن ‌ ‌ ‌ ساتھ دی تو اس طرح دی گردشِ لیل و نہار
ہائے وہ سوجے ہوئے پھولے ہوئے کاندھوں کا زخم ‌ ‌ ‌ بوجھ بھاری سخت منزل اونچی نیچی رہگزار
بے سکت، پالنگ، لاغر، ناتوان، زار و نحیف ‌ ‌ ‌ بھوکے پیاسے زخم خوردہ سینہ ریش و دلفگار
رفتہ رفتہ دے دیا طاقت نے بھی بالکل جواب ‌ ‌ ‌ بیٹھ کر اٹھنا ہوا مشکل ہمیں انجامِ کار
جان بچنے کے ذریعے جس قدر تھے سب مٹے ‌ ‌ ‌ رحم کے قابل نہیں اب بھی ہمارا حالِ زار
باندھ کر بیچ ہی کھلائے کون بوڑھے بیل کو ‌ ‌ ‌ کون پالے ہم کو اس حالت میں اے پروردگار
وقت نازک، عمر آخر، جان دو بھر، حال غیر ‌ ‌ ‌ سر پہ اب قصاب پہنچے کے چھریاں آبدار

بات کہتے کردئے ہر عضو کے ٹکڑے جدا
قیمہ قیمہ کردیا بیدردیوں جب جسم زار

ریشے ریشے پر ہماری دانت تھا ہر ایک کا
آدمی کیا چیل کوّے ٹوٹے ہم پر بے شمار

حصے بخرے ہوگئے کچھ بٹ گیا کچھ لٹ گیا
گوشت اپنا بکتے بوٹی ہوگیا انجامِ کار

کھال باقی رہ گئی تھی اس کے نقارے منڈھے
شامتِ اعمال سے پڑتی اب ہی اس پر بھی مار

ایک ناکردہ گنہ کا حال یہ ہے ای ریاضؔ
وہ بھی اک بے عقل بے بس بے زباں بے اختیار

دیکھئے ہوتا ہے کیا ہم سے گنہ گاروں کا حشر
دیکھئے پاتے ہیں کیا پاداش ہم سے زشت کار

تاریخِ وفات اہلیہ قاضی خلیل الدین احمد بہادر وزیر ریاست پتا بندیلکھنڈ مرحوم

رئیس بسواں اودھ

چھوڑ کر کاشانہ تربت میں گئی افسوس آج
بانوئے عصمت مآب و پاک دامانِ خلیل

پاک دامن، پاک باطن، نیک طینت، نیک دل
گھر کا گھر صدقے تھا اس پر تھی وہ قربانِ خلیل

کیا خوشی تھی؟ کس خوشی میں غم یہ پھیلا ای ریاضؔ
دودھ بھی پینے نہ پایا طفلِ نادانِ خلیل

ہے لہو کی بوند جوشِ خندہ شادی کا اشک
پھول دامن کا بنا ہے داغ دامانِ خلیل

چشمِ تر کے حلقۂ زیریں سے اب نسبت نہیں
تھا ہلالِ عید سے بڑھ کر گریبانِ خلیل

رنج و غم سے دستِ حسرت رات دن ہے سینہ کوب
خوں فشاں ہے خوں چکاں ہے چشم و مژگانِ خلیل

دستِ ماتم خونفشاں ہیں دستِ ماتم خونچکاں
بڑھ کے دونوں سے ہے رنگِ چشم و مژگانِ خلیل

بجلیاں آکر رگِ گل بنتی تھیں اس باغ میں
آتشِ گل بن گئی کیوں برقِ بستانِ خلیل

مرنے والی تجھکو زیر خاک جاتے دیکھ کر
خاک میں کیا کیا ملے ہیں آج ارمانِ خلیل

تیری جانے کا اثر دل پر جو ہو وہ کم ہے آج
جانتے تھے جاننے والے تجھے جانِ خلیل

جان کیسی؟ جان سے بڑھ کر تعلق تھا ترا　　جانتی تھی تجھ کو دنیا دین و ایمانِ خلیل

کون دیکھے؟ دیکھنے سے یاد آتا ہے کوئی　　غم فزا ہے عیش افزا ساز و سامانِ خلیل

ایسے غم میں خوب ہی مصرع کہا تاریخ کا　　مصرعِ تاریخ سن کر ہوں میں قربانِ خلیل

اس سے بہتر اور ہو سکتا نہیں سالِ وفات

گل ہوئی بادِ اجل سے شمعِ ایوانِ خلیل

۱۳ ھ ۳۰

قطعۂ تاریخ عطائے خطاب او-بی-ای بجناب خان بہادر قاضی خلیل الدین احمد صاحب وزیر سلطنت بجاور دام اقبالہ

خوش رعایا در بجاور حق بحقدارش رسید　　یافتہ قاضی خلیل الدین او بی ای خطاب

آن خلیل الدیں کہ در دورش بجاور را فروغ　　آن خلیل الدیں کہ از دانش وزارت کامیاب

آن خلیل الدیں کہ در عقل و فراست بے عدیل　　آن خلیل الدیں کہ در فکر و تدبر لاجواب

آں چناں روشن دماغ آں چناں روشن خیال　　گوئیا خود آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

قابلیت آں چناں بر شش حکومت معترف　　حسنِ خدمت آں چناں ممتاز گشتہ از خطاب

کارہائے سخت آسان نمودن کارِ اوست　　در کشودِ کار تدبیرش ہمیشہ کامیاب

ذاتِ والا در نظامِ کارہا ضرب المثل　　فکرِ عالی بر فتن ہنگامہا را سدِ باب

ایں قدر آسودگیہا ایں قدر امن و امان　　درد درماں شد بعہدِ او سکوں شد اضطراب

عقدہائے زلف در دلہا گرہ نگذاشتند　　حسنِ گیسوئے بتاں بردہ ز دلہا پیچ و تاب

ازخطابش ہر طرف بزمِ طرب جشنِ نشاط   پر زمے در گل چمن، در انجمن جامِ شراب
از گل و بلبل ہزاراں خندہا و نغمہ ہا   در چمن صد زمزمہ صد خندۂ گل را جواب
نوجواں بے بادہ از جوشِ طرب پیرِ چمن   ساعتے پیرانہ سالی یافت از عہدِ شباب

برلب آمد سالِ تاریخ خطابش لے ریاضؔ
یافت او بی ای خلیل الدین چہا زیبا خطاب

۱۹ ۶ ۲۷

تاریخ انتقال او بی ای خان بہادر قاضی خلیل الدین احمد مرحوم

وزیر ریاست بجاور

تمہارے مرنے سے اب لطفِ زندگی نہ رہا   نظر میں یاروں کے دنیا ہوئی سیاہ خلیل
رہا نہ بی بی سے بچوں سے لطف کچھ باقی   ستم ہے بھائی سے بھی پھیر لی نگاہ خلیل
بہن کا پاس رہا کچھ نہ اُن کے بچوں کا   رہی کسی کی محبت نہ دل میں واہ خلیل
دمِ اخیر بھی لکھوا کے خط مجھے بھیجا   یہ میرے ساتھ رہا وضع کا نباہ خلیل
گئے جو دیکھنے واقف، ریاضؔ کو پوچھا   بتاؤ کیوں نہیں پہلی سی دل کو چاہ خلیل
یہ چک کے ساتھ مگر آہ آخری خط تھا   اسی کے ساتھ ہی کی قطع رسم و راہ خلیل
ہمیشہ کام سے اپنے بلند نام رہے   ہر ایک کام میں تھی تم کو دستگاہ خلیل
ہوئے جو عہدۂ ڈپٹی کلکٹری سے الگ   رہے وزیرِ بجاور بعز و جاہ خلیل
دیا خطاب مہاراجہ نے "عزیز الملک"   جہاں رہے رہے مقبول بارگاہ خلیل

نہ چشمِ لطفِ مہاراجہ صرف تم پر تھی
گورنروں کی بھی تم پر وہی نگاہ خلیل

دیا حکومتِ انگلش نے تمغۂ "قیصرِ ہند"
ملے خطاب بھی کیا کیا بعزّ و جاہ خلیل

خطاب "خان بہادر" سے "ای بی او" سے کھلا
کہاں میں تم سے حکومت کے خیر خواہ خلیل

دعائیں خلق سے لیں تو صلہ حکومت سے
تمہارے دم سے کھلا تھا درِ رفاہ خلیل

نہ تم ملو گے نہ تم سا ملے گا دنیا میں
چراغ لے کے جو ڈھونڈیں گے مہر و ماہ خلیل

چمن میں پھولوں نے ہنسنا تمہیں سے سیکھا تھا
تمہیں سے سیکھا ہے مینا نے قاہ قاہ خلیل

نہ جانتے تھے ہنسا کر ہمیں رلاؤ گے
تمہارے بحرِ الم کی نہیں ہے تھاہ خلیل

یہ دن ہر ایک کو افسوس پیش آتا ہے
رہِ عدم میں ہیں یکساں گدا و شاہ خلیل

خدا کے خوف کے دریا بہائے ہیں تم نے
تمہارے اشکوں نے رکھے نہ زنگ راہِ خلیل

عدم کی بھی رہِ دشوار تم نے آساں کی
جو کوہ تھے نظر آئے وہ تم کو کاہ خلیل

رہیں وہ حوروں کے جھمگھٹ میں لالہ و گل میں
جناں میں جا کے مزے لوٹیں یا الٰہ خلیل

تمہاری اشکوں نے دھوئے تمہارے عصیاں بھی
تمہاری فردِ عمل میں نہیں گناہ خلیل

ریاض تھی غمِ فرقت میں فکرِ سالِ وفات
صدا یہ کانوں میں آئی "خلیل آہ خلیل"

۱۳۴۶ھ

قطعۂ تاریخ تقرر جناب قاضی "امیر الدین" احمد صاحب خلف عالی جناب خان بہادر او بی ای قاضی عزیز الدین احمد صاحب احسن وزیر دتیا اسٹیٹ بالقابہ.

بجائے عظیم نامدار خان بہادر او بی ای قاضی خلیل الدین احمد پنشنر ڈپٹی کلکٹر وزیر بجاور اسٹیٹ مرحوم رئیس سوان ضلع سیتا پور

به تیره شامِ بجاور ہلالِ نور فزود | زعکسِ تاجِ مہاراجہ بدر گشت ہلال
وزارت ارث زعم یافتہ امیر الدین | به شہر یار مبارک وزیرِ فرخ فال
"عزیز الملک" دگر آمده "عزیز الملک" | به شہر یارِ فزوں باد دولت واقبال
فدائے راجه وفا کیش خاندانِ خلیل | کہ نیست قدرِ وفا را به ملک ہیچ مثال
وظیفہ زدعا ہا وظیفہ خوراں را | غمے نه ماند زمرگِ پدر پئے اطفال
جز آں کسے نه چنیں مستحق بجاور را | جز او کسے نه چنیں یار و یاورے بخیال
چنیں وزیر و چناں شہر یار ضرب مثل | به دورِ چرخ جہاں یافت از فراز مثال
ریاض سالِ وزارت مبارک و مسعود | حریف چوں نه شود سرنگوں زمصرعِ سال
وزیر ابن وزیر و امیر ابن امیر | وزیر راجہ بجاور امیرِ خوش اقبال

۱۹ ۶ ۲۷

تاریخ عطائے خطاب "نائٹ" بہ جناب خان بہادر نواب عزیز الدین احمد صاحب دیوان ریاست دتیا بالقاب اقبال

سربلندی سرفرازی اور بھی حاصل ہوئی | سر ہوئے قاضی عزیز الدین احمد سر ہوئے

مستحق تھے خوب ہی "نائٹ" ملا ان کو خطاب | پوچھنا ہی یہ عبث ہے کیا ہوا؟ کیونکر ہوئے
ہے اثر اتنا چڑھائے خم کے خم جیسے کوئی | وہ خوشی ہے بے پئے ہم آپ سے باہر ہوئے
تھی نگہ تشنہ مری اللہ رے اس کا جذبِ شوق | جذبِ نظر کی بزمِ ساقی میں تھی ساغر ہوئے
تھا جو دریا دل، مرے ساقی نے توڑی مُہرِ خم | میکدے میں پے بہ پے دورِ مئے احمر ہوئے
میکدہ کس کا تھا، ساقی کا ہوئی سب کو حلال | زاہدانِ خشک کے بھی آج دامن تر ہوئے
ہاں اسی دن کے لئے "نواب" بخشا تھا خطاب | خوش مہاراجہ بھی ہیں دیوانِ دنیا سر ہوئے
شاہ ہو راعی تو پھر شاداں رعایا کیوں نہ ہو؟ | تھا چراغاں جس سے روشن آج کتنے گھر ہوئے
اس خوشی سے آج دنیا میں جلے گھر گھر چراغ | تارے بھی ترمائے چشمک نے ان جو بام و در ہوئے
آسماں گویا زمیں تھی، کہکشاں ہر رہگزر | ذرے ذرے خاکِ رہ کے کوکب و اختر ہوئے
تاجِ دنیا کو نئے سر سے لگائے چار چاند | چاند سورج جھک کے مہاراجہ کے خنجرِ زر ہوئے
سر عزیز الدین احمد نائبِ روشن دماغ | شمعیں روشن ہو گئیں جس بزم کے ممبر ہوئے
ہر جگہ ہمسروں میں بھی ستائش آپ کی | تر زباں اس شکر میں سب آپ کے ہمسر ہوئے
آرون کیا؟ ہیں معترف آپ کے شاہِ دکن | قابلیت کے نمایاں ہر جگہ جوہر ہوئے
رنگ لائیگا ابھی تو اور نائٹ کا خطاب | اور کیا کچھ ہوں گے اس کے بعد ابھی تو سر ہوئے
آج ہے ضرب المثل، عالی دماغی آپ کی | وہ تدبر اہل جس کے خلق میں کمتر ہوئے

کیوں نہ اس انداز کی تاریخ میں لکھوں ریاض
بے سروسامان تھا وہ قسمت سے میری سر ہوئے

قطعۂ تاریخ غسل صحت نواب قاضی سر عزیز الدین احمد خان بہادر

دیوان دتیا بند ملکھنڈ بالقا

سلامت سر عزیز الدین احمد | صد وبیں سال ہو جینا مبارک
مبارک رات دن دور مئی عیش | چھلکتے ساغر صہبا مبارک
خوشی ہے غسلِ صحت کی خوشی ہے | مبارک یہ شفا پانا مبارک
مبارک صحتِ دیوانِ دتیا | مبارک اے مہاراجا مبارک
غریبوں کی دعائیں کام آئیں | غریبوں کا دعا دینا مبارک
وہ دتیا جس کے ہیں نواب قاضی | وہ دتیا کو انھیں دنیا مبارک
عنادل چہچہائیں شاخِ گل پر | چمن کو ہوں گلِ رعنا مبارک
لبِ گل کہہ اٹھے قاضی سلامت | پکارے قلقلِ مینا مبارک

ریاض آئیں مسرت سے یہ کہتے
جناب اب غسلِ صحت کا مبارک

سرجوشِ سخن

بخدمت عالی جناب خان بہادر عزیز الدین احمد صاحب بہادر دیوان ریاست دتیا

مغرب سے بازگشت مبارک جناب کو | بخشا خدا نے تازہ عروج آفتاب کو
رتبہ شناس اہلِ ولایت تھے کس قدر | سمجھا ہر ایک مرشدِ کامل جناب کو
مہماں بنا کے سب نے لئے آپ کے قدم | پہنچے جہاں ہر ایک نے چوما رکاب کو

ہر دل عزیز آپ تھے سب ٹوٹ کر ملے ٹوٹے حسین وا کیے بندِ نقاب کو

شاہانہ دعوتیں وہ امیرانہ دعوتیں جنت میں جاکے دخل دیا اجتناب کو

تقوے کا بھی لحاظ تھا صحت کا بھی لحاظ کیسی شراب؟ منہ نہ لگایا کباب کو

حسرت نصیب دور سے مُنہ دیکھتے رہے کھاتے کباب آپ نہ چھوتے شراب کو

میں اے ریاض ساتھ نہ پیتا تھا پیتے کیوں؟ قاضی پسند کرتے ہیں میری شراب کو

موجِ مئے سخن نے لگائی ہیں چار چاند اُٹھ اُٹھ کے آج ہر قدحِ آفتاب کو

ہر طرح لطف اُٹھاتے شراب وکباب کا سنتے وہ میری شعر نہ چھوتے شراب کو

صحت خریدنے وہ گئے تھے خرید لائے بازارِ مصر سے لئے آئے شباب کو

پیری میں اور اُن سا جوان بخت کون ہے رہنا ہے اِن کے ساتھ ہمیشہ شباب کو

دتیا کا جشنِ جوبلی رہ جائے یادگار اتنی ملے نہ میں کبھی ترسوں شباب کو

ہز ہائینس کے واسطے آبِ بقا کا جام اتنے ہوں جشنِ جوبلی بھولیں حساب کو

پی پی کے دیر ہا ہوں مہاراج کو دعا پی پی کے دیر ہا ہوں دعائیں جناب کو

ہوگی نہ رائیگاں یہ شرابِ سخن ریاض
قاضی سے واسطہ ہے ہماری شراب کو

تاریخ تعمیرِ مسجد بنا کردۂ سرتاج دتیا

حسبِ ارشادِ وزارت پناہ نواب خان بہادر سر قاضی عزیز الدین احمد باالقا

کرم داتا کا دتیا پر ہمیشہ کہ ان داتا بنے مسجد کے بانی

یہ مسجد دور تک مشہور ہوگی — مدینے مکے پہنچے گی کہانی
مہاراجہ بہادر کا رہے نام — خدا کا گھر رہے اُن کی نشانی
وہ "سرگوبند سنگہ" دتیا کے والی — عبادت اُن کی طرزِ حکمرانی
پرستارِ رعایا صاحبِ تاج — پرستارِ رعایا راجدھانی
ریاضؔ اس طرح ہو تاریخِ تعمیر — بنو تم بھی شریکِ اجربانی

کہے اپنی زباں سے ہاتفِ غیب
بنی کیا اچھی مسجد عرشِ ثانی

۱۳۵۱ ھ

خمسہ غزل جناب نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں حسبِ ایما خلد آشیاں

بہ مقام رام پور

ایسی ہی انتظار میں لذت اگر نہ ہو — تو وہ گھڑی فراق میں اپنی بسر نہ ہو
جاناں ہو نامہ بر کا تو آنا ادھر نہ ہو — تا فرصتِ انتظار سے پھر عمر بھر نہ ہو
قاصد وہ بھیجئے جسے اپنی خبر نہ ہو

اے دل وہ بات کر کہ کسی کا ضرر نہ ہو — الزام کا عتاب کا اس کے خطر نہ ہو
یہ کیا کہ چشمِ مہر ادھر ہو اُدھر نہ ہو — کیوں کر کہوں ہا کہ لطف کبھی غیر پر نہ ہو
ہو بھی تو گاہ گاہ مگر اس قدر نہ ہو

آرام ہو سکون ہو سارے جہان کو — جنبش نہ ہو زمین کی طرح آسمان کو

میں منہ میں لے کے یہ کہوں اس کی زبان کو   جب وصل ہو نصیب کسی خستہ جان کو

اس شب کی تا قیامت الٰہی سحر نہ ہو

ڈر ہے شریکِ رحم نہ ہوں دشمنِ حزیں   تاثیر میں بلا ہے مری آہِ آتشیں

دل موم بن کے جائے پگھل یہ بھی کچھ نہیں   آئے نہ فرق سنگ و دلی میں تری کہیں

نالے بھی کیجئے وہ کہ جن میں اثر نہ ہو

کس کا شہیدِ ناز چلا تشنہ کام آج   فردوسیوں کو ہے مئے کوثر حرام آج

غلمان و حور کرتے ہیں سب اہتمام آج   سنتے ہیں خلد میں ہی بہت دھوم دھام آج

بسمل کا تیرے دہر سے عزمِ سفر نہ ہو

میں وہ کہ میرے نالے کلیجے نکال لیں   تو وہ کہ تیری باتیں سنیں سب تو جان دیں

دونوں بلائے جان ہیں علاج اس کا کیا کریں   رونے سے میری تیری اداؤں سے بزم میں

کوئی نہیں جو ہاتھوں سے تھامے جگر نہ ہو

جب دیکھتا ہے لطف ترا جانبِ عدو   تصویرِ یاس پھرتی ہے آنکھوں کے روبرو

بہتا ہے چشمِ تر سے مرے خونِ آرزو   افسوس اپنے جی سے بھلائے اسی کو تو

جس دل کو تیری یاد میں اپنی خبر نہ ہو

مرجھا کے رہ نہ جائے کہیں تو مجھے ہے ڈر   نازک ہے دل ترا کہیں اس پر نہ ہو اثر

برپا ہو حشر آئیں تلاطم میں بحر و بر   ساتوں فلک کے ٹکڑے اڑیں تو اڑیں مگر

فریادِ غیر دل میں ترے کارگر نہ ہو

آفت ہے اضطراب تو بیتابیاں ستم   آنکھیں بچھا رہا ہوں سرِ رہ قدم قدم

ہمدم تو ہی بتا مرے سر کی تجھے قسم   دل کو نہیں قرار جو پہلو میں ایک دم

پلٹا کہیں اُدھر سے مرا نامہ بر نہ ہو

بجا اُمید کی ہو کبھی تو اُسے سزا   تڑپے تمام رات نہ پائے ترا پتا
تو میرے ساتھ صرفِ تماشا ہو جا بجا   کیا سیر ہو؟ جو غیر سے وعدہ ہو وصل کا

ڈھونڈھے وہ صبح تک تجھے تو اپنے گھر نہ ہو

آئے نظر میں بڑھ کے وفا سے جفائے یار   کم سمجھیں خواہشوں سے ستم ہائے بے شمار
مطلب کی ہے یہ بات بتا تو ہی غمگسار   جور و عتاب کیوں نہ سہیں ہم ہزار بار

لطف و کرم سے بھی جو اُسے در گزر نہ ہو

کر کے لگاوٹیں نظرِ جاں گداز سے   آنسو بہا کے دیدۂ جادو طراز سے
دکھلا کے اک ادا نگہِ فتنہ ساز سے   مجھ کو ہے یاد وصل میں ڈر ڈر کے ناز سے

کہنا ترا، کہ "دیکھ کسی کو خبر نہ ہو"

محشر کو طرزِ نازِ ستم گر سمجھتے ہیں   فتنوں کو اُس کے شوخیٔ دلبر سمجھتے ہیں
کچھ اُس کو مجھ سے بیدل و مضطر سمجھتے ہیں   سب لوگ جس کو فتنۂ محشر سمجھتے ہیں

مجکو یہ خوف ہے کہ وہی فتنہ گر نہ ہو

پھانسیں جگر میں اپنے چبھیں یوں تو بیشتر   برسوں کھٹک سی دل میں بھی اپنے رہی اگر
بیتابیوں میں اتنی سی لذت کی کیا خبر   ذوقِ تپش میں چین کہاں دل کو چارہ گر

جب تک کہ سینے میں خلشِ نیشتر نہ ہو

جورِ فلک، جفائے زمانہ، غمِ حبیب   ان سب بلاؤں میں کبھی رہیں خوش اہا عجیب
بن جائے جان پر بھی تو یا بخت یا نصیب   یارب مرا شریک ہو جس صدمے میں رقیب

اس میں مزا نہ ہو جو مری جان بر نہ ہو

یہ بھی ہے خوف وہ نہ دل آزردہ ہو کہیں فرق آئے اپنی بات میں تو بہ بھی کچھ نہیں
کچھ پاس وضعِ دوست تو کچھ پاس رنج کہیں رکھا ہی اُس نے سوگ عدو کا تو ہمنشیں
اس ڈھب سے روئے کہ پلک تک بھی تر نہ ہو

کرتا ہوں حال پر جو ذرا اُن کے غور میں پہلے سے دیکھتا نہیں اب اُن کے طور میں
کرتے ہیں وہ کرم تو سمجھتا ہوں جور میں وہ دیکھتے ہیں بیٹھے نگاہوں سے اور میں
ڈرتا ہوں کوئی فتنہ تو مدِ نظر نہ ہو

دزدیدہ اک نظر ہو لگاوٹ کی آنکھ سے چوری چھپے کی بات ہو دل میں چھپی رہے
تکلیفِ دست و تیغ سے ہو خوف اس لئے دشمن کہیں نہ رشکِ شہادت سے جان دے
یوں قتل ہوں کہ قتل مرا اشتہر نہ ہو

کھٹکے ہر ایک آنکھ میں وہ بڑھ کے خار سے یہ کچھ نہیں کہ ہاتھ کسی کے نہ آسکے
مٹ جانے پر بھی چرخ اُسی پیچ و تاب دے گھل گھل کے غیر خواہشِ غم سی خدا کرے
تارِ نگاہ ہو مگر اس کی کمر نہ ہو

لذت نصیب موت کی ہو مجکو کس طرح بر آئے میری حسرتِ دل کہہ دو کس طرح
رسوائی اپنے عشق کی ہو بولو کس طرح شہرت تمہارے جور و ستم کی ہو کس طرح
تشہیر میری لاش اگر در بدر نہ ہو

یہ تو مجال کیا ہے؟ کہ الزام اُن کو دیں اتنا کہیں ریاضؔ ہماری جو کچھ سنیں
کیا آگئی ہی آج یہ حضرت کے ذہن میں نواب روزِ حشر خدا سے شکایتیں
اتنا بھی کوئی عشقِ بتاں میں نڈر نہ ہو

تضمین مصرع طرح مشاعرۂ احمد آباد بہ زمانہ کانگریس

جس میں مصرع طرح کی لغویت ثابت کی گئی ہے

ہو منجم کوئی وقعت کیا غلط گفتار کی　　خفتہ بختی کیوں جگا دے طالعِ بیدار کی
پیشین گوئی اور اشاعت ٹیمس سے اخبار کی　　ایک اُڑتی سی خبر ہے یہ سمندر پار کی
کوئی دن میں ڈوبتی ہے آبرو سرکار کی

خمسۂ مقطعِ غزلِ خود مشاعرۂ احمد آباد کانگریس

کانگرس والوں سے کچھ آنکھیں ملا کر آئی شرم　　دخترِ رز کو بے تکلف ساتھ لا کر آئی شرم
وہ جگہ پاکیزہ تھی بوتل اُٹھا کر آئی شرم　　اے ریاضؔ آ شرم میں گاندھی کو جا کر آئی شرم
پھینک دی دریا میں جتنی تھی سمندر پار کی

مسدّس

از فتنہ ۱۸۸۴ء

نہیں آج کھلتا یہ کیسی سحر ہے　　بسی بوئے گل سے ہر اک رہگزر ہے
سماں ہی کچھ ایسا کہ دل پر اثر ہے　　طلسمی کرشمہ سا پیشِ نظر ہے
نہیں آج پہلا سا ہے ڈھنگ کوئی
زمانے نے بدلا نیا رنگ کوئی

سہانی سحر ہم نے دیکھی ہے سو بار
رہے عمر بھر محوِ سیرِ چمن زار
وہ کلیوں کا کھلنا وہ چڑیوں کی چہکار
وہ سبزے کا دامن وہ شبنم گہربار

ہوا سے ستم جھومنا ہر شجر کا
پپیہے کی بولی سے کھچنا جگر کا

بھرا لالہ و گل سے دامانِ کہسار
رواں موج در موجِ دریائے زخار
گھنی جھاڑیاں اور صحرائے پرخار
بھری بستیاں اور خاموش بازار

ہوئی شمع ٹھنڈی ادھر جھلملا کے
اُدھر سے چلے ہم کو جھونکے ہوا کے

کہیں ہیں نواسنج مرغانِ گلشن
کہیں ہیں بھرے اور خالی نشیمن
چلے جھونکے ٹھنڈی ہواؤں کے سَن سَن
خراماں روِش پر حسینانِ لندن

ہنسی سے کلی کھلکھلاتی ہے کیا کیا
نسیمِ چمن گدگداتی ہے کیا کیا

کہیں بتکدوں میں ہیں ناقوس بجتے
کہیں مندروں میں ٹھنکتے ہیں گھنٹے
بھری مسجدوں میں عبادت کے چرچے
کلیسا میں پہنچے ہیں نعرے اذاں کے

یہ غل ہے کہ کانوں کے پردے پھٹے ہیں
کلیسا و دَیر و حرم گونجتے ہیں

رواں سوئے میخانہ رندانِ میخوار
یہ ہے فکر پی آئیں ہم جام دو چار
غرض شیخ سے ہے نہ کچھ فکرِ دستار
لئے جاتی ہے مضطرب عجلتِ کار

نہیں شوق میں پاؤں پڑتا زمیں پر

اُڑے جاتے ہیں کاگ بوتل کا بن کر

کوئی خوابگہ میں پڑا سو رہا ہے　　جوانی کی نیندوں کا لیتا مزا ہے
نہیں ہوش اس کا کہ تڑکا ہوا ہے　　خبر کیا ہو غفلت کا پردا پڑا ہے

مزا خواب کا اور سرمستیاں ہیں
جوانی کی نیندیں ہیں، انگڑائیاں ہیں

کوئی نور کے تڑکے چپکے اُٹھا ہے　　پریشان گیسو ہیں۔ جوڑا کھُلا ہے
وہ بھولا سا چہرہ کچھ اُترا ہوا ہے　　چھپائے ہوئے روئے زیبا چلا ہے

یہ ڈر ہے ستائیں گے جھونکے ہوا کے
کریں گے پریشان آنچل اُڑا کے

سُہانا سماں صبحِ روشن کا دیکھا　　نکھرتا ہوا رنگ گلشن کا دیکھا
ہے پھیلاؤ دریا کے دامن کا دیکھا　　تماشا کبھی وشتِ ایمن کا دیکھا

زمانے کی رفتار دیکھی ہے ہم نے
سحر یوں تو سو بار دیکھی ہے ہم نے

مگر آج کیا ہے کہ عالم نیا ہے　　زمانے میں چاروں طرف غل مچا ہے
نہ آیا سمجھ میں، تماشا یہ کیا ہے　　تحیّر فزا کچھ عجب ماجرا ہے

بدلتا زمانہ کبھی یوں نہیں تھا
سنورتا کبھی ہیرِ گردوں نہیں تھا

نمایاں جوانی کی چہرے سے سُرخی　　غلط ہے جو کہتے ہیں رنگ لی ہے ڈاڑھی
نشاں بھی نہیں نام کو ریش کیسی　　سُنا ہے کسی رند نے نوچ لی تھی

جوانانہ دل میں اُمنگ آگئی ہے
خدا جانے کیسی ترنگ آگئی ہے

زمانے کا سب طور بدلا ہوا ہے — چلی باغ میں اور ہی کچھ ہوا ہے
جدھر دیکھئے اک شگوفہ کھلا ہے — یہ دھومیں ہیں ہر سو قیامت بپا ہے

کبھی اس طرح رنگ لائی نہیں تھی
بہار ایسی گلشن میں آئی نہیں تھی

چمن زار میں آگ بھڑکی ہے ایسی — لپٹ اُٹھی گردوں کی گردوں سے اونچی
بہت دور پہنچی لپک ہر شرر کی — دھوئیں نے دبالی ہے طوبیٰ کی چوٹی

بہت ہے کثیف اس کی جو تیرگی ہے
فلک پر شفق بن کے پھولی ہوئی ہے

گل افشاں نہیں ہے لچک شاخِ گل کی — شرر اُڑ رہے ہیں چمکتی ہے بجلی
نظر کو چکاچوند ہوتی ہے کیسی — چمن دشتِ ایمن وہ برقِ تجلی

جو چوٹی میں کوئی شگفتہ کلی ہے
وہ قندیلِ عرشِ مُعلّیٰ بنی ہے

ہر اک خار کی آج صورت نئی ہے — نزاکت رگِ گل کی اس میں بھری ہے
زمینِ چمن میں عجب تازگی ہے — جو پتی ہے وہ پھول کی پنکھڑی ہے

عروسِ چمن کی بنی لاڈلی آج
خزاں آئے تو جائے پھولی کھلی آج

سحر کی سپیدی کی ہے اور صورت — بیاضِ گلوئے حسیں سے ہے نسبت

کہوں آئینہ تو ہو پیدا کدورت　　کہوں دامنِ حور تو آئے شامت

اندھیرا نہ ہوتا تھا کافور ایسا

جھما جھم برستا نہ تھا نور ایسا

وہ پھٹتے میں سورج کا صورت دکھانا　　وہ شرما کے گھونگھٹ کا رُخ سے اُٹھانا

دمکنا وہ کندن سا چہرہ سُہانا　　وہ رنگین بادل میں پھر منہ چھپانا

درخشندہ چہرہ ہے سب کی نظر ہے

شعاعوں کی جھرمٹ میں الجھی نظر ہے

نہ دیکھی تھی ایسی کبھی صبحِ روشن　　عروسِ چمن پر نہ ایسا تھا جوبن

جدھر دیکھو ہیں ڈھیر گلہائے روشن　　نہیں ایسے گلہائے انجم کے خرمن

نگاہوں میں چھایا سماں نور کا ہے

زمیں نور کی، آسماں نور کا ہے

نہیں خاک چھینٹوں سی شبنم کے تر ہے　　کہ چھڑکاؤ میں صرف آب گہر ہے

صفائی میں آئینہ ہر رہ گزر ہے　　جو صورت اِدھر ہی وہ صورت اُدھر ہے

اُڑی گرد بھی کچھ تو گلگونہ بن کر

بہارِ رخِ نازنینانِ دلبر

جسے دیکھئے ہے وہ محوِ تماشا　　جدھر دیکھئے، ایک ہنگامہ پیدا

وہ، ہلچل پڑی ہے کہ محشر ہے برپا　　زمانہ ہوا ہے زخود رفتہ گویا

کچھ اس طرح غل زیرِ افلاک اُٹھا

پریشان ہر آسودۂ خاک اُٹھا

پہر دن چڑھے تک جو سوئے تھے غافل
کہاں نیند اب اُن کو ہیجین ہر دل
اُٹھے ہیں کہ بے ان کے سونی ہے محفل
کسی طرح اب یہ بھی ہو جائیں شامل
کہاں وقت باقی کہ بن ٹھن کے نکلیں
وہ بن بن کے متوالے جوبن کے نکلیں

کلیسا سے پیرِ کلیسا چلا ہے
وہ شیخِ حرم ہے جو تھامے عصا ہے
بزرگانِ نیچر سے اک آ رہا ہے
وہ بوڑھا سا راہب بڑی دیر کا ہے
کہاں کے صنم خانے، کیسے شوالے
پوجاری نکل کر چلے مندروں سے

کھلا نور کے تڑکے ور میکدے کا
نظر آیا پیرِ مغاں گام فرسا
بھلا ذکر رندانِ میکش کا ہے کیا؟
پرا باندھ کر غول کا غول نکلا
نہ ساغر کی خواہش نہ فکرِ صبوحی
چلیں کس طرح ٹکڑیاں میکشوں کی

خراماں خراماں حسیں جا رہے ہیں
وہ جھرمٹ کیے نازنیں جا رہے ہیں
وہ اٹھلاتے کچھ مہ جبیں جا رہے ہیں
وہ شرماتے پردہ نشیں جا رہے ہیں
قیامت ہیں آفت ہیں انداز اُن کے
اُٹھائے نہ دشمن کبھی ناز اُن کے

تقاضا یہ بے تابیٔ شوق کا ہے
جو اس طرح اُن کا قدم اُٹھ رہا ہے
پھر اس پر بھی نخوت بھری ہر ادا ہے
ز خود رفتگی بھی تکبر نما ہے
یہ ایسے نہیں ہیں کہ بے تاب جائیں

خرامِ ادا پر کبھی حرف لائیں

جدھر دیکھئے شورِ دیوانگی ہے　　جدھر دیکھئے دھوم سی اک مچی ہے
جدھر دیکھئے بزمِ عشرت رچی ہے　　جدھر دیکھئے خلق اُمڈی پڑی ہے
ادھر غول کوئی اُدھر کوئی صف ہے
ہجومِ تماشائیاں ہر طرف ہے

زمانے کی ہر بات گویا نئی ہے　　نئی ہے صدی اور نیا سال بھی ہے
فلک کی بھی صورت تو بدلی ہوئی ہے　　بڑھاپے میں اس کو جوانی ملی ہے
لئے سو جوانی شفق کی پھبن ہے
کہے کون اس کو کہ چرخِ کہن ہے

قیامت کو تفویض ہے اہتمام آج　　حسینوں کو ہے خدمتِ انتظام آج
خدا جانے کیسی یہ ہے دھوم دھام آج　　جو کرنا پڑا نازنینوں کو کام آج
وہ بیٹھے تو یہ اُٹھ کے کچھ رنگ دکھلائیں
قیامت جو تھک جائے یہ ہاتھ بٹوائیں

مبارک زمانے کی نیرنگیوں کو　　مبارک فلک کی ستم رائیوں کو
مبارک بتوں کی جفاکاریوں کو　　مبارک شرارت بھری شوخیوں کو
حسینوں کا کچھ چھیڑنا رنگ لایا
کہ خوابیدہ فتنے نے پھر سر اُٹھایا

دربارِ دہلی کے جلوسِ بم کا واقعہ

کیوں نہ ہو سب کو عجب واقعۂ دہلی سے　　کیوں نہ ہو رنج و تعب واقعۂ دہلی سے
خلق انگشت بہ لب واقعۂ دہلی سے　　دل میں دہلے ہوئے سب واقعۂ دہلی سے

کسی کم بخت نے کیوں بم کا شگوفہ چھوڑا
چمنِ عیش میں کیوں غم کا شگوفہ چھوڑا

ہائے کیا وقت تھا کیا دھوم تھی کیسا دربار　　ہارڈنگ آئے تھے بن کر چمنستاں کی بہار
خود بہار آئی تھی پھولوں کے پہنانے انھیں ہار　　ہار پھولے نہ سماتے تھے کہ ہم ہوں گے نثار

تھیں رواں باغِ مسرت میں خوشی کی نہریں
اور نہروں میں خوشی کی وہ خوشی کی لہریں

اہلِ اسلام تھے بھولے ہوئے ایران کا غم　　اہل اسلام تھے بھولے ہوئے سلطان کا غم
اہل اسلام تھے بھولے ہوئے بلقان کا غم　　زخمیوں کا نہ الم تھا نہ کسی جان کا غم

تھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی کل قومِ ہنود
ایک تھے آج مسلمان و مسیحی و یہود

نظر آتا تھا ہر اک بند الم سے آزاد　　نہ گلہ کوئی نہ شکوہ نہ لبوں پر فریاد
شادماں ملک تھا ہر قوم تھی اس ملک کی شلو　　جس کی امید نہ تھی وہ بھی بر آئی تھی مراد

ہر طرف بزم میں چلتا تھا مئے عیش کا دور
اور کہتے تھے بلانوش کہ ساغر کوئی اور

صوبے صوبے نے مراعات سے پائی معراج　　حکمِ تنسیخ سے بنگال کو حاصل تھا سوراج
تر زباں شکر سے ہر ایک سبھا اور سماج　　سایۂ ابرِ کرم بن کے رہا سایۂ تاج

شاہ کے لطف سے دہلی ہی بنی صدر مقام

حق تھا دہلی کا کسی کو بھی نہیں جائے کلام

کون سا قطعہ نہ تھا زیر نگین دہلی   کس کے سر تاج نہ تھے تخت نشین دہلی
آسماں کس کے لئے تھی نہ زمین دہلی   چرخ سے آج بھی ٹکرائی جبین دہلی

آج سے پہلے بھی تو راج کے دربار ہوئے
ہوتے کلکتے کے دو تاج کے دربار ہوئے

قیصری کیوں ہوئی دربار یہاں بات تھی کیا   کیسے دربار کہ جن کا ہے ابھی تک چرچا
ہوئے شاہانہ مراسم اسی دہلی میں ادا   اس کے آگے کبھی پوچھا نہ گیا کلکتا

تھی ہمیشہ سے اسے سطوت شاہی حاصل
اب بھی دہلی کو ہوئی نسبت شاہی حاصل

ہند کی قوموں کو یکساں ہی محبت اس سے   ہند کے لوگوں کو یکساں ہی عقیدت اس سے
کوئی ایسا نہیں جس کو نہ ہو الفت اس سے   پائی ہی مملکت ہند نے عزت اس سے

بم ہو بنگال سے منسوب یہ کیا ممکن ہے
رشک کلکتے کو دہلی سے ہونا ممکن ہے

یہ سبب بھی نہیں تو کیا سبب مشق ستم   فیل پر نائب قیصر کے گرا بام سے بم
چتر بردار گرا زخم سے ہو کر بے دم   نائب شہ کے نہیں زخم بھی تعداد میں کم

اُف رے سفاک شقی تو نے عجب وار کیا
ایک ہی وار میں عالم کو دل افگار کیا

ہو کسی قوم سے خونخوار اسی ملک کا ہے   کی جفا جس نے ستم گار اسی ملک کا ہے
کی خطا جس نے خطاکار اسی ملک کا ہے   اس کے ظاہر ہیں سب آثار اسی ملک کا ہے

ساتھ ہم باز کے ممکن نہیں ہم راز نہ ہوں
پردہ پوشی کے لئے اور بھی دم ساز نہ ہوں
قوم و مذہب ہو کوئی غم میں ہے شرکت سب کی   نا سزا پائے سزا ہے یہی نیت سب کی
نائبِ شاہ سے یکساں ہے محبت سب کی   کیسی تیرہ ہوئی چمکی ہوئی قسمت سب کی
لاکھ ٹپکے عرقِ شرم بھی پیشانی سے
داغ جانے کا نہیں ملک کی پیشانی سے

خیر آباد کا دربارِ نمائش

اے زہے عہدِ شہِ عالی ہمم عالم پناہ   اے خوشا عہدِ شہِ کیواں حشم انجم سپاہ
اے خوشا عہدِ شہِ انجم سپہ خورشید جاہ   اے خوشا عہدِ شہِ ذی جاہ گردوں بارگاہ
امن دنیا مٹ نہیں سکتا یہ جب تک عہد ہے
کیا مبارک ہے زمانہ، کیا مبارک عہد ہے
ہارڈنگ ابرِ کرم ہیں ویسرائے ہند ہیں   ویسرائے ہند ہیں وہ رہنمائے ہند ہیں
رہنمائے ہند ہیں حاجت روائے ہند ہیں   ہند کے ہمدرد ہیں عقدہ کشائے ہند ہیں
گتھیاں کھولی ہیں کیا کیا ناخنِ تدبیر سے
عقدۂ مشکل کئے وا ناخنِ تدبیر سے
سلطنت کے صوبے صوبے میں ہیں کیا حکمراں   سلطنت کے گوشے گوشے میں ہیں افسر باں
سلطنت کے چپے چپے میں نگہباں پاسباں   سلطنت کے قریے قریے میں عجب امن و اماں
کیا قوانین و ضوابط میں ہیں سب جکڑے ہوئے

کیسے آئین و ضوابط میں ہیں سب جکڑی ہوئے

سایہ گستر ہیں اودھ میں مسٹنِ عالی جناب　　وہ خردمندانہ تدبیریں نہیں جن کا جواب
عہد میں ان کے سکوں تعبیر خوابِ انقلاب　　فتنے کوئے زلف کے گیسو کا حسنِ پیچ و تاب

شستہ رفتہ بے تکلف کس قدر اردو زبان
موتیوں سے بھر دے دامن ہوی جب وہ درفشاں

انگلش افسر جتنے ہیں مجموعۂ اوصاف ہیں　　سیر تمن عملہ طبیعت نیک دل کے صاف ہیں
ہر سخن میں راستی و دور از گزاف و لاف ہیں　　شہرہ ہے مشہور یہ سب قافہی سی قاف ہیں

دیکھ لیں سب دیکھ لیں اب وہ سب کو آنکھیں کھول کر
دیکھ لیں اب دیکھ لیں سب وہ سب کو آنکھیں کھول کر

ہیں یہی سکلین جنہوں نے شکل بدلی ملک کی　　ان کے قدموں سی ہوئی ہر یہ ترقی ملک کی
کہیں وہ تدبیریں ہوئی تقدیر سیدھی ملک کی　　بن کے تار البحت کا ہر چیز چمکی ملک کی

راحتیں کیا کیا ہوئیں حاصل ہیں اس عہد میں
نعمتیں کیا کیا ہوئیں حاصل ہیں اس عہد میں

عدل گاہیں ہر جگہ ہیں دادخواہوں کے لئے　　کیسے کیسے عدل گستر معدلت کے واسطے
منصفانہ فیصلے ہیں عادلانہ فیصلے　　روز سنئے عدل کے انصاف کے قصے نئے

تذکرے نوشیرواں کے قصۂ پارینہ ہیں
فیصلے نوشیرواں کے قصۂ پارینہ ہیں

ہر طرف بہرِ زراعت سینکڑوں نہریں رواں　　دی زمین کو ایسی قوت خوشہ چین ہو آسماں

لہ ڈپٹی کمشنر سیتاپور۔

دانہ دانہ رات کو چنتا ہی دستِ کہکشاں ڈھیر پیداوار کے ہیں خرمنِ انجم کہاں

فرش سونے کا بچھا جاتی ہے شب کو چاندنی

کھیت کرنے رات کو آتی ہی دیکھو چاندنی

کیسے کیسے فیضِ برٹش سی بنے دارالشفا بے دوا جاتے ہی صحت جنمیں ہو کیسی دوا

ہر دوا وہ تیز اثر کہئے جسے معجز نما پھر اثر کیسا کہ جو دے قم باذنی کی صدا

موت باقی رہ گئی تھی صرف دشمن کے لئے

ملک سے وہ بھی گئی اب فوجِ جرمن کے لئے

شوقِ تعلیم اور بھی اب بڑھ گیا حد سے سوا ساتھ ہی پھیلا ہے چرچا کس طرح سائنس کا

مال و زر تعلیم پر کرنے لگیں قومیں فدا پر اثر کس کی صدا تھی قریہ قریہ جاگ اٹھا

اے بنارس وہ ترا دربارِ یونیورسٹی

شعلہ زن ہے گرمئی بازارِ یونیورسٹی

جنگ میں یہ رنگ ہے تو جنگ کی ہستی ہی کیا دشمنانِ ملک نے دنیا ابھی دیکھی ہی کیا

برق بن کر تیغ چمکے گی ابھی چمکی ہی کیا چشمِ خیرہ کہہ اٹھے گی تیغ یہ بجلی ہی کیا

چھیڑ یہ بہرِ ترقی ہمت افزا ہو گئی

جنگِ جرمن اور سونے میں سہاگا ہو گئی

حرفت و صنعت کا پھیلا اور بھی سب کاروبار کارخانے ہر طرف کھلنے لگے اب بے شمار

کیسے کیسے کارفرما رات دن مصروفِ کار واقعاتِ دہر سے سب ہو گئے ہیں ہوشیار

ہوں نئے انگارے دشمن کو جلانے کے لئے

ہاتھ اٹھ جاتے ہیں آرے توڑ لانے کے لئے

چھٹ رہی ہیں جو گھری تھی کالے بادل آج کل — شل کہاں ہیں بازوئے دشمن بھی ہی شل آج کل
رنگ رلیاں ہیں یہاں جس من میں ہل چل آج کل — میلے ٹھیلے رات دن جنگل میں منگل آج کل
خوش رعایا شاہ کی پامال دشمن شاہ کے
روز و شب سلامت رات دن میلے نمائش گاہ کے

جلسہ دستار بندی مدرسہ نیازیہ خیرآباد

صدقے اس بزم کے کیا بزم ہے اللہ اللہ — نور ایسا کہیں ملتی نہیں ظلمت کو پناہ
روشن اس سے رہِ دنیا کے سوا دین کی راہ — چشمِ حق بیں کے لئے اس کی ضیا نورِ نگاہ
نام کس شخص کا ہے نقش و نگین محفل
آج یہ کون ہوا صدر نشینِ محفل

ہیں عجب بادہ عجب رنگ عجب متوالے — ہے غضب نشہ غضب کیف غضب متوالے
بھولنے کے نہیں دستور ادب متوالے — بادۂ علم کے ہیں بزم میں سب متوالے
دیکھنے والے یہ سب جلوہ گہ طور کے ہیں
فرش ہے نور کا سب فرش نشیں نور کے ہیں

گو زمانے نے مٹائے بہت اسباب کمال — گو زمانے میں نہیں پہلے سے اصحاب کمال
ڈھلتی رہتی ہے مگر پھر بھی مئے ناب کمال — فیض بخش آج بھی ہے صورت اربابِ کمال
قوم میں ڈالنے کو جان یہ دم باقی ہیں
رہبری کے لئے کچھ نقش قدم باقی ہیں

جو ہیں موجود انہیں اللہ سلامت رکھے — قوم میں تا ابد اس علم کی دولت رکھے

قوم کے نام کی اسلام کی عزت رکھے | منبع فیض انھیں تا روز قیامت رکھے

منعقد قوم میں ہو بزم مسرت ہر روز

طلبا کے بندھے دستار فضیلت ہر روز

مسدس

بہ تقریب افتتاح شیرف گنج از دست مبارک مسٹر ایف سی ایم

کرک شنک بہادر آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر سیتاپور

پیش کردہ منشی ظہیر احمد آنریری مجسٹریٹ وممبر میونسپلٹی

خلف نواب بشیر احمد صاحب رئیس خیرآباد

وخویش ہر ہائینس آف اراکاٹ

یہ ویرانہ کیسا چمن زار ہے آج | رگ گل سے بڑھکر ہر اک خار ہے آج
ہر اک شاخ گل دست زردار ہے آج | یہاں مصر کا گرم بازار ہے آج
مسرت کی دوڑی ہے لہر آج کیسی
ہے ویرانے میں کھہ بہار آج کیسی

پریشانہ کیوں ہر دکاں ہو رہی ہے | پری شیشے کی گلفشاں ہو رہی ہے
ہر اک راہ کیوں کہکشاں ہو رہی ہے | زمیں آج کیوں آسماں ہو رہی ہے
نیا ڈھنگ بھی ہے نیا طور بھی ہے
نیا رنگ بھی ہے نیا دور بھی ہے

مسرت کے نغموں کی بڑھ جائے لے آج — ترنم سرائی کریں نائے و نے آج
جمے بزم خسرو رہے بزم کے آج — ریاض افتتاح شیرف گنج ہو آج

یہ ساعت مبارک زمانہ مبارک
کرک شنک صاحب کا آنا مبارک

یہی تو شیرف کے ہیں نعم البدل ہاں — ہماری ترقی کے ہر طرح خواہاں
اسی قوم کے آپ دونوں ہیں ارکاں — کئے ہیں ترقی کے سر جس نے میداں

شیرف سے شرف جس کو آغاز کا ہے
یہ موقع کرک شنک پر ناز کا ہے

رہے گا ہمیشہ کرک شنک کا نام — نہ جائیگی دل سے کبھی یادِ ایام
شیرف کو حضور اب یہ پہنچائیں پیغام — دلاتے ہیں یاد آپ کی یہ در و بام

ہر اک آپ کے نام سے شاد دل ہیں
رہے گی مدام آپ کی یاد دل میں

بڑھائیں حضور اب تجارت کو اس کی — سنبھالیں توجہ سے حرفت کو اس کی
ذرا تقویت دے دیں صنعت کو اس کی — ذرائع بڑھائیں گے دولت کو اس کی

رواں اس طرف لطف کی نہر ہو جائے
یہ اجڑا ہوا شہر پھر شہر ہو جائے

توجہ جو فرماں روا کی ادھر ہو — صفائی سے آئینہ ہر رہ گزر ہو
شیرف گنج گنجینۂ سیم و زر ہو — ابھی معدنِ لعل و کانِ گہر ہو

مدد لیں ہر اک دست زردار سے آپ

مدد اس کو دلوائیں سرکار سے آپ

یہ سکریٹری اور ممبر بھی اچھے چیرمین ڈپٹی کمشنر بھی اچھے
کمشنر بھی اچھے گورنر بھی اچھے جو دیں ہم کو وہ صاحب زر بھی اچھے

یہ سچ ہے کہ دیگی نہ سرکار لاکھوں
جو لیں آپ تو دوستِ زردار لاکھوں

نہ تھا کچھ بھی کل آج کیا کچھ یہاں ہے لئے ساتھ بازار گنجِ نہاں ہے
ملی یہ وہ دولت کہ دل شادماں ہے ہوئی دور پستی زمیں آسماں ہے

زمیں آسماں ہو جو سب ایک دل ہوں
مدد پر مگر حاکمِ نیک دل ہوں

بہت کچھ ہوا یہ بھی جو کچھ ہوا ہے مگر دور ابھی منزلِ ارتقا ہے
بڑھے گا قدم کچھ جو آگے بڑھا ہے گرک شنک سا ناؤ کا ناخدا ہے

نہ تیر اک سو جئیں تھپیڑے ہیں کیا کیا
ہوئے پار ہمت سے بیڑے ہیں کیا کیا

بنا پارک ایسا کہ دل شاد جس سے گرک شنک کے نام کی یاد جس سے
بنے نغمہ بلبل کی فریاد جس سے رہیں دور گلچیں وصیاد جس سے

نہ دنیا کی فکریں نہ دنیا کے غم ہوں
سرِ شاخ گل ہوں۔ عنادل ہوں ہم ہوں

الٰہی دعائیں اثر اب دکھائیں الٰہی اثر اب دکھائیں دعائیں
وہ پھل پھول لائیں جو پودی لگائیں جو پودے لگے ہیں وہ پھل پھول لائیں

رہیں حاکم خلق پرور سلامت
گُرک شنک ڈپٹی کمشنر سلامت

به تقریب جلسۂ دعوت حکام منجانب خان بہادر مولوی سید احرار الحسن خاں صاحب
مینوپل بورڈ خیرآباد پیش کردہ مولوی ظہیر احمد آنریری مجسٹریٹ و ممبر مینوپل بورڈ خیرآباد

حکمرانِ صدر رہے باجاہ و حشم آئے ہیں | نہ گرک شنک شریف خسرو جم آئے ہیں
اے شریف گنج شرفِ نیک شیم آئے ہیں | تیری قسمت تیرے بانی کے قدم آئے ہیں
ہے تیری سالگرہ دن یہ تیرے یاد رہیں
تو جو آباد تو مہمان ترے شاد رہیں

افتتاحی تری تقریب کو گزرا اک سال | پارک اس طرح بنا آج ہیں سر سبز نہال
مصر سے بڑھ کے ہی بازار ترا مالا مال | چمکی تقدیر تری بدر بنا، بڑھ کے ہلال
تجھ کو اللہ نے چمکی ہوئی قسمت دی ہے
کہ چیرمین نے حکام کو دعوت دی ہے

جام پر جام چلے بزم میں بوتل آئے | اُس کی رحمت کے اُمنڈتے ہوئے بادل آئے
شجر خشک جو ہو اس میں بھی کوپل آئے | آج بے موسم گل پھول کھلیں پھل آئے
میزباں سکرٹیری جوش ہے ارمانوں کا
جامِ صحت پئیں سب شوق سے مہمانوں کا

سلہ۔ نام حکامان ضلع۔

تیز سے تیز ہو یا ہلکی سے ہلکی آئے — نہ کہے شیخ برا اچھی سے اچھی آئے
نشہ الفت کا ہو جس میں وہ برانڈی آئے — جو نہ پیتا ہو کہے ہم بھی گئے پی آئے

توبہ کا لاکھ تقاضا ہو کہ شیشہ ٹوٹے
ٹوٹے سو بار بھری بزم میں توبہ ٹوٹے

لطفِ صحبت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی — لطف دعوت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی
کیا مسرت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی — جامِ صحبت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی

رنگ پر روز یونہی محفلِ احباب رہے
دور میں روز یونہی جام مئے ناب رہے

طرفِ صومعہ جائیں کہ سوئے دیر آئیں — دلِ احباب میں بن کر نہ کبھی غیر آئیں
فرشِ رہ آنکھیں رہیں وہ جو پئے سیر آئیں — خیر آباد شرف پھر بھی مع الخیر آئیں

اے شرف گنجِ شرف سے تجھے حاصل ہے شرف
تو ہمیشہ رہے یونہی گلِ مقصود بہ کف

پارک آباد رہے اور کرک تنک دل شاد — نام سے جن کے ہے منسوب ہے اُن کی یاد
باغ کا ان کے رہے سرو ہمیشہ آزاد — خیر آباد کا ہر باغ ہو باغِ بغداد

کیوں ہر اک جنسِ وفا کا نہ خریدار رہے
یارب آباد شرف گنج کا بازار رہے

ترانۂ خلافت

یہ لہرائے سائے میں عرشِ بریں کے

خلافت کے جھنڈے نے پورے جلوس کے ساتھ شہر میں گشت کیا اور
تمام روسائے خیرآباد ہمراہ تھے۔ نشان کے ساتھ ذیل کا ترانۂ خلافت
ہر قدم پر خاص اثر رکھتا تھا

مبارک سیادت کا جھنڈا مبارک　　مبارک امامت کا جھنڈا مبارک
مبارک امارت کا جھنڈا مبارک　　مبارک خلافت کا جھنڈا مبارک
یہ گاڑا گیا دل پہ اعدائے دیں کے
یہ لہرائے سائے میں عرش بریں کے
نشانِ سیادت نشانی ہے کس کی　　نشانِ امامت نشانی ہے کس کی
نشانِ امارت نشانی ہے کس کی　　نشانِ خلافت نشانی ہے کس کی
یہ بادل نہیں ہیں جو سایہ کئے ہیں
فرشتوں نے پر اپنے پھیلا دئے ہیں
ہلال آج چمکا وہ بالائے پرچم　　صلیب اس کے آگے بنی دستِ ماتم
صلیب اس کے آگے ہوئی اس طرح خم　　عدو کے لئے طوق گردن کہیں ہم
نیا طوق پڑتے ہی کیسا جھکا سر
ہوا آج نیچا بڑے بول کا سر
تبسم وہ عصمت[1] کا یارب تبسم　　تبسم وہ آفت کا یارب تبسم
تبسم قیامت کا یارب تبسم　　بنا وہ مسرت کا یارب تبسم
یہ کیوں خندہ زن ہے ہلال آج سب پر
مزے کی نئی مسکراہٹ ہے لب پر

[1] جنرل عصمت پاشا۔

تکلم وہ عصمت کا یارب تکلم — تکلم وہ آفت کا یارب تکلم
تکلم قیامت کا یارب تکلم — وہ وقت مسرت کا یارب تکلم
تکلم سے بڑھ کر تبسم کسی کا
تبسم سے بڑھ کر تکلم کسی کا

اثر خیز نرمی اثر خیز گرمی — وہ گل ریز نرمی شرر ریز گرمی
یہ کرزن نے کی کیوں کر انگیز گرمی — سہے اس طرح ایک انگریز گرمی
نہ سمجھے گئے واپس آنے کے قابل
رہے اب نہ وہ منہ دکھانے کے قابل

سلامت روی تھی یہ برطانیہ کی — سنا جس نے جمہوریت کو دعا دی
چلیں شوخیاں کچھ نہ موجِ ہوا کی — بگڑنے میں بھی زلفِ پیچاں بنا کی
مٹیں دشمنوں کی جو عیاریاں تھیں
یہ عیاریاں سب غلط کاریاں تھیں

بری طرح کرزن نے غصہ اُتارا — ہٹے وہ ہوئے اور ساحر صف آرا
پڑھے جن کو شیشے میں کس نے اُتارا — قیامت کا عصمت نے میدان مارا
ہرن چوکڑی بھول کر زد میں آئے
کہ سب جنگ جو امن کی حد میں آئے

یہ فرزانگی اہلِ برطانیہ کی — جو تیور بُری دیکھے صورت بدل دی
اثر خیز آواز تھی ہند کی بھی — اُدھر ہو رہے تھے بہت تلخ مصری
پسند آئی لاسیں کی پھر سب کو

منانا پڑی جان کی خیر سب کو

بہت ناچے کودے فرانس اور اٹلی	وہ انگورہ کا تار آخر کی دھمکی
بظاہر تلاطم میں تھی سب کی کشتی	کئی بار ڈوبی کئی بار اُچھلی

مگر پار بیڑا لگایا خدا نے
سمجھ سے لیا کام برطانیا نے

کہیں کیا بھری بزم سے کیونکر اُٹھے	مزے اُٹھنے کے بزم سے باہر اُٹھے
جھکے سوئے زانو تھے وہ جو سر اُٹھے	نہ روتے ہی جب تو سب ہنس کر اُٹھے

لئے امن ہمراہ سب گھر کو آئے
یہ سچ ہے بچی جان تو لاکھوں پائے

ملا کر بہم ہاتھ اُٹھے ہاتھ ملتے	نہ دیکھے کچھ ارمان دل کے نکلتے
بچے ٹھوکروں سی بہت چلتے چلتے	نہ بچتے نہ گھی کے چراغ آج جلتے

بنے داغ لا سین میں باغ دل کے
چراغان لا سین تھے داغ دل کے

ہوئی صلح ٹرکی مگر فاتحانہ	ادا فاتحانہ اثر فاتحانہ
قدم تھے سر رہ گزر فاتحانہ	چلے جس طرف تھی نظر فاتحانہ

مہینوں چھنی خوب برطانیہ سے
بگڑ کر ہی خوب برطانیہ سے

نئی دشمنی دوستی ہے پرانی	جبھی ایک نے ایک کی بات مانی
عرب سے بھی اُٹھے کہیں حکمرانی	اب آزادیوں ہیں کٹے زندگانی

نہ ہوگا اگر یہ تو گاڑھی سے چھنے گی
بنائے نہ پھر بات ہرگز بنے گی

مخالف کروروں مسلمان ہوں گے ہزاروں کو مرنے کے ارمان ہوں گے
نہ بدلیں گے وہ جن میں ایمان ہوں گے ہتیلی پر اپنی لئے جان ہوں گے

یہ جتنے ہیں سب ہیں اسی ایک گھر کے
ملے گا انھیں کیا تہ تیغ کرکے

نبی کی وصیت پہ ایمان اُن کے خطا ہوں گے ڈر سے نہ اوسان اُن کے
سنیں گے کسی کی نہ کچھ کان اُن کے شہادت ملے ہیں یہ ارمان اُن کے

گوارا کریں گے نہ ایمان دینا
گوارا کریں گے یہ سب جان دینا

عراق و حجاز و فلسطین و شام آج ہیں محکوم اغیار ان کے ہیں سرتاج
نہ پاسِ زباں ہے نہ کچھ بات کی لاج ہمیں بھی انھیں بھی ملے کیوں نہ سوراج

پریشان کرنا، پریشان ہونا
مناسب ہے کچھ تو پشیمان ہونا

چلے گا نہ اب کام عیاریوں سے نہ غدارِ مکہ کی غداریوں سے
نہ زرپاشیوں سے نہ زرباریوں سے حذر چاہئے ہے ریاکاریوں سے

عراق و عرب کی بھی ہو وا گزاری
ذرا ان میں موصل کی ہے چوٹ بھاری

ہے عاجز جہاں حکم برداریوں سے بچائے خدا ایسی بیماریوں سے

ملے گا نہ کچھ بھی دل آزاریوں سے پشیمانی اچھی خطا کاریوں سے

نجات اب ہو بیماری جانگسل سے

ملا ہاتھ اب دل بھی مل جائے دل سے

رہے دوستی اب عرب سے عجم سے ذرا لیجئے کام چشمِ کرم سے

سِلے کلیجے ہوئے بیپ کتنے الم سے نہ بن بن کے شمشیر اب کھنچیے ہم سے

مسلمان دنیا کے داد وفا دیں

مسلمان دنیا کے دل سے دعا دیں

رہو یوں دلوں میں کہ ہو جان جیسے رہو اس طرح ہم ہیں انسان جیسے

ہیں آپس میں ہندو مسلمان جیسے بنیں ترک یوں دوست افغان جیسے

تشدد ہو جس میں نہ وہ سلطنت ہو

ہر اک ملک میں فیضِ جمہوریت ہو

اب آجائے کرزن کو بھی مسکرانا سکھائے تبسم انھیں بھی زمانا

مٹے روز کا اب یہ رونا رولانا مبارک انھیں اپنی خفت مٹانا

ہلال اب نہ شکوہ کبھی لائے لب پر

جب آئے الٰہی ہنسی آئے لب پر

ہلال آج کس سے گلے مل رہا ہے یہ عصمت کا نازک گریباں بنا ہے

یہ جوشِ طرب میں اسے کیا ہوا ہے گریباں کی صورت گلے سے لگا ہے

جگہ اس کی ہے یوں ہی سینے پر ان کے

گرائے لہو یہ پسینے پر اُن کے

نہ ہو عہد نامے کی اب پائمالی — کہ ہے امن کی اس نے بنیاد ڈالی
سلامت کمال اور فوجِ کمالی — سلامت ہلال اور تیغِ ہلالی

سلامت رہے یہ نشانِ خلافت
بڑھے اے ریاضؔ اور شانِ خلافت

پارہ پارہ نظم در مظالم مشہد وغیرہ

بر دے سرِ حشر کے دن قاتلِ عثمانؓ نکلا — آج بھی خون سے نم صفحۂ قرآں نکلا
اولیت کا شرف حضرتِ صدیقؓ کو ہے — عارف ایسا نہ کوئی صاحبِ ایقاں نکلا
حبذا اصولتِ فاروقؓ سیاست آئیں — کہ جہاں دورِ خلافت کا ثنا خواں نکلا
بعد فاروقؓ کے ترتیبِ خلافت کے لئے — آپ سا کوئی نہ اے جامعِ قرآں نکلا
ہوئی تکمیل خلافت جو نبوت کی طرح — یا علیؓ مرتبہ یہ آپ کے شایاں نکلا
نہیں ممکن جو لکھے کوئی یداللہ کے وصف — دست و بازوئے نبی قوتِ ایماں نکلا
عظمت اس نامِ مبارک کی نہیں کس دل میں — جس کو دیکھا وہ غلامِ شہِ مرداںؓ نکلا
جتنے سورے ہیں وہ ہیں نامِ علیؓ کی تفسیر — وہی قرآن وہی معنئ قرآں نکلا
لب پر آیا کبھی بوبکرؓ کبھی نامِ عمرؓ — منہ سے حیدرؓ کبھی نکلا کبھی عثماںؓ نکلا
چار چاند ایسے خلافت کے زمانے کو لگے — یدِ بیضا کبھی چراغِ تہِ داماں نکلا
نور تھا چار طرف روئے زمیں پر پھیلا — کہ چھپا چاند تو خورشیدِ درخشاں نکلا
چرخ پر تارے ابھر آئے جو سورج بیٹھا — شام ہونے بھی نہ پائی مہِ تاباں نکلا
وسعتِ ارض میں اسلام نے جھنڈے گاڑے — بن کے پرچم شفقِ سرخ کا داماں نکلا

۲

ابتدا جس کی یہ تھی آج ہی اس کا یہ حال — شور ہے قبضۂ اسلام سے ایراں نکلا

ہر فرنج آج مراکو میں ہلاکو بن کر — ملک کا جان کا ایمان کا خواہاں نکلا

فوج اٹلی نے اُتاری ہے ٹریپولی میں — سایۂ پوپ میں حیرت ہے کہ شیطاں نکلا

کچھ جزیرے لئے بدعہد نے دھوکے دیکر — کوئی سچا کبھی کافر کا نہ پیماں نکلا

یہ سمجھ کر کہ سمندر میں ہے ٹرکی کمزور — کارِ دشوار ڈورڈوناٹ سے آساں نکلا

اس کی تائید میں ہیں اور بھی کتنے ایسے — صورتِ رازِ بہم ساز بھی پنہاں نکلا

سگِ اٹلی سے رہا بڑھ کے کہیں روس کا خرس — منہ سے باہر بہت اس خرس کا دنداں نکلا

روزِ عاشور کیا مجتہدِ عصر کا خوں — بڑھ گئے کچھ شمر سے غارتگرِ ایماں نکلا

کس طرح روس نے تبریز میں آفت ڈھائی — پھر بھی اس ظالم اظلم کا نہ ارماں نکلا

۳

پاک دامانوں کی کم بختوں نے کی پردہ دری — چاک داماں تو کوئی چاکِ گریباں نکلا

یہ سمجھ کر کہ کسی گوشے میں مل جائے اماں — گھر سے عریاں کوئی نکلا کوئی نالاں نکلا

اوڑھنے کو نہ بچھانے کو رہیں کیا گھر میں — دامنِ دشت ہر اک خانۂ ویراں نکلا

مضطرب دل کی طرح گھر سے جو نکلا کوئی — اپنے گیسو کی طرح کوئی پریشاں نکلا

نہ ردا کوئی نہ برقع کوئی پردہ نہ حجاب — گھر سے ہر پردہ نشیں بے سر و ساماں نکلا

چہرے پر اشکِ مصیبت نے جو دامن ڈالا — دل پہ زخم لئے زخم کا داماں نکلا

نقدِ جاں بھی نہ بچا شہر میں وہ لوٹ مچی — روس ہر طرح عدوئے سر و ساماں نکلا

تار ریوٹر نے بہت رنگ بدل کر بھیجے — آسماں بیضۂ طاؤس میں پنہاں نکلا

گنبدِ روضۂ اطہر پہ اُتارے گولے　　چرخ پر خوف سے خورشید بھی لرزاں نکلا

۴

چونک اُٹھے عدم آباد کے رہنے والے　　قبر سے رستمِ دستاں بھی ہراساں نکلا
گنبدِ سبز کو مسجد کے بھی پہنچا نقصان　　در و دیوار کا اللہ نگہباں نکلا
دامنِ ابر میں چھپ چھپ گئی بجلی ڈر کر　　مُنھ سے توپوں کے وہ دودِ شرافشاں نکلا
میکسمِ توپ کو گردش تھی حرم کے اندر　　گوشے گوشے سے ہر اک شخص ہراساں نکلا
نذرِ دشمن ہوئے مشہد کے ہدایا کیا کیا　　گنجِ زر گنجِ گہر بے حد و پایاں نکلا
لئے دامن میں چلا گو ہرِ یکتا کوئی　　لئے دامن میں کوئی لعلِ بدخشاں نکلا
کھل کے بازارِ تجارت کی دکانیں لوٹیں　　لے لیا جس کے یہاں جو سر و ساماں نکلا
روس کے ظلم سے شرم آئی نہ کچھ یورپ کو　　ہاں ہیر مٹین مگر سر بگریباں نکلا
غل ہے مشہد میں، مراکو میں، ٹریپولی میں　　کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا
ہے یہی حال تو اب جلد بنے گی دنیا　　عَلَمِ سبز لیئے روم کا سلطاں نکلا
اے شہنشاہِ جہاں اے شہِ انگلینڈ اے جارج　　حیف اگر تیری رعایا کا نہ ارماں نکلا

۵

لاکھوں والینٹر آئیں گے نظر دشمن کو　　گھر سے ایک ایک اگر ہونے کو قرباں نکلا
جلد مل جائے فنِ جنگ کی تعلیم ہمیں　　شور ہو ہند بھی تیرا عربستاں نکلا
جاتے جاتے سوِ ایراں نظر آجائے گا　　ہم سے بھی چار قدم آگے ہر افغاں نکلا
اپنی سرحد سے ہر اک ترک بڑھے گا فوراً　　شور مچ جائیگا وہ شیرِ نیستاں نکلا
مایۂ ناز ہمیں ہوگی ہماری قوت　　ہمت افزا جو شہنشاہ کا فرماں نکلا

۲

ابتدا جس کی یہ تھی آج ہوا اس کا یہ حال
شور ہے قبضۂ اسلام سے ایراں نکلا

ہر فرنج آج مراکو میں ہلاکو بن کر
ملک کا جان کا ایمان کا خواہاں نکلا

فوج اٹلی نے اُتاری ہے ٹریپولی میں
سایۂ پوپ میں حیرت سی شیطاں نکلا

کچھ جزیرے لئے بدعہد نے دھوکے دے کر
کوئی سچا کبھی کافر کا نہ پیماں نکلا

یہ سمجھ کر کہ سمندر میں ہے ٹرکی کمزور
کارِ دشوار ڈورڈوناٹ سے آساں نکلا

اس کی تائید میں ہیں اور بھی کتنے ایسے
صورتِ رازِ بہم ساز بھی پنہاں نکلا

سگِ اٹلی سے رہا بڑھ کے کہیں روس کا خرس
مُنہ سے باہر بہت اس خرس کا دنداں نکلا

روزِ عاشور کیا مجتہدِ عصر کا خوں
بڑھ کے کچھ شمر سے غارتگرِ ایماں نکلا

کس طرح روس نے تبریز میں آفت ڈھائی
پھر بھی اس ظالم اظلم کا نہ ارماں نکلا

۳

پاک دامانوں کی کم بختوں نے کی پردہ دری
چاک داماں تو کوئی چاکِ گریباں نکلا

یہ سمجھ کر کہ کسی گوشے میں مل جائے اماں
گھر سے عریاں کوئی نکلا کوئی نالاں نکلا

اوڑھنے کو نہ بچھانے کو رہیں کیا گھر میں
دامنِ دشت ہر اک خانۂ ویراں نکلا

مضطرب دل کی طرح گھر سے جو نکلا کوئی
اپنے گیسو کی طرح کوئی پریشاں نکلا

نہ ردا کوئی نہ برقع کوئی پردہ نہ حجاب
گھر سے ہر پردہ نشیں بے سر و ساماں نکلا

چہرے پر اشک مصیبت نے جو دامن ڈالا
دلِ پر زخم لئے زخم کا داماں نکلا

نقدِ جاں بھی نہ بچا شہر میں وہ لوٹ مچی
روس ہر طرح عدوئے سر و ساماں نکلا

تار ریوٹر نے بہت رنگ بدل کر بھیجے
آسماں بیضۂ طاؤس میں پنہاں نکلا

گنبدِ روضۂ اطہر پہ اُتارے گولے | چرخ پر خوف سے خورشید بھی لرزاں نکلا

۴

چونک اُٹھے عدم آباد کے رہنے والے | قبر سے رستم و دستاں بھی ہراساں نکلا
گنبدِ سبز کو مسجد کے بھی پہنچا نقصان | در و دیوار کا اللہ نگہباں نکلا
دامنِ ابر میں چھپ چھپ گئی بجلی ڈر کر | مُنھ سے توپوں کے وہ دودِ شرر افشاں نکلا
میکسم توپ کو گردش تھی حرم کے اندر | گوشے گوشے سے ہر اک شخص ہراساں نکلا
نذرِ دشمن ہوئے مشہد کے ہدایا کیا کیا | گنجِ زر گنجِ گہر بے حد و پایاں نکلا
لئے دامن میں چلا گوہرِ یکتا کوئی | لئے دامن میں کوئی لعلِ بدخشاں نکلا
کھل کے بازارِ تجارت کی دکانیں لوٹیں | لے لیا جس کے یہاں جو سر و ساماں نکلا
روس کے ظلم سے شرم آئی نہ کچھ یورپ کو | ہاں ہیرٹین مگر سر بگریباں نکلا
غل ہے مشہد میں، مراکو میں، ٹریپولی میں | کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا
ہے یہی حال تو اب جلد بنے گی دنیا | عَلَمِ سبز لیے روم کا سلطاں نکلا
اے شہنشاہِ جہاں اے شہِ انگلینڈ اے جارج | حیف اگر تیری رعایا کا نہ ارماں نکلا

۵

لاکھوں والینٹر آئیں گے نظر دشمن کو | گھر سے ایک ایک اگر ہونے کو قرباں نکلا
جلد مل جائے فنِ جنگ کی تعلیم ہمیں | شور ہو ہند بھی تیرا عربستاں نکلا
جاتے جاتے سوئے ایراں نظر آجائے گا | ہم سے بھی چار قدم آگے ہر افغاں نکلا
اپنی سرحد سے ہر اک ترک بڑھے گا فوراً | شور مچ جائیگا وہ شیرِ نیستاں نکلا
مایۂ ناز ہمیں ہوگی ہماری قوت | ہمت افزا جو شہنشاہ کا فرماں نکلا

ہائے وہ وقت کہ جب تختگہ روس مٹے
سب کہیں خوب مسلمانوں کا ارماں نکلا

وقتِ تقسیم کہے فوج یہ خوش ہو ہو کر
لوٹ کا مال تو شہد سے فراواں نکلا

ہم کہیں خاص یہ اسلام ہے برٹش دولت
سب کہیں دل سے شہنشاہ مسلماں نکلا

سایۂ جارج میں وہ دن بھی کہیں آئے ریاضؔ
ہم کہیں آج مسلمانوں کا ارماں نکلا

عالم آشوب

دنیا تہِ دام ہو گئی ہے
یہ پختہ بھی خام ہو گئی ہے

کس کی ہوئی ہے یہ خام پارہ
ہر چند کہ رام ہو گئی ہے

لے گا ابھی کروٹیں زمانہ
رات آگئی شام ہو گئی ہے

کچے پڑے پختہ کار کیا کیا؟
قوت ہی تمام ہو گئی ہے

ہے صلح کچھ امن خیز عالم
اب جنگ تمام ہو گئی ہے

سایہ ہے خدا کا سایۂ لیگ
رحمت یہ عام ہو گئی ہے

آزاد حکومتِ مقامی
ہر قوم کے نام ہو گئی ہے

یہ شرط بھی ہم ہوں حکم بردار
بے قید و دام ہو گئی ہے

مشکل کاموں کی سربراہی
سرکار کے نام ہو گئی ہے

ٹھیکے میں خدا کے ہی خدائی
حالت یہ عام ہو گئی ہے

یونان کی رات دن اچھل کود
مینڈھک کو زکام ہو گئی ہے

ظالم کی حکومت و امارت
مظلوم کے نام ہو گئی ہے

کیا جلد ہوئے ہیں ایک دو تین — ٹرکی نیلام ہوگئی ہے
کمزور کی ہر طرح حمایت — اب لیگ کا کام ہوگئی ہے
بیجا و بجا ہر اک شکایت — گویا دشنام ہوگئی ہے
ہر بات ان اتحادیوں کی — الفت کا پیام ہوگئی ہے
معشوق کا عہد۔ وعدے ان کے — کیا طرزِ کلام ہوگئی ہے
کُھل کھیلے ہیں حلقے حلقے اُس کے — کاکل اب دام ہوگئی ہے
پیچیدگی و دروغ بافی — کچھ حسنِ کلام ہوگئی ہے
کیوں صلح کا رنگ خونچکاں ہے — جب جنگ تمام ہوگئی ہے
اس صلح کی اب تو کامیابی — بوسہ بہ پیام ہوگئی ہے
کیا امن و اماں کو ہے ترقی — کیا جنگ تمام ہوگئی ہے
اُٹھتے ہیں شرر دھوئیں کے بدلے — تیز آتشِ خام ہوگئی ہے
یوں مرد بنی ہے قوم اپنی — لونڈی سے غلام ہوگئی ہے
آثار یہ ہیں ترقیوں کے — اب رحمتِ عام ہوگئی ہے
کہتے ہیں کچھ اور اس کے تیور — ترکی جو تمام ہوگئی ہے
کیا ابر میں کچھ ہلال کی شکل — خنجر بہ نیام ہوگئی ہے
طاقت نہیں بازوؤں میں پھر بھی — بیرونِ نیام ہوگئی ہے
بجلی کی چمک سے خیرہ ہے آنکھ — عریاں جو حسام ہوگئی ہے
خونیں شفقِ فلک بھی جھک کر — اب آتشِ بام ہوگئی ہے
اقوام کی لیگ بھی جو آسان — دشوار سا کام ہوگئی ہے

چھایا ہے کہاں کہاں اندھیرا — کیا حالتِ شام ہوگئی ہے
پر پیچ ہے زلفِ بالشویک — کابل کا لام ہوگئی ہے
اب آنکھ ہے سوئے بامِ دنیا — ہے صبح کہ شام ہوگئی ہے
گل ریزوہ سرزمینِ ایران — کیا ڈور کا مقام ہوگئی ہے
چشموں میں تیل کے لگی آگ — لو مشعلِ شام ہوگئی ہے
آنکھوں میں نہیں ہے خوابِ شیریں — کیوں نیند حرام ہوگئی ہے
موصل کیا پھول کی چھڑی تھا — برت اب خطِ جام ہوگئی ہے
موصل کے کنوئیں کی او کھلی بھی — اب شہد کا جام ہوگئی ہے
سرِ دادن و درد سر خریدن — پونجی ہی تمام ہوگئی ہے
ہلکی ہو کہ ہو کڑی کوئی چوٹ — کچھ شغل دوام ہوگئی ہے
اس دودھ کے نہر کی روانی — فرھاد کا کام ہوگئی ہے
اس صلح میں جنگِ زرگری بھی — نازک سا کام ہوگئی ہے
حاصل ہے کہیں طلائے خالص — چاندی کہیں خام ہوگئی ہے
اب بامِ حرم کے بم کی ہر بات — شورِ سرِ بام ہوگئی ہے
بم جھوٹ سہی، قدم تو پہنچے — شہرت یہ تمام ہوگئی ہے
قولِ فیصل سے سرزمیں وہ — حیرت کا مقام ہوگئی ہے
گھر کے بھیدی نے کہہ دیا حال — تصدیقِ کلام ہوگئی ہے
غدارِ حجاز کو تو گلا لی — صاحب کا سلام ہوگئی ہے
اُلجھی ہوئی گفتگوئے کابل — سنجیدہ کلام ہوگئی ہے

سلجھی ہوئی گفتگو ہے طرزی | دلکش پیغام ہو گئی ہے
معنی ہوں سخن کے اختیاری | اب بات یہ عام ہو گئی ہے
سنا ہیں فسانہ ہائے رنگیں | کیا بات تمام ہو گئی ہے
بے حس تصویر میں پڑی جان | مصروفِ خرام ہو گئی ہے
فرہاد کا کاٹ دیکھنا ہے | صمصام و حسام ہو گئی ہے
رکتی نہیں روکے آہ کی تیغ | بیروں ز نیام ہو گئی ہے
ہو گی وہ عدو کی صبحِ اُمید | جس صبح کی شام ہو گئی ہے
کہتے ہیں کہ سعیٔ ولسن و جارج | بے نیلِ مرام ہو گئی ہے
کچھ فہم اگر ہو تو وزارت | اب عقل کا کام ہو گئی ہے
سمجھے ہوئے تھے جسے وہ سرجوش | دُردِ تہِ جام ہو گئی ہے
اترے گی نہ حلق سے کسی کے | پکی ہوئی خام ہو گئی ہے
کہنے کو نہ ہو کہا نہ ہم سے | حجت بھی تمام ہو گئی ہے
خود بھی وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا | پامالِ خرام ہو گئی ہے
بے وجہ بھی حال پر توجہ | حکام کا کام ہو گئی ہے
کچھ بولوں تو کہتے ہیں کہ "چپ چپ" | چُپ تکیہ کلام ہو گئی ہے
مکّا مسجد میں شورِ ناقوس | آوازِ امام ہو گئی ہے
پردے پردے میں دور کی بات | پیغامِ سلام ہو گئی ہے
پڑتی ہے دکن سی شملے پر تاپ | ڈھیلی جو لگام ہو گئی ہے
اونچے اونچوں کی پھوٹ کی بات | اب طشت زبام ہو گئی ہے

دیکھو کس وقت با وفا دوست — سرکارِ نظام ہوگئی ہے
کیا قہر ہے وقت پر قیامت — معشوق خرام ہوگئی ہے
دنیا و نیا رہی نہ افسوس! — عبرت کا مقام ہوگئی ہے
پھیلے اثرِ عدم تعاون — تحریک یہ عام ہوگئی ہے
دکھ درد میں شرکتِ بہم اب — دورِ مئے و جام ہوگئی ہے
باہر ہوگی نہ قومِ افغاں — ترکی بھی رام ہوگئی ہے
ہندو ہوئے ترک، ترک ہندو — اب پھوٹ حرام ہوگئی ہے
تحریکِ سودیشی و خموشی — مقبولِ انام ہوگئی ہے
ٹھہرا ہو کہ پھول گھر ہی کی ہو — باہر کی حرام ہوگئی ہے
کہنے کو گھر کی کوٹھری بھی — روئی کا گدام ہوگئی ہے
تومو، کاتو، بچھاؤ، اوڑھو — اب رائے یہ عام ہوگئی ہے
دو دن کی ہے چاندنی مبارک! — یہ کہنے کو شام ہوگئی ہے
کتنی کام کی شے وفا ہماری — وہ تو بدنام ہوگئی ہے
کچھ ہو ہمیں کام ہے وفا سے — مانا بدنام ہوگئی ہے
ہاں! خوئے وفا ہے کام کی چیز — ضد سے ناکام ہوگئی ہے
جاری رہے سعی پھر بھی ہر چند — کوشش ناکام ہوگئی ہے
ہیں شیر و شکر اب آگ پانی — صورت یہ عام ہوگئی ہے
سایہ ہیں وہ رکھے اپنے آزاد — جو زلف کہ دام ہوگئی ہے
ہے دور بہت دعا سے تاثیر — وہ عرش مقام ہوگئی ہے

ہوگئی کبھی صبح شام کی بھی جب صبح کی شام ہوگئی ہے

آثار ہیں صبح کے نمایاں
اب رات تمام ہوگئی ہے

ساقی نامہ

از

فتنہ ۱۸۸۲ء

ساقی! مجھے ایک جام دینا بھر کر مئے لالہ فام دینا
رنگت کا نکھار یہ کرے کام یاقوت کا ایک ڈال ہو جام
دھانی چوڑی کا عکس پڑ جائے تحریر زمردیں نظر آئے
رنگ اور لگائے آگ بڑھ کر منہدی لگے ہاتھوں میں ہو ساغر
مستانہ ادا نہ آس توڑے لغزش نہ کہیں گلاس توڑے
حجلے سے ابھی نکل کے آئے شیشے سے پری نکل کے آئے
سو رنگ سے بن سنور کے نکلے نکلے نکلے نکھر کے نکلے
ہو رقص فزائے صحن ساغر ہو موج کا ہاتھ بھی کمر پر
نظارے کے ساتھ سب ہوں بیہوش ہر بزم نشیں زخود فراموش
محفل میں وہ رنگ آج چھا جائے بے ساغر و مے مجھے مزا آئے
لغزش نہ مری زبان میں ہو اُلجھاؤ نہ کچھ بیان میں ہو
لو منتظرو! ذرا سنبھل جاؤ! آنکھوں میں ہی نیند ہوش میں آؤ

مبارک میکشوں کو رخصتِ ہوش — چلا وہ ساقیٔ وعدہ فراموش
نگاہِ ناز شرمائی ہوئی ہے — ہماری یاد کچھ آئی ہوئی ہے
چھلکتے جام یا نازک سے گل ہیں — حنائی ہاتھ میں چھلوں کے گل ہیں
کلائی پر گراں ہے رنگِ ساغر — نہ موجِ مے بنے یہ بھی لچک کر
ہر اک میکش کو یہ دھوکا ہوا ہے — مئے گلرنگ سے ساغر بھرا ہے
لبِ خاموش میں طرزِ تکلم — نہاں گھونگھٹ میں ہو جوں کے تبسم
ابھرتی موج کیا دیکھی نہیں ہے — چھلکتے جام سے کیا پی نہیں ہے
بہاریں ہم نے لوٹی ہیں چمن میں — اٹھے بیٹھے نہیں کس انجمن میں
سبو کتنے اچھوتے ہیں لنڈھائے — سنبھل کر جب اٹھی کوثر کی لائے
جو رنگت دوسری ہم دیکھنے پائیں — بھری ساغر تو ہم آنکھوں میں پی جائیں

نہ وہ محشر فروشِ شوخیٔ ناز — نہ وہ ہنگامہ ہائے فتنہ پرداز
نہ کسی کی وہ چمپئی رنگت — نہ کسی کی وہ چلبلی صورت
نہ وہ نازک کمر کا بل کھانا — نہ وہ لغزش نہ وہ سنبھل جانا
نہ چھریرا بدن، نہ بکھرے بال — نہ وہ کافر کی لڑکھڑاتی چال
نہ وہ آنچل کا ڈالنا ہر بار — نہ دوپٹا سنبھالنا ہر بار
نہ وہ شوخی نہ ہونٹھ پر وہ ہنسی — نہ بلا خیز چتونیں تیکھی
نہ وہ جوشِ شباب کی ان بن — نہ اداؤں میں اب وہ چنچل پن
نہ وہ نغمہ نہ جانفزا آواز — نہ مغنی نہ کوئی نغمہ ساز

کیا سہل ہے جو نقاب اُٹھے؟ — شرمیلے ہیں کیوں؟ حجاب اُٹھے
کیونکر یہ کہیں زباں سے "اُف اُف" — ہم بزم میں آئیں بے تکلف
آجائیں تو شوخیٔ ادا سے — کیا آنکھ ملائیں گے حیا سے
یہ دن ہیں بہارِ زندگانی — بچپن کچھ ہے تو کچھ جوانی
گلچیں کہیں دسترس نہ پائے — ڈرتے ہیں بہار اُلٹ نہ جائے
کمسن، نادان، بھولے بھالے — جو چاہے وہ راہ پر لگا لے
جب اتنی سمجھ نہ ہو، کہا کیا؟ — تو فتنہ طرازیٔ ادا کیا؟
دشوار نہیں ہے ہاتھ آنا — بچپن کی سمجھ کا کیا ٹھکانا
چٹخارے نئے زبان کے ہیں — آفت ہے کہ دن اُٹھان کے ہیں
ہو جاتی ہیں آرزوئیں بیباک — اس عمر میں سوجھتا نہیں خاک
ہر وقت ہجوم ولولوں کا — ہر وقت ہجوم حوصلوں کا
بھا جاتی ہے سیر گلشنوں کی — پروا نہیں رہتی رہزنوں کی
خودداریٔ حسن محوِ انداز — سرمست مئے تبختر و ناز
زلفوں کا سنوارنا وہ دن بھر — ہر وقت نگاہ آئینے پر
عادت وہ گھڑی گھڑی کا بننا — ہر روز نئی نئی تمنا
پھر دیدہ دلیریاں اک آفت — بیباکیٔ آرزو قیامت
اچھا نہیں شام کا نکلنا — اچھا نہیں نام کا نکلنا
وہ ہے جو ذرا سنبھال لے جائے — جو دل کہے اُس کو ٹال لے جائے
بنتا ہے شوق جی کا جنجال — کیا قہر بھرا ہے یہ سن و سال

ہم لاکھ نہ چاہیں وہ کریں ساز　　سو طرح کے لوگ ہیں نظر باز

ساقی نامہ

خموشی کا سبب ہم جانتے ہیں　　تبسم کی ادا پہچانتے ہیں
کلائی کے لچکنے کا یقیں ہے　　بھرا ساغر چھلکتا کیوں نہیں ہے
شرارت ہے یہ سب افسونگری ہے　　نگاریں جام میں تلچھٹ بھری ہے
صدا رندوں میں نوشانوش کی ہے　　نہیں پروا انہیں سر جوش کی ہے
چمن زار آنکھ میں اپنی نظر آئے　　حنائی ہاتھ سے تلچھٹ ملے جائے
ہوس کرنے میں کچھ جھنجھٹ بہت ہے　　مزا وہی جائے تو تلچھٹ بہت ہے
دعا یہ ہے، اثر اتنا خدا دے　　مئے گفتار کی تلچھٹ مزا دے

ساقی نامہ

از

فتنہ جنوری ۱۹۰۷ء

نیا دن ہے اری ساقی نیا سال　　پرانا بادہ کش ہوں دے نیا مال
اچھوتی مے اچھوتے جام کی ہو　　اری سن سال کچھ ہو کام کی ہو
وہ کھل کر پاس میری سو میں آئے　　پرانی بھی لباس نو میں آئے
جو خواہش ہی تو خواہش ہی اسی کی　　کہ وہ جھوٹی نہ ہو ساقی کسی کی
نہ کوئی داغ ہو دامن پر اس کے　　تصدق جام ہو جوبن پر اس کے

نہ کچھ ہو ہستیِ معشوقِ نوخیز　　بھری ہو مستیِ معشوقِ نوخیز
ارے ساقی! وہ تیرے جام کی ہو　　ارے ساقی! وہ میرے کام کی ہو
کسی سے بھی نہ اُس نے بات کی ہو　　دلہن گویا وہ پہلی رات کی ہو
رہی ہو سایۂ پیرِ مغاں میں　　پلی ہو سایۂ پیرِ مغاں میں
حسیں ہو، نازنیں ہو، نوجواں ہو　　چراغِ خانۂ پیرِ مغاں ہو
وہ نازک کچھ نزاکت کی نہ ہو حد　　جو گل سی شکل ہو لوٹا سا ہو قد
قدم آنکھوں سے ہر ساغر لگائے　　جو دیکھے سروِ مینا سر جھکائے
بدن میں ہو لباسِ ارغوانی　　پھٹی پڑتی ہو اس پر نوجوانی
پری اُڑ کر بنے طاؤس تن کر　　وہ چلنے میں تنے طاؤس بن کر
بنے ہر موجِ مے چوٹی کا موباف　　کہے ہر ایک ہے چوٹی کا موباف
ہوا دامن اگر چھو لے لڑے وہ　　ادائے مست سے جھک جھک پڑے وہ
اسے خلوت میں پا کر دل میں رکھ لوں　　نگاہوں سے اُٹھا کر دل میں رکھ لوں
کرشموں میں بھری ہو دلربائی　　مزا دے جیسے کوئی کھیلی کھائی
مرے گھر آنے والی جانے والی　　ارے ساقی وہی میخانے والی
اُسی کو تو مرے قابو میں دیدے　　مرے دل کو مرے پہلو میں دیدے
کہیں پیرِ مغاں کے خانہ وا باد　　الٰہی خانۂ احساں ہو آباد

مبارک تجھکو اے فتنے نیا سال
مبارک تجھکو اے فتنے نیا مال

نوید بزم پاک

نانپارے کی گیارھویں شریف میں بزمانۂ راجہ جنگ بہادر مرحوم "حسب فرمائش"

تشنہ لب ہوں پلا مجھے ساقی — مئے کوثر کے جام لا ساقی
اثرِ بادہ مے کے نام میں ہو — گردشِ چشمِ حور جام میں ہو
موج اُٹھ کر نگاہِ حور بنے — چشمِ موسیٰ میں برق طور بنے
مردہ زندہ، مریض اچھا ہو — لبِ ساغر لبِ مسیحا ہو
لب تک آتے ہی ہر دعا ہو قبول — خطِ ساغر دے عمرِ خضر کا طول
پائے خم پر سرِ عقیدت ہو — سب کو دستِ سبو سے بیعت ہو
ہو ہر اک آج والہ مرشد کا — ظرفِ مے ہو پیالہ مرشد کا
طور تک یا حضور تک پہنچیں — نشّے کے پینگ دور تک پہنچیں
نشّے میں اونچے اور جائیں آج — پاکبازوں کو آج ہو معراج
ساقیٔ خوش جمال کی محفل — حال بن جائے قال کی محفل
لطف دے جائے قلقلِ مینا — وجد میں لائے قلقلِ مینا
جگر اربابِ ذوق کا شق ہو — بزم میں وہ صدائے ہو حق ہو
کہ وہ مہ کو یہاں شغف جس سے — نان پارے کو ہے شرف جس سے
جس کا مشتاق ایک عالم ہے — محفلِ پاک وغوثِ اعظمؓ ہے
بزم سے لطفِ خاص راج کو ہے — شرفِ اختصاص راج کو ہے

انجمن کا نویں ۹ سے ہے آغاز
خدمتِ بزم مجھکو باعثِ ناز

اس کو پہنچے گی کیا کوئی محفل
نور کے جام نور کی محفل

ہر طرف ہے نویدِ رخصتِ ہوش
نورِ محفل ہے حسنِ جلوہ فروش

دلِ عاشق کے داغ روشن ہیں
نئے کیسے چراغ روشن ہیں

شمع افروز نالۂ دل ہیں
آتشیں آہیں شمعِ محفل ہیں

آکے اُٹھتا ہے آنکھ سے پردہ
نظر آتا ہے حسن بے پردہ

آکے اس بزم میں شریک ہوں سب
اس کی شرکت نجات کا ہے سبب

کوا چلا ہنس کی چال

نوٹ۔ یہ نظم پچیس تیس سال ہوئے ایک زنانہ جلسے کے متعلق کہی گئی تھی اب
تعلیم بھی ترقی کر گئی اور بے پردگی بھی

ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

انگلش مخدرات سے بڑھتا ہے اختلاط
کھل کھیلنے کو ہے نگہِ شرمگیں کہاں

یہ حسن یہ خیال، یہ پاکیزہ صحبتیں
اس طرح کے ندیم کہاں ہمنشیں کہاں

وہ باتیں نرم نرم وہ آواز کی مٹھاس
سننے کو ملتے یوں سخنِ دلنشیں کہاں

ان کے قدم کے فیض نے رنگین بنا دیا
تھی سرخ سرخ لالۂ و گل سے زمیں کہاں

رہتے تھے ہم پھنسے ہوئے زنجیر و طوق میں
دیکھی تھی ہم نے وضعِ ادا آفریں کہاں

تھیں بالیاں جو کان میں جھلیوں کے ساتھ
ہم اس طرح بنے تھے کبھی خوشہ چیں کہاں

گھر بیٹھے ہم کو ملتے ہیں تہذیب کے سبق — تیری رسائی اے نگہِ نکتہ چیں کہاں
شکلیں یہ سب وہی ہیں جو ہیں فخر کا سبب — لیکن کوئی ہنسے نہ ہمیں یہ یقیں کہاں
تعلیم جب نہیں ہے تو صحبت کا لطف کیا — پہلے انہیں سنواریں وہ انجام بیں کہاں
گلشن میں ہم ہزار بلند آشیاں سہی — پھر ہم کہاں؟ عنادلِ طوبیٰ نشیں کہاں
ہم اور ہیں وہ اور سپید و سیہ کا فرق — انگلش زباں کہاں وہ مکان و مکیں کہاں
ہم چاہتے تو ہیں کہ کریں لامکاں کی سیر — ملتا ہے پاؤں رکھنے کو عرشِ بریں کہاں
طرزِ معاشرت بھی جدا ہے زباں بھی غیر — ہم بزم ہوں کہاں؟ وہ مکان مکیں کہاں
سایہ کہاں کا ڈالتے ہیں لکھنؤ پر آپ — پیرس کا آسمان کہاں یہ زمین کہاں
بھرے نہ یوں ہوا میں کہ اُٹھ جائیں پاؤں بھی — پریاں کہاں وہ قاف کی پردہ نشیں کہاں
کہسار و سبزہ زار ہیں آزادیاں انھیں — پھیلائیں پاؤں گھر میں ہمارے زمیں کہاں
یہ بھی جو ہو نصیب تو تاریک راہ ہے — بہرِ عمل ہے دیدۂ باریک بیں کہاں
چھپایا گیا لباس کی رنگینیوں کا حال — اب جائیں منہ دکھانے کو پردہ نشیں کہاں
یوں وضعِ دلفریب کا اظہار رہا ہائے — ہو گی رفو یہ مسکی ہوئی آستیں کہاں
کل ہو گا ذکر حُسن کا صورت کا رنگ کا — جائے گی مُنہ چھپانے کو قومِ حزیں کہاں
جس پر تمہیں ہے ناز وہ دنیا و دیں ہے اور — جس پر ہمیں ہے ناز وہ دنیا و دیں کہاں

وہ نکلیں اُن سے پہلے نکل جائے دم ریاضؔ
آنکھوں میں آتی ہے نگہِ واپسیں کہاں

بہ انتقالِ لختِ جگر الطاف حسین مرحوم

جانِ پدر نه دیدهٔ از ما گریستن — چوں موجِ جو تپیدن و دریا گریستن

قهر است در فراقِ تو هر جا گریستن — حشر است بر مزارِ تو تنها گریستن

این است بس دو کارِ مرا در غمِ فراق — نگریستن به سوئے فلک یا گریستن

بزمے نه صحبتے، من و دیوانگئ من — تنها تبسمے که تنها گریستن

صبح است هم سیاه به چشمِ سپید ما — بے نور گشت دیده ز شبها گریستن

غم آنچناں فزود اجلِ ناگهانِ تو — خواهند مردمان همه با ما گریستن

رفتی و بعد فاتحه باز آمدی بجو — اے واگریستن به تو اے واگریستن

بهرِ عبور تا به سرِ آبِ قعرِ دور — از مرگ بر تو خندهٔ و از ما گریستن

احباب و لطفِ غُسل و بهم باختن به آب — چشمِ آشنا نه بود کسے با گریستن

آساں نه بود دست گرفتن بدوستاں — دشوار هم نه بود به غوغا گریستن

روزِ هجومِ خلق و همه بے خبر ز تو — تقدیر بود بهرِ تو ما را گریستن

باید مرا به یادِ تو اے ته نشینِ آب — دریا گریستن لبِ دریا گریستن

صد جوئے آب روز رواں از دو دیده باد — دارد سکوں گریستن از نا گریستن

کارِ من از دو دیده به پایاں نمی رسد — خواهم ز درد از همه اعضا گریستن

الطاف در مزار چساں یافتی قرار — جانِ پدر نه دیدهٔ از ما گریستن

چشمم گلے نه چید ز باغِ شبابِ تو — آغاز کرد خونِ تمنا گریستن

چشمم چو قطره خوں بدهد آرزو کنم — از بلبلاں پئے گلِ رعنا گریستن

باید ترا به فصلِ گل اے ابرِ نوبهار — بر ما گریستن به سرِ ما گریستن

لرزد شرارِ آتشِ دوزخ ز موجِ اشک — ما را نصیب باد خدا یا گریستن

خواہم بجائے خاک شوم آب شکل اشک　　خواہم برائے تو بہ تمنا گریستن

از ضبطِ اشک فائدہ دل میرود ز دست　　خوب است ایں گریستن از ناگریستن

او رفت و یاد او نہ رود از دلم ریاضؔ

باد انصیب زیستنم با گریستن

بہ تقریبِ جشنِ ہشتاد سالہ

۲۴ مئی ۱۸۹۶ء

عمر میں قیصرہ کے اور نیا سال بڑھے　　یا خدا عمر بڑھے دولت و اقبال بڑھے

رشتۂ سالگرہ میں بڑھے ہر سال گرہ　　عمر ہر سال بڑھے عمر میں ہر سال بڑھے

ملک بڑھنے ہی تجارت کی کھلیں گی راہیں　　نئے بازار بڑھیں روز نیا مال بڑھے

راہِ آہن سے الگ بڑھ نہ سکے پاؤں کوئی　　ہر طرف ریلوے کا جال بچھے جال بڑھے

ہر طرف ہند میں انگلینڈ میں سونا اچھلے　　سکۂ زر سے بھی تعداد میں ٹکسال بڑھے

چہرہ پُر نور ترا عہد ہے مشہور ترا　　حسنِ صورت کی طرح نیکیٔ اعمال بڑھے

قیصرہ کے لئے ہر دم یہ دعائیں ہیں ریاضؔ

کہ تری عمر بڑھے دولت و اقبال بڑھے

تاریخ

وکٹوریہ قیصرۂ ہند کا جشنِ ڈائمنڈ جبلی مبارک

۱۸۹۷

مبارک ہو یہ جشنِ ڈائمنڈ جبلی — رہے قیصرہ تا قیامت سلامت
یہ حاصل ہوئی بات شاہوں میں کس کو — یہ قسمت کی ہے بات حضرت سلامت
وہ دن ہے کہ ہے آج جنگل میں منگل — جدھر جاؤ سن لو "سلامت سلامت"
رعایا کو کس درجہ آزادیاں ہیں — یہ حاکم سلامت حکومت سلامت
ملیں برکتیں کیسی ہندوستاں کو — الٰہی یہ برٹش حکومت سلامت
دِے ہند کو حاکمِ عدل گستر — رہے ہند کی بادشاہت سلامت
بڑے چین سے رات دن کٹ رہے ہیں — الٰہی یہ دورِ حکومت سلامت
مبارک یہ جبلی مبارک یہ جلسہ — مبارک مبارک سلامت سلامت

ریاض اپنی سرکار کو دو دعائیں
کرو جشن دن رات حضرت سلامت

ڈسپنسری حکیم برہم اور سر جیمس مسٹن

ہز آنر کے فیضِ قدم سے — گورکھپور ہے رشکِ گلشن
پھولے پھول مسرت کے ہیں — گلشن گلشن، خرمن خرمن
سایۂ دامن، ابرِ کرم ہے — ابرِ کرم ہے سایۂ دامن
آپ جو چاہیں فصلِ خزاں میں — نکھرے رنگِ بہارِ گلشن
برق کے شعلے، گل کی رگیں ہوں — آتشِ گل ہو آتشِ گلخن
ڈسپنسریٔ برہم کی زمیں ہے — فرشِ زمیں پھولوں کا دامن
دھوم مچی ہے آئے آئے! — ہز آنر سر جیمس مسٹن

شہ کے نائب آئے ریاض اور
لائے ہیں فیضِ شاہِ ذوالمنن

آپ ہمیشہ شاد و خرم
ناشاد آپ کا ہر ایک دشمن

قطعہ

قیصرہ اک نگاہِ لطف ادھر
جان بھی نذر دل بھی ایماں بھی

تیری تصویر کی پرستش ہے
بت پرستوں میں ہیں مسلماں بھی

قطعہ

کہہ دو کہ نغمہ سنجِ گلستاں جھک اٹھے
نکھرا ہوا ہے رنگِ بہارِ سخن کچھ آج

صدقے ہیں قیصرہ کے ہیں سب پیر و نوجواں!
دینے لگا شگوفے نئے یہ چمن کچھ آج

قطعہ

مطبوعۂ نقاد

مارچ ۱۹۱۴ء

وہ پارٹی کا لطف، وہ دعوت کی دھوم دھام
رونق وہ کانپور میں مہمان سرائے کی

جلسہ بنا ہے شرکتِ ساحر سے بزم کے
بڑھ کر ہے جامِ جم سے پیالی بھی چائے کی

بٹلر کا بھی شمار ہے یارانِ حق میں آج
اب ہائے ہائے ہے نہ صدا وائے وائے کی

سر جیمس آ کے دیکھ لیں یہ انقلاب بھی
بدلی ہے قہقہے سے صدا ہائے ہائے کی

جب آئیں، گھر دلوں میں بنائیں حضور بھی
ہر چند ہے دلوں میں جگہ ویسرائے کی

مسجد رہے ہوا میں معلق، یہ کچھ نہیں
تا عرش اب نہ جائے صدا ہائے ہائے کی

شیر و شکر ہوں حاکم و محکوم اور بھی
دونوں جگہ نکالیں پیالی میں چائے کی

بٹلر کو ہم عزیز ہوں، بٹلر ہمیں عزیز
کچھ دودھ دی تو لات بھی اچھی ہے گائے کی

تبصرہ

رسالہ "مساوات"

مصنفہ قاضی مقبول حسین صاحب جرنلسٹ سہارنپور مدیر اعزازی "مشرق"

مساوات مقبول مقبولِ عالم
خیالات مقبول، مقبولِ عالم

زمانے میں کیوں ہو نہ مقبول ہر بات
پسندیدہ سنجیدہ معقول ہر بات

سراپا خلوص و سراپا صداقت
جدا جو نہ مذہب سے ہو وہ سیاست

لئے ساتھ اپنے وہ دنیا و دیں کو
کہ ہے جان دینا جہاں آفریں کو

مودت کا ہے ولولا ان کے دل میں
کہ ہے درد ہر قوم کا ان کے دل میں

یہ خواہش بجا لائیں ہم ایسی خدمت
کہ ہو ملک کی غیر ملکوں میں عزت

رہیں ملک میں متحد ہو کے قومیں
بہیں ایک ہو کر ترقی کی رَو میں

نہ عالم کے اقوام میں تفرقہ ہو
نہ اقوامِ اسلام میں تفرقہ ہو

نہ قلت کو کثرت سے شکوہ ہو کوئی
نہ کثرت کو قلت سے شکوہ ہو کوئی

جو ہمدردیاں ہوں رواداریاں ہوں
نہ یہ ذلتیں ہوں نہ یہ خواریاں ہوں

یہ تاریکیاں ملک سے جلد جائیں
بنیں چاند سورج کے ہم سب شعاعیں

عقائد میں ہو فرق کیا کام اس سے
یہ سچ ہے کہ بالا ہے اسلام اس سے

نہیں ممکن اس طرح ہرگز پنپنا
الگ اپنی دفلی الگ راگ اپنا

خدا کے لئے اب تعصب مٹا کر
مسلمان و ہندو بنیں شیر و شکر

نہیں کچھ بھی دونوں کا رُک رُک کے ملنا
عجب چیز دنیا میں ہے جھک کے ملنا

ترقی کی کھل جائیں ہر سمت راہیں
کریں تیرگی دور روشن شعاعیں

مساوات مقبول دیکھو تو کیا ہے
مساوات اک مشعلِ رہنما ہے

مساوات کا نکتہ نکتا یہ چمکے
لگیں چار چاند اس کو اتنا یہ چمکے

مساوات ہے جام قاضی ہے ساقی
رہے مدتوں ساقی و جام باقی

مساوات میں مے یہ کیسی بھری ہے
کہ شرمندہ شیشے کی جس سے پری ہے

مساوات کی مے جو ہر سو بہیگی
تعصب کی آگ اس سے بجھ کر رہیگی

نہیں ہوش رندوں کو کیسی پلائی
ریاض آج قاضی نے ایسی پلائی

نظم

موسوم بہ "عقد ثریا"

ہر اک محفل میں اب پہلو بہ پہلو بیبیاں ہونگی
حجاب اُٹھ جائیگا ہر کام میں یہ درمیاں ہونگی

ہمیں میداں ہیں گو یہ کہیں گی مردِ میداں سے
سبک ہو کر نگاہوں میں رواں ہونگی دواں ہونگی

جو آئیگا جگہ دینگی یہ اپنے چشم ابرو پر
کوئی جب میہماں ہوگا یہ اُسکی میزباں ہونگی

میاں سایہ بنے ہوں ساتھ پابندی نہیں اسکی
کبھی خود میزباں ہونگی کبھی خود میہماں ہونگی

یہی چھائی رہنگی محفلوں میں رات ہو دن ہو
نصیبِ دوستاں ہونگی نصیبِ دشمناں ہونگی

زِ گلگشتِ چمن میں پاؤں اُٹھ جائیں کہیں انکے
ہوا میں بھر کے سایان کی نازک سارباں ہونگی

پئے تعلیم گھر سے کمسنی میں پاؤں نکلیں گے
قیامت ڈھائیں گی باہر نکل کر جب جواں ہونگی

درونِ پردہ یہ کیا تھیں برونِ پردہ کیا ہوگا
نہاں تھیں تو نہاں تھیں یہ کھل کھل کر عیاں ہونگی

منِ اندازِ قدرت را می شناسم ہو جگہ کوئی
اُٹھینگی انگلیاں کھل کھیلنے پر یہ جہاں ہونگی

نمائشِ حسنِ خوباں کی ہے شوقِ خود نمائی ہے
نمایاں داغ بن کر ان کی اب گلکاریاں ہونگی

نظر آئیں گے ذرّے خاک کے جب کوکبِ اختر
ترقی پر ہے جلوے تو راہیں کہکشاں ہونگی

مطیعِ حکم ہوں گے اِن کے شوہر کی طرح کتنے
کرے گا حکم برداری ہر اک یہ حکمراں ہونگی

واقعہ

نقابِ رُخ اسی امید نے یورپ میں الٹی تھی
ثریا مشعلِ راہِ امان اللہ خاں ہونگی

مزا بے پردگی کا ہو گیا معلوم طفلس میں
خبر کیا تھی؟ سرِ دربار بے عنوانیاں ہونگی

بڑھے گا دختِ رز کو منہ لگا کر فوج کا افسر
دمِ تقریر سرزد اُس سے بے عنوانیاں ہونگی

ہوا بدمست کیوں شہ سے اجازت خواہ ڈسکا
یہ سمجھیں تہذیب کی باتیں جو زیبِ داستاں ہونگی

جھکا وہ عاجزی سے بعدِ شہ سوئے ثریا بھی
سمجھتا تھا نظر انداز یہ بے باکیاں ہونگی

عتاب آمیز ادائے شہ نے سب پر سخت اثر ڈالا
وہ کچھ بھی ہو جو باتیں ہو چکیں سرزد بیاں ہونگی

نہ آیا آبرو پر حرف لیکن پھر بھی تو آیا — جہاں بے پردگی ہوگی یہی گستاخیاں ہونگی
کہیں کیا ہم زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی تھی — نیا فیشن نئی سج دھج غضب کی پانیاں ہونگی
بہ طرز آزمائش ہوں زن و شو عقد سے پہلے — نئی باتیں نئی جدت نئی آزادیاں ہونگی
وہ دن بھی آئیگا پوری ہو آزادی کی ہر خواہش — وہ دن بھی آئیگا یہ جدتیں رائج یہاں ہونگی
نہ سرمہ آنکھ میں ہوگا نہ لب پر پان کی سُرخی — حنا ہوگی نہ ہاتھوں میں نہ دھانی چوڑیاں ہونگی
نہیں رہنے کا یہ فرضی تعلق بھی زن و شو کا — ہیں پھر رفتہ رفتہ دور سب پابندیاں ہونگی
جُدائی اختیاری ہوگی باہم عقد ہونے پر — اُڑیگی قیدِ مذہب ہر طرح آزادیاں ہونگی
بنیں گی بچہ کش ہو کر نہ دنیا میں یہ ناکارہ — نہ بچے ہوں گے اب ان کے نہ یہ بچوں کی ماں ہونگی
ترقی کے لئے بے پردگی ہی لازمی ٹھہرے — یہ ہے تو دامنِ عفت کی اُڑتی دھجیاں ہونگی
بڑھائیں گی بہت تعلیم پاکر آبرو اپنی — بہت باعفت و عصمت بھی ان میں بیبیاں ہونگی
مثل سچ ہی نہیں ہوتیں برابر انگلیاں پانچوں — وطن کی آبرو بھی پاک دامن بیبیاں ہونگی
یہ نکلیں گی ہمیشہ نور ایماں بن کے پردے سے — حجابِ ابرِ رحمت سے نمایاں بجلیاں ہونگی
مگر خیرہ نگاہِ شوقِ بد بیں ہو نہیں سکتی — تصوّر ہی میں حسن و عشق کی خوش فعلیاں ہونگی

بڑھاپے میں ریاضؔ افسانہ کر راز سیہ کاری
مجھے ڈر ہے تقدس کو ترے رسوائیاں ہونگی

نظم

ہنگام

سنگ بنیاد شیرف گنج خیراباد

رونق افروز بزم ہے آج — شیرف سا شریف سایۂ تاج
ہوگی نہ کبھی شریف گروی — اس طرح گئی شریف گردی
دل میں شیرف کے آگئی لہر — یہ شہر بنا شریفوں کا گھر
شاہی جو گئی تب آہی آئی — آئے شیرف تو شاہی آئی
برسوں کے بعد اب پھری دن — اوجھل ہوئے آنکھ سے بری دن
شاہی میں کمال کو یہ پہنچا — پھر حد زوال کو یہ پہنچا
ایسی اُڑی ہر طرف یہاں خاک — پہنچی بالائے آسماں خاک
ہمسایہ مقام سب ہیں آباد — ان سب کا عروج اس کی اُفتاد
وہ علم و فضل ہے کہاں اب — ہمراہِ امام و حق گئے سب
اربابِ سخن متاعِ ناز آہ — شوخی و نوازش و نیاز آہ
اب خلد میں ہیں جنابِ کوثر — پیتے ہیں وہیں شرابِ کوثر
کامل ہر فن میں لوگ کیسے — تھے اجڑے وطن میں لوگ کیسے
کیا کہتی ہے آج اس کی اُفتاد — سرکار لقب تھا خیر آباد
آخر یہ ہوا تنزل اس کو — خارِ دامن ہوئے گل اس کو
حالت ہوئی ناگوار اس کی — جا کر نہ پھری بہار اس کی
دُربار نہ پھر گھٹائیں آئیں — گل ریز نہ پھر ہوائیں آئیں
آنسو کچھ پونچھے ٹامسن نے — موتی یوں پروئے ٹامسن نے
پیدا ہوئی فصل کال کے بعد — ٹھہری میلے کی سال کے بعد
دس دن کے لئے بہار آئی — گل ریز و شگوفہ کار آئی

چلتے ہوئے رتھ بہل وہ دس دن ‏ میلے کی چہل پہل وہ دس دن
گھوڑ دوڑ کے ساتھ کھیل کیا کیا؟ ‏ جاؤ جدھر اک نیا تماشا
زوروں میں بھری وہ پلٹن پل ‏ وہ جوڑ وہ کشتیاں وہ دنگل
میدان مویشیوں سے معمور ‏ ہاتھی گھوڑوں کے باغ مشہور
پھیلاؤ خیامِ راجگان کا ‏ شک ڈوریوں پر ہو کہکشاں کا
خیمے تھے بنے مکاں زمیں پر ‏ اترے تھے یا آسماں زمین پر
یوں جمع دکانوں پر خریدار ‏ ہو مصر کا جیسے گرم بازار
پروین کرے چرخ پر ستائش ‏ ہر شئے لئے خیمۂ نمائش
میلے کی نہ تھی زمین گویا ‏ معشوقوں کی تھی جبین گویا
وہ بزمِ سرود و رقص ہاں ہاں ‏ آنکھوں میں ہے وہ شبِ چراغاں
تانیں راتوں کی وہ گلوسوز ‏ منگل جنگل میں رات دن روز
ہر خیمے میں ساز سے ہم آواز ‏ سو جلوہ فروشِ شاہدِ ناز
پالے ہوئے سانپ کالے کالے ‏ بل سب سے کریں وہ زلفوں والے
ہوں یاد سے ان کے آج دلگیر ‏ لب پر ہے مرے یہ مطلعِ میر
"دل رہ گئے گیسووں میں پھنس کے ‏ مرجھا گئے پھول رات بس کے"
بھولا ہوا سا ہے رات کا خواب ‏ بے کیف سا نشۂ مئے ناب
باقی ہے ابھی نشان سا کچھ ‏ دو دن کی تھی چاندنی نہ تھا کچھ
جمنے کے لئے نہ تھا کوئی رنگ ‏ دو دن کے لئے تھا عارضی رنگ
دن پلٹیں گے کیا یہ آسرا تھا ‏ وہ رنگ بھی رخ سے جا چکا تھا

ہاں میونسپلٹی سے تھی کچھ آس — وہ کیا کرے جب نہ ہو ٹکا پاس

کیوں کر کرے صرف گن کے توڑے — کیا ننگی نہائے کیا نچوڑے

آنکھیں نہ کسی سے جھپکیں اس کی — روشن رہیں لالٹینیں اس کی

منہ اور اندھیرے کا ہو کالا — تھوڑا ابھی بہت ہے یہ اُجالا

سڑکوں کے لئے کہاں سے زر آئے — اتنا بھی نہیں جو پل وہ بنوائے

تعمیر کا پھر بھی ڈھنگ ڈالا — اپنے لئے راستہ نکالا

یہ ہو گی نہ اب کسی کی محتاج — شیرف سا ملا ہے اس کو سرتاج

شیرف کا یہ گنج، گنج زر ہو — شیرف کا سب کے دل میں گھر ہو

پیدا کرے لعل سنگ بنیاد — ہو اور سے اور خیر آباد

ہوتے رہیں روز میلے اس میں — میلوں کے رہیں جھمیلے اس میں

ہو گنج مراد یہ نیا گنج — ہو باعثِ فیض یا خدا گنج

رقعہ

بہ تقریبِ عقد جناب عبدالجمید خاں صاحب خلف جناب محمد کریم علی صاحب مرحوم وکیل و رئیس گورکھپور از طرفِ عبدالحمید خاں صاحب مرحوم برادرِ کلاں

ہم سے آنکھیں ذرا ملا ساقی — ہاتھ تو لا ادھر ذرا ساقی

دے رہے ہیں مزا حنائی ہاتھ — چوم لیں ہم ذرا حنائی ہاتھ

یہ نگاہیں بری طرح ہیں گڑی — یہ لکیریں بنیں ہتھیلی کی

جلد تو جام لے ہتھیلی پر
آج سر سوں جمی ہتھیلی پر

وقت کم ہے ہمیں ہی کام بہت
ساتھ خم کے ہے ایک جام بہت

میکشو آؤ کام بٹ جائے
کام پھیلا ہوا سمٹ جائے

کم نہیں کام ہے یہ شادی کا
دور پہنچا ہے نام شادی کا

لطف دکھلائے بزم آرائی
رنگ دیجائے بزم آرائی

دخترِ رز ذرا گلے مل جائے
آنکھ کے آگے اب چمن کھل جائے

اور کچھ ہو اب انجمن کی بہار
صدقے ہو بزم پر چمن کی بہار

مئے تسنیم لائے خلد سے حور
لا کے ہم کو پلائے خلد سے حور

ہاتھ میں جام جیسے دل میں سرور
جام میں بادہ جیسے آنکھ میں نور

اور طورِ مئے نشاط ہے آج
دور دورِ مئے نشاط ہے آج

ہر طرف عیش و کامرانی ہے
شادمانی سی شادمانی ہے

اسی دن کے لئے دعائیں تھیں
آرزوئیں تھیں التجائیں تھیں

کیا کہوں آپ سے خوشی کیا ہے
عقد عبد الحمید خاں کا ہے

آرزو ہے کہ آپ بھی آئیں
شرکتِ بزمِ عقد فرمائیں

فرشِ رہ میرے دیدہ و دل ہیں
پردۂ چشم فرشِ محفل ہیں

آٹھویں کو سوئے مظفر پور
شہر سے جائے گی برات ضرور

مدعا یہ ہے مدعا ہو حصول
عرضِ عبد الحمید خاں ہو قبول

رقعہ

نوید عقدِ سید سعید احمد سعید برادر زادۂ سید نیاز احمد نیاز آنریری انسپکٹر پولیس مقام مراد آباد حسب فرمائش نیاز

عرض ہے خدمتِ عالی میں بصد عجز و نیاز ۔۔۔ ملتمس بندۂ در ہے با ادب بندہ نواز
کیجئے بندہ نوازی ز رہِ لطف و کرم ۔۔۔ باعثِ فخر مجھے ہوگا لطف و کرم
شامِ غربت میں مزا صبحِ وطن کا آئے ۔۔۔ جس طرف جائے نظر لطف چمن کا آئے
عشرت افزا ہو مرے واسطے ہر شام و سحر ۔۔۔ روزِ غربت ہو مرا عیدِ وطن سے بڑھ کر
نہ رہے مجھ کو گلہ بے سر و سامانی کا ۔۔۔ سر و سامان ہو عشرت کی فراوانی کا
در و دیوار پکاریں یہ خوشی کا گھر ہے ۔۔۔ طرب و عیش کہیں بڑھ کے ہمارا گھر ہے
انجم کاہکشاں گھر کی زمیں پر صدقے ۔۔۔ جیسے افشاں ہو حسینوں کی جبیں پر صدقے
اور ہی رنگ ہے اب اور ہی ساماں ہے آج ۔۔۔ خود بہار آئے مرا گھر بھی گلستاں ہے آج
کیا کہوں میں در و دیوار کا کیا عالم ہے ۔۔۔ نئی صورت ہے نیا رنگ نیا عالم ہے
شمع گل ہو بھی تو پھولے شجرِ گل ہو کر ۔۔۔ خاکِ پروانہ اڑے صبح کو بلبل ہو کر
جم کے رہ جائیں نگاہیں یہ ہو گھر کی صورت ۔۔۔ گرد اٹھے بھی تو اٹھے گردِ نظر کی صورت
خود بنے آئینہ و آئینہ گر ہر ذرہ ۔۔۔ آئینہ خانہ کرے پیشِ نظر ہر ذرہ
نذرِ ساغر خطِ ساغر کی طرح تارِ نظر ۔۔۔ بزم پیراستہ بزمِ کے و جم سے بڑھ کر
ہو جو گلگیر تو محفل میں ہو تزئیں کے لئے ۔۔۔ شمع کا پھول رہے دامنِ گلچیں کے لئے
شمع کے سائے میں شاخیں نکالے بلبل ۔۔۔ نخلِ گل سایہ ہو شاخ میں ہوں غنچۂ گل

پھیلیں سبزے کی طرح موجیں مئے عشرت کی
سرو مینا بنے تو پنبۂ مینا قمری

آئے نغمے کی صدا عکس اگر لب کھولے
بزم میں آئینۂ بزم کا طوطی بولے

جو نہ ہو وہ ہو مجھے فیض قدم سے حاصل
ہو خوشی آپ کے الطاف و کرم سے حاصل

دور ہیں مجھ سے بہت سب مرے ارباب وطن
میں ہوں غربت میں وطن ہے نہ وہ احباب وطن

وقت ہے بندہ نوازی کا یہی بندہ نواز
وقت ہے مہر جہانتاب بنے ذرہ نواز

عقد فرزند سے ہو مجھکو مسرت حاصل
رسم ہو جائے ادا تو ہو فراغت حاصل

ماہِ ذی الحجہ کی بستم کو مبارک ہو خوشی
سعد تاریخ یہ ہے عقد سعید احمد کی

بزم کیسی ہے پئے ترتیب تکلف کیسا؟
سادہ سادہ سی ہے تقریب تکلف کیسا؟

آپ فرمائے شرکت تو ہو عزت حاصل
محفل عقد کو ہو رونق و زینت حاصل

ابر رحمت کی طرح اہل کرم آئیں گے
فرش رہ دیدہ و دل ہیں کہ قدم آئیں گے

گر قدم رنجہ کنی جانب کاشانۂ ما
رشک فردوس شود از قدمت خانۂ ما

تمہید رقعہ

نوعید عقد حسب فرمایش محمد حسین مرحوم محلہ اونچا گورکھپور

بہار آمدہ بزم رنگیں کنند
گل و لالہ را صرف تزئیں کنند

عنادل بہ پرواز ہر چار سو
پر و بال از رنگہا امواج و بو

گل و بلبل و خندہ و نغمہا
نواہا طرب ریز و عشرت فزا

چمن در چمن غنچہ در انجمن ‏ بہ نوعے کہ باشد گل اندر چمن
سرِ شاخہا گل ہجوم آورند ‏ زہر گوشہ بلبل ہجوم آورند

نویدِ شرکت

عقدِ مولوی مبارک اللہ صاحب از طرف مولوی سبحان اللہ خاں صاحب عظیم تخلص، رئیسِ اعظم گورکھپور

اللہ کی پہلے حمد ادا ہو ‏ سجدے میں قلم کا سر جھکا ہو
یوں نعت میں وہ زبان کھولے ‏ سب کچھ کہے منہ سے کچھ نہ بولے
پھر کام لے دل کے مدعا سے ‏ یوں عرض کرے وہ التجا سے
فرمائیے شرکتِ مسرت ‏ ہو جائیں ادا رسومِ رخصت
کافی جو نہ ہو بیانِ خامہ ‏ میں خود ہوں ہم زبانِ خامہ
یہ انجمنِ نشاط کیا ہے ‏ میں کیا ہوں مری بساط کیا ہے
ارمان یہ ہے جناب آئیں ‏ خوشیاں سبھی ہم رکاب آئیں
گو شرم سے آب آب ہوں میں ‏ نقشِ قدمِ جناب ہوں میں
میں خاک ہوں زیرِ پا فتادہ ‏ ظاہر ہیں ادب سے ایستادہ
فرصت ہی نہیں ہے سانس کیا لوں ‏ نازک ہے یہ وقت اور میں ہوں
ہوں دل سے جو صرفِ التجا آج ‏ رسمِ رخصت بھی ہو ادا آج
آنکھوں میں ہے انقلاب ہر وقت ‏ ہے نقشِ فنا حباب ہر وقت

یہ سچ ہے کہ جان ہی تو سب کچھ
لیکن ایمان ہے تو سب کچھ

حاصل مرے دل کا مدعا ہو
پتلی کا نور خاک پا ہو

بادہ چھلکے ایاغ میں آج
آجائے بہار باغ میں آج

بے بادہ پیے سرور آجائے
اللہ کا دل میں نور آجائے

پھیلی ہو روشنی اسی کی
ہر بات یہاں ہو طور ہی کی

ہر بات ہو ارغنون خدا ساز
پتے پتے سے آئے آواز

میرے احباب کو مبارک
بارک کا عقد ہو مبارک

چھائی ہوئی ہر طرف خوشی ہو
دن دونی ہو رات چوگنی ہو

بیگانہ یگانہ یار ہوں غیر
دنیا کی خیر دین کی خیر

تقریبیں یہ ہیں بہت خوشی کی
رہ جائے نہ میری جی میں جی کی

میں کون ہوں؟ آہ! خادم ملک
سبحان اللہ خادمِ ملک

نوید

بہ تقریب عقدِ معشوق احمد خلفِ حشمت علی صاحب مرحوم منشر حیلر لکھنؤ

شاخِ قلم آج رنگ لائے
سوکھی سی ہی شاخ گل کھلائے

میدانِ قلم بنے چمن زار
اس باغ کا گل فشاں ہو ہر خار

گل کیسے لٹائے وہ زرِ گل
شرمائے جو گل فشاں ہو بلبل

ہے نعتِ رسول حمد کے ساتھ
میدان رہا یہ خامے کے ہاتھ

کیوں سحر بیاں اسے نہ مانیں — چلتی ہوئی پائیں دو زبانیں
حصہ اس کا ہے سحر اثر بات — کانٹے کی تلی ہوئی ہے ہر بات
منقارِ عنادل اس کے قرباں — ہو جان فدا دل اس کے قرباں
کہتا ہی نہیں یہ بے اثر بات — کیوں ہو نہ قبول اس کی ہر بات
جو کچھ کہتا ہے سجدہ کر کے — چپ بھی رہتا ہے سجدہ کر کے
ڈرتا ہے کہیں نہ حرف آئے — سر جائے مگر نہ بات جائے
منظور ہے اب نگارشِ حال — منظور ہے کچھ گزارشِ حال
کام آئے مرے یہ بے زبانی — حاصل مجھ کو ہو شادمانی
فرزند کے عقد کی ہے تقریب — ہو گی بزمِ طرب کی ترتیب
معشوق احمد ہے نام اس کا — پائے انجام کام اس کا
احباب کو ہو خوشی مبارک — دن بھی تاریخ بھی مبارک
دعوت شنبے کے روز ہو گی — تاریخ یہی ہے جلسے کی بھی
دھوکا نہ ہو سال عیسوی ہے — چونتیسویں ماہ حال کی ہے
دن سے بڑھ کر یہ رات ہو گی — پچیسویں کو برات ہو گی
فرمائیے آپ شرکتِ بزم — شرکت سے بڑھے گی عزتِ بزم
یہ بزم ہر انجمن سے بڑھ جائے — اتنا تو ہو ہر چمن سے بڑھ جائے
قرباں ہو بزم پر چمن زار — وہ رنگ کہ ہو بہار کو خار
دیوانہ ہو جو سوئے چمن جائے — دامانِ بہار فرش بن جائے
گلگیر ہو انجمن میں بلبل — منقار میں لے وہ شمع کا گل

آئیں سنے رنگ روئے گل پر گلگونہ ہو دودِ شمع اُٹھ کر
فرمائیں کرم تو چمکے تقدیر آئیں جو قدم تو چمکے تقدیر
نسبت مجھ کو جناب سے ہے ضو ذرے میں آفتاب سے ہے

برآئے یہ مدعائے حشمت
منظور ہو التجائے حشمت

نوید

بہ تقریب ختنۂ منشی فضل احمد سلمہ مع دیگر برادران نبیرۂ حافظ نظام احمد مرحوم خیر آبادی

دنیا ہے نویدِ کامرانی دنیا ہے نویدِ شادمانی
دکھلا اپنی نزادش اے کلک احباب سے گزارش اے کلک
ہے قصد کہ بزم کی ہو ترتیب بچوں کے ختنے کی ہے تقریب
صحت ہوئی غسلِ صحت اب ہے صحت وجہِ مسرت اب ہے
ہے آپ سے التماسِ شرکت شرکت سے بڑھائیں آپ عزت
دعوت ہو قبول تو خوشی ہو ذالحجہ کی پہلی دوسری کو

راقم، ممنونِ لطفِ بے حد
عاصی، حافظ نظام احمد

سہرا

بہ تقریبِ ختمِ قرآن مجید برائے چودھری شرف الزماں صاحب بیرسٹر ایٹ لا
خلفِ چودھری شفیق الزماں صاحب تعلقہ دار

اے شرف تاجِ شرف ہو ترے سر پہ سہرا — طرۂ دستارِ فضیلت کا ہو پر زر سہرا
ختمِ قرآں کی ہو تقریب مبارک تجھکو — بنے اللہ کا سایا ترے سر پہ سہرا
خاص نسبت ہی تری سہرے کو تیرے رُخ سے — رُخ جو مصحف ہے تو مصحف کا ہی مسطر سہرا
نہ ملا لاکھ ملاقی رہی مژگانِ دراز — صفِ مژگاں سی ہمیشہ رہا باہر سہرا
چاند سے چہرے کی لینا ہیں بلائیں اس کو — سن کے آئی ہے شعاعِ مہِ انور سہرا
تارِ داماں قیامت کے ہوئی صرف اس میں — جب کہیں جا کے بنا قد کے برابر سہرا
پیار کی آنکھ سے دیکھے جو کوئی سہرے کو — آنکھ میں پا کے جگہ دل میں کرے گھر سہرا
نظرِ بد ہو نہ دیکھے کوئی سہرے کی طرف — حلق پر پھیر دے سو ہاتھ سے خنجر سہرا
نگہِ ناز کسی کی ہے کہ مژگانِ دراز — ان سے ہی نوک پلک میں کہیں بڑھکر سہرا
کیوں قیامت نے لیا بوسۂ دامن جھک کر — ڈر ہے بدلے نہ کہیں غصے میں تیور سہرا
پھول کے گہنے سے سج دھج ہے نرالی اسکی — کیوں نہ اترائے سرِ بزم معطر سہرا
کوئی دیکھے تو خوشی پھولے سماتے نہیں پھول — کیا مسرت ہے کہ ہے جامے سے باہر سہرا

گر کے اُٹھتا ہے کبھی اُٹھ کے یہ گرتا ہے ریاضؔ
مست ہے میکدۂ چشم سے پی کر سہرا

سہرا

حسبِ فرمائش جناب میرزا آقا حسین صاحب قبل ازیں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

لے اڑا گیسوؤں کی بو سہرا | رہ گئے دیکھ کے گیسو سہرا
آئینہ خانہ ہے گھر نوشہ کا | کہ ہے چھایا ہوا ہر سو سہرا
نگہِ شرم نہ بنتا ہر تار | نہ لٹکتا سرِ زانو سہرا
چڑھ گئی تیوری جو اُٹھا رخ سے | کھنچ گیا صورتِ ابرو سہرا
آج پھولوں میں تلے گا نوشہ | بن کے آیا ہے ترازو سہرا
سہرے کا قوتِ بازو گیسو | زلف کا قوتِ بازو سہرا
نگہِ مست ہے اس کا ہر تار | پی گیا ہے کئی چلّو سہرا
چوم لوں ہاتھ ترے موجِ صبا | گوندھ کر لائی ہے کیا تو سہرا

دھوم ہے کیوں مرے سہرے کی ریاضؔ
ہے نہ اعجاز نہ جادو سہرا

سہرا

بہ تقریبِ جمیل احمد خان خلفِ عظیم اللہ خان صاحب رئیسِ خیر آباد

رہ گیا بزم میں منہ دیکھ کے کیسا سہرا | بن گئی شوق سے جب زلفِ چلیپا سہرا
نہ بنے آج نقابِ رُخِ زیبا سہرا | ہم کو دکھلا دے ذرا چاند سا چہرا سہرا
شکر اللہ کا نوشاہ بنے آج جمیل | شکر اللہ کا ماں باپ نے دیکھا سہرا
زلف سی بھی لگی لپٹی نہیں رکھتا ظالم | کوئی دیکھے تو ذرا شوخ ہے کتنا سہرا

ہر لڑی سی ہی لڑی آنکھ بھری محفل کی ۔۔۔ بن گیا آکے سر بزم تماشا سہرا
چاہتا ہے قد نوشہ کے برابر اُترے ۔۔۔ مجھے ڈر ہے نہ قیامت کری برپا سہرا

نازک اس سہری کے گیسوئے گُل مضموں ہیں ریاضؔ
پیارے نوشہ کو مبارک ہو یہ پیارا سہرا

سہرا

بہ تقریب عقدِ نواب محمد تقی خاں صاحب خلف جناب نواب باقر علی خاں صاحب بہادر رئیس شیش محفل لکھنؤ تعلقہ خیر آباد

ضیا بار رُخ پر ہے زرتار سہرا ۔۔۔ مبارک ہو لے میری سرکار سہرا
ترا سر چڑھانا مبارک ہو اس کو ۔۔۔ قدم چومے جھک جھک کے ہر بار سہرا
حسینوں کے گیسو کی لے کر درازی ۔۔۔ بنا آج خود زلفِ خمدار سہرا
عبث رشک ہے زلفِ پرخم کو اس سے ۔۔۔ کہ اک رات کا ہے گنہگار سہرا
ذرا لے کے آغوش میں چوم لے مُنہ ۔۔۔ تجھے اس ادا سے کری پیار سہرا
لئے مست آنکھوں کے جھک جھک کے بوسے ۔۔۔ رہا میکدے میں بھی ہشیار سہرا

رہے تاجِ اقبال سر پر ہمیشہ
یہ نوشاہ کو ہو سزاوار سہرا

سہرا

بہ تقریبِ عقدِ سعید احمد برادر زادہ خود خلفِ سید فیاض احمد امر حوم
حسبِ فرمائش سید نیاز احمد پنشنر انسپکٹر پولیس مقام مرادآباد

زلف سی کہہ دو نہ اُڑ کر بنے رُخ پر سہرا
لگی رکھنے کا نہیں بال برابر سہرا

بانکپن میں ترے سہرے سی گھٹا ہر سہرا
سہرا بندھنے کا رہا آج ترے سر سہرا

حسن سہرے کا بڑھا تیری جوانی کی طرح
صدقے سہرے کے، بنا حسن کا زیور سہرا

میں نے ڈوری سی جو ناپا تو قیامت کم تھی
بڑھ گیا اس سے ترے قد کے برابر سہرا

تیری کھولے جو کھلے عقدہ تو کھول اے بلبل!
دل گرہ میں یہ لئے ہے کہ گلِ تر سہرا

شفقِ شام یہ کہتی ہوئی آئی تھی ابھی
کہکشاں لائی ہے تاروں کا بنا کر سہرا

وہ ادائیں کہ جھپک جائیں نکیلی پلکیں
بانکپن میں مژہ یار سے بڑھکر سہرا

مرے سہرے کی وہ بندش وہ نزاکت ہے ریاضؔ
مُنہ مرا دیکھتے ہیں سُن کے سخنور سہرا

سہرا

بہ تقریبِ عقدِ مولوی سعید اللہ صاحب برادرِ خورد خان بہادر مولوی حمید اللہ صاحب
رئیسِ اعظم گورکھپور

پیارا پیارا ترا چہرہ ترا پیارا سہرا
چاند سا مُنہ ہے تو سورج کی کرن کا سہرا

بن گیا خوب نقابِ رُخِ زیبا سہرا
نگہِ شوق سے کس کس کی نہ اُلجھا سہرا

موجِ بوئے گلِ تر لے جو بلائیں اس کی
کہہ سکے کون؟ کہ اترائے نہ اتنا سہرا

تیرے سہرے کی نزاکت کی کروں کیا تعریف
تیری شرمیلی نگاہیں ہیں کہ تیرا سہرا

سہرے سے دیکھنے والوں کی لڑی ہیں آنکھیں
بن گیا ہے بھری محفل میں تماشا سہرا

کھینچ لے کوئی نہ آغوش میں اپنی تجھکو
ہو رہا ہے اسی ڈر سے تہ و بالا سہرا

ہالۂ ماہ پکارا کہ "مری آنکھ کا نور"
کہکشاں بولی "مری آنکھ کا تارا سہرا"

اے سعید آج مبارک تمہیں نوشہ بننا
سب عزیزوں کو مبارک ہو نہارا سہرا

سہرا

بتقریبِ عقدِ منشی فضل احمد صاحب عرف جمّی خلفِ حسام احمد مرحوم ابن حافظ نظام احمد مرحوم
رئیس خیرآباد

باندھنا تجھ کو مبارک ہو مری جاں سہرا
فضل احمد ترے صدقے ترے قرباں سہرا

چاہتی تھی کہ بنے زلفِ پریشاں سہرا
چھا گیا سر سے ترے تا سرِ داماں سہرا

مصحفِ رُخ کا بنے کیوں نہ نگہباں سہرا
کیا شرف ہے کہ بنا حافظِ قرآں سہرا

ناپنے کے لئے ہر تار سے مژگان دراز
کوئی سو بار تو آیا سرِ مژگاں سہرا

پھول سہرے کے بھی ہیں پھول سا چہرہ بھی ہے
کثرتِ گل سے ہے خود آج گلستاں سہرا

ہے یہ شب بھر کے لئے، وہ ہے ہمیشہ کے لئے
چاہتا ہے کہ بنے زلفِ پریشاں سہرا

اس کی لڑیوں سے ہے موجوں کا تلاطم پیدا
بزم میں بحرِ مسرت کا ہے طوفاں سہرا

تیر میں بہرِ عدو تار نہیں سہرے کے
دلِ دشمن میں اُتارا کرے پیکاں سہرا

پیاری ماں ہے نہ جواں باپ نہ دادی دادا
گل بداماں ہے کہ بے داغ بداماں سہرا

داغِ داماں ہیں نہیں یہ پھول گندھے ہیں اسمیں | دل پہ داغ لئے ہے سرِ داماں سہرا
اس خوشی میں نہ مجھے یاد دلا بہرِ خدا! | دیکھنے دی مجھے ای دیدہ گریاں سہرا
اس کی بتی سے بھر آئے مرے دل کے ناسور | تار سے اپنے بنا ورد کا ورماں سہرا
ایک سے سو ہوں، سوا عمر ہو، اقبال بڑھے | مے اللہ نکالے مرے ارماں سہرا
دشمنِ تیرہ دروں جانے اُجالا گھر کا | تا ابد یوں ہی رہے شمعِ شبستاں سہرا

بڑھ کے سب سہروں سے سہرا یہ کہا میں نے ریاض
سو زباں سے ہے مرا آج ثنا خواں سہرا

سہرا

بہ تقریب عقدِ مسٹر فضل جلیل بی۔ اے خلفِ جناب منشی عبد الجلیل صاحب رئیسِ گورکھپور

لے اڑا رنگ بہارِ چمنستاں سہرا | آتشِ گل سے بنا شعلہ بداماں سہرا
کج ادا زلف ہے سیدھا سا مسلماں سہرا | سخت کافر سے پھنسا صاحبِ ایماں سہرا
اوپر اُٹھے نہ پلک شرم سے سہرا جو اُٹھے | مردمِ چشم کو ہے پنجۂ مژگاں سہرا
لوٹے نظارہ تری جلوے یہ ممکن ہی نہیں | دولتِ حسن کا ہے آج نگہباں سہرا
اپنے انداز و ادا سے بھی دی زلفِ دراز | کیوں بنے زلف کا شرمندۂ احساں سہرا
آتشِ گل کی لپٹ ہے شفقِ سرخ نہیں | رنگِ رُخ سے نظر آتا ہے گلستاں سہرا
شرط ہو جائے کہ مل جل کے رہیں گے باہم | باندھ لے زلفِ گرہ گیر سے پیماں سہرا
نہ بنے قوسِ قزح پھولوں کی بدھی نوشاہ | بن گیا ہے شفقِ سرخ کا داماں سہرا

ساتھ لایا ہو دکھانے تجھے کس شوق سے آج — نئی دنیا، نئے ارماں، نئے ساماں سہرا
نہ صبا چھیڑ کہ آنا اس کی ہے دن اس کا ہے — مطمئن ہے، نہ کبھی ہوگا پریشاں سہرا
موج جو سطح سے اُٹھے وہ ہو سہرے کی لڑی — اے خضر آکے بنے چشمۂ حیواں سہرا
وہ مہِ نو ہے تو یہ چودھویں کا چاند ہے آج — دیکھتا ہے مرے نوشہ کا گریباں سہرا
قاف کی پریوں میں شیشے کی پری بھی ہوگی — میری نوشہ کے لئے لائی ہیں پریاں سہرا
زندگی خضر کی دیگا تجھے اے فضلِ جلیل — کہ مرے تارِ نفس کا ہے مری جاں سہرا

مرے سہرے میں نہیں ہیں مرے مضمون ریاضؔ
لئے دامن میں ہے کچھ لعلِ بدخشاں سہرا

ایضاً

کیوں نہ ہو سب میں سرخ رو سہرا — چھا گیا بن کے رنگ و بو سہرا
رگِ گلہائے آرزو ہر تار — رنگِ گلہائے آرزو سہرا
مست ہے بو سے اپنے غنچوں کی — ہے چڑھائے خم و سبو سہرا
رات سہرے کی ہنس کے کہتی ہے — کرے دامن میں کیوں رفو سہرا
رنگ میں فرق، بو میں دونوں ایک — مشک بو زلف، زلف بو سہرا
گندھی کتنی ہیں منہ بندھی کلیاں — نہیں دیتا ہے اُن کی بو سہرا
اُٹھ رہے گا نہ کوئی عقدۂ زلف — کھل کے کہہ دیگا مو بہ مو سہرا
پھول نازک ہیں میری دل سے سوا — چپکے سے بھی صبا نہ چھو سہرا
تار ہر ایک موتیوں کی لڑی — ابرِ نیساں کی آبرو سہرا

زلف سے شوخ سہرا کہتا ہے — میں بنوں زلف اور تو سہرا
ہر گھڑی ہے نگاہِ شوخ سے چھیڑ — رُخ کے بدلے ہے روبرو سہرا
لن ترانی ہے بجلیاں نہ گرائے — نہ کرے گرم گفتگو سہرا
لگی لپٹی نہ رکھے گا اے زلف! — سو سنائے گا دو بدو سہرا
سجدے کرتا ہی پائے نوشہ پر — عرقِ رخ سے ہے باوضو سہرا
رنگ دے جائے آج محفل میں — گائیں معشوق خوش گلو سہرا
بزمِ نوشہ میں آئے جو چاہے — نہیں دشمن کا بھی عدو سہرا
سب اِسے جانتے ہیں دامنِ عفو — ابرِ رحمت ہے نیک خو سہرا
ظلِ حق ایک ایک فضلِ جلیل — نیک دل نوشہ، نیک خو سہرا

سہرا کہنے ریاض بیٹھے ہیں
کہہ چکے سب بے خم و سبو سہرا

سہرا

حسبِ فرمائش ملک عبدالحی صاحب امرتسری برائے برادرِ خورد

۱۹ء

عشوہ زا، حسن آفریں سہرا — کس قدر ہے ترا حسیں سہرا
بڑھ کے تارِ نظر تو گھٹ کر ہے — مژۂ چشمِ نرگسیں سہرا
حسنِ نوشہ کو چار چاند لگائے — آنکھ سے چوم لیں حسیں سہرا
مست اداؤں سی جھومنا اس کا — ہے پئے آبِ آتشیں سہرا

رشک سے آ کے چھائی چہرے پر | خود بنی زلفِ عنبریں سہرا
گیسوؤں سے ہوئی ہو کچھ ان بن | کیوں چڑھائے ہے آستیں سہرا
آگے کالے کے کیا جلے گا چراغ | نہ ہو گیسوئے خشمگیں سہرا
سہرے کی رات ہے ہٹائے کون | رُخ سے ہٹتا ہے اب کہیں سہرا
دونوں ہو جائیں اب رفیقِ طریق | زلف رکھے نہ بغض کیں سہرا
فرق معلوم ہو نہ آپس میں | یوں رہے زلف کے قریں سہرا
حسن میں کوئی کس سے کس کو بڑھائے | زلف بھی ہے حسیں حسیں سہرا
سہرے کی ہے بنی تلی ہر بات | زلف سے بڑھ کے ہے کہیں سہرا
زلف و رُخ سے نباہے جاتا ہے | ہے لئے ساتھ کفر و دین سہرا
ہو مبارک تمہیں حمید و مجید | باندھنے آئی حورِ عیں سہرا
رتبہ سہرے کا اے رفیق بڑھا | چومتا ہے تری جبیں سہرا
حسن سے تیرے حسن پایا ہے | تیری خرمن کا خوشہ چیں سہرا
کبھی بنتا ہے عرش کا دامن | کبھی اس بت کی ہے جبیں سہرا

کیوں نہ خوش ہوں ریاضؔ مجھ سے عزیز
کیف آور ہے دل نشیں سہرا

سہرا

حسب فرمائش اختر سبزواری میرٹھ

آسماں سے آئے ہیں نوشہ تری سہرے کے پھول | جھک کے تارے آسماں کے بن گئے سہرے کے پھول

گر گئی نظروں سے افشاں گیسوئے شبرنگ کی
ایسے ای نوشہ ترے رخ پر کھلے سہری کے پھول

دی خدا نے سربلندی تجھ کو مقبول الرحیم
اللہ اللہ عرش کے تارے بنے سہری کے پھول

رنگ ان کا سا نہ ہو ان کی سی پھولوں کو نصیب
رنگ و بو پر کیوں نہ اترائیں ترے سہری کے پھول

نام کس کا لب پر آیا وقتِ ایجاب و قبول
سن کے بلقیس جہاں بیگم ہنسے سہری کے پھول

چھائی تھی وہ گیسوؤں پر چھا گئی اس پر بھی یہ
زلف کی افشاں سے بھی اچھے رہے سہری کے پھول

گلفشانی دیکھنا شاخِ قلم کی اے ریاض
شاخِ گل شرما گئی ایسے کھلے سہری کے پھول

سہرا

مسٹر معز الدین ابو نصر صاحب

حسبِ ارشادِ عالی نور چشم سید امیر احمد اثیم سلمہ برادر زادہ خود خلف آقائے سخن حضرت تسلیم مغفور

رنگِ رخ بن کر بنے سہری کے پھول
اے ابو نصر آپ کے سہرے کے پھول

کہکشاں بن جائے سہرے کی لڑی
ٹوٹ کر تارے بنے سہرے کے پھول

کس کے عارض بن گئے رشکِ چمن
کس کے چہرے پر کھلے سہرے کے پھول

کیوں نہ اترائے زمینِ باغ آج
آسماں پر اڑ چلے سہرے کے پھول

پوچھے نوشہ کے گلِ عارض سے کون
ہیں یہ کس بو میں بسے سہرے کے پھول

چشمِ نوشہ پاس ہے ساغر بکف
نشے میں ہیں بے پئے سہرے کے پھول

میکدے سے پھول ملتی ہے انہیں
پیتے ہیں نوشہ ترے سہرے کے پھول

ہے دعا دل سے نہ مرجھائیں کبھی
اے ابو نصر آپ کے سہرے کے پھول

گل بہ دامن اے ریاض آئی بہار
اس کے دامن سے چُننے سہری کے پھول

قطعۂ تاریخ

فرزندِ حضرت شاہ واجد علی صاحب رئیس گورکھپور متولی امام بارہ وقف شاہی

شاہ واجد علی کو حق نے دیا — نقش آرائے بوریائے شہی
ہو مبارک خجستہ پے فرزند — ہو مبارک یہ خرمی یہ خوشی
پھول آتے ہی پھل ملا کیا؟ — واہ رے فیض سنتِ نبوی
اس میں جو شک کرے وہ کافر ہے — رہِ اسلام میں نہیں ہے کجی
ہے یہی مسلکِ رسولِ خدا — ہے یہی جادۂ علیِّ ولی
جس نے مژدہ سنا وہ شاد ہوا — گھر میں کیا؟ شہر میں خوشی پھیلی
ہوئی طالع افق سے صبحِ اُمید — رنگ لائی دُعائے نیم شبی
مہر کی طرح ہو ضیا گستر! — مہِ تاباں کی پائے جلوہ گری
شہر کیا دور دور ہے مشہور — شاہِ واجد علی کی نیک دلی
شکر اللہ کا ہزار ہزار — تھی جو دل کی مراد بر آئی
آنکھ کا نور ہے یہ دل کا سرور — یا خدا عمر ہو سوا اس کی
نام روشن علی کا روشن ہو — رہے محفل میں روشنی اس کی
کام ہوں زیبِ صفحۂ تاریخ — سب کے لب پر ہو نام تاریخی
ہے یہی فکر اگر تو کہہ دو ریاضؔ — صاحبِ بخت۔ بختیارِ علی

تاریخِ عطائے خطاب عالیجناب راجہ اُدِت نرائن صاحب بہادر بالقاب

والی راج پڈرونہ ضلع گورکھپور

واہ ری سامانِ عشرت واہ ری سامانِ عیش | جشن جوبلی دی گیا بوڑھوں کو بھی لطفِ شباب
کیا مبارک وقت ہے، کیسا مبارک عہد ہے | کوئی ہے ایسا نہیں اس عہد میں جو فیض یاب
ایسی تقریبوں میں شیریں کام ہو کیونکر نہ نطق | قحط کے ایام میں ہم لطفِ خرما ہم ثواب
اہلِ حاجت کو ملا زر، اہلِ زر کو عز و جاہ | اہلِ خدمت اہلِ دولت کو ملے زیبا خطاب
سلسلہ جاتا ہے اب قدر و مراتب کا کہاں | منتخب آئندہ ہوں گے اور بھی عزت مآب
ناز ہے قسمت پر اپنی آج گورکھپور کو | نام سے اس کے رہی خالی نہ فردِ انتخاب
ہو مبارک رائے پڈرونہ کو یہ اعزازِ خاص | ہو مبارک رائے پڈرونہ کو راجہ کا خطاب
یہ خوشی وہ ہے مٹایا جائے نام اس قحط کا | یہ خوشی وہ ہے لٹائی جائے دولت بیحساب
آئے ہیں ہم پیش کرنے کو دُرِ اشعار آج | نذر دینے کے لئے لائے ہیں ہم موتی خوش آب
رائے صاحب ہاتھ اُٹھا کر مانگئے دل سے دُعا | سایہ سر پر قیصرہ کا تا فروغِ آفتاب
آگیا تاریخ کا اس وقت مجھکو کچھ خیال | اور پھر تاریخ بھی ایسی کہ جو ہو لاجواب

سوچتے ہی طبعِ موزوں نے یہ برجستہ کہا
رائے صاحب کو ملا کیا خوب راجہ کا خطاب
١٨ ٦ ٩٧

قطعۂ تاریخ

تولدِ فرزند مسٹر اے۔ ڈبلو رچرڈسن صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس ممالکِ متحدہ

حسب فرمائش قبلہ ولایت احمد صاحب شمیم مرحوم

بخشا خدا نے بیٹا مسٹر رچرڈسن کو — اس کی خوشی برآل کو سہ چند ہو مبارک
ماہِ فلک نے بڑھ کر تاریخ یہ سنائی — مسٹر رچرڈسن کو فرزند ہو مبارک
(۱۹۶۴ء)

تاریخ

تولدِ فرزند محسن الملک رائے جی پر کاش لال صاحب بہادر دیوان ڈمراؤں

اخترِ قوم جس سے چمکے گا — وہ حسین طفل خوبرو ہے یہی
نخلِ امید کا یہی ہے پھول — ثمرِ شاخِ آرزو ہے یہی
۱۸ ۶ ۹۵

تاریخ رحلت

شاہ محمد فضل اللہ صاحب الہ آبادی مرحوم

دارِ فنا سے خلد گئے — شاہ محمد فضل اللہ
ان کے غم میں روئی خلق — کھینچی سب نے دل سے آہ
آگے پیچھے سب ہیں رواں — پیش یہی ہے سب کو راہ
خاک میں ملنا سب کو ہے — چاہے گدا ہو چاہے شاہ
موت کا ان کی سال ریاضؔ — کہہ دو تم با حالِ تباہ
خالی کل تک تھی یہ زمیں
آج ہے مرقدِ فضل اللہ
۱۳ ۳۹

تاریخ وفات

دخترِ سید نیاز احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ پولس بھوپال برادرِ خوردِ ریاض

گئی قبر میں آج دُختِ نیاز | گلے اُٹھ کر اُس سے قیامت ملے
قیامت ہے یارب جوانی کی موت | بُرے وقت یہ داغِ فرقت ملے
یہ ہے چاند پر ڈالنا خاک کا | ارے خاک میں ایسی صورت ملے
لُٹاتی ہے انگاروں پر اس کی یاد | دعا ہے یہی اس کو جنت ملے
لحد میں چھپی چاند سی شکل ہائے | کلیجے میں رکھ لوں جو تربت ملے
بلا سے جو ہوں زندہ دفن اے ریاض | مجھے دیکھنے کو وہ صورت ملے
مروّت کی پتلی ذرا آنکھ کھول! | کہ شاید نشانِ مروّت ملے
تری نیند ہو یا ترا خواب ہو | مجھے بھی ترا خوابِ غفلت ملے
رہے اجڑے گھر کی تجھے یاد کچھ | لحد میں تجھے گھر کی راحت ملے
ہر اک گوشے میں جس کے فردوس ہو | کشادہ بہت تجھکو تربت ملے
دمِ نزع جب یہ دعائیں نے دی | اذیت مٹے تجھ کو راحت ملے

لگا کر گلے داغ بر دل اجل
یہ بولی تجھے قصرِ جنت ملے

تاریخ رحلت

خان بہادر سید مجد حسین مرحوم بریلوی انسپکٹر جنرل پولس ریاست بھوپال

نظر سے چھپ گئے امجد حسین آہ — نگاہِ چشمِ حسرت شمع ہے آج

کہے گی کیا یہ حالِ خلوتِ قبر — کہ دور از لطفِ خلوت شمع ہے آج

دلِ بیتاب کو کیا دے گی تسکیں — شرارِ داغِ فرقت شمع ہے آج

نہیں گردا سے ریاضؔ اب کوئی اس کے — سبق آموزِ عبرت شمع ہے آج

چراغِ کنجِ خلوت نورِ ایماں — ضیا افزائے تربت شمع ہے آج

فروغِ نورِ ایماں ہے تہِ قبر — سرِ بالینِ تربت شمع ہے آج

یہ پانی دے گی نخلِ گل اُگیں تو — لئے اشکِ محبت شمع ہے آج

گل اترائیں نہ موجِ بو پر اتنا — گلوں کو موجِ نکہت شمع ہے آج

یہ دودِ شمع سایہ ہے اسی کا — لئے ساتھ ابرِ رحمت شمع ہے آج

غرض یہ ہے کہ پڑھ لیں سالِ رحلت — قریبِ لوحِ تربت شمع ہے آج

جھکائے سر اجل یہ کہتی آئی
لحد پر حورِ جنت شمع ہے آج

ھ

تاریخِ وفات

کنیزِ فاطمہ دخترِ منشی حافظ نظام احمد مرحوم تخلص آند از رئیسِ آباد

خدا کا نور تھی وہ چاند سی شکل — چھپی وہ خاکِ مدفن میں عجب ہے

ریاضؔ افسوس وہ گھر میں نہیں ہے — وہی گھر ہے وہی سامان سب ہے

سرِ مدفن لکھو یہ سالِ تاریخ
کنیزِ فاطمہ تربت میں اب ہے

۱۳ ھ ۴۲

تاریخِ وفات

دخترِ سید حمید احمد ولد سید فیاض احمد آزمرحوم برادرِ خورد ریاضؔ

ملی مٹی میں جواں ہو کے یہیں
ہے یہیں خاکِ جمیلہ خاتون

لکھ دو تاریخ سرِ قبر ریاضؔ
مدفنِ پاکِ جمیلہ خاتون

۱۳۴۲ ھ

حسبِ فرمائش محمد احمد صاحب نبیرۂ مرحوم بابو پور محمود آباد ضلع سیتاپور

تاریخ وفات

جنابِ عباس حسین خاں صاحب تعلقہ دار بابو پور

ہے باعثِ صد ہزار افسوس!
عباس حسین خاں کی رحلت

آتے ہیں یاد اُن کے اوصاف
ایسوں کی موت ہے قیامت

با وضع، خلیق، صاحبِ جُود
ذی مرتبت و بلند ہمت

مُرجھائے کبھی نہ سایۂ قبر
لے سائے میں اس کو ابرِ رحمت

جنت کی ہوا ریاضؔ آئے
ہو گوشۂ قبر باغِ جنت

تعمیرِ مزار چاہتی ہے
بالینِ مزار سالِ رحلت

تو دستِ الم سے اب پئے سال
لکھ دے، 'مرحوم کی ہے تربت'

۱۳ ھ

قطعۂ تاریخ

وفاتِ مرحومہ حسب فرمائش اسٹیشن ماسٹر اسٹیشن خیرآباد

آتی ہے ہر طرف سے آواز — ہے ہے بی بی سراجِ خاتون
ہے فکر کہ سالِ فوت لکھوں — جنّت کو گئی سراجِ خاتون
ذالحجہ کی پہلی کو دمِ صبح — دنیا سے چلی سراجِ خاتون
اب کیوں ہے زمینِ قبر بیتاب
کہہ دو، آئی سراجِ خاتون
۱۳ ھ ۴۲

قطعۂ تاریخ

جنابِ حافظ فخرالدین مرحوم

یوں گئے دنیا سے فخرالدین آہ — جیسے ہم سے کچھ نہ تھا اُن کو لگاؤ
آٹھویں کو ماہِ ذالحجہ کی ہائے — یہ ہوا حکمِ خدا "جنت کو آؤ"
حافظِ قرآن تھے حق آگاہ تھے — عارفِ کامل تھے حق سے تھا لگاؤ
گوشۂ جنت ہی ہے جائے دفن — ہر گھڑی رہتا ہے لوگوں کا جماؤ
غیب سے آتی ہے ہر دم یہ ندا — آئے ہو تو "فاتحے کو ہاتھ اٹھاؤ"
ثبت تربت پر ہو تاریخ اے ریاض
قبر فخرالدین کی ہے آؤ آؤ

۱۳ ھ ۳۶

قطعۂ تاریخِ وفات

افتخار الشعرا اعتبار الملک سید افتخار حسین تخلص مضطر خیرآبادی

روئیں کیا بسملؔ و کوثرؔ کی طرح مضطرؔ کو — ایک دن سب کو پہنچنا ہے اسی منزل پر
کبھی شہرت نہیں مٹنے کی اجل لاکھ مٹائے — حاصلِ عمر فدا کیجئے اس حاصل پر
زود گو، فکر رسا، نغز بیاں، رنگیں طبع — رنگ کی طرح وہ چھائی ہوئی ہر محفل پر
ہائے وہ نور کی آواز گلے پر قابو — بجلیاں آپ گراتے تھے ہمیشہ دل پر
چاند کے ہالے کو تو حلقۂ تربت سمجھے — ڈال دی موت عبث خاک مہِ کامل پر
سالِ رحلت کہوں کیا خاک نہیں ہوش ریاضؔ — فکرِ تاریخ ہو کیا جب نہیں قابو دل پر

خواب میں بسملؔ مرحوم سے پوچھی تاریخ
آ گیا "مضطرِ مرحوم" لبِ بسملؔ پر

تاریخِ وفات

اہلیہ جناب محمد عبید اللہ خاں صاحب برادرِ مولوی انعام اللہ خاں صاحب سررشتہ دار
کمشنری آگرہ بفرمائش سید نیاز احمد کوتوال آگرہ

گو دھن ہے، منہ سے لیکن کچھ یہ کہی ہی نہیں
بے زباں تربت ہے بانوئے عبید اللہ کی

حرف آتا ہے خموشی پر تری اے سنگِ قبر
کہہ دے، ہاں تربت ہی بانوئے عبیداللہ کی

۱۳ ھ ۲۴

تاریخِ وفات

اہلیۂ خود

زوجۂ مرحومۂ ریاضؔ

۱۳ ھ ۳۱

قطعۂ تاریخ

انتقالِ منشی احمد علی مرحوم مقام مانی ضلع جونپور

کون حامد علی کو سمجھائے — خاک بر سر ہیں کس مصیبت میں
جاں گسل غم ہے آہ بھائی کا — آج احمد علی ہیں تربت میں
اُن کو دشمن سے بھی دریغ نہ تھا — کوئی ثانی نہ تھا مروت میں
اُف اوہ اُن کے خصائل و عادات — خیر ہی خیر تھی طبیعت میں
تھے سراپا وہ شکلِ صدق و صفا — پاکبازی تھی ان کی طینت میں
جھک کے ملنا شعار تھا اُن کا — کس قدر عجز تھا طبیعت میں
سب سے برتاؤ تھا شریفانہ — نام نکلا ہوا شرافت میں
پست دیکھا نہ حوصلہ اُن کا — اُن کی گنتی تھی اہلِ ہمت میں
غم سے ہے آج خاندان تباہ — دے خدا صبر اس مصیبت میں

کیوں مرض طول کھینچتا اتنا — دن یہ لکھا ہوا تھا قسمت میں
کل کے بدلے قیامت آج آجائے — ملیں گے بچھڑے سب قیامت میں
ماہِ شعباں ہیں تھا وصال کا دن — بے تکلف وہ پہنچے جنت میں
کل بھری گھر میں تھے مزار میں آج — بزم میں کل تھے آج خلوت میں
جھونکے آئیں ہوائے جنت کے — سوئیں تا حشر خوابِ راحت میں

سالِ فوت اے ریاضؔ لکھ سرِ قبر
ہائے احمد علی ہیں تربت میں
۱۳ھ ۴۶

قطعۂ تاریخ

برائے تربتِ منشی طاہر علی خیرآبادی

محرّم کیوں نہ ہو اب عید تم ہم کو ؟
گئے دنیا سے لو طاہر علی ہائے

سرِ تربت پئے تاریخِ رحلت
لکھو تم : تربتِ طاہر علی وائے
۱۳ھ ۴۴

قطعۂ تاریخ

وفاتِ اہلیہ مصطفےٰ خاں صاحب ناظر کورٹ لکھیم پور

آرامِ جاں نہیں ہی تو خاک چین آئے — خالی ہے آج کس سے پہلوئے مصطفےٰ خاں

دنیا ہو کیوں نہ تیرہ؟ دنیا میں اب نہیں ہے   خاتونِ گلعذار و گل رُوئے مصطفےٰ خاں

تاریخ اجل سے پوچھی تو سر پٹک کے بولی

کہہ دو۔ ہے زیرِ مدفن بانوئے مصطفےٰ خاں

۱۳۴۵ ھ

تاریخِ وفات

الطاف حسین دلبندِ خود

ریاض! آنکھوں میں ہے الطاف کی شکل

عبث اب تم کو اس کی جستجو ہے

۲

"لحد میں کون ہے؟" پوچھے جو کوئی؟

یہی کہہ دو: غریقِ آبِ جو ہے

۱۳۲۷ ھ

قطعۂ تاریخ

انتقالِ مولوی محمد افراغ مرحوم پنشنر محافظ دفتر عدالت ججی گورکھپور

افراغ کا غم لے رہے ہیں جان ہماری   ہاں! وقت سے پہلے یہ نہیں دستِ قضا میں

کیا قہر ہے! وہ ملکِ عدم کو گئے تنہا   لینا تھا انھیں ساتھ ہمیں راہِ فنا میں

میں ساتھ ہی رہتا یہ تقاضا تھا وفا کا   کچھ دیر نہیں ہی مجھے اقرارِ وفا میں

پژمردہ ریاض آج ہیں کچھ پھولوں میں اُن کے   یہ پھول اُٹھانے کو رہے بزمِ عزا میں

جو ہے نظر آتا ہے وہ دل چاک جگر چاک   ٹیس سی پڑی ہی کسے روکیں کسے تھا میں

لغزش نہ ہو اس راہ میں کہہ دو یہ ذکی سے — ثابت قدمی چاہیے تسلیم و رضا میں
اسحٰق نہ مہدی نہ فراست نہ سعید آج — کس درجہ اداسی ہے ہر اک سمت فضا میں
افراغ نے افسوس ہیں تازہ دیا داغ — اچھے گئے خود چھوڑ گئے ہم کو بلا میں

ارمان ہے نیند آئے اسی طرح ہمیں بھی
یوں چین سے سوتے ہیں وہ جنّت کی ہوا میں

۱۳ ھ ۴۶

میں نے جو کہا دیکھ لوں کیا قبر میں گزری — پیدا ہوئی جنبش سی لبِ بادِ صبا میں

بولی یہ لحد یہ درِ فردوس یہ افراغ
سوتے ہیں یہیں چین سے جنّت کی ہوا میں

۱۳ ھ ۴۶

تاریخِ وفات

والدۂ میرزا احمد حسن صاحب بہادر لکھنوی، ڈپٹی کلکٹر گورکھپور

دے محمد حسن کو صبر خدا — رحم اس کا بنے سکوں کا سبب
میرزا صاحب اور ماں کا داغ — کم ہے جتنا ہو اُن کو رنج و تعب

سرِ تربت ریاضؔ لکھ دیئے سال
مادرِ مہرباں ہیں خلد میں اب

۱۳ ھ ۴۵

تاریخِ وفات

دختر میرزا محمد حسن صاحب بہادر لکھنوی ڈپٹی کلکٹر گورکھپور

یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ کیوں محمد حسن کی آنکھ ہے تر
میرزا صاحب اور یوں بیچین کیا ہوا؟ کیا گزر گئی دل پر
گئی دادی کے پاس پوتی بھی دیکھئی ہائے تازہ زخمِ جگر
حیف یوں ہو سپردِ خاک ریاضؔ نازوں کی تھی پلی مہ جبیں دختر
قبر میں ہے قمر جہاں بیگم اور ماں باپ غم سے خاک بسر
ڈوبنا چاند کو تھا ڈوبا چاند ڈالی خاک ایسے چاند پر کیونکر
کہہ رہا ہے پکارے سنگِ لحد سب نے دل کو بنا لیا پتھر
فکر مجھ کو تھی میں کہوں تاریخ ثبت ہو سال سنگِ تربت پر

بڑھ کے خطِ شعاع نے یہ کہا
سرِ تربت ہو کندہ داغِ قمر
۱۳۴۶ھ

تاریخِ وفات

حسبِ فرمائش شیخ محمد صاحب مرحوم مجسٹریٹ مٹونات بھنجن گورکھپور

ریاضؔ ایسا جنابِ شیخ کا ہے کہوں تاریخ بہرِ لوحِ تربت
وجیہ الدین حیدر ہیں یہاں دفن ریاضؔ اُن کو ملے جنت کی راحت

اکائی کے عدد کم کرکے کہہ دو
وجیہ الدینِ حیدر کی ہے تربت
۱۳۵۰ھ

قطعۂ تاریخ

وفاتِ جناب مولوی شاہ محمد عثمان مرحوم وکیل و رئیسِ جونپور۔ والدِ بزرگوارِ جناب

ڈاکٹر شاہ سر محمد سلیمان صاحب بہادر

چیف جج ہائی کورٹ اِلہ آباد

اُٹھ گیا کون جہاں سے یارب!

مبتلا رنج میں ہے ایک جہاں

۲

میں ہوں اس طرح نہیں ہوں گویا!

نہ لہو دل میں نہ ہے جسم میں جاں

۳

ہاں رواں اشک ہیں یوں آپ سے آپ

جوشش سیل کا ہوتا ہے گماں

۴

پہلے ہی ڈوب چکا رنج سے دل

اب ڈبونے کا ہے کس کے ساماں

۵

آئے اُن آنکھوں کے آگے آئے

بیٹھے بٹھلائے اُٹھایا طوفان

۶

کس قدر سخت ہے صیادِ اجل
کہ اُترتی ہی نہیں اس کی کمان

۷

بھرتی ہے شکل تری آنکھ میں کیوں؟
مرنے والے! جو نہیں تجھ میں جاں

۸

کیا سنوں دور سے باتیں تیری
شورِ ماتم سے بھرے ہیں مرے کان

۹

تیری چپ کا یہ اثر ہے مجھ پر
بندھے تیری طرح میری زباں

۱۰

مرنے والے! یہ ہوا کیا؟ تجھ کو
جانتے تھے تجھے سب اپنی جان

۱۱

ہم سمجھتے ہیں فرشتہ تجھ کو
کبھی مرنے کا نہ ہوتا تھا گماں

۱۲

تو نہیں ہے تو نہیں ہے کچھ بھی
کیوں ترے اب نہیں کھلتی ہے، زباں

۱۳

نظر آئے تری صورت کیونکر ؟
کچھ نہیں، کھول کے بیٹھوں قرآں

۱۴

مری آنکھوں میں رہے صورتِ نور
ہے یہی دین، یہی ہے ایماں

۱۵

تو ہی بن جا مری تسکیں کا سبب
تیرے اے طفل تسلی قرباں

۱۶

آئی آواز "نہ تو خاک اُڑا"
آئی آواز کہ "تو خاک نہ چھان"

۱۷

نہ وہ خلوت ہے نہ وہ صحبت ہے
ظفر آباد پڑا ہے ویراں

۱۸

ہے سخنور نہ کہیں بزمِ سخن

جونپور اس سے سوا ہے سنسان

۱۹

ہے ٹپکتا در و دیوار سے غم

رو کے کہتا ہے یہ ایک ایک مکان

۲۰

خاک پر وہ نہیں وہ ہیں تہِ خاک

خلد میں اب ہیں محمد عثمان

۲۱

مرنے کو تو ہمیں بھی مرنا ہے

کم ہیں اس عہد میں تجھ سے انسان

۲۲

باہمہ، بے ہمہ تھی ذات تری

شہر میں سب سے جدا تھی تری شان

۲۳

شرع کے ساتھ طریقت کا لحاظ

جس طرح دیکھئے، کامل ایمان

۲۴

نظم اردو میں اگر مومن و میر

فارسی نظم میں خسرو کی زبان

۲۵

رنگ تھا شعر و سخن کا کچھ اور
فضل ہیں علم میں تھی کچھ ہی شان

۲۶

تجھ کو حاصل تھا وکالت میں فروغ
سلجھی تقریر تری شستہ زبان

۲۷

جرح وہ جرح اثر حاکم پر
بحث وہ بحث، عدالت حیراں

۲۸

عجز کے ساتھ تھی خودداری بھی
شان والوں میں ہمیشہ نئی شان

۲۹

ناخنِ طبع سے جب کام لیا
ہوگئے عقدۂ مشکل آسان

۳۰

دیکھتے اوجِ سلیماں کچھ اور
دیکھتے اپنے سلیماں کی شان

۳۱

بات جس کی بھی گئی ساتھ اُس کے
دیکھتے اپنے سلیماں کی شان!

۳۲

اور جیتے ابھی دو چار برس
رہ گیا دل میں یہ سب کے ارماں

۳۳

دم بخود غم میں ہے کس طرح ریاضؔ
چمنستانِ سُخن ہے سُنسان

۳۴

بزم سے رنگ اُڑا شمع سے نور
جسمِ نازک سے جدا جب ہوئی جاں

۳۵

بولی بو "گل" سے نکل کر یہ سال
گئے جنت میں محمد عثماں
۱۳ھ ۳۸

قطعۂ تاریخ

وفاتِ اہلیۂ ثانی حاجی مولوی سید سبحان اللہ خاں صاحب رئیسِ اعظم گورکھپور

مطبوعہ "مشرق"

۲۱ جون ۱۹۲۸ء محرم

سوئے جنت گئیں زیب النسا آج | لحد میں آ کے نکلی حسرتِ خلد
زمینِ قبر کتنی دل کشا ہے | فضا میں جس کی ہے کیفیتِ خلد
سرِ تربت تبسم ہر کلی کا | لئے ہے انبساطِ فرحتِ خلد
ہوائیں چل رہی ہیں عطر آگیں | لحد کے پھولوں میں ہے نکہتِ خلد
نظر کے سامنے ہے باغِ فردوس | نظر کے سامنے ہے صورتِ خلد
اُتر آئی ہے جنت آسماں سے | الٰہی باغ میں ہے صحبتِ خلد
کھلانا کام آیا بیکسوں کا | فراواں ہر طرف ہے نعمتِ خلد
مبارک ہو مبارک جامِ تسنیم | مبارک ہو مبارک دعوتِ خلد
مبارک ہو مبارک دیدِ حق کی | مبارک ہو مبارک لذتِ خلد
مبارک ہو مبارک عیشِ جاوید | مبارک ہو مبارک عشرتِ خلد
مبارک رنگ و بوئے موجِ بادہ | مبارک شہد و شیر و شربتِ خلد
مبارک خدمتِ حورانِ جنت | مبارک جاودانی راحتِ خلد
ریاضؔ اللہ کی رحمت کے صدقے | کہ دی کنجِ لحد کو وسعتِ خلد

کہا رضواں نے کی جب فکرِ تاریخ
ہوئیں زیب النسا اب زینتِ خلد
۱۳ ھ ۴۶

قطعۂ تاریخ
تعمیرِ مکانِ ابوالحسن خاں صاحب رجسٹرار رئیس شاہجہانپور

بلقیس منزل اتری شاید یہ آسماں سے | یا قاف سے اُڑا کر لائی ہیں اس کو پریاں

وسعت میں اک جہاں ہے رفعت میں آسماں ہے　　ہم پایۂ سلیماں آ کر ہوں اس میں مہماں

ہر کنگرہ ہے اس کا بامِ فلک سے اونچا　　قصرِ وسیعِ کسریٰ بالائے طاقِ ایواں

آئینے سے مصفا ہر خشت و سنگ اس کا

کیا ہی بنا ہے زیبا "قصرِ ابوالحسن خاں"

۱۳　　ھ　　۴۰

مبارکباد عقدِ دخترِ جناب انیس احمد صاحب

لو دلہن آج بنی دختِ انیسِ احمد　　اس مسرت میں ہی گھر آج دلہن پر صدقے

صدقے ہو کر بھی تسلی نہیں ہوتی دل کو　　صدقے پھر بارِ دگر آج دلہن پر صدقے

اے حضور آرزوئیں آج بر آئیں دل کی　　کیجئے کاسۂ زر آج دلہن پر صدقے

اے حضور آج تمنائیں ہوئی ہیں پوری　　کیجئے لعل و گہر آج دلہن پر صدقے

کون روکے انھیں نسبت ہے رخ و گیسو سے　　روز و شب شام و سحر آج دلہن پر صدقے

آگئے ساعتِ سوال لے کے بلائیں ہوں فدا　　عیش کے آٹھ پہر آج دلہن پر صدقے

ہے اثر بس دعاؤں کے نہ ہے بختِ بلند　　ہو دعاؤں کا اثر آج دلہن پر صدقے

میں نے برجستہ کہا مصرعِ تاریخ ریاض

انجم و شمس و قمر آج دلہن پر صدقے

ھ

قطعۂ تاریخ

ختنہ و غسلِ منشی فضلِ احمد مع برادرِ خورد احتشام احمد سلمہم خلفِ حسام احمد صاحب

ابنِ منشی حافظ نظام احمد صاحب مرحوم رئیس خیر آباد

بچوں کے غسل کی خوشی ہے — محفل ہے رچی مچی ہیں دھومیں
افضالِ خدا سے فضلِ احمد — بوڑھی ہوں سب ان کے پاؤں چومیں
عمریں بڑھیں ان کے بھائیوں کی — سب بڑھ جائیں آبرو میں
باندھیں سہرا جنابِ انداز — سہرے روشن جبینیں چومیں
یہ پھول بہار اپنی دکھلائیں — فرق آئے کبھی نہ رنگ و بو میں
ہر شعرِ ریاضؔ باثر ہو — کانٹا سا چبھے دلِ عدو میں
ختنے کی دعائیہ ہے تاریخ
پھول آئیں شاخِ آرزو میں
۱۳ ھ ۲۹

قطعۂ تاریخ

باغِ سید نبی حیدر صاحب صفی پور

پھول پھل لائے یہ تمہارا باغ — پھلے تم کو یہ اے نبی حیدر
پھول نازک گلابیاں مے کی — ہر ثمر جامِ بادۂ کوثر
بھری رگ رگ میں ریشے ریشے میں — لذتِ جرعۂ مئے احمر
کیف آور ہمیشہ موسمِ گل — رات دن فیضِ ساقی کوثر
کیوں نہ بدمست آکے زاہد ہو — کہ ہوا بھی فضا ہے کیف آور
خوش ہو کر یہاں ریاضؔ کی روح — دستِ ساقی ہو شاخِ گل ساغر
کہی ہم نے دعائیہ تاریخ
کہ! پھلے باغ اے نبی حیدر
۱۳ ھ ۴۵

قطعۂ تاریخ

باغ حکیم عزیز احمد صاحب خویش حکیم مولوی احمد علی صاحب خیرآبادی

مبارک ہو عزیز احمد کو یہ باغ پھلیں پھولیں ریاضؔ اس کے سب اشجار
کہوں تاریخ فرمائش تھی مجھ سے کہا میں نے زہے باغ پُر اثمار

١٩٢٩

قطعۂ تاریخ

مسجد بنا کردۂ امیر حسن صاحب عرف آفتاب حسن صاحب تعلقہ دار بابو پور

حسب فرمائش محمد احمد صاحب نبیرۂ ممدوح

امیر اول حسن آخر بہ اسم اش زہے بانی این سجدہ گہ شد
دوم از آفتاب و از حسن اسم بہ اقبال آفتاب عز و جہ شد
دعائے عمر و دولت را ز مسجد خوشا تا عرش اعظم شاہ رہ شد
ز جود و بذل ہر کس "مرحبا" گفت ز خلق و لطف ہر سو واہ وہ شد
زہے مسجد ہمہ از نور معمور کہ جاروب اش شعاع مہر و مہ شد
ریاضؔ از فکر رستم بہر تاریخ ز عرش آمد ندا افضل الٰہ شد

برائے سجدہ خم شد خود سر عرش
کہ سال اش عرش رفعت سجدہ گہ شد

١٣٤٧ھ

ایضاً

بنی مسجد یہ بابوپور میں خوب جہاں جاؤ وہاں مذکور یہ ہے
بنیں دنیا و دیں بانی کے یارب تری رحمت سے کیا کچھ دور یہ ہے
امیر و ہم حسن اسمِ گرامی جواب اس کا نہیں مشہور یہ ہے
ہے روشن نام مثل آفتاب آج جو پھیلا ہے اسی کا نور یہ ہے
خدا کا کیوں نہ ہو مسجد میں دیدار ریاضؔ اب جلوہ گاہ طور یہ ہے
یہی تعمیرِ مسجد کی ہے تاریخ
خدا کے نور سے معمور یہ ہے

قطعۂ تاریخ

تعمیر شفاخانۂ حکیم امیر اللہ خاں صاحب گوالیار اسٹیٹ
حسبِ فرمائش نبیرۂ ممدوح خلف حضرت مضطرؔ مرحوم

مرحبا اے حکیم امیر اللہ! نام زندہ کیا بقا خاں کا
ان کا شاہی لقب تھا خاں صاحب اور اعزاز بھی تھا اس کے سوا
ہے یہ ثابت خطابِ شاہی سے خواجہ پر فخر کرتے تھے حکما
مہاراجہ جیاجی لائے تھے حکم اکبر سے ساتھ بہرِ دوا
اُن کو مُلّا علیِ قاری سے خاندانی بہت تعلق تھا
نہیں مٹنے کا اب زمانے سے نام مُلّا و نام خواجہ بقا
سب کی شہرت کو چار چاند لگائے آپ نے نام روشن اور کیا

ہے ریاض افتتاح کی تاریخ

اب شفاخانۂ امیر کھلا

۴۷ ھ ۱۳

قطعۂ تاریخ

تعمیر سماع خانہ روضۂ مبارک حضرت محمد اسلم شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بناکردہٗ

جناب حاجی غلام محمد خاں صاحب حافظ تخلص رئیس داودن ضلع علیگڈھ

ہے ساز و نغمہ اس میں دن رات بیٹھے رہیئے — دلچسپ کس قدر ہے دل کش سماع خانہ

پیدا ترنم اس میں پیدا تکلم اس میں — موج ہوا کے لب پر ہر دم نیا ترانہ

جلوے دکھا رہا ہے کیا روضۂ مبارک — نغمے سنا رہا ہے کیسے سماع خانہ

اللہ جب دکھائے انسان کیوں نہ دیکھے — گنبد سنا رہا ہے کچھ طور کا فسانہ

ہے عرش و طور کس کا؟ پھیلا ہے نور کس کا؟ — کس کی تجلیوں سے روشن چراغ خانہ

ذروں میں کر رہے ہیں گردش ہزاروں سورج — جلووں کی برق تابی ان پر ہے تازیانہ

بندہ بنا کے اس نے بندے کو کیا بنایا؟ — کس کی سمجھ میں آئی قدرت کا کارخانہ

وہ بارھویں کی محفل وہ افتتاح کا دن — بزم سماع خانہ وہ نعتیہ ترانہ

پی کر پیالہ دیکھے محفل میں فیض مرشد — رندانہ مستیوں میں انداز صوفیانہ

ہیں جمع مست کیا کیا؟ مست الست کیا کیا؟ — کیسی یہ انجمن ہے؟ کیا یہ شامیانہ

کس رنگ میں رنگی ہیں؟ کیسی یہ مے کدہ ہیں؟ — دل کھینچتی ہے سب کے یہ وضع میکشانہ

ہے شامیانہ رحمت سجدے میں اہل طلعت — کیسی خدا سے غفلت؟ ہے بیخودی بہانہ

دن میں جھلک رہا ہی شب میں جھلک رہا ہے — رنگِ مئے صبوحی رنگِ مئے شبانہ
ہوجائے آنکھ دیکھے آکر جو پاک روضہ — ہو جائیں کان کریہ ہے وہ سماع خانہ
یہ شانِ بے نیازی، یہ شانِ امتیازی — سجادگی نے بخشی کیا، دولتِ شہانہ
حافظ پرست حافظ، ہشیار دوست حافظ — حافظ کی ہر ادا میں اک شانِ والہانہ
جو کچھ ہے وردِ سر ہے اک سر ہی سنگ رہ ہو — ہے سجدہ گاہ حافظ مرشد کا آستانہ
مجھ پر ہے لطف پیہم جو کچھ کہوں وہ ہی کم — فیضِ محمد اسلمؒ ہے بحرِ بیکرانہ
مجذوب اور سالک، یہ دو بنے دل کے مالک — بخشا انھیں نے مجھکو یہ رنگِ عاشقانہ
مجھ کو نہ دیکھو! دیکھو! دیکھا ہے میں نے جن کو — یہ میری لن ترانی ادنیٰ مرا ترانہ
دیوانگی میں بہکی باتیں ریاض کی ہیں — مضمون شاعرانہ، مفہوم شاعرانہ
تڑپا رہی ہے کیا کیا، یادِ تسنیم و کوثر — پھرتا ہے آنکھ میں اب گزرا ہوا زمانہ
اے شوخیِ طبیعت، یہ ہے مری حقیقت — کوئی نہیں تو میں ہوں اب شاعرِ یگانہ
تاریخ کہتے کہتے کیا کیا میں کہہ گیا ہوں — سمجھو جنون اس کو یا اس کا شاخسانہ
اب مجھ کو فکر یہ ہی، تاریخ ہو تو ایسی — کچھ روز یاد رکھے مجھ کو بھی یہ زمانہ
یہ سُن کے تخرجہ کی صنعت پکار اُٹھی — دلکش حسین بھی ہے حد اچھا سماع خانہ

۱۳ ۵ ۴۸

ہاتف ریاض بولا تخرجہ کے تاریخ
کہہ جانفزا ہے اچھا، دلکش سماع خانہ

۱۳ ۵ ۴۸

قطعۂ تاریخ

تعمیرِ دروازۂ مکانِ خود

آ کے سب بادۂ تسنیم پئیں
کھل گیا بابِ ریاضِ فردوس

۲

بے اکائی کے ہے تاریخ ریاضؔ
وا ہوا بابِ ریاضِ فردوس

۵۰ ھ ۱۳

تاریخ انتقالِ زوجۂ ثانیۂ خود

جانِ ریاض مرد

۹ ھ ۱۳

تاریخ عطائے خطاب "خان بہادر" مولوی حمید اللہ صاحب

رئیس و اسپشل مجسٹریٹ گورکھپور

ریاضؔ سعد و مبارک ہے جون کا آغاز — بہت ہی سعد ہے یہ سال سعد ہے یہ ماہ
خوشی ہے دوسری کی شب کو تار پر آیا — خطابِ "خان بہادر" ہے حمید اللہ
ہمیشہ نام رہا آپ کا نمود کے ساتھ — معرفِ آپ کے کاموں کے حاکم ذیجاہ

تدبر و خرد و دانش و اصابت رائے
یہ حصّہ آپ کا ہے فیصلے ہیں اس کے گواہ

کوئی ہو آپ ہر اک درد مند کے ہمدرد
کوئی غریب ہو ہر وقت ہے کرم کی نگاہ

ہمیشہ وضع میں داخل خیالِ خودداری
خلافِ وضع ہر اک بات جانتے ہیں گناہ

جو دیکھئے خوش ہو امارت میں سادگی ایسی
وہ چال ڈھال کہ پامال عیب ہیں کی نگاہ

ہیں اونچے اتنے کہ پہنچے نہ آپ تک کوئی
ہیں گہرے اتنے کہ ملتی نہیں ہے آپ کی تھاہ

ہر ایک سمت مسرت کی موج دوڑ گئی
خبر خطاب کی آئی جو تار پر ناگاہ

شرابِ نابِ طرب کے چھلکتے جام چلے
اٹھی جو موج بنی وہ کسی کی مست نگاہ

چمن میں پھول کھلے، انجمن میں جام چلے
جھکا فلک سے سیہ زلف بن کے ابرِ سیاہ

مئے طرب کے برستے ہی بہ چلے دریا
کہیں نہ جن کے کنارے، کہیں نہ جن کی تھاہ

گلی گلی ہے رواں کیسی آج کشتیٔ مے
نہ کوئی بزم بچی ہے، نہ کوئی خلوت گاہ

یہ سن کے مجھ سے صراحی کے قہقہے کیسے؛
یہ خمکدوں میں مچا کیوں ہے؟ شورِ "قہ قاہ"

زبانِ موج سے کہتی چلی یہ جو ہے شراب
خوشی ہے "خان بہادر" ہوئے حمید اللہ

۱۹ ۶ ۲۴

قطعۂ تاریخ

ایڈوکیٹ خان بہادر محمد ذکی خاں صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔
گورکھپور

ایڈوکیٹ ہوئے خان بہادر صد شکر
اپنے اوصاف سے عالم میں ذکی ہیں محبوب

شعرا جمع تھے محفل میں کہ تاریخ کہیں
دیکھنا تھا کسے سال ان کو بیاں کا اسلوب

ایک نے اُٹھ کے جگہ سے یہ سُنایا مصرع

ایڈوکیٹ ہوئے واہ ذکی صاحب خوب

۲۸ ۶ ۱۹

قطعۂ تاریخ

عطائے خطاب "خان بہادر" سید احمد حسین صاحب رضوی وائس چیرمین میونسپل بورڈ لکھنؤ

سیدِ عالی نسب نامِ وے احمد حسین

یافتہ او ذی ہمم "خان بہادر" خطاب

۲

سال بہ تعداد ۱۲ کم کن و گو بہر سال

صاحبِ جاہ و حشم "خان بہادر" خطاب

۲۰ ۶ ۱۹

قطعۂ تاریخ

عطائے خطاب "خان بہادر" سید احراز الحسن خاں صاحب میونسپل چیرمین خیرآباد

سید احراز الحسن جب سے ہوئے ہیں صدر بورڈ
خدمتوں سے اُن کی ہے میونسپلٹی فیض یاب

وہ خطاب "خان بہادر" سے ہوئے اب سربلند
درجۂ خانی تھا ہی خاندانی انتساب

حُسنِ خدمت کا صلا ممدوح کو اچھا ملا
شہر میں سب کو پسند آیا یہ موزوں انتخاب

فکر تھی مجھ کو کہوں تاریخ میں بھی اے ریاض
چاہتا تھا میں نہ ہو تاریخ کا میری جواب

مصرعِ آخر سے گر کر حرفِ آخر بول اُٹھا
کہدو احراز الحسن خاں کو مبارک ہو خطاب
۱۹ ۶ ۲۷

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوانِ منشی اصغر حسین صاحب صغیر گورکھپوری

اشعار صغیر اچھے انداز بیاں اچھا — اللہ کرے دیواں ہو طبع مکرر بھی
صفحہ نہیں ساغر ہے سطریں نہیں مینا ہیں — جامِ مئے کوثر بھی جامِ مئے احمر بھی
اوراق ہیں دیواں کے گلزار ہیں جادو کے — گلشن کے بھی غنچے ہیں گردوں کے ہیں اختر بھی
ہیں رنگ بھرے کیا کیا الفت کے مرقع میں — عاشق ہی وفا پیشہ معشوقِ ستمگر بھی
سو رنگ بیاں اس میں سو رنگ اثر اس میں — اعجاز بھی جادو بھی شیشہ بھی ہی پتھر بھی
اچھا نہیں باغ اس سے تفریحِ دماغ اس سے — موجِ مئے گلگوں بھی رنگِ مئے احمر بھی
دشنوں میں نہاں دشنے خنجر میں نہاں خنجر — چبھتے ہوئے دشنے بھی چلتے ہوئے خنجر بھی
ہر شعر میں ایسے ہیں وہ مصرعِ برجستہ — ہے تیرِ دو پیکاں بھی ہے تیغِ دو پیکر بھی

تاریخ ہے دیواں کی تعریف ہے دیواں کی
چبھتا ہوا پیکاں ہے چبھتا ہوا نشتر بھی
۱۹ ۶ ۱۱

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوانِ جناب حمد بلگرامی

للہ الحمد! آج دیوانِ حمدؔ کا شایع ہوا — ہر فرشتے کی زباں پر آج ہیں اشعارِ حمد

شعلہ اُس کا جو اُٹھا وہ بن گیا قندیلِ عرش
کس قدر بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گلزارِ حمد

دلکش اندازِ سُخن حُسنِ بیاں یوسف وش
مصر والے دیکھیں آکر گرمیٔ بازارِ حمد

رہنمارا ہِ سُخن میں آپ کے نقشِ قدم
بحر کے بہرو مگر سب سے جُدا رفتارِ حمد

کور وہ ہے روشنی پھیلی ہوئی ہے شہر شہر
بزم افروزِ سُخن ہیں ہر جگہ اشعارِ حمد

ناخنِ دستِ حنائی کا یہ نبتی ہے جواب
چٹکیاں لیتی ہے کیا کیا شوخیٔ گفتارِ حمد

عرش پیما ہیں سمندِ فکر کی جولانیاں
کس ہوا میں ہے زمینِ شعر پرہوارِ حمد

ایک جنگل ہر ورق چبھتے ہوئے اشعار کا
سب کے دل میں چبھ گیا ہر وادیٔ پرخارِ حمد

رنگ و بو میں حسن میں ہر ایک ہی موزونیت
ایک کانٹے میں تلے ہیں سب گُلِ گلزارِ حمد

موتیوں سے بھر دیا دامن زمینِ شعر کا
ابرِ گوہر بار ہیں اشعارِ دریا بارِ حمد

صاف ہیں بے عیب میں خوش آب ہیں انمول ہیں
جوہری دیکھیں ذرا آکر دُرِ شہوارِ حمد

کاغذ اچھا حرف اچھے نور کا چھاپا ریاضؔ
اُترے شیشے میں پری بن کر بلند افکارِ حمد

میں نے برجستہ کہا مصرعٔ تاریخِ طبع
ڈھل گئے ہیں نور کے سانچے میں سب اشعارِ حمد

سالِ اشاعت کا جو ہو مطلوب تو کہہ دو ریاضؔ
کیا ڈھلے ہیں نور کے سانچے میں سب اشعارِ حمد

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوانِ جناب سید عباس حسین صاحب فصاحتؔ لکھنوی
خلفِ جنابِ امانتؔ مرحوم لکھنوی شاگردِ جنابِ
لطافتؔ مرحوم برادرِ خود

مجموعۂ کلامِ فصاحت چھپا یہ خوب | لعل و گہر سے بڑھ کے کہیں آب و تاب میں
حرفوں نے لی جگہ ورقِ آفتاب پر | پتھر نے لعل اُگل کے جڑے آفتاب میں
لو اور چار چاند لگے آفتاب میں | بجلی ہر اک کرن ہے حجابِ سحاب میں
پھیکی پڑی ہی چاندنی کیوں آج اس قدر | کیا داغ رنگ ہی جگرِ ماہتاب میں
نقطے بنے ہیں تاروں کی آنکھوں میں پتلیاں | سطریں ہیں کہکشاں نگہِ انتخاب میں
رنگینیٔ کلام کے قربان جائیے | منہدی میں ہی یہ رنگ نہ یہ خونِ ناب میں
پیدا کیا ہے رنگ مرے خطِ جام سے | ڈوبا ہر ایک شعر ہے میری شراب میں
وہ مئے سوا جو تیز مئے پرتگیز سے | وہ کیف جو کسی کے دہن کے لعاب میں
وہ مئے "مئے وصال کا جوہر" جسے کہیں | وہ مئے پیا کئے ہیں جسے ہم شباب میں
کیسا ہے یہ کلام یہ کس کا کلام ہے ؟ | ہر شعر دوسرے سے سوا انتخاب میں
فرمائش جنابِ فصاحت ہی ای ریاضؔ | تاریخِ طبع پیش کروں کیا جناب میں
کیا شاہدِ کلام کا نکھرا ہوا ہے رنگ | شوخی نہ یہ شفق میں نہ یہ رنگ شباب میں

مصرع کہا یہ میں نے جو پہنا لباسِ طبع
معشوقِ نازنیں ہے بھرا کیا شباب میں

قطعۂ تاریخ

دیوانِ آفاق بنارسی

خوب آفاق کا چھپا دیوان | خوب آفاق کے چھپے اشعار
شہرہ آفاق آج فیضِ جلیل | باغِ عالم ہی جیسے فیضِ بہار

طبعِ آفاق نے وہ پھول کھلائے — کہ بنے صفحۂ دامنِ گلزار

جس طرف دیکھو جمع خرمنِ گل — جس طرف دیکھو پھولوں کے انبار

گندھے سطروں میں ہیں گلِ مضمون — کہ بنائیں حسیں گلے کا ہار

کیوں نہ دوں لے ریاض و داد سخن — میری آنکھوں میں ہے چمن کی بہار

کیوں نہ بیچین فکرِ سال میں ہوں — چٹکیاں لے جو شوخیِ گفتار

روز افزوں اشاعتِ دیوان

سال تاریخ اشاعتِ اشعار

۱۳۲۴ھ

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوان جنابِ سیف شاہجہاں پوری شاگردِ رشید جنابِ جلال لکھنوی

چھپ گیا کس لطف سے دیوان جنابِ سیف کا — ہو مبارک پھول چننا سیف کے گلزار سے

اصطفے خاں کی عقیدت رنگ لائی کس طرح — ورنہ یہ امید کس کو تھی خراجِ یار سے

شانِ استغنا بغایت دشمنِ نام و نمود — کیا تعلق طبعِ بے پروا کو ان افکار سے

ہم کو بھی ہونا پڑا منت گزارِ اصطفے — سیف نے مانا بڑی سے بھی بڑی تکرار سے

دیکھنے کی چیز ہے حسنِ کلام و حسنِ طبع — بجلیاں دل پر گریں گی سیف کے اشعار سے

آبِ انگور آتشِ تر جنبشِ لب سے بنا — آگ پانی میں لگا دی گرمیِ گفتار سے

سیف کا ہر مصرعِ برجستہ ہے لڑتا ہوا — یار کی ترچھی نظر سے ابرو و خمدار سے

زلف کے دل میں گرہ بندش ہے اس کی صاف صاف — کھل کے ہوتی ہے ہمیشہ طرۂ طرار سے

اس کی ایسی چٹکیاں جن سے حسیں ہوں بیقرار
ہیں کبھی چبھتی ہوئی چھیڑیں نگاہِ یار سے

کس قدر تاثیر میں ڈوبا ہوا ان کا کلام
اُن کی باتیں پڑھ کے اُن کے پُر اثر اشعار سے

وہ روانی طبع میں عاجز مری طبعِ رواں
جوش دل میں پڑھ کے میری چشمِ دریا بار سے

پڑھ کے میری درد سی بھی سیف کے دل کی چُبھن
چوٹ دل کی پڑھ کے میری زخمِ دامندار سے

رند بھی صوفی بھی لیکن رنگ دونوں سے الگ
جام سے پرہیز نفرت جُبہ و دستار سے

مست رہنا بے پئے ہر وقت اپنی حال میں
دور رہنا مغبچوں سے صحبتِ میخوار سے

بیخودی میں پاؤں جادے سے کبھی ہٹتا نہیں
باتیں خودداری کی سیکھی ہیں شئی خوددار سے

آپ سے باہر نہ ہونا ظرف والوں کی طرح
سیف کو کچھ آج پہنچا ہی کسی ہشیار سے

مٹ کے بھی وہ دے رہی ہیں پاک ہستی کا نشان
بجھ کے بھی معمور ہے دل اور ہی انوار سے

سیف کا دیواں چھپا کیا، راز اُن کے کھل گئے
دے اُٹھا کاغذ بھی شعلہ گرمیِ گفتار سے

طبعِ دیواں کی کہی تاریخ میں نے بھی ریاض
کم نہیں میرا بھی مصرع سیف جوہردار سے

سیف کے آگے جھکانا ہی پڑا اعدا کو سر
سیف کے جوہر کھلے ہیں سیف کے اشعار سے
۱۳ ھ ۴۵

دیگر

شعر تو کہتے نہیں ہیں آگ برساتے ہیں سیف
سیف کے اشعار جتنے ہیں شرارِ سیف ہیں

طبعِ دیواں کی کہی تاریخ[۲] میں نے بھی ریاض
لو جو دیواں کے ورق ہیں شعلہ زارِ سیف ہیں
۱۳ ۴۵

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوانِ منشی شیام سندر لال صاحب برقؔ وکیلِ سیتاپور

دیوانِ برقؔ طبع ہو آب و تاب سے
جو شعر برق کا ہے وہ کرتا ہی کارِ برق

تاریخِ طبع بھی رہے دیواں کے ساتھ ساتھ
یہ میری یادگار ہے وہ یادگارِ برق

چمکا رہی ہیں برق کو اشعار برق کے
اشعار میں ہیں برق کے تاب و شرارِ برق

جیسے چمن میں آتشِ گل ہو بہارِ گل
ہر شعلہ و شرار سے گویا بہارِ برق

مٹھی میں ہے لئے ہوئے گویا بہارِ باغ
دیوان کا نقطہ نقطہ دلِ داغدارِ برق

دیواں کے صفحے صفحے میں ہیں کلیاں بھری
دیواں کا حرف حرف دلِ بیقرارِ برق

برق و شرر ہیں مصرعِ برجستہ برق کے
یہ ہے تراوشِ قلمِ شعلہ بارِ برق

سب پوچھتے ہیں "کیا کہیں" "دیوانِ برقؔ کو"
"گلزارِ برقؔ" اسے کہیں یا "لالہ زارِ برق"

کم کر کے نصف "ہاں" کے عدد تم کہو ریاضؔ
ہاں "شعلہ رازِ برق ہے" ہاں "شعلہ زارِ برق"

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوانِ نواب غلام حسین صاحب رئیس گندش گنج ضلع بستی تخلص قمرؔ

چھپا کس حسن سے دیواں قمرؔ کا
کھلے ہر صفحے پر گلہائے اختر

اتارے کہکشاں نے سر سے تارے
قمرؔ پر یوں کئے موتی نچھاور

قمر کے نقشِ پا کا فیض یہ ہے — زمینِ شعر پہنچی آسماں پر
شفق پھولی، کھلا لالے کا تختہ — مئے گلگوں کے چھلکے جام و ساغر
پیالہ صفحہ، سطریں موجِ بادہ — شگوفہ خود ورق برگِ گلِ تر
بغل میں اس شگوفے کے چمن لاکھ — کھلے یہ تو کھلے فردوس کا در
ٹھکانا کیا؛ شگوفہ کاریوں کا — رگِ گل جب بنی ہو تارِ مسطر
گلوں کے رنگ کی پرتاب سرخی — لگا جدول میں یوں سرخاب کا پر
بڑھی چھپنے سے اس کی قدر و قیمت — بنا چھاپے کا پتھر لعلِ احمر
پری شیشے کی صفحے کا ہر اک حرف — فدا جدول پر اس کے خطِ ساغر
فدا سطروں پر اس کی گیسوئے حور — فدا سطروں پر اس کی موجِ کوثر
ہر اک مصرع نگاہِ مستِ ساقی — رگِ جاں میں چبھوئے لاکھ نشتر
لئے ہر شعر میں جوشِ معانی — اُبلتے خم، چھلکتے جام و ساغر
فروغِ بزمِ مے، رنگینِ ساقی — طرب زا، کیف افزا، نشہ آور
اسی کی مے کا سب بھرتے ہیں پانی — سبو، مینا، صراحی، جام، ساغر
اسی کے آج چرچے میکشوں میں — بیاں اس کا لبِ پیرِ مغاں پر
یہی رنگِ حنائی دستِ ساقی — یہی گلگونۂ رخسارِ دلبر
یہی ہے جامِ جم بزمِ مغاں میں — اسی کا جلوہ مے کی ہر دکاں پر
اسی کا دور ہے بزمِ سخن میں — مزے لیتا ہے کیا کیا ہر سخنور
ریاضؔ اس کی صفت میں تر زباں آج — اسی کے شعر ہیں اس کی زباں پر
یہی ہے فکرِ دیواں کی ہو تاریخ — نظر ہے سوئے ساقی سوئے ساغر

اُٹھی ساقی کے دل میں گدگدی کچھ اُٹھایا جامِ گلگوں اس نے ہنس کر
حنائی دستِ ساقی جام بر کف مرے لب پر لبِ گلرنگ ساغر
مرے ساقی کے لب پر ہے تبسم
مرے لب پر ہے، جامِ آتشِ تر

۱۳۴۵ھ

دیگر

یہی مادۂ تاریخ، زمین بدل کر

خوب دیواں قمر کا طبع ہوا عالم افروز ہے شعاعِ قمر
کہکشاں سطر سطر دیواں کی نقطہ نقطہ ہے ضوفشاں اختر
طبقِ نور ہر ورق ہے ریاض لالہ زارِ شفق ہے جوبن پر
یہ شگوفے کھلائے اس کے ہیں گلِ تر ہوں کہ ہوں گلِ اختر
ہر زمیں شعر کی فلک رفعت ہر زمیں آسمان سے بڑھ کر
تارے عرشِ بریں کے توڑے ہیں باندھے مضمون ایسے چن چن کر
اس طرح مے جھلکتی جام میں ہے جس طرح ہو قمر میں نورِ قمر
چاند کی ٹھنڈی روشنی اس میں
اس کی تاریخ جامِ آتشِ تر

۱۳۴۵ھ

قطعۂ تاریخ

دیوانِ حسین خاں صاحب اختر برہان پوری شاگردِ مولوی
محمد عثمان صاحب راغبؔ رستواہ برہانپور

بنا اختر کا دیواں پھولوں کا ہار سلیقے سے گندھے گلہائے اختر
زمینِ شعر پہنچی آسماں پر ستارے بن گئے گلہائے اختر
کہا کس نے یہ وقتِ فکرِ تاریخ کہو کیسے رہے ؟ گلہائے اختر
ریاضؔ آئی لبِ اختر سے آواز
کہو اچھے کھلے گلہائے اختر

۱۳ھ ۵۲

رباعیات

زمانۂ

سرسید مرحوم

۱

دنیا کے لئے ضرور ہے کچھ تگ و تاز
ہوگے نہ کبھی بغیر اس کے ممتاز
مذہب کی قید میں ہیں لاکھوں جھگڑے
روزہ رکھتے گلے پڑی آ کے نماز

۲

چلتا نہیں گھر میں کیوں تمہارا لٹکا
دل میں ہے یہ عورتوں سے کیا کھٹکا
انگلش تعلیم سے وہ کیوں ہیں محروم؟
چلتی گاڑی میں یہ روڑا اٹکا؟

۳

قدموں سے لگا ہوا ہے زر سید کے
سرخاب کا؟ کیا لگا ہے پر سید کے
کیوں کر نہ بڑھے دماغ سر سید کا؟
اک اور لگا ہوا ہے سرؔ سید کے

اور رباعیات و قطعات وغیرہ

شباب

۴

دینے کے لئے داغ شباب آتا ہے
ساتھ ابر لئے یہ آفتاب آتا ہے
گھوڑے سے ہوا کے یہ اُترتا ہی نہیں
جانے کے لئے پا بر کاب آتا ہے

۵/۱

پیری

تھی خواب وخیال کامرانی میری
تھی خواب وخیال زندگانی میری
گویا کہ میں تھا نمودِ اشکِ بے بود
یا تاروں کی چھاؤں تھی جوانی میری

۵/۲

طفلی بھی شباب بھی تھا اک دم کیلئے

پھل پھول تھے سب خزاں کے عالم کیلئے
پیری میں نہیں ریاض یہ رعشۂ دست
ہلتے ہیں ہاتھ اپنے ماتم کیلئے

۶

طوفان شباب نے اُٹھائے کیا کیا؟
پھر ہم کو نظر نشیب آئے کیا کیا؟
اب قعرِ لحد میں لاکے ڈالا ہم کو
پیری نے ہمیں کنویں جھنکائے کیا کیا؟

۷

قبر

ہر ایک مکانِ گور دربستہ ہے
معذور مسافرِ کمر بستہ ہے
کیا جانئے؟ کیا لحد میں جا کر گزرے؟
یہ قبر نہیں ہے رازِ سربستہ ہے

۸

بہار و خزاں

مُنہ بند کئے ہوئے کلی آتی ہے
لب کھولنے کو شگفتگی آتی ہے
سمجھا ہے خزاں کو دورِ گل نے اپنی

ہنسنے پر پھول کے ہنسی آتی ہے

۹

راہِ عدم

افسوس! رہِ لحد تھی تاریک بہت
سمجھے جسے دور تھی وہ نزدیک بہت
کہتے گئے یہ عدم کے جانے والے!
تاریک بہت ہے راہ، باریک بہت

۱۰

راہِ صراط

چاہا کہ چھپٹ جائیں یہی بہتر ہے
پھر سوچے کہ ہٹ جائیں یہی بہتر ہے
بچ جائیں صراط سے یہ اعمال کہاں؟
ہم شرم سے کٹ جائیں یہی بہتر ہے

۱۱

عجز

کہنا نہیں چاہئے کڑی بات ریاضؔ
پھر ایسوں کو جن کی بن پڑی بات ریاضؔ
تم اور زبانِ طعن کھولو! اُن پر
چھوٹا مُنھ اور ہے بڑی بات ریاضؔ

میں حرفِ غلط ہوں اس میں باطل کیا ہے؟
بحثے مجھ سے جو کوئی حاصل کیا ہے؟
کچھ بھی نہیں عکسِ بالمقابل میرا
میں کچھ نہیں تو مرا مقابل کیا ہے؟

۱۳

تَعَلّی

منقار جو کھولتا ہے طوطی میرا
ہر بات کو تولتا ہے طوطی میرا
ہو بلبلِ سدرہ کیا سُخن سنج ریاضؔ
اس میں بھی تو بولتا ہے طوطی میرا

۱۴

بن کر مشتاق اہلِ محفل آئے
کس شوق سے لے کے دامنِ دل آئے
اللہ رے ریاضؔ! گلفشانی میری
چُننے کے لئے پھول عنادل آئے

۱۵

محفل میں جو آئے بن کے بسمل آئے
ہر آنکھ میں آج خوں چکاں دل آئے
روئیں یہ لہو کہ کچھ تو آنسو پُچھ جائیں

اتنا تو ہو رنگ پر یہ محفل آئے

۱۶

ہاں! لطف وہ نظمِ دل نشیں سے آئے
دل وجد میں شورِ آفریں سے آئے
مدّاحِ امام ہوں، عجب کیا ہے؟ ریاضؔ!
تحسیں کی صدا عرش بریں سے آئے

۱۷

جو نظم ہے میری دادِ فن لیتی ہے
ہر شعر کا لطف انجمن لیتی ہے
منہ دیکھتے ہیں طیورِ گلشن میرا
بوسے مرے تحسینِ سُخَن لیتی ہے

۱۸

بالا ہے جو قدسیوں سے مسکن میرا
بڑھ کر فردوس سے ہے گلشن میرا
اے بلبلِ سدرہ! تجھ کو معلوم نہیں
تجھ سے بھی بلند ہے نشیمن میرا

۱۹

وہ رنگِ سُخَن ہو بزم رنگیں ہو جائے
بلبل کی فغاں بھی شورِ تحسیں ہو جائے

دامن وہ بھرے گلِ معانی سے ریاضؔ
اس نظم کا نکتہ چیں بھی گلچیں ہو جائے

۲۰

آگے مرے رنگِ غیر فق ہو جائے
لعل اُگلے جو سنگ سینہ شق ہو جائے
میں وہ ہوں مرے کلامِ رنگیں سے ریاضؔ
دامانِ شفق ابھی ورق ہو جائے

۲۱

موزوں جو کئے ہیں شاہِ دیں کے اوصاف
بندش ہے چست اور مضموں ہیں صاف
ہر شعرِ بلند کا یہ رتبہ ہے ریاضؔ
چوٹی میں طور کے پڑا ہے موباف

۲۲

کرتا ہے سوئے اوج اشارا ممبر
کیا چرخ کی آنکھ کا ہے تارا ممبر
مدحِ شہِ دیں نے سر بلندی دی ہے
ہمپایۂ عرش ہے ہمارا ممبر

۲۳

میلی نہ کروں نظر جو مجھ کو زر دیں

اک اشکِ الم نہ دوں جو سو گوہر دیں
اے بزمِ عزا کے رونے والو! واللہ!
یہ اشک وہ ہیں، ابھی جو دامن بھر دیں

۲۴

دامن غمِ شہ میں ہیں بھگونے کے لئے
رونا ہے یہ داغِ جرم دھونے کے لئے
باعث ہے نجات کا جو آنسو نکلیں
اللہ جو آنکھ دے تو رونے کے لئے

۲۵

گرمئی کربلا

تھے حدّتِ مہر سے یہ افلاک سیاہ
جیسے کسی ماتمی کی پوشاک سیاہ
تپتی تھی زمین کربلا کی ایسی
سایہ بھی گرے تو جل کے ہو خاک سیاہ

۲۶

کب گرمئی کربلا سہی جاتی تھی
سائے کے بھی آگ سی لگی جاتی تھی
سورج کرنوں سے تھا کباب سیخ بنا
دھوپ اپنی ہی آگ میں جلی جاتی تھی

۲۷

کم گرمیٔ کربلا ذرا تو ہوتی
چھائی ہوئی ہر طرف گھٹا تو ہوتی
پیاسوں کے لئے نہ تھا اگر آبِ فرات
ساحل سے ذرا خنک ہوا تو ہوتی

۲۸

غمِ شاہِ دین

احباب کا ذکر کیا، عدو روئے ہیں
سب بہرِ امامِ نیک خو روئے ہیں
روشن ہے یہ صاف لعلِ احمر سے ریاضؔ
اس رنج میں پتھر بھی لہو روئے ہیں

۲۹

خطاب بہ شخصِ خاص

اب کہنہ کلام و اہلِ فن کچھ بھی نہیں
ہیٹیں جو لکیر یہ چلن کچھ بھی نہیں
یہ کام تو استخواں فروشی ہے ریاضؔ
ڈوبے ہوئے سورج کی کرن کچھ بھی نہیں

۳۰

بطرزِ دیگر

ہلالِ رمضاں

نازک مہِ نو کچھ خطِ ساغر ساعیاں ہے
ساقی ہمیں تیرے لبِ لعلیں کا گماں ہے
پینے کو مہِ صوم میں راتوں کو ملے گی
موجِ مئے گلرنگ - ہلالِ رمضاں ہے

۳۱

مہِ صوم کی تعریف

روزے نہیں ہیں سخت، یہ سب باتیں ہیں
ہاں لطف فزا شب کی ملاقاتیں ہیں
یاروں میں مہِ صوم کی تعریف یہ ہے
دن ہجر کے کچھ وصل کی کچھ راتیں ہیں

۳۲

لذّتِ افطار

کیا پوچھتے ہو؟ صوم میں کیا ہوتا ہے؟
مسجد میں مزا گھر سے سوا ہوتا ہے
وہ لذّتِ افطار! وہ کیفِ افطار!
میخانے کا ہر گھر میں مزا ہوتا ہے

۳۳

سحرِ عید

میخانے میں ہر وقت ہے یوں تو اثرِ عید
اُنتیسویں کی شب کو ملے گی خبرِ عید
کوثر کی ہو تو کیا؟ یہ مہِ صوم ہے ساقی!
پینے کے نہیں رند کبھی تا سحرِ عید

۳۴

ضعفِ پیری وصوم

ان ہاتھوں سے روز جامِ صہبا ٹوٹا
ان ہاتھوں سے بار بار مِینا ٹوٹا
شرمائے خدا مرے بڑھاپے کو ریاضؔ
یہ ضعف ہے، ایک بھی نہ روزا ٹوٹا

۳۵

شامِ افطارِ رمضان

سانچے میں ڈھلی نور کے شامِ رمضاں ہے
شامِ رمضاں میں سحرِ عید نہاں ہے
بنتا "مئے گلرنگ" ہے ہر ظرف میں "پانی"
ہو کوئی بھی ہر گھر میں سجی مے کی دکاں ہے

۲۶

"تشنگیِ صوم

روزہ رکھکر بلا کے دن کاٹے ہیں
مے سے دامن بچا کے دن کاٹے ہیں
میخانے میں، ہم تشنہ لبوں نے ساقی!
سینے سے سبو لگا کے دن کاٹے ہیں

۳۷

یہ وقت وہ ہے کہ خُم سبو پر پی لیں
یا جائیں تو جھک کے حوضِ کوثر پی لیں
خُم کی ترے خیر! کہہ دے اے پیرِ مغاں!
روزہ رکھّا ہے، سانس بھر کر پی لیں

۳۸

روزِ عید

کل تک کوئی تھا نہ مے کا قطرا گھر میں
پانی سے کھلا، کھلا جو روزا گھر میں
ساقی کی نگاہِ لطف تھی جو عید کے دن
بہتے نظر آئے مے کے دریا گھر میں

۳۹

ہر ذرہ دمِ صُبح ہے خورشید سے بڑھ کر

ہر ذرّہ سرِ شام ہے ناہید سے بڑھکر
پینے کا پلانے کا مزا ہم سے نہ پوچھو!
شامِ رمضاں ہے سحرِ عید سے بڑھکر

۴۰

کان میں آئی ہلالِ رمضاں کی آواز
تیس ۳۰ دن کو گئی اب پیرِ مغاں کی آواز
کوئی نسبت ہی نہیں قلقلِ مینا سے ریاضؔ
ہائے روزے میں وہ مغرب کی اذاں کی آواز

۴۱

دل کے گرمانے کو ہے آتش تر لذّتِ صوم
لے کے آئی ہے خداداد اثر لذّتِ صوم
جیسے ہو نشۂ مے سے کوئی از خود رفتہ
محو رکھتی ہے ہمیں چار پہر لذّتِ صوم

۴۲

صوم میں لوٹتے ہیں روز تلاوت کے مزے
بڑھ کے نعمت سے ہیں اللہ کی رحمت کے مزے
وقتِ افطار پہنچ جاتے ہیں مسجد میں ریاضؔ
گھر میں اللہ کے آجاتے ہیں دعوت کے مزے

۴۳

رندِ ناکام کو کچھ نشّہ سا ہو جاتا ہے
ہاں یونہی نام کو کچھ نشّہ سا ہو جاتا ہے
صدقے اے لذتِ افطار پسِ توبہ بھی
بے پیے شام کو کچھ نشّہ سا ہو جاتا ہے

۴۴

میخانے میں کیسا ہے نمایاں اثرِ عید
بن کر مہِ نو آئی ہے دینے خبرِ عید
اُٹھی ہے یہ کہتے ہوئے موجِ آتشِ تر کی
اُنتیسویں ۲۹ کو شام ہی سے ہے سحرِ عید

۴۵

روزے اللہ کے رحمت ہیں مسلماں ہم ہیں
بھوک جن کے لئے نعمت ہے وہ انساں ہم ہیں
گھر میں افطار کو گو کچھ نہیں مسجد تو ہے
گھر ہے اللہ کا' اللہ کے مہماں ہم ہیں

در صفت

لفٹنٹ خان بہادر جمشید علی خاں صاحب

رئیس باغپت ضلع میرٹھ

حسب فرمائش

جناب عارف پنشنر منصرم

۱

بزمِ جمشید ہے بے مثل کہ چرخِ نہم
بزمِ جمشید کے ہر جام سے کم چرخ کا خم
بزمِ جمشید کی مینا بھی ہیں عیسیٰ آواز
بزمِ جمشید کی تلقل بھی ہے اعجاز ہیں "قم"

۲

مئے جمشید ہو! کون ہے ہاتم سے بڑھ کر
جامِ جمشید تو ہے چرخ کے خم سے بڑھ کر
لبِ جمشید کی ہر بات ہے اعجاز ریاض
لبِ جمشید کی ہر بات ہے "قم" سے بڑھ کر

۳

باغپت منزلِ خورشید مقامِ خورشید
اس سے ظاہر ہے جو ہے رفعتِ بامِ خورشید
آئے جو تشنہ دہن وہ ہو کر سیراب

تا ابد یونہی رہے دور میں جامِ خورشید

۴

آج مشہورِ جہاں ہے مرے جمشید کا نام
آج مشہورِ جہاں ہے مرے جمشید کا جام
باغِ جنت میں مئے گلگوں کی ہیں نہریں جاری
جائے کوئی بھی نہ پیاسا یہ ہے جمشید کا کام





[یہ غزل تبیض شدہ دیوان کے حاشیہ پر لکھی ہوئی تھی
جلد بندی میں کٹ گئی بعد کو اصل مسودے سے مکمل کی گئی]

زاہد شکستہ گوشۂ مسجد میں کیا ملا — مجھکو پڑا ہوا دلِ بے مدعا ملا
او چشمِ مست تیرے اشارے سے کیا ملا — ساغر ملا، شراب ملی، میکدا ملا
بھٹکے ہوؤں کو عشقِ بتاں رہنما ملا — کافر بتوں کی وجہ سے ہم کو خدا ملا
دل سے یہ پوچھے کوئی، تجھے اس سے کیا ملا — کمبخت مجھسے ٹوٹ کے دشمن سے جا ملا
ڈر ہے نہ آسماں کو لے بیٹھے اپنے ساتھ — اُٹھکر مرا غبار یہ کیوں اس سے جا ملا
توبہ جو کرلی پیرِ مغاں تیرے ہاتھ پر — پانی میں بھی شراب کا ہم کو مزا ملا
نیرنگیوں میں جلوے کے بھتپے یہ بے حجاب — چھپکر کبھی ملا، وہ کبھی بر ملا، ملا
دیر و حرم میں بیٹھ کے دن رات عشق کی — ناقوس سے کبھی نہ ہمارا گلا ملا

دونوں تھے شوخ حشر میں قاتل کے آتے ہی
کس طرح میری خون سے رنگِ حنا ملا

ہم کوئی غیر سے پھرے اپنا سا منہ لئے
ہم کو نہ تو ملا نہ ترا نقشِ پا ملا

ایسے ندیدے آئینہ دل ہی اور وہ
خوب آرسی کے بدلے انہیں آئینا ملا

توبہ شکستِ توبہ بھی دونوں تھی ساتھ ساتھ
اس طرح لطف پینے میں حد سے سوا ملا

آنے میں روک ٹوک نہ جانے میں روک ٹوک
ہم جب گئے ہیں درِ میخانہ وا ملا

بیتاب بندہ غالب جو میں پیوں مگر
جب خضر آئے تب مجھے آبِ بقا ملا

جیسے کسی نے پی ہی نہیں وہ حرام شے
ہر رند میکدے میں ہمیں پارسا ملا

یہ یاد تو رہے کہ ملے ہیں ریاض سے
او آنے والے ہاتھ تو ہم سے ذرا ملا

[یہ نامکمل غزل خیر آباد کے ایک قوال سے دستیاب ہوئی]

شور تھا بوتل اُٹھے مینا اُٹھے ساغر اُٹھے
اتنی ساقی نے پلادی رند توبہ کر اُٹھے

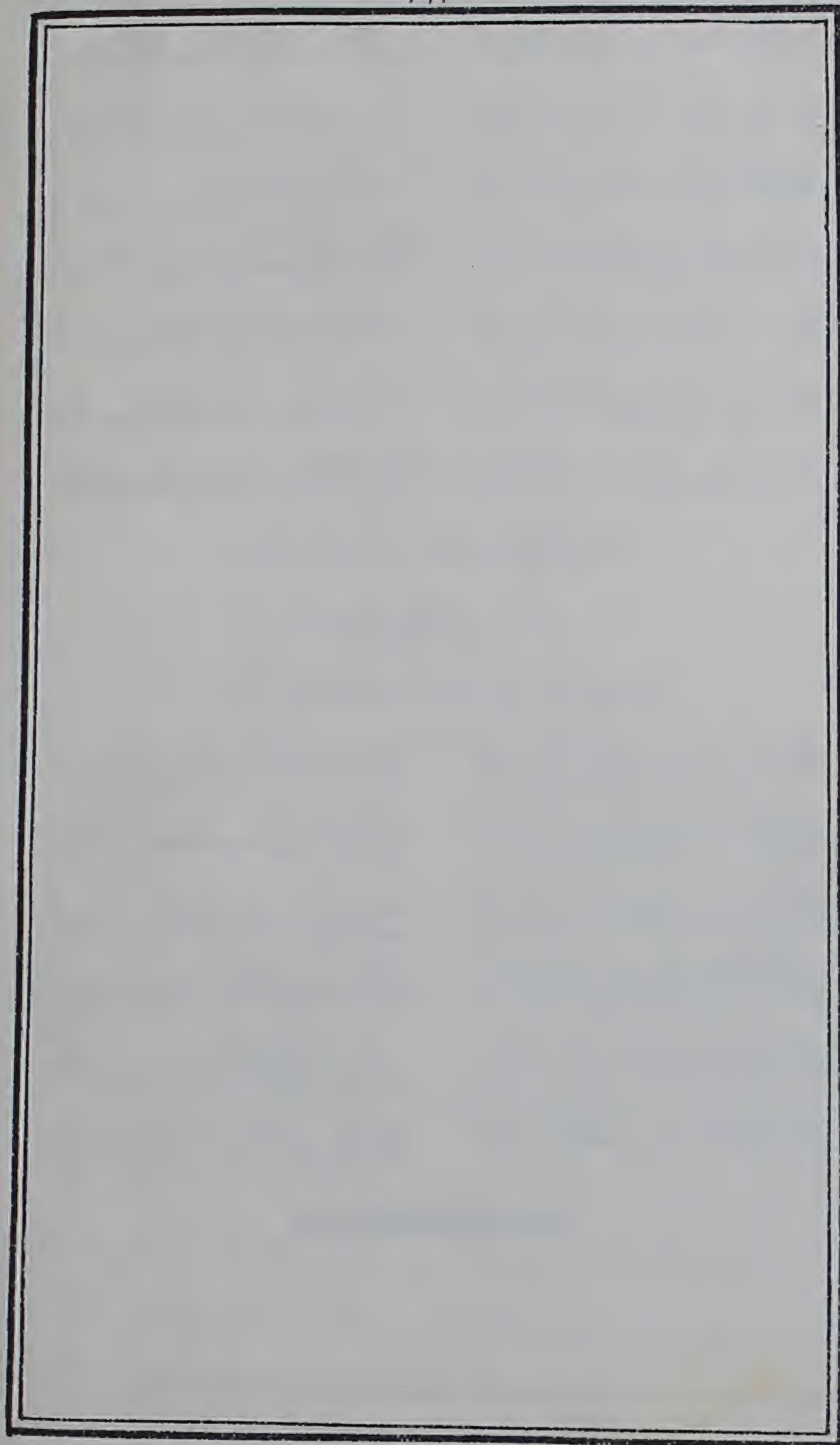
بزمِ محشر سے غلامِ ساقیِ کوثر اُٹھے
آؤ اے یارانِ میخانہ ذرا ساغر اُٹھے

کچھ ہمارے کان پھونکے اس طرح ناقوس نے
بتکدہ سے جب اُٹھے تو بن کے ہم پتھر اُٹھے

کیا ہماری جان لینے کو کوئی بات اُٹھ رہی
وہ اُٹھے دشمن اُٹھے چھریاں اُٹھیں خنجر اُٹھے

اُٹھتے ہیں طوف حرم کو ہم ابھی زاہد ٹھہر
دور آخر ہے یہ ساغر کا ابھی پیکر اُٹھے

جاتے جاتے عرصہ گاہِ حشر تک جو حال ہو
اُٹھتے اُٹھتے قبر سے سو فتنۂ محشر اُٹھے



غلط نامہ

حصہ اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۲	کعبۂ دل مری	کعبۂ دل میں مری	۳۷	۸	ہنس ہاے	ہنس گیا ہاے
۳	۱۸	حاے	جاے	۳۷	۱۵	وہ ہے	ہے وہ
۶	۱۹	سننا پڑا	سُننا پڑا	۳۷	۱۷	گور	قبر
۷	۱۵	بھی	اور	۳۸	۸	عہدِ بنان	عہدِ بتان
۸	۴	پہ	پر	۳۸	۱۲	بھی	ہی
۱۲	۳	بڑا	بُرا	۴۱	۱۷	کلبجا	کلیجا
۱۹	۲	سماما	سمایا	۴۲	۱۲	دباتا	دبانا
۲۴	۴	ہزار	ہر ناز	۴۲	۱۴	کس	اس
۲۵	۸	امید ہی کہ	اللہ ہے جو	۴۲	۱۷	تو نہ آیا	تو آیا
۲۶	۱۸	گر	گو	۵۲	۹	کعبہ	کعبے
۲۷	۱۴	نہ اس	یہ اس	۵۵	۷	ممبر	منبر
۳۷	۳	ہ	یہ	۵۷	۲	شوق	شوخ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸	۱۶	دست بازوے	دست و بازو
۶۱	۹	شوق	شوخ
۶۴	۹	بنئے	بنّے
۶۵	۴	جس نے	یہ بھی
۶۵	۱۵	درمان	دربان
۶۷	۱۲	ممبر	منبر
۶۸	۱۴	بینے	بنّے
۶۹	۳	پہننا	پہنتا
۶۹	۱۲	اُٹھائیں	اُٹھائیں
۶۹	۱۷	چھپ	چبھ
۷۰	۱۲	ئبت	بُت
۷۰	۱۶	تیری	تیرے
۷۵	۱۵	چھپکاتے	جھپکاتے
۷۶	۱۴	مے خانہ	مے خانے
۷۹	۱۹	مہمان	میہمان
۸۲	۹	کو	کا
۹۰	۳	کہیں	حسین
۹۰	۱۲	کہ	تو
۹۰	۱۳	دیکھئے	دیکھتے
۹۱	۱۰	جُھکائے ہوتے	جُھک کے دہوتے
۹۲	۱۳	چاندی	چاند
۹۵	۶	چھلنا	جھلنا
۹۵	۱۸	ہو تنفس	ہوا متفق
۹۸	۹	سمجھے	سمجھتے
۹۸	۱۲	گاہ	نگاہ
۹۹	۱۹	کھاتیں	گھاتیں
۱۰۱	۱	وہ	میں
۱۰۱	۱۴	آپ آب	آب آب
۱۰۲	۹	گلزار قفس	گلزار و قفس
۱۰۳	۱۲	باع	باغ
۱۰۳	۱۳	جاتی ہے	جاتے ہی
۱۰۴	۱	سجی	سنجی
۱۰۴	۸	جان	شان
۱۰۶	۳	دولونکو	دونونکو
۱۰۶	۴	پزمردہ	پژمردہ
۱۱۱	۶	بھی	تھی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۱	۷	نعلین	لعلین
۱۱۲	۶	دیکھنے	دیکھتے
۱۱۶	۴	یوچھو	پوچھو
۱۲۳	۱۲	ختم سے	ختم ہے
۱۲۶	۲	مفتل	مقتل
۱۲۷	۱۱	آنی	آئی
۱۲۹	۲	آرزو	آبرو
۱۲۹	۹	خوب رو	خوبرو
۱۳۰	۶	کم گشتگی	گم گشتگی
۱۳۳	۴	آسماں	آسمان
۱۳۳	۱۵	بلاے	بالاے
۱۳۴	۱۰	پچھپے	پیچھے پیچھے
۱۳۴	۱۴	جاتا	جانا
۱۳۷	۱۲	دکھائیگی	دکھائینگی
۱۳۸	۱۷	گوہول	وہ ہوں
۱۴۰	۳	شمع رو	شمع وگل
۱۴۱	۳	بلال	ہلال
۱۴۱	۱۸	بھی	یہی
۱۴۲	۱۹	کوئی	کوئے
۱۴۵	۲	اس کی	ان کی
۱۴۹	۲	خوس	خوش
۱۵۰	۳	خضاب فروش	وہ خضاب فروش
۱۵۴	۲	فقر	فقرہ
۱۵۷	۱۱	کر	کو
۱۵۹	۱	سرخ	شوخ
۱۶۴	۱۰	بھگولی	بھگولے
۱۶۸	۶	شکفتگی	شگفتگی
۱۶۸	۱۴	ہو چلی	ہو چلے
۱۷۰	۱۸	ہٹاتے	ہٹالے
۱۷۶	۴	معرکےہیں	معرکے ہیں
۱۷۶	۹	رباص	ریاض
۱۷۸	۱۳	مزے	مرے
۱۸۰	۱۳	سو	ہو
۱۸۳	۶	آرآم	آرام
۱۸۳	۱۹	کچھ بن	ہیں
۱۸۵	۶	سونپ تے	سونپتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸۶	۶	بدست	مجھ مست
۱۸۶	۱۹	شوح	شوخ
۱۸۷	۱۸	گلا	گلہ
۱۸۸	۱۰	سبزۂ تربت	سبزۂ تُربت
۱۹۲	۱۰	جھلکاے	چھلکاے
۱۹۲	۱۹	واعدے	وعدے
۱۹۳	۷	ٹیس	؛
۱۹۹	۱۶	.بجھانے	.بجھاتے
۲۰۰	۷	بتلے	پتلے
۲۰۲	۱	پہچان نے	پہچاننے
۲۰۳	۱۳	اب	سب
۲۰۴	۶	جھلکارہی ہیں	چھلکارہی ہیں
۲۰۵	۱۴	جنوارہے ہیں	چنوارہے ہیں
۲۰۵	۵	نکب	کب
۲۰۷	۳	بہت	بت
۲۰۷	۴	خجلہ نشین	حجلہ نشیں
۲۰۸	۳	حاتے	جاتے
۲۰۸	۶	ذر	ڈر
۲۰۸	۱۹	حالے	جاتے
۲۱۰	۴	یارسا	پارسا
۲۱۳	۱۰	دامان نازنین	دامان نازیں
۲۱۴	۷	رزق کی ہے	ہے یہ رزق کی
۲۱۵	۹	رہے	رہے ہیں
۲۲۰	۱۴	پائیں کے	پائیں گے
۲۲۲	۴	شیشے میں	شیشے کی
۲۲۳	۴	سوسن بھی	سوسن سے بھی
۲۲۳	۱۹	اتے	آتے
۲۲۵	۵	ذرا قاتل کودے	قاتل کو دے ذرا
۲۲۷	۳	اکر	آکر
۲۲۹	۱۲	فرستون	فرشتون
۲۳۳	۲	بردہ ور	پردہ ور
۲۳۳	۳	مجاز	حجاز
۲۳۳	۶	سنگ	رنگ
۲۴۱	۹	بھی حشر	بھی ہے حشر
۲۴۳	۱۲	دیکھتا	دیکھنا
۲۴۳	۱۴	سوے	سو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۴۴	۱۷	میں	ہیں
۲۴۸	۱	کے	؟
۲۵۴	۱۷	اک	ایک
۲۵۵	۴	ہیں	میں
۲۵۵	۶	ہنیں	بنیں
۲۵۸	۴	نید	نیند
۲۶۱	۱۰	نببص	نبیذ
۲۶۲	۸	ٹوٹتا	لوٹتا
۲۶۴	۸	مضامیر	مزامیر
۲۶۷	۱۹	میں	ہیں
۲۷۱	۱۵	ہوائیں	ہوابیں
۲۷۲	۷	میخانے کاڈر	میخانے کادر
۲۷۳	۴	ہوکے	ہوکر
۲۷۴	۶	وچیز	وہ چیز
۲۷۵	۱۸	ذار	زار
۲۸۱	۹	عضو	عفو
۲۸۴	۱۳	آبِ رواں	ابروان
۲۸۷	۵	گیسو ے	گیسوِ
۲۹۱	۱	بڑے	بڑے
۲۹۱	۶	لوٹ تے	لوٹتے
۲۹۲	۱۱	میں	بھی
۲۹۶	۱۸	مزا	مرا
۲۹۸	۹	کہا	کہے
۲۹۹	۷	اٹھائی	اٹھالی
۳۰۰	۳	امجھے	الجھے
۳۰۱	۳	مٹاے	مناے
۳۰۲	۱	چلتی ہیں	چلتے ہیں
۳۰۲	۱۲	ملتے چلنے	ملتے جلتے
۳۰۴	۱۰	باقی نہیں آتی	پیاسی نہیں آتی
۳۰۹	۱	ذرہُ	ذرہ
۳۱۲	۱۶	کٹوے گی	کٹوالے گی
۳۲۲	۱۵	کا	کو
۳۲۲	۱۹	گیسوؤں والو	گیسوو والو
۳۲۷	۵	ایک	اک
۳۲۸	۱۹	بہاں	جہاں
۳۲۹	۱۵	گرگ	گزک
۳۳۰	۲	سریہ	سرپہ
۳۳۴	۶	لب سے بھی	کچھ لب سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۵	۵	چھوڑ	چھٹو	۴۰۵	۱	کی	؟
۳۳۶	۷	نے	بے	۴۰۵	۱۴	نکیا	نکلا
۳۴۱	۹	نبارونا	نیا رونا	۴۰۹	۱۰	لیلےٰ محل	لیلےٰ نہ اب محل
۳۴۱	۱۹	درماندۂ	درماندہ'	۴۰۹	۱۶	محفل	محمل
۳۴۹	۱۶	کاووان	کاروان	۴۱۵	۱۳	ای	اے میری
۳۵۷	۱۹	بکھتے	سمجھتے	۴۱۷	۳	پردہ ہزار	پردے ہزار
۳۶۶	۶	ترقیاں ہیں	ترقیاں ہیں	۴۲۰	۴	پھیلتے	؟
۳۶۶	۱۶	اُٹھائے	اُٹھا کے	۴۲۱	۱۰	نکالتا	نکالنا ؟
۳۶۸	۳	مرے	مزے	۴۲۹	۱۹	اواب	آداب
۳۷۳	۳	کھٹا	گھٹا	۴۳۰	۳	آتا	آنا
۳۷۳	۱۲	نے	نہ	۴۳۲	۱۵	امروزفردا	امروزوفردا
۳۷۳	۱۵	مرا	مزا	۴۳۳	۱۷	ترت	تربت
۳۷۷	۱۱	نغمۂ	نغمۂ ؟	۴۴۱	۱۴	خرینہ	خزینہ
۳۸۳	۱	ہوا	پروا	۴۴۸	۱۱	آگ تھی	تھی یہ آگ جو
۳۹۲	۶	نگو	نگہہ	۴۴۸	۱۵	سن	یہ سن
۳۹۶	۱۰	تاوں	تلوون	۴۴۸	۱۶	پڑھے	پڑھے گا
۳۹۸	۷	ہو	ہوں	۴۵۰	۱۳	پروہ	پردہ
۳۹۹	۱	درماں	دربان	۴۶۰	۱۸	کے	کہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۶۸	۶	نظر دوستاں	نظر بر دوستاں	۴۷۶	۲	ے	ہے
۴۷۱	۱	عحب	عجب	۴۷۶	۱۸	سوے	سوِ
۴۷۵	۱۰	ہیں	؍؍				

نوٹ:۔ صـ۴۷۴ و صـ۴۷۵ پر (۱۱) اشعار مکرر آگئے ہیں۔

حصہ دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸۵	۶	تو	×	۵۱۲	۵	بادہ باد	بادا باد
۴۹۲	۱۰	پُر آذر	پُر از زر	۵۱۶	۱۴	دل کی ضرور	دل کی کوئی ضرور
۴۹۳	۱۸	۱۳۱۰ھ	۱۳۱۸ھ	۵۲۱	۱۹	رخ آتے	رخ پر آتے
۴۹۵	۱۳	ہو	ہوں	۵۲۶	۵	چشم	حشم
۴۹۹	۲	یہ	بہ	۵۳۶	۹	بٹلرڈینگ	بٹلر و ریڈینگ
۵۰۱	۴	بیاں	گماں	۵۳۶	۱۳	قدر منزلت	قدر و منزلت
۵۰۴	۱۴	خدا	فدا	۵۳۶	۱۸	ذات	رات
۵۰۸	۲	پڑھایا	بڑھاپا	۵۳۷	۱۹	.	۱۹۲۲ء
۵۰۹	۱۱	ابر وامن	ابر نیساں	۵۳۹	۱۹	کہ رراستی	کہ راستی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٥٤٤	٣	تیرادھار	تیرا ادھار	٦١٠	٩	ن	میں
٥٥٥	٧	ایک	اک	٦١٤	٨	چمک	چہک
٥٥٩	٣	دددھ بھر	دو دوپہر	٦١٨	٦	ہیں	یونہی
٥٦٠	٣	ہٹ گیا	بٹ گیا	٦٢٦	١٥	ہی	×
٥٦٠	٤	اب ہے	ہے اب	٦٤١	٣	×	سنہ ١٣٢٣ھ
٥٦٧	١٠	شباب	شراب	٦٤٤	١٧	١٣ھ	سنہ :
٥٦٨	٨	١٢٥١ھ	١٣٥١ھ	٦٤٨	١٣	م	٢
٥٧٠	٢	بجا	بیجا	٦٤٩	١١	١٣٢٧ھ	١٣٣٧ھ
٥٧٦	٤	پھٹتے ہیں	پو پھٹتے	٦٥٩	١٦	.	سنہ :
٦٠٠	١٨	گلالی	گالی	٦٦٤	١٤	.	:
٦٠٤	٧	گیا	کیا	٦٦٥	١١	١٣٠٩ھ	سنہ :
٦٠٧	١٨	ال	مال				

ضمیمے

کیفیت ترتیب حصۂ دوم

از

جناب سید امیر احمد صاحب اثیم

قبلہ وکعبہ حضرتِ ریاض مرحوم قوم کے "لسان الملک" تھے تو میری بزرگِ خاندان۔ اس "مجموعہ کلام" کو ترتیب وتہذیب میں لاکر میں روحانی فرحت محسوس کرتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے اس نے مجھ سے وہ خدمت لی جو میرے لئے باعثِ فخر ہے اور جس کو بجا لاکر میں بقدرِ دسترس ایک حد تک اپنے فرائض منصبی سے سبکدوش ہوا۔

اس حقیقت کا واضح کر دینا ضروری ہے۔ جن غیر منظم کاغذات سے اس مجموعے میں مدد لی گئی زیادہ تر اُن کی شان کی تحریر یہ تھی کہ دیدہ زیب نظر فریب ہونے میں کلام نہیں مگر چلتی نہیں کھلتی نہیں۔

بہتیرے الفاظ مصرع کے مصرع سلسلے کے اشعار حذف ہیں اصل مجموعے کا تلف ہو جانا وہ نقصان ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

جس کے لئے آخری کوشش یہی ہو سکتی تھی کہ "اپنے فکر وقیاس" کو دخل دیا جائے۔ مجبوراً "خدا پر بھروسہ کرکے" میں نے ذہن ودماغ سے کام لیا جس کا "ذمہ دار" اصولاً مجھ ہی کو ہونا چاہئے۔

"املا" میں "مینائی طرز" اختیار کی گئی یہی "قبلہ مرحوم" کا "مذہب" ہے اور اسی پر اکثریت کے ساتھ محققین ومصلحین ادب وانشا کا اتفاق ہے۔

غلط ہے اگر سمجھ لیا جائے کہ قبا یہ مرحوم کا تمام کلام تدوین میں آگیا۔ کئی ایک غزلیں اور نظمیں میرے ذہن میں گھوم رہی ہیں جو انہوں نے مجھ کو سنائیں اور ان مجموعوں میں نظر نہیں آتی ہیں۔

جرائد قدیم میں اگر چھان بنان کی جائے ان کے وسیع دائرۂ احباب میں اگر خط و کتابت کی جائے ملک اور ملک کے اہلِ ذوق اگر توجہ فرمائیں ایک تیسرا چوتھا مجموعہ بھی مدون ہو سکتا ہے۔

ان کی "نثر" ان کی "نظم" سے بھی بلند پایہ سمجھی جاتی ہے۔ دیکھیں اس کی نوبت کب آئے اور یہ سعادت کس کو نصیب ہو۔ ۱۲

۸ر اپریل ۱۹۳۷ء

داستانِ دیوانِ ریاض

از

تلمذ حسین

۴۔ اگست شنبہ کا دن تھا میں حسبِ معمول چھ بجے کے بعد دفتر سے مکان آیا۔ صحن میں چھوٹی میز پر کچھ خطوط رکھے ہوئے تھے۔ پہلا کارڈ اُٹھایا۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا مکتوب تھا:

"مکرم۔ السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ۔

لیجئے آپ کے اور میرے ممدوح حضرت ریاضؔ خیرآبادی بھی چل بسے۔ ......"

بس اسی قدر پڑھا۔ مونڈھے کی تکیہ سے سر لگا کر کچھ دیر سناٹے میں پڑا رہا۔ نماز کا وقت آگیا تو اُٹھتے اُٹھتے بقیہ کارڈ پڑھا۔ مسجد کو گیا۔ نماز ادا کی، فاتحہ پڑھی، واپس آیا۔ ایک خیال تھا کہ دل و دماغ پر مسلط ہو گیا تھا۔ مولانا نے اپنے گرامی نامہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ "آپ اُن پر کچھ لکھئے ضرور۔" میں نے جواباً عرض کر دیا کہ "میں تو بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر اس کا لطف جب تھا کہ وہ ہوتے اور دیکھتے۔ اب تو کچھ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔" چند روز بعد مولانا ظفر الملک کا والا نامہ صادر ہوا اور موصوف نے بھی اسی قسم کی خواہش کی اور پھر مکرمی رئیس احمد صاحب نے بھی ایسا ہی خیال ظاہر فرمایا۔ مجبوراً چند الفاظ دیوان کے متعلق لکھتا ہوں مگر دل پر ایک بار محسوس کرتا ہوں۔ کسی رسالہ کسی اخبار میں حضرت مرحوم کی کوئی غزل طبع ہوتی تو سب سے پہلے اُسی کو

پڑھنا۔ اب یہ کیفیت ہے کہ کئی روز سے الناظر آیا ہوا رکھا ہے اس میں مرحوم کی آخری غزل طبع ہوئی ہے۔ کئی مرتبہ پڑھنا چاہا مگر نہ پڑھ سکا۔ صرف مقطع پر اکتفا کی :-

نشۂ مے سے جواں بنتے ہیں پیری میں ریاض
وقت ہے توبہ کریں اب قبر کا سامان کریں

کثیر الاحباب بہت لوگ ہوتے ہیں مگر حضرت ریاض کا وصفِ خاص یہ تھا کہ ہر مشرب، ہر طریق، ہر حیثیت کے لوگ ان کے احباب میں داخل تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بچے، جوان، بوڑھے سب ان سے یکساں بے تکلف رہا کرتے تھے حضرت مرحوم دس برس کی عمر میں اپنے والد (سید طفیل احمد مرحوم) کے ہمراہ گورکھپور آئے اور چالیس برس سے زیادہ مستقلاً گورکھپور میں رہے۔ میرے والد، چچا، ماموں ان کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں، اور وہ عمر میں ان سب سے بڑے تھے مگر اپنے والد کے دوسرے ہمنشینوں کے سامنے مجھے جس ادب و لحاظ کی ضرورت تھی حضرت ریاض کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی۔ ان سے ایک عجیب عقیدت و ارادت ہو گئی تھی۔ کچھ نثر بھی لکھ کر دکھایا کرتا تھا۔ ان کے اشعار عطر فتنہ میں چھپتے تو اسے محفوظ رکھتا۔ بچپن ہی میں ان کے بہت سے اشعار یاد ہو گئے تھے۔ عمر زیادہ ہوئی تو طبعاً ان کے دیوان کے دیکھنے کا خیال پیدا ہوا مگر دیوان تھا کہاں کہ دیکھتا دل میں یہ ولولہ پیدا ہوا کہ چھپنا چاہئے۔ مجھے واقعتاً معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے ان کے دیوان کے طبع کے لئے کن کن لوگوں نے تحریکیں کیں مگر قیاساً یہ سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی تحریکیں ضرور ہوئی ہوں گی اور حضرت مرحوم نے اپنی وسیع الاخلاقی سے تا حدِ پذیرائی کسی کو مایوس نہ کیا ہوگا مگر میرے دیکھتے دیکھتے متعدد اصحاب دیوان کی صورت

دیکھنے کی حسرت لئے ہوئے دنیا سے اُٹھ گئے اور آخر خود حضرت مرحوم کا بھی یہی حال ہوا۔

مجھے سب سے پہلے ان کے دیوان کے طبع کا خیال ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوا۔ میں علیگڈھ میں پڑھتا تھا۔ امتحان دے کر مکان آیا تھا۔ حکیم برہم مرحوم کے وہاں مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور یہ رائے قرار پائی کہ سو اشخاص ایسے ہو جائیں جو پندرہ روپئے فی جلد دینا منظور کریں تو طبع کا سامان ہو جائے۔ چند روز کے اندر بہت سے لوگوں نے نام لکھ دیے مگر یہ انتظام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا کیونکہ اہم سوال روپیہ کا نہیں تھا بلکہ اہم سوال یہ تھا کہ حضرت مرحوم دیوان مرتب کر دیں۔ اسی اثنا میں کچھ حالات ایسے پیش آئے کہ کئی برس تک نہ حضرت مرحوم اس طرف توجہ کر سکے نہ اُن کے احباب نے توجہ دلانا مناسب سمجھا۔ ۱۹۱۴ء میں پھر اس طرف خیال رجوع ہوا۔ مرحوم مہاراجہ محمود آباد کو اصرار تھا کہ دیوان ممدوح کی طرف سے ریاست کے مطبع میں طبع ہو۔ اہلِ گورکھپور اپنا حق جتاتے تھے کہ ریاض کی شاعری کا نشو و نما گورکھپور میں ہوا دیوان گورکھپور میں چھپنا چاہئے لکھنؤ کے تعلق سے خان بہادر سید احمد حسین صاحب کا قدم بھی درمیان میں آ گیا تھا۔ ریاست محمود آباد میں طبع دیوان سے حضرت مرحوم خود گھبراے ہوئے تھے۔ اول تو حضرت مرحوم کا خیال تھا کہ دیوان بہت ہی اعلیٰ درجے کا طبع ہو اور ریاست کے مطبع میں یہ ذرا دشوار تھا۔ دوسرے مہاراجہ مرحوم دیوان میں کچھ حذف و اسقاط بھی چاہتے تھے۔ ارشاد ہوا تھا کہ دیوان مجھے دیجئے اس پہ نظر کروں اور بعض اشعار کو خارج کر دوں۔ حضرت مرحوم نے اپنی طبعی خوش خلقی اور ہمہ گیر دلجوئی سے

عرض کردیا کہ حضور کی زحمت فرمائی کی ضرورت ہی کیا ہے، یہ معلوم ہوجائے کہ
کس قسم کے اشعار کا حذف کرنا مدنظر ہے، میں خود اُس قسم کے تمام اشعار کو خارج
کردوں۔ مثالاً یہ شعر بتایا گیا ؎

کسی سے وصل میں سنتے ہی جان سوکھ گئی	چلو ہٹو بھی ہماری زبان سوکھ گئی

حضرت ریاض تو سنتے ہی سناٹے میں آگئے مگر سخن بروفق مراد باد شاہان
بایدگفت' اظہار اتفاق کرکے چلے آئے۔ مجھ سے فرمایا کہ شعر تو شائع ہوچکا بلکہ
زباں زد ہوچکا' اب خارج کروں تو کیسے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ خارج بھی
کردیں گے تو میں اس قسم کے تمام اشعار کو یکجا کرکے ایک ضمیمہ شائع کردوں گا۔
ادھر حضرت مرحوم اس خلجان میں پڑے' اُدھر مہاراجہ بہادر قومی معاملات اور پھر
سرکاری ملازمت میں منہمک ہو گئے۔ طبع دیوان کی طرف چنداں خیال نہیں رہا۔
سمجھ لیا گیا کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

اب پھر گورکھپور کا نمبر آیا۔ حضرت مرحوم کا خیال ہوا کہ ایک خاص اڈیشن
بھی ہو اور جو لوگ پچاس روپئے دیں اُن کے نام اُس میں طبع ہوجائیں اور
اس قسم کے تمام نسخوں پر حضرت مرحوم دستخط بھی فرمادیں۔ فہرست کھلی' نام لکھے گئے'
میں نے ہاں لکھے' ارشاد ہوا کہ اتنا اور لکھ دو کہ ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔
یہ بھی لکھ دیا مگر کام کچھ آگے نہ بڑھا۔ اس مرتبہ سرگرم کار مولوی فاروق صاحب ایم۔
ایس۔سی اور سید جمشید علی صاحب رئیس تھے۔ یہ دونوں اصحاب کل مصارف اپنے
جیب سے ادا کرنے پر آمادہ تھے مگر دیوان اب بھی پردۂ خفا سے عرصۂ شہود پر نہیں
آیا۔ ایک طرف سے تقاضا اور دوسری طرف سے وعدہ ہوتا رہا تاآنکہ یہ معاملہ بھی

سست سا پڑ گیا اور اس میں کچھ وقت اس وجہ سے بھی لاحق ہوئی کہ حضرت مرحوم کا قیام خیر آباد میں رہا کرتا تھا اور طباعت کے کام کو دیکھنے کے لئے بار بار گورکھپور آنے کی ضرورت ہوتی۔ مرحوم کی جوانانہ ہمت اگرچہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتی تھی مگر واقعاً عمر و صحت کے اعتبار سے اُن کا بار بار گورکھپور آنا دشوار تھا۔ ان کا رجحان اس طرف تھا کہ دیوان لکھنؤ میں طبع ہو کیونکہ خیر آباد سے لکھنؤ تک جانا قدرے آسان تھا۔

یہ خواہش بھی پوری ہو گئی۔ یاد سے تکلیف ہوتی ہے۔ میں جب حیدر آباد سے گورکھپور جاتا اور لکھنؤ میں قیام کا ارادہ ہوتا تو مرحوم کو مطلع کر دیتا۔ محض مجھ سے ملنے کے لئے خیر آباد سے لکھنؤ تک تشریف لاتے۔ ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء میں حیدر آباد سے لکھنؤ گیا اور مرحوم حسب عادت اپنی شفقتِ بزرگانہ سے تشریف لائے تو خان بہادر سید احمد حسین صاحب رضوی کے وہاں گفتگو ہو کر یہ قرار پایا کہ خان بہادر اپنی ذمہ داری پر دیوان طبع کرائیں۔ خان بہادر نہ صرف اخراجات برداشت کرنے بلکہ اہتمام کے لئے بھی آمادہ تھے اور اپنے وسیع اثرات و تعلقات کی وجہ سے بہترین انتظام کر سکتے تھے۔ میں کامل اطمینان کے ساتھ لکھنؤ سے گورکھپور گیا مگر سال گزر گیا اور عملاً کچھ نہ ہوا۔ دوسرے سال پھر یہی صورت پیش آئی اور پھر یہی قرار داد ہوئی مگر نتیجہ حسبِ بالا۔

آخر الامر قرعۂ فال گورکھپور ہی کے نام نکلا۔ حق یہ ہے کہ مرحوم اگرچہ گورکھپور سے چلے گئے تھے مگر گورکھپور سے ان کے تعلقات بدستور قائم تھے اور ان کا دل گورکھپور ہی میں لگا رہتا تھا۔

وہ گلیاں یاد آتی ہیں جوانی جن میں کھوئی ہے بڑی حسرت سے لب پر نامِ گورکھپور آتا ہے

واقعہ ہے میں جانتا ہوں اور بعض دیگر احباب بھی جانتے ہوں گے کہ مرحوم کی دلی تمنا یہ تھی کہ دیوان طبع لکھنؤ میں ہو مگر اشاعت گورکھپور ہی سے ہو اور گورکھپور کے اصحاب کی طرف سے ہو۔ آخر ۱۹۳۱ء میں خان بہادر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بیرسٹرایٹ لا اور مولوی رضوان اللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی نے کمر ہمت باندھی اور یہ تہیہ کر لیا کہ روپیہ بلا تاخیر نقد جمع ہو جائے۔ "حضرت ریاضؔ" کے دیوان کے لئے روپیہ کون نہ دیتا اور پھر ایسے دو اصحاب کی سرگرمی۔

غرض، ستائیس برس کی گفت وشنید اور وعدہ وعید کے بعد ۱۹۳۲ء میں یہ ہوا کہ حضرت مرحوم نے اوائل سنہ میں دیوان کا ابتدائی حصہ اور مئی تک بقیہ حصہ مرتب کر کے حوالے کر دیا۔ اگر میں یہ کہوں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس دیوان کے طبع کی فکر وکاوش میں ایک عمر گزار دی تھی ان کی جان میں جان آگئی۔

میں ۱۳ مئی کو گورکھپور پہنچا۔ حضرت مرحوم ۱۲ مئی کو تشریف لائے اور دس روز میرے ہی یہاں قیام فرمارہے۔ میں ان دنوں اپنے ماموں (خان بہادر مولوی حمید اللہ صاحب) کی علالت کی وجہ سے پریشان تھا۔ سارا وقت ممدوح کے وہاں گزرتا۔ دن میں بارہ ایک بجے اور شب میں دس گیارہ بجے آتا۔ مرحوم سے جی بھر ملنے کا موقع نہ ملتا تھا مگر حضرت مرحوم کی موجودگی تحرک کے لئے کافی تھی۔ قدردانان ریاضؔ دیوان کے مراحل طے کرتے رہے۔ منشی علی حسن صاحب کتابت کے لئے تجویز ہوئے اور منشی دین محمد صاحب طباعت کے لئے۔ حضرت مرحوم دیوان دورنگ میں چھپوانا چاہتے تھے یعنی جدول سرخ ہو اور محض جدول نہ ہو بلکہ باریک انگوری بیل ہو۔ نمونہ طبع ہوا اور حضرت مرحوم نے پسند فرمالیا اور یہ طے ہو گیا کہ کام کا اجرا ہو جائے۔

دیباچۂ دیوان کے لئے مرحوم کا اصرار اور سخت اصرار تھا کہ دیباچہ میں لکھوں، مگر مجھے دو وجہوں سے عذر تھا۔ اول تو مجھے اپنی خرابی صحت کی وجہ سے یہ اطمینان نہ تھا کہ میں وقت پر کام کو پورا کر دوں گا، اور میں یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ میری وجہ سے ایک دن کی بھی تاخیر ہو۔ دوسرے میں اپنے طور پر ایک دوسری ہی تجویز قایم کر چکا تھا۔ خیال یہ تھا کہ ایک "خمریاتِ ثلاثہ" ترکیب دوں، جس کے اجزا ابو نواس، حافظ اور ریاض ہوں۔ میں ابو نواس اور حافظ کے نوٹ مرتب کر چکا تھا، صرف یہ انتظار تھا کہ حضرت مرحوم کا دیوان مدون ہو جائے تو اس میں سے اشعار کا انتخاب کروں۔ چونکہ اس رسالہ میں ریاض کے خمریات پر بحث لازمی تھی اس لئے میرا عذر یہ تھا کہ میں ایک ہی بحث کو دو جگہ نہیں لکھ سکتا۔ بہت رد و قدح کے بعد یہ قرار پایا کہ مولوی محمد فاروق صاحب ایم۔ ایس۔ سی ذاتی حالات لکھیں، مولوی سید محمد کامل حسین صاحب ایم۔ اے شاعری پر تبصرہ کریں اور جناب وصل بلگرامی صاحب اردو شعرا کے کلام سے حضرت ریاض کے کلام کا مقابلہ کریں۔ اواخر جون میں اس کامل وثوق کے ساتھ میں گورکھپور سے واپس ہوا کہ اب طبع دیوان کا سلسلہ جاری ہو جائے گا بلکہ یہاں تک انتظام کرتا آیا کہ جو اجزا طبع ہوتے جائیں وہ بلا تاخیر مجھے پہنچتے رہیں۔

لیکن قدرت کو ابھی کچھ اور ستم ظریفی کرنا تھی۔ جناب مولوی سبحان اللہ صاحب کی ذکاوت و فطانت پر ان کے تمام جاننے والے ایمان لائے ہوئے ہیں۔ آپ نے حضرت ریاض کے بعض اشعار میں کچھ ترمیمیں سوچیں یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ کو سوجھیں۔ اسی زمانے میں چند ترمیمیں مجھے بھی سنائی تھیں۔ اُن میں سے ایک

ترمیم یاد ہے۔ ریاض فرماتے ہیں:-

لاشہ ہے میرا یا مئے رنگیں کی موج ہے تربت ہے میری یا کوئی بوتل شراب کی

ترمیم ہوئی۔

لاشہ ہے میرا یا کوئی بوتل ہے سربمہر تربت ہے میری یا کوئی بھٹی شراب کی

اس میں شبہ نہیں کہ تشبیہ میں ترقی ہوگئی ہے مگر اس طرح کی ترمیموں سے سارا دیوان مبدل ہو جاتا تو وہ ریاض کا کلام نہ رہتا۔ حضرت مرحوم نے اس موقع پر بھی خلقی مروت سے کام لیا اور دیوان کو وقفِ اصلاح کرکے چلے گئے۔ مجھے سخت خلاف ہوا میں نے یہ کہہ دیا کہ اس دیوان میں ترمیم نہیں ہوگی یہ ممکن ہے کہ ترمیمات کا ایک ضمیمہ لگا دیا جائے۔ مشکل یہ ہوئی کہ ترمیم نہ آج ختم ہوتی ہے اور نہ کل۔ مجھ سے اور حضرت مرحوم سے برابر مراسلت رہی تین مہینے ہوئے کہ حضرت مرحوم نے پُرمعنی الفاظ میں یہ اطلاع دی کہ "مولوی صاحب نے جملہ قیود اُٹھا دیئے اور دیوان رضوان اللہ کے حوالہ کر دیا۔ دیوان آجائے تو لکھنؤ جا کر کتابت کا انتظام کروں"۔ کسی شاعر کے کلام میں ترمیم کی جائے اور وہ ترک ترمیم کو "قیود اٹھا دینے" سے تعبیر کرے، یہ حضرت مرحوم ہی کا اخلاق تھا۔

لیکن تدبیر کند بندہ وتقدیر کند خندہ۔ مولوی رضوان اللہ صاحب کچھ تردداتمیں گرفتار ہو گئے۔ دیوان کی روانگی میں تاخیر پہ تاخیر ہوتی گئی تا آنکہ خود حضرت مرحوم "چل بسے"۔ کاش مولوی سبحان اللہ صاحب کے ذہن میں ترمیم کا خیال نہ آیا ہوتا تو حضرت مرحوم کی زندگی میں دیوان اگر مکمل طبع ہو کر شائع نہ ہو جاتا تو اس کا ایک معتد بہ حصہ ضرور چھپ گیا ہوتا۔ دل کا کچھ بار ہلکا ہو جاتا۔ طبع دیوان کی

صورتیں جس طرح بنتی اور بگڑتی رہیں اُنھیں دیکھتے ہوئے ایک مرتبہ حکیم برہم مرحوم نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ "دیوان کا روپیہ بھائی صاحب کی قسمت کا نہیں ہے" یہ قول سچ ہو گیا۔ اسی تعویق اور لیت ولعل کے زمانے میں ایک مرتبہ حکیم صاحب مرحوم نے جھنجھلا کر یہ بھی فرمایا تھا کہ "آپ کا اور بھائی صاحب کا کوئی کام کبھی انجام کو نہیں پہنچے گا" میری حد تک تو یہ بالکل بجا ہے مگر "بھائی صاحب" کے معاملے میں اسی کی تشریح اس تمام بحث کی غرض وغایت ہے۔

ریاض الاخبار کے بند ہونے کے بعد حضرت مرحوم کے وسائل آمدنی بہت ہی محدود ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کے آخری پچیس سال جس عسرت اور ساتھ ہی جس خودداری سے بسر کئے وہ انکی زندگی کا ایک مابہ الامتیاز واقعہ ہے اور اس کی کیفیت اُن کے سوانح حیات میں روشن ہو گی۔ غالب کے فارسی کلام کی طرح وہ اپنے دیوان کی نسبت یہ بھی نہیں سمجھتے تھے کہ ع این مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن۔ ایک برس بھی پورا نہ ہوتا کہ ان کے دیوان کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آجاتی۔ مصارف طبع کی کسی وقت بھی دشواری نہیں تھی۔

پھر کیوں نہ اُنھوں نے اب سے پچیس برس قبل اپنا دیوان چھپوا کر اپنی زندگی آرام سے گزاری؟

یہ حیرت ہر شخص کو ہو گی، اور اس کا جواب تین لفظوں میں دیا جا سکتا ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے۔

جب حضرت مرحوم کی سوانح عمری لکھی جائے گی تو واضح ہو گا کہ ان کی زندگی نے دو سخت پلٹے کھائے۔ اُنیسویں صدی کے اواخر بلکہ بیسویں

ع حضرت مرحوم کو اُن کے اکثر احباب "بھائی صاحب" کہا کرتے تھے تا آنکہ اُنکے خورد بھی ویسا ہی کہتے تھے۔

صدی کے اوائل تک گورکھپور میں کچھ خوش وقت اصحاب باقی تھے۔ مولوی مجیب اللہ مرحوم (وکیل و وائس چیرمین مینوسپل بورڈ) اور بابو موہن سنگھ آنجہانی (سکرٹری مینوسپل بورڈ) ہر بزم کی روح رواں تھے۔ مرحوم مولوی احسان اللہ عباسی (وکیل و مصنف تاریخ الاسلام وغیرہ) کی رائے روشن تمام مہمات امور میں ستہ ضروریہ کی طرح لازم تھی۔ منشی چھوٹولعل متوفی (وکیل) اصحاب حل وعقد کے مسلّمہ صدر تھے۔ تبریک کے لئے خان بہادر منشی محمد خلیل مرحوم و مغفور (چیرمین مینوسپل بورڈ) کی برگزیدہ ہستی سایۂ فگن تھی۔ مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس کا عنوان شباب تھا۔ ہر طرح کی مبادرت کے لئے ذات موفور السرور کافی سے زیادہ تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسٹر سید حبیب اللہ بیرسٹر ایٹ لا گورکھپور میں جائنٹ مجسٹریٹ اور مصالح قومی وملکی کے لئے وقف تھے۔ جہاں اتنے اصحابِ خبرت وارباب فکرت جمع ہوں وہاں کسی اختراعِ دماغی کے بروئے کار آجانے میں کیا دیر لگتی ہے۔ رزولیوشن پاس ہوگیا کہ ایک کمپنی قائم کی جاے اور ایک روزانہ اخبار نکالا جائے اور منشی سید ریاض احمد صاحب معتمد و موتمن ہوں۔ اگر معاملہ یہیں تک رہتا تو باغلب وجوہ خیریت سے گزر جاتا مگر زمانہ جدید کی مطابقت اور عاقبت اندیشی کی کسر رہ جاتی لہذا اقرار پایا کہ کمپنی کی رجسٹری کرادی جاے۔ رجسٹری ہوگئی۔ کچھ روپیہ بھی جمع ہوگیا اور اخبار (صلح کل) کا اجرا عمل میں آگیا۔ جس شخص نے پولیس کی ملازمت اس طرح کی ہو کہ کبھی وردی نہ پہنی ہو اور ریاض الاخبار کے بقایا کی وصولی کی بہترین تدبیر یہ سمجھتا ہو کہ بقایا نہ وصول ہوگا تو اخبار میں نام شائع کردیا جائیگا اُس پر جب چھبیس (۲۶) رجسٹروں کی خانہ پُری کا بوجھ پڑ جائے گا تو انجام معلوم۔ ایک پلنگ تھا اور حضرت ریاض تھے۔ اُسی پر لکھنا اُسی پر کھانا اور اُسی پر سو رہنا۔ کسی شب میں

بستر بچھالیا کسی شب میں یہ بھی نہیں۔ بیمار ہوے اور سخت بیمار ہوے۔ ناچار اپنے بھائی سید نیاز احمد صاحب کے پاس فرخ آباد چلے گئے۔ گورکھپور سے یہ پہلی طولانی غیبت تھی۔ واپسی کے بعد پھر ان کی سابقہ حالت نے عود نہیں کیا۔ حکیم برہم مرحوم ۱۹۰۲ء میں گورکھپور آ گئے تھے۔ صُلح کل کے وہ اڈیٹر تھے فتنہ و عطر فتنہ حضرت ریاض نے انھیں دے دیا تھا۔ اب ریاض الاخبار کی اڈیٹری بھی انھیں کے سپرد ہوئی۔ ریاض الاخبار کی پالیسی میں کیا تغیرات ہوئے، صُلح کل پر کیا گردش پیش آئی، ان امور کے بیان کا یہ موقع نہیں۔ حاصل یہ کہ ۱۹۱۰ء میں حضرت ریاض نے گورکھپور کو خیرباد کہکر لکھنؤ کو اپنا مستقر قرار دیا۔ ریاض الاخبار کو بھی وہیں لے گئے اور کچھ دنوں بعد بند کر دینا پڑا۔

کاش صُلح کُل جاری نہ ہوا ہوتا یا جاری ہوا تھا تو حضرت مرحوم اُس کی مالی و انتظامی ذمہ داری اپنے سر نہ لیتے، اگر ذمہ داری لی تھی تو کمپنی کی رجسٹری نہ کراتے جس طرح ریاض الاخبار کا کام چلا رہے تھے اُسی طرح اس کا بھی کام چلاتے تو اُن کی پُرسکون زندگی کا خاتمہ نہ ہوتا، اور شاید ان کے آخر دم تک ریاض الاخبار گورکھپور سے جاری رہتا۔ ریاض الاخبار زمانہ کا ساتھ نہ دے سکتا مگر "ریاض" کے قدر داں اسے آنکھوں سے لگاتے رہتے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ حضرت ریاض گورکھپور سے ہجرت کرتے اور نہ اُن کا دیوان گُم ہوتا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مرحوم جب اپنا سامان لے کر گورکھپور سے جا رہے تھے تو راستہ میں اُن کا ایک بکس چوری ہو گیا اور دیوان اُسی بکس میں تھا۔ منکاپور اور گونڈہ کے درمیان ایسا ہوتا رہتا ہے کہ چور چلتی گاڑی کی پٹری پر چڑھ آتے ہیں۔

اور دروازہ کھول کر بکس گرا دیتے ہیں اور چلتی گاڑی پر سے کود جاتے ہیں۔
انٹر کلاس میں یہ واردات زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت ریاض کا وہ بکس جس میں دیوان تھا اسی طرح غائب ہوا۔ ایک مرتبہ خود میرا ایک بکس جس میں کاغذات تھے اسی طرح جاتے جاتے بچ گیا۔ چور نے دروازہ کھول کر بکس کھینچا ہی تھا کہ ایک مسافر کی آنکھ کھل گئی اور اس کی آواز پر وہ شخص بکس کو چھوڑ کر ریل پر سے کود گیا۔ چالیس برس سے زائد کے سرمائہ حیات کے اس طرح ہاتھ سے جاتے رہنے کا حضرت ریاض پر کیا اثر پڑا ہوگا اس کا اندازہ دشوار ہے۔

جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ حضرت مرحوم اگرچہ سخت دلگیر تھے مگر کمر ہمت باندھی اور مختلف ذرائع و وسائل سے از سرِ نو دیوان جمع کرنا شروع کیا مگر قدرت کو ابھی ایک نیا کھیل کھیلنا تھا اور یہ مرحوم کی زندگی میں دوسرا پلٹا تھا۔

۱۹۰۹ء میں ایک ناکردہ گناہ کا الزامِ قتل میں ماخوذ ہونا' حضرت مرحوم کا پیروی مقدمہ میں دن کا رات اور رات کا دن کر دینا کچھ عجیب عالم تھا۔ میں اُس وقت اور اس حالت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جب مرحوم ایک نظم لکھ کر لائے:۔

موت آئے تو نہ معلوم ہو آنا اُس کا — جان جائے تو نہ معلوم ہو جانا اُس کا

دو شخصوں کو سزا ہو گئی۔ اپیل میں ایک کو رہائی ملی' دوسرے کی سزا تغیر کے ساتھ بحال رہی۔ چند برس بعد اس کی بے قصوری بھی ثابت ہوئی اور اُسے بھی رہا کیا گیا مگر اُس سے حضرت مرحوم کی زندگی میں ایک اہم تغیر واقع ہوا۔ حضرت مرحوم مذہب کے پابند تو ہمیشہ سے تھے مگر ظاہر ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگ انھیں صرف شاعر قال نہیں بلکہ

شاعر حال سمجھتے تھے:۔

ہے ریاض اِک جوان مست خرام　　نہ پئے اور جھومتا جائے

اب ہوا میں اُڑتی ہوئی مونچھوں پر قصوا الشوارب کی قینچی چل گئی اور مُنڈی ہوئی ڈاڑھی پر عضوا اللحیہ کا حکم نافذ ہوگیا۔ ان کے چہرے پر جب اس گیاہِ سیمیں کی پرورش ہو رہی تھی کچھ دنوں مجھ سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا جب اس نورانی شکل کے ساتھ تشریف لائے تو میں نے حیرت کے ساتھ اُن کی طرف دیکھا۔ دوسرے تیسرے روز غزل پہنچی ع بنالی رفتہ رفتہ ہم نے بھی صورت فرشتوں کی ان کی شاعری پر بھی اس کا اثر پڑا۔ ایامِ جوانی میں فرمایا تھا کہ:۔

شرماؤ ریاض میکشی سے　　لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

مگر یہ صرف شاعری تھی داڑی نہیں تھی لیکن آخر زمانے میں جب یہ ارشاد ہوا کہ:۔

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں بایں ریش سفید　　ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

نورِ ریشِ سفید" "نور کی شکل" محض شاعری نہیں رہی۔

غرض صحت، حالت، خیالات، ہر اعتبار سے ۱۹۱۰ء کے ریاض ۱۹۰۲ء کے ریاض نہیں رہے۔ اگر کچھ قدر مشترک تھا تو بس اتنا کہ ان کی چلبلی طبیعت اور زندہ دلی میں فرق نہیں آیا اور شاعری کو انھوں نے خیرباد نہیں کہا۔

منشی امیر اللہ تسلیم کے حالات میں کسی موقع پر محبی سید فضل الحسن حسرت موہانی نے لکھا تھا کہ منشی صاحب مرحوم نے ایک داستان نظم کی تھی، وہ گم ہوگئی۔ آپ نے کمال استقلال سے فرمایا کہ "خیر ایک پیسے روز کا تیل اور سہی ایک داستان میں تو یہ ممکن ہے، لیکن دیوان غزلیات جو مدت العمر کا سرمایہ ہو وہ پیسے روز کے تیل سے نہیں مہیّا

ہو سکتا۔ لوگ طبع دیوان کے تقاضے کرتے تھے حضرت ریاض وعدے کرتے رہتے تھے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۰۸ء سے سنہ ۱۹۱۱ء تک کی تین برس کی گردش کے بعد جب اُنھیں ذرا سکون حاصل ہوا تو اُنھوں نے از سرِ نو دیوان جمع کرنا شروع کیا۔ ان کی کوئی غزل ایسی تو تھی نہیں جو کہیں نہ کہیں شائع نہ ہو چکی ہو مگر اُن اخباروں اور رسالوں کا ملنا دشوار تھا۔ اسی سلسلہ میں اُنھوں نے بہت سی غزلیں ایسی بھی کہیں جو محض تکمیل دیوان کی ضرورت سے کہی گئی تھیں سنہ ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء تک اُنھیں اس معاملہ میں معذور سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کے بعد جو تاخیر ہوئی وہ محض دو وجہوں سے ہوئی۔ اول یہ کہ وہ اپنے دیوان کو زائد از ضرورت مکمل بنانا چاہتے تھے، دوسرے طباعت کے متعلق اُن کے خیالات اس قدر بلند تھے کہ کسی مطبع کا اُن سے عہدہ برآ ہونا ذرا دشوار تھا۔ ایک مرتبہ تو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دیوان جرمنی میں طبع ہونا چاہئے۔ اگر یہ دو خیالات حائل نہ ہوتے تو اُن کا دیوان اب سے سات آٹھ برس قبل طبع ہو جاتا اور بعد کے اڈیشن میں اضافے ہوتے رہتے لیکن سچ جو کچھ ہوا حضرت مرحوم کی عمر، اُن کی صحت، اُن کے آلام و افکار کو دیکھتے ہوئے ان کا مسلسل بیس برس تک دیوان کے اجزائے متفرقہ کے جمع کرنے، ترتیب دینے اور کمیوں کے پورا کرنے میں منہمک رہنا ایک مافوق الطاقت واقعہ ہے۔ ہزار آفریں اُن کی ہمت پر اور صد ہزار آفریں ان کے ثبات واستقلال پر کہ انہوں نے اس کام کو انجام کو پہنچا دیا۔ وہ خود منتفع نہیں ہوئے مگر اُردو ادب کو لازوال نفع پہنچا گئے۔ اگر خود مرحوم نے اس قدر تکلیف برداشت کر کے دیوان کو مرتب و مدون نہ کر دیا ہوتا تو "ریاض کا کلام" صرف اُن

چند غزلوں کا مجموعہ رہ جاتا جو تاجران کتب جمع کرکے ردی کاغذ پر چھاپ دیتے۔ مجھے توقع ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت دیوان کا کام ہے۔ اُن کے لئے یہ حادثۂ جاں کاہ تازیانے کا کام دے گا اور دیوان جلد از جلد طبع ہوکر روشناس عالم ہوگا۔ انشاء اللہ القدیر۔

آخرین مرحلہ طبع دیوان

از

جناب مولوی سید رضوان اللہ صاحب
بی۔اے۔ ایم۔ ال۔ اے

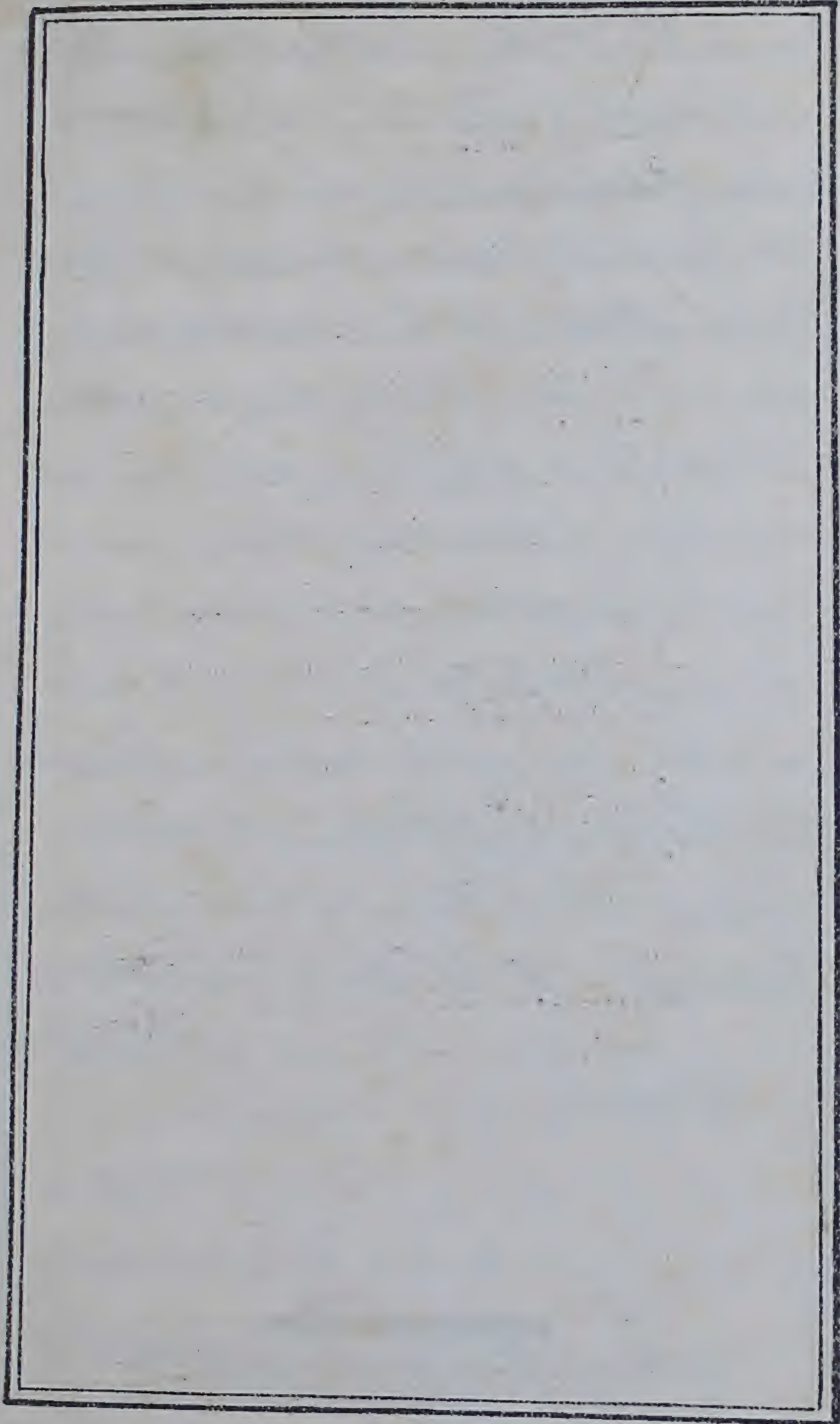
بحمد اللہ کہ مجھ ناچیز کی سعی میرے محترم بزرگ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے کی مخلصانہ ہمدردی اور کاوش کی بدولت کامیاب ہوئی۔ محترمی حضرت ریاض مرحوم کے کلام کی طباعت اور اشاعت کا مسئلہ غالباً میرے شعور سے پیشتر ان کے احباب میں اکثر زیر غور رہا مگر باوجود جناب مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں بہادر مرحوم (والئے محمود آباد) ایسے مشفق اور والد محترم جناب سید مولوی محمد سبحان اللہ صاحب ایسے دوست کے پے بہ پے اصرار کے حل نہ ہوسکا۔ حسن اتفاق سے جولائی ۱۹۳۲ء میں گورکھپور میں آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں شرکت کی دعوت جناب ریاض صاحب مرحوم کو بھی دی گئی۔ یہ تو غالباً ان کے تمام جاننے والوں کو معلوم ہوگا کہ وہ عرصہ سے مشاعرہ میں غزل پڑھنا ترک کر چکے تھے۔ تاہم اُن کا جو مضبوط تعلق گورکھپور و اہل گورکھپور کے ساتھ رہا ہے اس کی وجہ سے ان کی شرکت گورکھپور کی بزم علم ادب میں ہمیشہ ضروری سمجھی گئی اور وہ بھی اپنی بزرگانہ شفقت سے ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔

چنانچہ مشاعرہ مذکور میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے اس موقع پر ایک صحبت خصوصی میں جس میں اکثر ان کے مخلص احباب شریک تھے ان سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ اپنے دیوان کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیدیں۔ انہوں نے نہایت خوشی سے اس کو منظور فرمایا اور اسی موقع پر یہ بھی طے ہوا کہ میں بہ مشورہ محترمی جناب خان بہادر محمد اسمٰعیل صاحب بیرسٹر (جو اس وقت ہائیکورٹ الہ آباد میں عہدۂ ججی پر فائز ہیں) دیوان کی طباعت و اشاعت کا کام انجام دوں۔ چنانچہ اس تجویز کے سلسلہ میں دیوان کو جناب حاجی جڑ بڑ شاہ صاحب سے مرتب اور صاف کرا کے جناب ریاض صاحب مرحوم نے ۳۰ جولائی ۱۹۳۲ء سے رفتہ رفتہ ایک ایک دو دو جز بھیجنا شروع کیا اور یہ سلسلہ فروری ۱۹۳۴ء تک برابر جاری رہا۔ اس دوران میں غزلیات کا حصہ تو کلیتاً مکمل ہو کر میرے پاس آگیا مگر وہ حصہ جو دیگر اصناف شاعری سے متعلق تھا وہ مکمل تو ضرور ہو گیا مگر اس پر نظر ثانی کی ضرورت باقی رہی اور اسی غرض سے وہ حصہ خود انہیں کے پاس رہا۔ افسوس کہ وہ صاف شدہ حصہ مجھے ان کی حیات میں نہ مل سکا اور فلک کج رفتار نے قبل اس کے کہ محترمی موصوف ہماری کاوشوں کو کامیاب دیکھتے انہیں ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا۔ اس سانحہ عظیم نے ہم سب کی ہمت پست کر دی لیکن ان کی یہ خواہش کہ دیوان ہمارے ہاتھوں سے شائع ہو سرگرمی قائم رکھنے کی باعث ہوئی۔ جہاں قدرت نے ریاض مرحوم کو ہم سے علیحدہ کیا وہاں ساتھ ہی ساتھ ان کے برادر عزیز محترمی سید نیاز احمد صاحب کو ہم میں پہنچا دیا جن کی مہربانی سے

ریاض صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ اور ان کے خلف اکبر سید انجم نے پورے طور پر بقیہ حصہ دیوان کو مرتب کر کے شائع کرنے میں کمال امداد فرمائی۔ اس طویل عرصہ میں بہت سی دشواریاں پیش آتی رہیں لیکن خدا کا فضل ہے کہ وہ ہماری کوشش میں حائل نہ ہوسکیں۔ اس میں شک نہیں کہ دیوان کی طباعت و اشاعت میں کافی توقف ہوا جس کے متعلق میں ان جملہ اصحاب سے معافی کا خواستگار ہوں جو حضرت ریاض مرحوم کے کلام سے لطف اندوز ہونے سے اب تک محروم رہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ گورکھپور میں طباعت کا خاطر خواہ انتظام ضرورت اور موقع کے مطابق نہ ہوسکا اور مجبوراً اس کام کی تمام تر ذمہ داری برادر محترم جناب قاضی تلمذ حسین صاحب پر ڈالنی پڑی اور آج مجھے مسرت ہے کہ انہوں نے مجھے ایک بہت اہم فرض سے سبکدوشی کا موقع دیا۔ میں ان تمام حضرات کا جنہوں نے مجھ کو اس سلسلہ میں مدد دی ہے اور بالخصوص جناب سید نیاز احمد صاحب اور جناب قاضی تلمذ حسین صاحب اور جناب محمد اسمٰعیل صاحب اور جناب حکیم عارف صاحب اڈیٹر شاہکار کا بیحد شکر گزار ہوں کیونکہ اگر ان سب حضرات کی توجہ اور امداد شامل نہ ہوتی تو مجھ جیسے حقیر سے اس فرض کی ادائگی غالباً ناممکن تھی۔

یکم جون ۱۹۳۶ء

کتبہٗ محمد شفیع الدین (کوہیری) تلمیذ جناب شیخ حسین صاحب شاہ آبادی



شعر مضمون من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

جان کو بقاے مسنہ فانی ہے لیکن جسم میں جب تک جان ہے اُسے بھی بقا ہے مجھ کو بوڑھے
ضعیف کو تازہ جان کی بڑی ضرورت چند روزہ بقا کے لیے تھی۔ خان بہادر مشیر
سمجھ کر مجھ کی نگاہ انتخاب آپ کو لیا۔ موتیم و محبت کے لحاظ سے مولانا نے شرف
منظوری و تکمیل مہر ثبت کر دی۔ مولانا کی روشن ضمیری کا اثر خان بہادر پر بھی کار فرما تھا
سمجھ ہر بیٹھا اور اس پر میرے تازہ مشیر مسلم وغیرہ بھی شریک ہیں
چھپا رہا وہ دراکہ جس کی ازل میں نمود تھی پہلی شعر یہ تھی نامہ زمانہ ب کی
بنرہ جات کے ربط باہمی کا نام و مقام ہے وہ میری خوش نصیبی سے خود بخود موجود تھی
آپ کے اور آپ کے خاندان کے اُن تمام حقوق سے جو مجھ پر آج میں ادا
ہوتا ہوئے ادا ہونا چاہتا ہوں اور اپنی تمام حقوق محفوظ کتابوں یا رکھنا چاہتا ہوں
میں نے اپنے دیوان کا نام " ریاض صبح اکن " رکھ دیا

اب دنیا بھگی تنہی ہے میری دنیا کے طلسمی چمن زار اور کلید سب آپ کو آگئی
کسی مسکینہ کسی نے منجانب کہنے کہ یہ سمجھ نے صرف ریاض کو پر کہا تھا
ریاض بعنوان میز سب آگئی۔ نہ صرف آپکو خاندان بلکہ تمام گھر کو محبور کر لی ضرور
کا نام انتہائی مسرت کا سبب ہوگا
اب میری حقوق محفوظ جو جاری کہہ دو ں امکانی رہو نہ ہو میں تھم لکھکر
پر تبیان کرنا میرا تما۔ میری ضرورتیاتِ زندگانی آپ کو پورا کرنا ہوگی جو آسانی
بخوشی خاطر آپکو امکان میں ہوں۔ اور میری بعد میرے پس ماندگان نیں ہیں
کم سن بچے اور بس بیسیوں انکی ماں۔ آپ کے لائق اور سعید سب بھائی مذکورہ
حضرات میں بیٹا۔ دل آپکے شریک رہیں گے گو اسکے بعد ضرورت نہیں مگر عادتاً
ہوں کہ کو یہی تکلیف دیتا رہوں گا۔ گر تا سال دگر می کہ خوردہ زندہ ماند
چندان نے ریاض مرجان ڈالی ہی اسلیے یہ تحفہ مجھے کہنا چاہی
قسمت است سر حرجہ عالم دوام را

• اس کا ذکر وقت سے پہلے کسی سے نہ آئی تو اچھا مصلحت یہی ہے
دو خبرہ دیوان کے خان بہادر کے نام سے پہنچا جاتا تھا مگر اب آپ کے نام اسی حد کے
روز نہ بھی دیتا ہوں۔ خان بہادر کو لکھا دیجئے گا۔ کہ پنجم جزو پہنچ گئے میں انکو خبر کر دوں

کرمہ آپ کا ریاض = ۲۶ اگست ۳۳ء
